جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

صحابہؓ کے نادر اور انوکھے واقعات
الدکتور عبد الرحمن رافت الباشا کی مشہور کتاب
صُوَرٌ مِن حیاۃِ الصحابۃ کا آسان اردو ترجمہ

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات

پسند فرمودہ
حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب
شیخ الحدیثؒ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ترجمہ وتلخیص
محمد حنیفؒ عبد المجید
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن

دار الھدیٰ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

75100117

کتاب کا نام .... صحابہ کے واقعات
ترجمہ و تلخیص: .... محمد حنیف عبد المجید

باہتمام .... احباب دار الہدیٰ

ملنے کے دیگر پتے

مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی	+92-21-32726509	سندھ
مکتبہ زید بن ثابت، گلشن اقبال کراچی	+92-21-34976339	
زم زم پبلشرز، اردو بازار کراچی	+92-21-32729089	
دار الاشاعت، اردو بازار کراچی	+92-21-32631861	
بیت القرآن، چھوٹی گھٹی حیدر آباد	+92-22-3640875	
مکتبہ بیت العلم، اردو بازار لاہور	+92-42-37112356	پنجاب
مکتبہ عائشہ حق، اسٹریٹ اردو بازار لاہور	+92-321-9233714	
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور	+92-42-37224228	
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی	+92-51-35771798	
دار الاخلاص، قصہ خوانی بازار پشاور	+92-91-2567539	خیبر پختونخوا
مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ	+92-81-2662263	بلوچستان

ناشر
مکتبہ دار الہدیٰ
شاہ زیب ٹیرس، میزنائن فلور، روم نمبر 8، اُردو بازار، کراچی
Ph : +92-21-32740099 Cell : +92-321-9271217

V.P کی سہولت موجود ہے۔ آج ہی آرڈر ناشر کے نمبر پر SMS کریں

بہترین تحفہ

محترم قاری! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے دوست کو بہترین تحفہ پیش کرے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے بہترین تحفہ کیا ہے؟

ایک مسلمان کے لیے بہترین تحفہ ”دین کا شوق، عمل کا جذبہ، اخلاق میں درستگی“ ہے۔ آپ یہ کتاب اپنے دوستوں...... رشتہ داروں کو ہدیتاً دے کر اس ”بہترین تحفہ“ کے حصول میں ان کے مددگار بن سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان باتوں پر بھی عمل کرنے والے بن سکتے ہیں۔

❶ اس حدیث پر عمل کرنے والے بن سکتے ہیں:

”تَهَادَوْا تَحَابُّوْا“ (موطا مالك: ص۷۰۷)

تَرْجَمَہ: ”آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے محبت بڑھے گی۔“

❷ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

❸ آپ خود بھی علم دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں، اس لیے یہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے۔

لہٰذا آپ یہ کتاب اپنے دوستوں...... رشتہ داروں کو تحفہ میں پیش کریں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو استطاعت دی ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق یہ کتاب لے کر مدرسہ یا اسکول یا محلہ کی لائبریری میں صدقہ جاریہ کی نیت سے رکھ دیں۔

هَدِيَّةٌ مِنْ .... Gift From

اِلٰی .... To

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

محترم قارئین! ہم نے اس کتاب میں حتی الامکان تصحیح کی پوری کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہ گزارش ہے خصوصاً اہلِ علم حضرات سے کہ اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں یہ غلطی باقی نہ رہے۔ ادارہ اس تعاون پر آپ کا بہت ممنون ہوگا اور آپ اس آیت کے مصداق بن جائیں گے۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (اَلْمَائِدَة: ۲)

ترجمہ: ”آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر۔“

اسی طرح آپ سے ایک گزارش یہ بھی ہے کہ آپ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں جن کے حالات آپ آگے پڑھیں گے اور مؤلف، مترجم اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی طرح بھی حصہ لیا ہو یاد رکھیں، اور خاص طور پر ان کے لیے دعائیں کریں۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الدَّارَیْنِ۔

— از —

احباب دارالہدیٰ

فہرستِ مضامین

تقریظ: استاذ الحدیث مولانا محمد انور بدخشانی صاحب دامت برکاتہم ۳۱
پیشِ لفظ ۳۳
آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟ ۳۷
حضرت سعید بن عامر جمحی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۳۹
حضرت خبیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت کا منظر ۳۹
حضرت خبیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جرأت واستقامت ۴۰
سعید بن عامر جمحی کے مسلمان ہونے کا سبب ۴۱
دنیا سے بے رغبتی ۴۲
سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا امیر المؤمنین کو نصیحت کرنا ۴۲
حمص کے گورنری کے لیے آپ کی نامزدگی ۴۳
سعید بن عامر کا نام غریبوں کی فہرست میں ۴۴
شکایات یا صفات ۴۶
سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ایک ہزار دینا کو صدقہ کر دینا ۴۹
فوائد ونصائح ۵۰
داعی کی موت بھی ذریعۂ ہدایت ہے ۵۰
ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہو ۵۰
ہر برائی سے بچنے کا طریقہ ۵۱
مذاکرہ ۵۱
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۵۲
تعارف ۵۲
قریش کی مخالفت اور حضرت طفیل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قبول اسلام ۵۲
قبیلے کے لوگوں کو اسلام میں لانے کی فکر ۵۵
حضرت طفیل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے کارنامے ۵۹
فوائد ونصائح ۶۲

مذاکرہ ۶۳

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۴

کسریٰ کے پاس دعوتِ اسلام لے کر جانا ۶۵

کسریٰ کی بدبختی ۶۶

حضور ﷺ کی پیشن گوئی ۶۷

حضور ﷺ سے کسریٰ کے قاصدوں کی گفتگو ۶۸

کسریٰ کے گورنر باذان کا مسلمان ہونا ۷۰

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیصرِ روم سے ملاقات ۷۰

فوائد ونصائح ۷۴

دینی شعائر کی بے حرمتی سخت پکڑ کا ذریعہ ہے ۷۴

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان لیتا ہے ۷۵

مذاکرہ ۷۵

حضرت عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷۶

حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام ۷۶

عمیر اور صفوان کی منصوبہ بندی ۷۶

عمیر کی مدینہ روانگی ۷۸

صفوان بن امیہ کا مکہ میں بے چینی اور انتظار ۸۲

قریش کو دعوتِ اسلام ۸۲

عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صفوان بن امیہ کو دعوت دینا ۸۳

فوائد ونصائح ۸۴

ایمان واعمال کی محبت اور کفر ونافرمانی سے نفرت کی دعا ۸۴

مذاکرہ ۸۴

حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸۵

تعارف ۸۵

مسیلمہ کذاب کی سرکوبی ۸۶

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے پر حملہ ۸۶

خوف ناک جنگ کا آغاز ۸۷

حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے خوفی ۸۹

بے مثال جوان مردی ۸۹

فوائد ونصائح ۹۱

ہمارا عزم ۹۱

ہم اپنے بھائی کی مدد کریں ۹۱

جرأت مندانہ زندگی اپنایئے ۹۱

مذاکرہ ۹۲

أُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۹۳

تعارف ۹۳

ہجرتِ حبشہ ۹۴

قریش کا ظلم وستم ۹۴

ہجرتِ مدینہ ۹۷

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ۹۸

"أَیِّمُ الْعَرَبْ" سے "اُمّ المؤمنین" ۱۰۰

فوائد ونصائح ۱۰۱

مذاکرہ ۱۰۲

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰۳

حضور ﷺ کے پیغام پر ثمامہ کا توہین آمیز رویہ ۱۰۳

حضرت ثمامہ کی گرفتاری اور قبولِ اسلام ۱۰۴

حضور ﷺ کے مبارک اور کریمانہ اخلاق ۱۰۴

شریعت کے موافق ادا کیا جانے والا پہلا عمرہ ۱۰۸

قریش حیرت زدہ رہ گئے ۱۰۸

قریش پر اقتصادی پابندی ۱۰۹

قریش کی حضور ﷺ سے شکایت ۱۰۹

اپنے قبیلے کو مسیلمہ کے کفر و فریب سے بچانے کی کوشش ۱۱۰

فوائد ونصائح ۱۱۲

مذاکرہ ۱۱۲

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۱۳
تعارف ۱۱۳
حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادتِ کبریٰ ۱۱۳
حضرت ابوایوب اور ان کی اہلیہ کا بے ادبی کے خوف سے رات بھر جاگتے رہنا ۱۱۴
حضور ﷺ کو تکلیف پہنچنے کے خوف سے کمبل میں پانی جذب کر لینا ۱۱۶
حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہمان نوازی ۱۱۷
احسان کا بدلہ احسان ۱۱۹
حضرت ابوایوب کا کنیز کے ساتھ حسنِ سلوک ۱۲۰
مجاہدانہ طرزِ زندگی ۱۲۱
آپ کی آخری وصیت ۱۲۲
فوائد ونصائح ۱۲۳
مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد ۱۲۳
اللہ کی ہر نعمت کی قدر کریں ۱۲۳
مذاکرہ ۱۲۳
حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۴
آپ کے اہلِ خانہ کا قبولِ اسلام اور آپ کی بے خبری ۱۲۴
عمرو بن جموح کا قرآن سن کر متاثر ہونا ۱۲۵
''مناۃ'' سے مشورہ ۱۲۷
مناۃ سے نفرت اور اسلام سے محبت ۱۲۸
جذبۂ ایمانی اور شوقِ شہادت ۱۲۹
جنت کا اشتیاق ۱۳۱
فوائد ونصائح ۱۳۲
نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ ہے ۱۳۲
دنیا اور آخرت کی کامیابی دین میں ہے ۱۳۳
مذاکرہ ۱۳۳
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳۴
تعارف ۱۳۴

ہجرت مدینہ ۱۳۴
آزمائش ۱۳۶
خوش خبری ۱۳۹
شہادت کے لئے دعا اور اس کی قبولیت ۱۴۰
فوائد ونصائح ۱۴۲
اسلام کا پہلا تبلیغی مرکز ۱۴۲
مذاکرہ ۱۴۳
حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۴۴
تعارف ۱۴۴
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب صورت اور وجیہ ترین انسان تھے ۱۴۴
اسلام قبول کرنے میں پہل کرنا ۱۴۵
جنگِ بدر کا عجیب واقعہ ۱۴۵
دیانت داری کا واقعہ ۱۴۷
بہادری اور شجاعت ۱۴۸
وفات ۱۵۰
حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند قیمتی نصائح ۱۵۱
فوائد ونصائح ۱۵۳
انسان صفات سے قیمتی بنتا ہے ۱۵۳
ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے خوش رہیے ۱۵۳
مذاکرہ ۱۵۴
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۵۵
تعارف ۱۵۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور حضرت عبداللہ کا قبولِ اسلام ۱۵۵
رازدانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب پانا ۱۵۷
علمِ تفسیر اور قرأت میں امتیازی حیثیت ۱۵۸
قرآن مجید کے علم میں آپ کا بلند مقام ۱۵۹
بلند ہمتی ۱۶۲

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۱۶۳
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی ۱۶۴
فوائد ونصائح ۱۶۵
یہ دنیا دارالاسباب ہے ۱۶۵
جسمانی صحت کی دیکھ بھال کرتے رہیے ۱۶۵
مذاکرہ ۱۶۶
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۶۷
سلمان فارسی کے اسلام سے پہلے کے حالات ۱۶۷
سلمان فارسی کی ابتدائی تربیت ۱۶۷
نصرانیت سے واقفیت اور اس سے محبت ۱۶۸
حق کی تلاش ۱۶۹
دینِ اسلام کا ظہور اور اس کی تلاش ۱۷۲
نبی اکرم ﷺ سے ملاقات ۱۷۳
فوائد ونصائح ۱۷۵
طلب سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے ۱۷۵
مذاکرہ ۱۷۶
حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۷۷
تعارف ۱۷۷
ابوجہل کا قتل ۱۷۷
رویّے کی تبدیلی ۱۷۸
جنگِ بدر کا بدلہ لینے والے لشکر میں عکرمہ کی شرکت ۱۷۹
غزوۂ خندق کے موقع پر بھاگنے میں کامیابی ۱۷۹
فتح مکہ کے موقع پر قتل کیے جانے کے ڈر سے یمن چلنا ۱۸۰
حضرت عکرمہ کی بیوی ام حکیم کا اسلام قبول کرنا ۱۸۰
حضرت عکرمہ کا اسلام قبول کرنا ۱۸۲
عکرمہ کے مسلمان ہونے پر حضور ﷺ کی خوشی ۱۸۳
حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں حضور ﷺ کی دعا ۱۸۵

جنگِ یرموک میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری اور شہادت کا واقعہ ۱۸۶
فوائد و نصائح ۱۸۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات رحمت ہی رحمت ہے ۱۸۸
ہر مسلمان دین کا داعی ہو ۱۸۸
مذاکرہ ۱۸۹
حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۹۰
آپ کے دورِ جاہلیت کا ایک انوکھا واقعہ ۱۹۰
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ۱۹۵
حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری اور وفات ۱۹۸
حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلی تمنا ۱۹۹
فوائد و نصائح ۱۹۹
ماں باپ کی خدمت کرنے کا صلہ ۱۹۹
مذاکرہ ۲۰۰
حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۰۱
تعارف ۲۰۱
قبولِ اسلام ۲۰۱
عدی بن حاتم کی بہن کی گرفتاری اور رہائی ۲۰۳
عدی بن حاتم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ۲۰۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پیش گوئیاں ۲۰۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا ۲۰۹
فوائد و نصائح ۲۱۰
ہم دین کیسے پھیلائیں؟ ۲۱۰
دعوت اور دعا ۲۱۰
دین اخلاق سے پھیلا ہے ۲۱۱
مذاکرہ ۲۱۲
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۱۳
تعارف ۲۱۳

ابوذر غفاری بتوں کی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے ۲۱۳
اپنے بھائی انیس کو مکہ بھیجنا ۲۱۳
مکہ مکرمہ کا سفر اور قبولِ اسلام ۲۱۵
''السلام علیکم'' کا لفظ سب سے پہلے ابوذر نے کہا ہے ۲۱۶
قریش کے سامنے کلمہ پڑھنا ۲۱۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ۲۱۸
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے قبیلے کو دعوت دینا ۲۱۸
مختلف جگہوں میں رہائش اختیار کرنا ۲۱۹
دنیا سے بے رغبتی ۲۲۰
فوائد و نصائح ۲۲۱
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین دین کے داعی ہوتے تھے ۲۲۱
ضرورت سے زائد اشیاء ضرورت مند کو ہدیہ کردیں ۲۲۲
مذاکرہ ۲۲۳
حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۲۴
تعارف ۲۲۴
حضرت عبداللہ کی شان میں وحی کا نازل ہونا ۲۲۴
مدینے کی طرف ہجرت اور مسجد نبوی کا مؤذن بننا ۲۲۶
جہاد میں شرکت ۲۲۸
فوائد و نصائح ۲۳۱
عزم و ہمت کا مظاہرہ کیجیے ۲۳۱
مذاکرہ ۲۳۱
حضرت مجزاۃ بن ثور السدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۳۲
ہرمزان سے جہاد کرنا ۲۳۲
تستر شہر کی فتح ۲۳۳
ایک شخص کا خفیہ راستے کی نشان دہی کرنا ۲۳۵
حضرت مجزاۃ کی شہادت اور ہرمزان کی گرفتاری ۲۳۷
فوائد و نصائح ۲۳۸

مسلمان بہادر ہوتا ہے …… ۲۳۸
بہادری محبوب صفت ہے …… ۲۳۹
مسلمان وعدہ خلاف نہیں ہوتا …… ۲۴۰
مذاکرہ …… ۲۴۰
حضرت اسید بن الحضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ …… ۲۴۱
حضرت مصعب بن عمیر کا لوگوں کو دین پر لانے کا جذبہ …… ۲۴۱
حضرت اسید بن حضیر کے قبولِ اسلام کا واقعہ …… ۲۴۳
حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن سے خصوصی لگاؤ …… ۲۴۵
فرشتوں کا تلاوت سننے کے لئے آنا …… ۲۴۵
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت …… ۲۴۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت …… ۲۴۸
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انصاف کی تصدیق …… ۲۴۹
وفات …… ۲۵۰
فوائد ونصائح …… ۲۵۰
دین کے لئے سفر کرنا صحابہ کی سنت ہے …… ۲۵۰
تربیت نرمی سے کرنی چاہیے …… ۲۵۱
مذاکرہ …… ۲۵۲
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما …… ۲۵۳
تعارف …… ۲۵۳
آپ کے ادب کے صلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاءِ حکمت …… ۲۵۴
حضرت ابن عباس کی حکمت کا ایک دل چسپ واقعہ …… ۲۵۵
حضرت ابن عباس کی عالمانہ گفتگو کا نتیجہ …… ۲۵۸
حصولِ علم …… ۲۵۸
علماء کی قدر وعزت …… ۲۵۹
علم حاصل کر کے اونچے مقام پر پہنچنا …… ۲۶۰
عوام کے لیے وعظ ونصیحت کی مجلسیں منعقد کرنا …… ۲۶۴
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبادت کا حال …… ۲۶۴

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ علمی ۲۶۵
وفات ۲۶۶
فوائد ونصائح ۲۶۶
باادب بانصیب ۲۶۶
محنت اور لگن سے کام کیجیے ۲۶۷
گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیجیے ۲۶۷
مذاکرہ ۲۶۸
حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۶۹
قبولِ اسلام کا واقعہ ۲۶۹
یزدجرد کے سامنے تقریر کرنا ۲۷۱
یزدجرد کا غصے میں جواب دینا ۲۷۳
حضرت نعمان کی امارت میں ایرانیوں سے جنگ ۲۷۵
حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگی حکمتِ عملی ۲۷۶
ایرانیوں کی شکست اور حضرت نعمان کی شہادت ۲۷۷
فوائد ونصائح ۲۷۸
جہاد کا مقصد دعوت دینا ہے ۲۷۸
مذاکرہ ۲۷۹
حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۸۰
تعارف ۲۸۰
رومی کہنے کی وجہ ۲۸۰
قبولِ اسلام ۲۸۲
عمار آپ کا کیا ارادہ ہے؟ ۲۸۳
مدینہ کی طرف ہجرت کرنا ۲۸۴
سفرِ ہجرت میں رکاوٹ ۲۸۵
ہجرت کے خاطر مال کو قربان کر دینا ۲۸۶
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں قرآن کا نزول ۲۸۷
فوائد ونصائح ۲۸۸

اللہ کے لیے مال خرچ کرنے کا جذبہ ۲۸۸
اللہ کی محبت پیدا کرنے والی دعا ۲۸۸
مذاکرہ ۲۸۹
حضرت ابودرداء انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۲۹۰
حضرت عبداللہ بن رواحہ کا ابودرداء کا بت توڑنا ۲۹۰
حضرت ابودرداء کا اسلام قبول کر لینا ۲۹۲
اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ۲۹۳
دنیا سے بے رغبتی ۲۹۵
لوگوں کو دین کی دعوت دینا ۲۹۶
لوگوں کو نصیحت کرنا ۲۹۸
آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی چند مفید نصیحتیں ۲۹۹
مسجد کو گھر بنا لینے کا مقصد کثرت سے مسجد آنا جانا ہے کہ دل مسجد میں اٹکا رہے ۳۰۰
حضرت عمر اور حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایمان افروز گفتگو ۳۰۱
وفات ۳۰۲
حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے متعلق ایک صحابی کا خواب ۳۰۳
فوائد ونصائح ۳۰۴
صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی محنت کا نتیجہ ۳۰۴
دین کی دعوت صدقۂ جاریہ ہے ۳۰۵
صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جیسا ایمان مطلوب ہے ۳۰۵
ایمان ویقین کو مضبوط کرنے والی دعا ۳۰۶
علماء اللہ سے ایسی روزی مانگیں ۳۰۷
اصلاح کا مناسب طریقہ ۳۰۷
مذاکرہ ۳۰۸
حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۳۰۹
حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بیش قیمت تحفہ پیش کرنا ۳۰۹
حضرت زید کے گم ہونے کے غم میں والد کا اشعار کہنا ۳۱۰
حضرت زید کا مل جانا اور اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کرنا ۳۱۲

زید کی خوش نصیبی ۳۱۳
حضور ﷺ کا زید کو اپنا بیٹا قرار دینا ۳۱۴
زید کس قدر خوش نصیب ہیں ۳۱۵
حضور ﷺ کی حضرت زید سے محبت ۳۱۵
واقعۂ شہادت ۳۱۶
فوائد و نصائح ۳۱۹
حضور ﷺ کی غلامی دین و دنیا کی سربلندی ہے ۳۱۹
مذاکرہ ۳۲۰
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۲۱
ولادت ۳۲۱
حضور ﷺ کی حضرت اسامہ سے محبت ۳۲۲
غزوات میں شرکت ۳۲۳
غزوۂ خندق ۳۲۴
غزوۂ حنین ۳۲۴
غزوۂ موتہ ۳۲۴
کم عمری میں رومیوں سے جنگ کرنے والی فوج کی قیادت سنبھالنا ۳۲۵
میرے امیر! خوش آمدید ۳۲۸
فوائد و نصائح ۳۲۸
چھوٹی عمر میں دین کی خدمت کا جذبہ ۳۲۸
مذاکرہ ۳۲۹
حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۳۰
حضرت زید بن عمرو کا قریش کو توحید کی دعوت دینا ۳۳۰
دین ابراہیمی کی تلاش ۳۳۱
غزوات میں شرکت ۳۳۳
جنگِ یرموک ۳۳۳
اروی بنت اویس کا نابینا ہو جانا ۳۳۵
فوائد و نصائح ۳۳۷

والدین کی دعائیں مقبول ہیں ۳۳۷
والدین کے لئے یہ دعائیں مانگیں ۳۳۷
مظلوم کی آہ سے بچیے ۳۳۸
مذاکرہ ۳۳۸
حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۳۹
آپ کا بچپن اور قبولِ اسلام ۳۳۹
جلاس کا آپ کو جھوٹا قرار دینا ۳۴۰
حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایمانی غیرت ۳۴۲
آپ کی دعا پر قرآن کا نزول ۳۴۳
فوائد و نصائح ۳۴۵
بچوں کو نماز کا پابند بنائیے ۳۴۵
مذاکرہ ۳۴۶
حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۴۷
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کو حمص کا گورنر مقرر کرنا ۳۴۷
ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ ۳۴۸
ایک آزمائش اور اس میں کامیابی ۳۵۱
وفات ۳۵۵
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر رنجیدہ ہونا ۳۵۶
فوائد و نصائح ۳۵۶
قناعت اختیار کیجیے ۳۵۶
مذاکرہ ۳۵۷
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵۸
تعارف ۳۵۸
اسلام میں پہل اور کافروں کی تکالیف پر صبر ۳۵۸
مدینے کی طرف ہجرت اور آپ کی خودداری ۳۵۹
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ۳۶۰
مال میں برکت ۳۶۱

اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا ۳۶۱
خصوصی شرف ۳۶۳
امہات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی خدمت اور ان سے حسن سلوک ۳۶۴
رسول اللہ ﷺ کی دعا کا اثر ۳۶۴
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی خصوصیات ۳۶۷
فوائد ونصائح ۳۶۸
شادی سنت کے مطابق کیجیے ۳۶۸
دنیا کی محبت دل سے نکال دیجیے ۳۶۹
مذاکرہ ۳۷۰
حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۷۱
آپ کی رسول ﷺ سے مشابہت ۳۷۱
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی کفالت میں لینا ۳۷۲
حبشہ کی ہجرت ۳۷۴
قریش کا اپنے دو آدمیوں کو حبشہ بھیجنا ۳۷۵
بادشاہ کے دربار میں وفدِ قریش کی حاضری اور سازش ۳۷۶
نجاشی کی عقل مندی ۳۷۷
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بادشاہ کے دربار میں حاضری ۳۷۷
حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بادشاہ سے ہم کلامی ۳۷۸
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کامیابی ۳۷۹
نجاشی کا قرآن سے متاثر ہونا ۳۸۰
عمرو بن عاص کی دوبارہ بادشاہ کے دربار میں حاضری ۳۸۱
دوسری مرتبہ کامیابی ۳۸۲
مدینہ منورہ کی طرف روانگی ۳۸۴
غزوۂ موتہ میں بہادری اور شہادت ۳۸۵
فوائد ونصائح ۳۸۸
دین کی خاطر ہجرت کرنا ۳۸۸
سچ بولنے میں ہی نجات ہے ۳۸۹

مذاکرہ ۳۹۰
حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۹۱
تعارف ۳۹۱
قبول اسلام کا قصہ ۳۹۲
کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرادیں ۳۹۶
غزوۂ حنین میں شرکت ۳۹۶
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوسفیان سے راضی ہونا ۳۹۸
عبادت میں مشغولیت ۳۹۸
وفات ۳۹۹
فوائدونصائح ۴۰۰
دینی دعوت کے ثمرات ۴۰۰
اللہ کو معاف کرنا پسند ہے ۴۰۱
مذاکرہ ۴۰۱
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۰۲
آپ کا قبول اسلام، ایک عجیب واقعہ ۴۰۲
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے ۴۰۳
آزمائش ۴۰۴
غزوۂ بدر میں شرکت اور بھائی کی شہادت ۴۰۶
غزوۂ احد میں شرکت ۴۰۷
ایرانیوں کے خلاف جہاد میں شرکت ۴۰۸
وفات ۴۱۰
فوائدونصائح ۴۱۰
بڑوں کی قدر کریں ۴۱۰
چھوٹوں پر شفقت کیجیے ۴۱۱
مذاکرہ ۴۱۲
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۴۱۳
تعارف ۴۱۳

غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ ۴۱۴
غزوۂ احد میں شرکت اور والد کی شہادت ۴۱۵
غزوۂ خندق میں دشمن کے حالات معلوم کرنا ۴۱۶
حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت ۴۲۰
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان تھے ۴۲۰
وفات ۴۲۱
فوائد و نصائح ۴۲۳
ایفائے عہد ۴۲۳
رازداری ۴۲۴
فرماں برداری ۴۲۴
مذاکرہ ۴۲۶
حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۲۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال ۴۲۷
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ۴۲۸
مدینہ منورہ میں مستقل رہائش ۴۳۰
قرآن مجید سے محبت ۴۳۱
جہاد میں سرگرمیاں ۴۳۲
وفات سے قبل کی تین نصیحتیں ۴۳۳
فوائد و نصائح ۴۳۴
علم قربانی سے آتا ہے ۴۳۴
قرآن پاک سے محبت کریں ۴۳۴
آخری دو سورتوں کی فضیلت ۴۳۵
مذاکرہ ۴۳۵
حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۴۳۶
تعارف ۴۳۶
بنو حنیفہ کے وفد کی دربارِ نبوی میں حاضری ۴۳۷
مسیلمہ بن حبیب کا دعویٰ نبوت ۴۳۸

مسیلمہ کا خط اور اس کا جواب ۴۳۸
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفتاری اور شہادت ۴۳۹
مسیلمہ کذاب کا قتل ۴۴۲
فوائد ونصائح ۴۴۳
ہدیہ دیتے رہا کیجیے ۴۴۳
بزدلی سے پناہ مانگتے رہیے ۴۴۳
بزدلی سے پناہ مانگنے کی دعا ۴۴۴
مذاکرہ ۴۴۴
حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۴۵
آپ کا اُمّ سلیم کو پیغامِ نکاح ۴۴۵
ابوطلحہ کو اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعوتِ دین ۴۴۶
نورِ اسلام سے منور ہونا ۴۴۷
ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غزوات میں شرکت ۴۴۸
غزوۂ احد کا واقعہ ۴۴۸
حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری ۴۴۹
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اللہ کی راہ میں باغ صدقہ کرنا ۴۵۰
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی مجاہدانہ تھی ۴۵۱
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری سفرِ جہاد ۴۵۲
فوائد ونصائح ۴۵۲
صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا داعیانہ جذبہ ۴۵۲
ہمارے جذبات کیا ہونے چاہئیں ۴۵۳
مذاکرہ ۴۵۳
اُمّ المؤمنین حضرت رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴۵۴
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ۴۵۴
حبشہ کی طرف ہجرت اور نجاشی کا قبولِ اسلام ۴۵۴
ایک مشکل امتحان اور اس میں کامیابی ۴۵۶
آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ نکاح ۴۵۷

نجاشی کے محل میں آپ ﷺ کا نکاح ۴۵۸
فوائد و نصائح ۴۶۰
پریشانیوں سے مایوس نہ ہوئیے ۴۶۰
مذاکرہ ۴۶۱
حضرت وحشی بن حرب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۴۶۲
حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی داستانِ شہادت ۴۶۲
وحشی کا مسلمان ہونا ۴۶۵
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مسیلمہ کذاب کو قتل کرنا ۴۶۷
فوائد و نصائح ۴۶۹
اللہ کی نعمتوں کی قدر کیجیے ۴۶۹
ہدایت کے لیے محنت شرط ہے ۴۶۹
معاف کرنا سیکھیے ۴۷۰
دوستی اور دشمنی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے ۴۷۰
مذاکرہ ۴۷۰
حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۴۷۱
ولادت ۴۷۱
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حضور ﷺ سے دوستی ۴۷۲
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اسلام میں پیچھے رہ جانے پر رونا ۴۷۲
حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سخاوت ۴۷۵
حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قناعت ۴۷۶
فوائد و نصائح ۴۷۷
گناہوں پر ندامت کرتے رہیے ۴۷۷
حاجتیں صرف اللہ سے مانگیے ۴۷۷
اپنا مال محتاجوں پر خرچ کرتے رہیے ۴۷۸
مذاکرہ ۴۷۹
حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۴۸۰
آپ کی چند اچھی صفات ۴۸۰

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرآن سے محبت ۴۸۱

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کا واقعہ ۴۸۲

مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں شرکت اور شہادت ۴۸۴

فوائد ونصائح ۴۸۵

نیک اعمال رغبت سے کیجیے ۴۸۵

ایمان واعمال کی محبت ورغبت کے لیے یہ دعا مانگیے ۴۸۶

مذاکرہ ۴۸۷

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۸۸

جنگِ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ ۴۸۸

علمی میدان کا انتخاب اور اس میں مہارت ۴۸۹

کتابت وحی کا منصب اور قرآن میں امتیازی خصوصیت ۴۹۰

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام ۴۹۳

وفات ۴۹۳

فوائد ونصائح ۴۹۴

صلاحیتیں دین پر لگائیے ۴۹۴

مذاکرہ ۴۹۵

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۹۶

خادمِ رسول ﷺ ۴۹۶

حضور ﷺ کی طرف سے خدمت کا صلہ ۴۹۷

ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلِ رشک دانش مندی ۴۹۸

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی ۵۰۰

آپ ﷺ سے صحابہ کی محبت ۵۰۱

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناراض ہونا ۵۰۳

فوائد ونصائح ۵۰۵

حضور ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے ۵۰۵

تواضع اختیار کیجیے ۵۰۶

حضور ﷺ کی سنتیں محبوب ہیں ۵۰۷

مذاکرہ ۵۰۷

حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۰۸

تعارف ۵۰۸

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ۵۰۸

ابو العاص کا اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا ۵۰۹

جنگِ بدر میں ابو العاص کی گرفتاری اور رہائی ۵۱۰

وعدے کی تکمیل ۵۱۱

ابو العاص کا قبولِ اسلام ۵۱۲

حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطری دیانت داری ۵۱۴

فوائد ونصائح ۵۱۵

دیانت دار بنیے ۵۱۵

مذاکرہ ۵۱۶

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۱۷

آپ کا سلافہ کے بیٹوں کو قتل کرنا ۵۱۷

سلافہ کا حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتقام لینا ۵۱۹

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے مثال جنگی مہارت ۵۲۰

مشرکین کی بدعہدی اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ۵۲۰

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت ۵۲۲

فوائد ونصائح ۵۲۳

اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے ہیں ۵۲۳

مذاکرہ ۵۲۴

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵۲۵

تعارف ۵۲۵

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش ۵۲۵

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسلام قبول کرنا ۵۲۶

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غزوۂ احد میں جرأت وبہادری ۵۲۷

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقامِ صبر ۵۲۸

غزوۂ خندق کے موقع پر دشمن کا قتل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۲۹
فوائد ونصائح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۱
دین پر قربان ہونے کا جذبہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۱
اللہ سے اجر کی امید پر صبر کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۱
مذاکرہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۲
📖 حضرت خباب بن ارت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۳
بچپن کے حالات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۳
ہدایت کی فکر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۵
اسلام کی خاطر مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۶
خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا جرأت مندانہ اقدام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۷
صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ساتھ قریش کا رویہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۷
بددعا کا دنیا ہی میں اثر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۳۹
حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ملاقات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۰
مال کا بہترین استعمال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۰
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سفرِ آخرت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۱
فوائد ونصائح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۲
اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۲
محنت کرتے رہیں اور مایوس نہ ہوئیے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۲
شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ظلم ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۳
مذاکرہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۴
📖 حضرت ربیع بن زیاد حارثی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۵
آپ کا حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نصیحت کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۵
شہر ''مناذر'' کی فتح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۶
سجستان فتح کرنے کا ارادہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴۹
ایرانی سپہ سالار ''پرویز'' سے صلح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۵۰
کتاب اللہ کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۵۰
وفات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۵۱

فوائد ونصائح ۵۵۲
اللہ کو سخاوت اور بہادری پسند ہے ۵۵۲
اللہ تعالیٰ ان صفات کو پسند فرماتے ہیں ۵۵۲
بزدلی سے بچنے کے لیے یہ دعا مانگیے ۵۵۳
موت ایک ہی مرتبہ آئے گی ۵۵۳
عامل، نجومی اور جعلی پروفیسروں سے بچیے ۵۵۳
حفاظت کے لیے مسنون اعمال اپنائیے ۵۵۴
جنات اور جادو کا خوف دل سے نکال دیجیے ۵۵۴
گناہوں سے توبہ کیجیے ۵۵۵
گناہوں کے وبال سے بچنے کی دو دعائیں ۵۵۵
مذاکرہ ۵۵۶
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۵۷
تعارف ۵۵۷
رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شوق ۵۵۷
رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر ۵۵۸
رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف ۵۵۹
یہودی تہمت لگانے والے جھوٹے لوگ ہیں ۵۶۰
جنت کی بشارت کا قصہ ۵۶۲
جنت کی بشارت ملنے کی وجہ ۵۶۳
فوائد ونصائح ۵۶۵
چند نصیحت آمیز اشعار ۵۶۶
انسانیت جہنم کے دہانے پر کھڑی ہے ۵۶۷
تہجد میں یہ دعا مانگا کیجیے ۵۶۸
وقت کی قدر کیجیے ۵۶۸
مذاکرہ ۵۶۹
حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۷۰
غارِ ثور کا واقعہ ۵۷۰

قریش کا رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری کے لئے انعام کا اعلان ۵۷۲
آپ کا انعام حاصل کرنے کے لیے نکلنا ۵۷۳
ایفائے عہد ۵۷۵
فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری ۵۷۶
آپ کا رسول اللہ ﷺ کی وفات پر غم گین ہونا ۵۷۸
حضور ﷺ کی پیشن گوئی کا سچ ثابت ہونا ۵۷۸
فوائد ونصائح ۵۸۱
عاجزی اختیار کیجیے ۵۸۱
مذاکرہ ۵۸۲
📖 حضرت فیروز دیلمی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۵۸۳
اسود عنسی کی چالاکی اور فریب ۵۸۳
حضور ﷺ کے خطوط ۵۸۴
اسود عنسی کے قتل کا منصوبہ ۵۸۵
اسود عنسی کا خاتمہ ۵۸۸
فوائد ونصائح ۵۸۹
کوشش رائیگاں نہیں جاتی ۵۸۹
مذاکرہ ۵۹۰
📖 حضرت ثابت بن قیس انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۵۹۱
نبی اکرم ﷺ کے خطیب ۵۹۱
رسول اللہ ﷺ کا آپ کو جنت کی خوش خبری دینا ۵۹۲
نبی اکرم ﷺ سے محبت کے باوجود آپ کی مجالس سے کنارہ کشی ۵۹۳
مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی میں شرکت اور شہادت ۵۹۵
آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ شہادت کے بعد وصیت کرنا ۵۹۶
فوائد ونصائح ۵۹۷
وصیت لکھنے کی فضیلت اور اہمیت ۵۹۷
صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ کے ہاں وصیت کا اہتمام ۵۹۸
اختیاری کمالات محنت سے حاصل کیجیے ۵۹۹

مذاکرہ ۶۰۰
حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶۰۱
تعارف ۶۰۱
ایک مفلس نوجوان سے شادی ۶۰۲
حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۶۰۲
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت ۶۰۲
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مشکل حالات میں دانش مندانہ رویہ ۶۰۳
حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غیرت ایمانی ۶۰۴
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اپنے بیٹے سے ایمان افروز گفتگو ۶۰۴
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت ۶۰۸
فوائد ونصائح ۶۰۹
گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائیے ۶۰۹
سخاوت اپنائیے ۶۱۰
صبح وشام مانگنے کی ایک پیاری دعا ۶۱۲
مذاکرہ ۶۱۲
حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۱۳
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ ۶۱۳
دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنا ۶۱۵
''زندہ شہید'' کا لقب ملنے کی وجہ ۶۱۶
طلحۂ خیر اور طلحۂ جود کے القاب ۶۱۹
فوائد ونصائح ۶۲۰
رشتہ داروں سے محبت کیجیے ۶۲۰
مذاکرہ ۶۲۱
حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۲۲
ابوہریرہ نام پڑنے کی وجہ ۶۲۲
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا قبول اسلام ۶۲۳
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور تحصیلِ علم ۶۲۴

لوگوں کو میراثِ رسول حاصل کرنے کی ترغیب ۶۲۵
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تحصیلِ علم کی خاطر بھوک برداشت کرنا ۶۲۷
آپ کی تواضع ۶۲۹
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا خوفِ خدا ۶۳۰
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اپنی والدہ کے ساتھ حُسنِ سلوک ۶۳۱
لوگوں کو اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ترغیب ۶۳۲
وفات ۶۳۲
فوائد و نصائح ۶۳۳
ہر حال میں شکر گزار رہیے ۶۳۳
شکر گزار بننے کے لیے یہ دعا مانگا کیجیے ۶۳۴
طالبِ صادق کبھی محروم نہیں ہوگا ۶۳۴
دعوت و تبلیغ کا فائدہ ۶۳۵
مذاکرہ ۶۳۵
حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۶۳۶
حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا منتخب کردہ امیر ۶۳۶
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قیادت میں لشکر کی روانگی ۶۳۸
اہلِ اہواز سے جہاد ۶۳۸
آپ کا امیر المؤمنین کی خدمت میں تحفہ پیش کرنا ۶۳۹
امیر المؤمنین کا ناراض ہونا ۶۳۹
فوائد و نصائح ۶۴۳
اپنی غلطی تسلیم کیجیے ۶۴۳
مذاکرہ ۱۴۴
حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۱۴۵
تعارف ۱۴۵
حضرت عمرو بن جموح کا قبولِ اسلام ۱۴۵
آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا علم سیکھنا اور سکھانا ۴۶
حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے آخری ملاقات اور یمن روانگی ۴۸

حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دیانت داری ۶۴۹
قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے ملک شام جانا ۶۵۰
وفات ۶۵۱
فوائد ونصائح ۶۵۲
صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی محنت عالمگیر محنت تھی ۶۵۲
فیصلہ کیجیے ۶۵۲
علم محنت سے آتا ہے ۶۵۴
امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے چند اشعار ۶۵۴
طالب علم ہونے کا مطلب ۶۵۵
مذاکرہ ۶۵۶
ماخذ ومراجع ۶۵۷

تقریظ

استاذ الحدیث مولانا محمد انور بدخشانی صاحب دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْدُ!

دنیاوی مشاغل ہوں یا دینی تعلیم وتدریس...... وعظ وتبلیغ ہو...... خواہ تصنیف وتالیف، غرض زندگی کے کسی بھی پہلو پر اور کسی بھی حیثیت سے کام کیا جا رہا ہو، اگر ان کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ...... تابعین و تبع تابعین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور اللہ تعالیٰ کے نیک ومقرب بندوں کے واقعات اور ائمہ امت کے علمی وعملی حالات کا مطالعہ بھی شامل کر لیا جائے، تو یہ خدمتِ دین اور عملِ صالح کے جذبات کو نئے سرے سے بیدار کرنے کا باعث بنتی ہے۔

اور تجربہ یہ ہے کہ صحابہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ...... تابعین اور تبع تابعین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى کے حالات اور ان کی روحانی حکایات وقصص کے مطالعے سے مقصدِ حیات کے تعین میں آسانی اور اِنابت وتوجہ الی اللہ حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ مذکورہ بالا تمام حضرات شریعت کے اصل مزاج، قرآن مجید اور حدیثِ نبویہ کے لبِ لباب اور علم و عمل کے ذوق سے بخوبی واقف تھے۔

اور ان واقعات میں دل چسپی کے بھی تمام پہلو موجود ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ عام سرگزشت...... سوانح حیات...... اور آپ بیتیاں...... دل چسپی سے خالی نہیں ہوتیں، چہ جائیکہ ایسے عظیم الشان انسانوں کے واقعات، جن کی فضیلت کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ہو، ارشاد باری ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لیے

---

[1] التوبۃ: ۱۰۰

ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کام یابی ہے۔"

اور جن حضرات کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"[1]

اور جن کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہو، وہ صحابہ جنہوں نے نورِ نبوت سے براہِ راست روشنی حاصل کی، اور جن کے زمانے کو اسلامی تاریخ میں خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ یہی وہ حضرات تھے جن کے توسط سے احادیثِ نبویہ ﷺ آج ہم تک پہنچی ہیں۔

(فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ)

بندے نے اس کتاب کا جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا، ماشاء اللہ تمام واقعات بے حد مفید...... دل نشین اور ان حضرات کے دور کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔

ہر مسلمان کے لیے ان واقعات کا مطالعہ بہت سود مند ہے...... ہر واقعہ دل میں ایمان کی حرارت کو مزید بڑھانے والا اور اللہ اور اس کے رسول کی خالص محبت پیدا کرنے والا ہے۔

مترجمین نے ان واقعات کی جمع و ترتیب اور ترجمے میں جس جاں فشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، اس کا صحیح اندازہ قارئین کو کتاب کے پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے، نیز کمپوزنگ اور اہتمامِ تصحیح بھی معیاری ہے اور واقعات کا طرزِ تحریر بھی سادہ مگر دل چسپ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مترجمین اور ملخصین کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان حضرات کو زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کے لیے موفق فرمائیں، اور اپنی رحمتِ خاصہ سے کتاب کو نافع اور مقبول بنادے۔

اور ان واقعات کو ہمارے لیے باعثِ تشجیع بنادے۔ اور دینِ اسلام و احکامِ اسلام کو روئے زمین پر عملاً قائم کرنے والا بنادے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
یکم جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

---

[1] بُخَارِيْ، كِتَابُ الْمَنَاقِب، بَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ۱/۵۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ہمارے اسلاف کے قصے ہماری اصلاح کے لیے انتہائی مفید و مؤثر ہیں، خاص کر ان اسلاف کے واقعات جنہوں نے ہمارے پیارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی صحبت اٹھائی اور اسی بنا پر صحابہ کہلائے (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ)۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات سے دل منور ہوتے ہیں...... شریعتِ محمدیہ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس پر چلنا آسان ہوتا ہے...... گم راہی سے حفاظت، ہدایت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے...... عقائد درست اور پختہ ہوتے ہیں، اور اخلاق سنور جاتے ہیں۔

اسی جذبے کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت پاشا کی تالیف
"صُوَرٌ مِّنْ حَیَاةِ الصَّحَابَه" کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس ترجمے میں چوں کہ ہمارے اوّلین مخاطب اسکول اور مدارس کے طلبہ و طالبات ہیں۔ اس لحاظ سے اس کو مزید آسان سے آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسی طرح ہر واقعے سے جو سبق مل سکتا ہے اس کو فوائد و نصائح کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے، اور ہر واقعے کے آخر میں "مذاکرہ" کے عنوان سے دل چسپ سوالات کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح کوشش کی گئی ہے کہ اس کو "درسی نما" بنایا جائے کہ اگر مدارس کے مہتمین حضرات اور اسکولوں کے پرنسپل صاحبان اپنے اداروں میں ہفتہ میں ایک دن اس کتاب کو درساً پڑھا لیا کریں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ طلبہ و طالبات کی تربیت بھی ہوتی رہے گی اور نوجوان نسل اپنے اسلاف اور اکابر کے کارناموں سے واقف بھی رہے گی۔

کسی بات کو اگر قصے کی صورت میں ذکر کیا جائے تو اس کے بہت سے فوائد ہوتے ہیں مثلاً:

① کسی بات کو قصے کے ذریعے سمجھایا جائے تو وہ ذہن میں زیادہ پختہ رہتی ہے اور انسانی ذہن کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔

② قصے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے ایک طرف تو انسان کی ذہنی تسکین ہوتی ہے، دوسری طرف اس کا ادبی ذوق پروان چڑھتا ہے۔

③ انسان کے اندر اپنی بات بہتر اور مؤثر انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔

④ سوچ اور فکر میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔

⑤ تجسس کے فطری جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔

⑥ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

⑦ قصہ سے بات جلدی سمجھ میں آتی ہے۔

⑧ ان تمام فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی دعوت اور تبلیغ کا کام زیادہ مؤثر اور بلیغ انداز میں کیا جاسکتا ہے۔[1]

اس کے علاوہ بزرگوں کے واقعات کی اہمیت کے متعلق بزرگوں ہی کے چند اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں:

(الف) امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

"اَلْحِكَايَاتُ عَنِ الْعُلَمَاءِ وَمَحَاسِنِهِمْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْفِقْهِ، لِأَنَّهَا آدَابُ الْقَوْمِ وَأَخْلَاقُهُمْ.

وَشَاهِدُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾[2]

وَقَوْلُهٗ سُبْحَانَهٗ: ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾"[3]

تَرجَمَہ: "مجھے علماء کے واقعات اور ان کے محاسن بہت فقہی مسائل سے زیادہ پسند ہیں، کیوں کہ ان سے اخلاق اور آداب کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں (جن سے ان پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے) جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے۔" اور اللہ کا یہ فرمان: "ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے۔"

(ب) حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

"اَلْحِكَايَاتُ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى، يُثَبِّتُ اللّٰهُ بِهَا قُلُوْبَ أَوْلِيَائِهٖ، فَقِيْلَ لَهٗ: هَلْ لِهٰذَا مِنْ شَاهِدٍ؟ قَالَ: شَاهِدُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ

---

[1] ماخوذ بتغیر قلیل از مقدمه قصص الحدیث: صفحه ۱۶

[2] انعام: ۹۰ [3] یوسف: ۱۱۱

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج ﴾''[۱]

تَرْجَمَہ: ''واقعات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے دوستوں کے دلوں کو تقویت عطا فرماتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا، کیا اس (بات) کی کوئی دلیل ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔''

(ج) حضرت سفیان بن عیینہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

''عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ.''

تَرْجَمَہ: ''نیک لوگوں کے تذکرہ کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔''

(د) حضرت محمد بن یونس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

''مَا رَأَيْتُ أَنْفَعَ لِلْقَلْبِ مِنْ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ.''[۲]

تَرْجَمَہ: ''میں نے نیک لوگوں کے تذکرے سے زیادہ کوئی چیز دل کے لیے فائدہ مند نہیں دیکھی۔''

اساتذہ سے مؤدبانہ گزارش:

1. اگر طلبہ و طالبات کو ایک ایک واقعہ ہفتہ بھر کے لیے دے دیں کہ اس کا مطالعہ کریں اور اس کا خلاصہ اپنی اپنی کاپیوں میں لکھیں۔
2. اساتذہ طلبہ سے واقعات سنیں یعنی طلبہ و طالبات کی استعداد کے مطابق ان سے کہلوائیں، خود اپنی زبان سے کہی ہوئی بات کا بھی دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔
3. دوسری زبانوں مثلاً: عربی، انگریزی میں اس کا ترجمہ کروائیں۔
4. نمونے کے طور پر کچھ سوالات ہم نے ہر واقعہ کے بعد لکھ دیے ہیں باقی خود اساتذہ و معلمات اپنی طرف سے لکھوائیں، اور طلبہ سے پوچھیں تو مزید دل چسپی اور توجہ سے طلبہ مطالعہ کریں گے۔

عاجزانہ درخواست!

اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں، مصنّفین اور مؤلفین کو یاد رکھیں جن کی کتب سے یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔

---

[۱] ھود: ۱۲۰

[۲] یہ تمام اقوال ''رسالۃ المسترشدین'' کے مقدمے صفحہ ۱۲ پر موجود ہیں۔

اسی طرح ترجمہ اور فوائد و نصائح وغیرہ کی تیاری میں جن علماء کرام نے تعاون فرمایا ہے ان سب کے لیے بھی دعا کریں اور راقم الحروف اور ان کے معاونین کے لیے بھی ضرور دعا کریں، خاص کر فرض نماز کے بعد۔ اس طرح آپ کو بھی فائدہ ہوگا اس لیے کہ حدیث شریف میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ"[1]

تَرْجَمَہ: "جو کوئی مسلمان اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے اس کے لیے دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے: تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔"

آخر میں نہایت ہی ادب سے اہل علم، اہل قلم اور تمام قارئین سے گزارش ہے کہ اغلاط کی ضرور نشاندہی فرمائیں اور ہر ایک تک یہ کتاب پہنچانے کی کوشش فرمائیں۔

اصلاح و دعا کا محتاج

محمد حنیف عبدالمجید

---

[1] مسلم، كتاب الذكر والدعاء، بَابُ فَضْلِ الدُّعَاءِ لِلْمُسْلِمِينَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ: ۳۵۱/۲

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

① یہ کتاب ان خوش نصیب اور باسعادت انسانوں کے حالات پر مشتمل ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت فرمائی اور جن کی براہ راست جناب رسول اکرم ﷺ نے تربیت فرمائی۔

پھر آگے جا کر پوری دنیا میں انہوں نے دین کو پھیلایا۔ ان کے حالات کا مطالعہ نہایت عظمت واحترام کے ساتھ کرنا چاہیے۔

② کتاب شروع کرنے سے پہلے وضو کرلیں ہوسکے تو دو رکعت نفل نماز پڑھ لیں اور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعے سے ہماری راہ نمائی فرمائے۔

اور جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات پڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان جیسا دین کو پھیلانے والا بنائے اور ہم سے دین کا کام لے۔

③ کتاب میں جہاں کہیں لفظِ اللہ آئے وہاں "جَلَّ جَلَالُہٗ" یا "تَعَالٰی" ضرور کہیں۔

اور جہاں کہیں حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک آئے وہاں
"صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ" ضرور پڑھیں۔

اس سے ہمیں دس نیکیاں ملیں گی ...... ہمارے دس گناہ معاف ہوں گے ...... اور ہمارے دس درجات بلند ہوں گے۔

اور اگر کسی صحابی کا نام آئے تو وہاں: "رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ" کہنا چاہیے۔
اگر دو صحابہ کا نام آئے تو "رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا" کہیں۔
اور اگر صحابہ کے ناموں کی تعداد دو سے زیادہ ہو تو
"رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ" کہنا چاہیے۔

④ ہر واقعہ پڑھنے کے بعد اس واقعے سے آپ نے جو خود سے سبق حاصل کیا ہے اسے علیحدہ کاپی میں لکھیے۔

پھر وہ واقعہ دوستوں کی محفل میں یا گھر والوں کی بیٹھک میں دو تین مرتبہ بیان کیجیے۔ آخر میں وہ سبق بیان کیجیے جو آپ نے متعلقہ واقعے سے سیکھا تھا۔

اس کے دو فائدے حاصل ہوں گے۔

پہلا فائدہ: آپ کی ذہنی استعداد بڑھے گی۔ آپ کے اندر بیان کا ملکہ پیدا ہوگا۔

دوسرا فائدہ: آپ غیر محسوس طریقے سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہوں گے۔

⑤ ہم نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں۔

یعنی اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے بل کہ محض اللہ تعالیٰ کی پہچان...... اس کی محبت...... مضبوط ایمان...... اور کامل یقین حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور ان کی اتباع کی نیت کرتے ہوئے مطالعہ کیا جائے اور دعا مانگتے رہیں کہ اے اللہ! جس طرح آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمایا ہمیں بھی قبول فرمالیجیے۔

اس طرح باادب اور سچی طلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری مدد کی جائے گی اور ایمان کی مضبوطی اور کامل یقین عطا کیا جائے گا۔

◆

حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ اَجَلُّ اشْتَرَى الْآخِرَةَ بِالدُّنْيَا وَ آثَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ عَلٰى سِوَاهُمَا" (المورخون)

ترجمہ: "سعید بن عامر نے دنیوی عیش وعشرت کے عوض آخرت کی زندگی کا سودا کرلیا اور تمام چیزوں کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کو ترجیح دی۔"

سعید بن عامر جمحی ان ہزاروں انسانوں میں سے ایک ایسا نوجوان تھا جو قریش کے سرداروں کی دعوت پر مکہ معظمہ سے باہر مقام تنعیم پر حضور ﷺ کے صحابی حضرت خُبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے آیا تھا، جن کو قریش نے دھوکے سے گرفتار کیا تھا۔

وہ اپنی بھرپور جوانی کی بنا پر لوگوں کو دھکیلتا اور اس میں سے اپنے لیے راستہ بناتا ہوا، ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے سردارانِ قریش کے پہلو میں جا کھڑا ہوا، جو اس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے۔

اس طرح اُسے اس بات کا موقع ملا کہ وہ قریش کے اس قیدی کو دیکھ سکے جو وہاں ہتھکڑیوں اور زنجیروں میں قید کر کے لایا گیا تھا۔ اس قیدی کو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان دھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے، تاکہ اسے قتل کر کے رسول اللہ ﷺ سے انتقام لے سکیں اور جنگِ بدر میں مارے جانے والے اپنے رشتہ داروں کا بدلہ چکا سکیں۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا منظر

جب یہ لوگ اپنے قیدی کو لیے ہوئے اس جگہ پر پہنچ گئے جو اس کی شہادت کے لیے بنائی گئی تھی، تو لمبے قد والا نوجوان سعید بن عامر ایک جگہ رک کر لوگوں کے درمیان سے حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھانسی کے تختے کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ وپکار اور شور کے درمیان سے ابھرتی ہوئی حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ پرسکون آواز سنی، جس میں انہوں نے فرمایا:

"إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَتْرُكُوْنِيْ أَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ مَصْرَعِيْ."

تَرجَمۃ: "اگر تم لوگ چاہو تو قتل سے پہلے مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔"
تو انہوں نے اُن کو مہلت دے دی۔

سعید نے دیکھا کہ حضرت خُبیب بن عدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قبلہ رو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔ آہ! کیسی حسین اور کتنی مکمل تھیں وہ دو رکعتیں۔

پھر اس نے دیکھا کہ حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قوم کے سرداروں کی طرف منہ کر کے کہہ رہے ہیں:

"وَاللّٰهِ لَوْ لَا أَنْ تَظُنُّوْا أَنِّيْ أَطَلْتُ الصَّلَاةَ جَزَعًا مِنَ الْمَوْتِ، لَاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الصَّلَاةِ ......"

تَرجَمۃ: "اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت سے ڈر کر نماز لمبی پڑھ رہا ہوں تو میں اور لمبی اور اطمینان والی نماز پڑھتا۔"

حضرت خبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جرأت واستقامت

پھر سعید بن عامر نے اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زندہ ہی حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مثلہ کر رہے ہیں، یعنی ان کے جسم کے اعضاء کو ایک ایک کر کے کاٹ رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں:

"أَتُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ مُحَمَّدٌ مَكَانَكَ وَأَنْتَ نَاجٍ ......؟"

تَرجَمۃ: "کیا تم (یہ بات) پسند کرو گے کہ اس وقت محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم (اس تکلیف سے) نجات پا جاتے؟"

تو حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے، جب کہ ان کے جسم سے بہت زیادہ خون بہہ رہا تھا یہ جواب دیا:

"وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ أَكُوْنَ آمِنًا وَادِعًا فِيْ أَهْلِيْ وَوَلَدِيْ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا يُوْخَزُ بِشَوْكَةٍ."

تَرجَمۃ: "اللہ کی قسم! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں ہے کہ میں امن وسکون کے ساتھ اپنے اہل وعیال میں رہوں اور ان کے (پاؤں کے تلوے میں) ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔"

یہ سنتے ہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کرتے ہوئے چیخنا شروع کر دیا۔

"مار ڈالو اِسے، قتل کر دو اِسے۔"

پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی نظریں آسمان

کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

"اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا. وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا."

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! انہیں ایک ایک کر کے گن، انہیں تباہی کا مزہ چکھا اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ۔"

پھر انہوں نے آخری سانس لیا اور شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کے جسم پر تلوار اور نیزوں کے بے شمار زخم تھے۔

سعید بن عامر جمحی کے مسلمان ہونے کا سبب

اس کے بعد قریش مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور بڑے بڑے واقعات و حادثات کو دیکھ کر حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی شہادت کے واقعہ کو بھلا بیٹھے، لیکن نوجوان سعید بن عامر جمحی حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومیت اور ان کے دردناک قتل کے اس تکلیف دہ منظر کو اپنے ذہن سے ایک لمحہ کے لیے بھی بھلا نہ سکا، وہ سوتا تو خواب میں ان کو دیکھتا اور جاگتے میں اپنے خیالات میں ان کو موجود پاتا۔

یہ منظر ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہتا کہ حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھانسی کے پھندے کے سامنے بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ کھڑے دو رکعتیں ادا کر رہے ہیں۔ اور اس کے کانوں میں ہر وقت اُن کی وہ درد بھری آواز گونجتی رہتی جب وہ قریش کے لیے بددعا کر رہے تھے۔ اور اُس کو ہر وقت اس بات کا ڈر لگا رہتا کہ کہیں آسمان سے کوئی بجلی یا کوئی چٹان گر کر اُسے ہلاک نہ کر دے۔

حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے سعید بن عامر نے وہ باتیں سیکھیں جو پہلے اس کے علم میں نہ تھیں۔ حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اس نے سیکھا کہ آدمی زندگی کے آخری سانس تک اسلام کو پھیلانے کی محنت کرتا رہے۔ اور یہ بھی سیکھا کہ پکے، سچے ایمان کی وجہ سے آدمی کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے۔

حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی وجہ سے سعید بن عامر کو ایک اور بڑی اہم حقیقت بھی معلوم ہوئی، کہ وہ شخص جس کے ساتھی اُس سے اِس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں کہ وہ واقعی برحق رسول اور سچا نبی ہے اور اسے آسمانی مدد حاصل ہے۔ (گویا حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سعید بن عامر کی ہدایت کا ذریعہ بنی)۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے سعید بن عامر کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کی ایک مجلس میں پہنچے اور وہاں کھڑے ہو کر انہوں نے قریش اور ان کے گناہوں سے اپنی بے تعلقی و نفرت اور ان کے جھوٹے خداؤں یعنی بتوں سے اپنی بے زاری کا اظہار کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

دنیا سے بے رغبتی

اس کے بعد حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور مستقل طور پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ رہنے لگے۔ اور غزوۂ خیبر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ رہے۔ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دنیا سے پردہ فرما گئے تو اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے خوش تھے۔

پھر حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دونوں خلفاء حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے ہاتھوں میں کھلی تلوار کی طرح ہر وقت دین کو پھیلانے والے بن گئے۔ اور انہوں نے اپنی تمام جسمانی اور دلی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا اور اپنی زندگی کو اس سچے مومن کی زندگی کا بے مثال نمونہ بنا کر پیش کیا جس نے دنیوی عیش و عشرت کے بدلے میں آخرت کی کامیابی کا سودا کر لیا ہو۔

سعید بن عامر جمحی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا امیر المؤمنین کو نصیحت کرنا

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے یہ دونوں خلفاء اُن کی سچائی اور تقویٰ کی وجہ سے اُن کی نصیحتوں کو بہت غور و توجہ سے سنتے اور اُن کی باتوں پر پورا پورا دھیان دیتے تھے۔ ایک بار وہ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دنوں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے اُن سے فرمایا:

"يَا عُمَرُ، أُوصِيكَ أَنْ تَخْشَى اللّٰهَ فِي النَّاسِ وَلَا تَخْشَ النَّاسَ فِي اللّٰهِ وَأَلَّا يُخَالِفَ قَوْلُكَ فِعْلَكَ، فَإِنَّ خَيْرَ الْقَوْلِ مَا صَدَّقَهُ الْفِعْلُ ......"

تَرجَمَہ: "اے عمر! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ لوگوں کے بارے میں (ہمیشہ) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں سے (کبھی) نہ ڈرنا اور یہ کہ آپ کی باتیں آپ کے کاموں سے مختلف نہ ہوں، بہترین بات وہی ہے جس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہو۔"

انہوں نے سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

”عمر! دور ونزدیک کے ان تمام مسلمانوں پر ہمیشہ اپنی توجہ برابر رکھیے جن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالی ہے اور ان کے لیے وہی باتیں پسند کیجیے جو آپ خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے پسند کرتے ہیں۔ اور حق کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرے سے کبھی نہ گھبرائیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی کی پرواہ نہ کیجیے۔“

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا:

”سعید! یہ سب کس کے بس کی بات ہے!!؟“

حضرت سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

”یہ آپ جیسے شخص کے بس کی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کا ذمہ دار بنایا ہے، جس کے اور اللہ کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہے۔“

حمص کی گورنری کے لیے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نامزدگی

اس گفتگو کے بعد خلیفہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے حکومت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں تعاون کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا:

”يَا سَعِيْدُ إِنَّا مُوَلُّوْكَ عَلٰى أَهْلِ (حِمْصَ).“

تَرْجَمَۃ: ”اے سعید! ہم تمہیں حمص شہر کا گورنر بنا رہے ہیں۔“

حضرت سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواباً عرض کیا:

”عمر! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے۔“

ان کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کچھ ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ تمہارا بھلا کرے!! تم لوگ حکومت کی بھاری ذمہ داریاں مجھ پر ڈال کر خود اس سے دور ہو جانا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! میں تم کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔“

پھر حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حمص کی گورنری ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

”کیا میں تمہارے لیے تنخواہ مقرر نہ کر دوں؟“

حضرت سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

”امیر المؤمنین! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، بیت المال سے جو وظیفہ مجھے ملتا ہے، وہ میری ضروریات

سے زائد ہے۔" یہ کہہ کر وہ حمص کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اہلِ حمص کے کچھ قابلِ اعتماد لوگوں پر مشتمل ایک وفد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے فرمایا:

"اُكْتُبُوْا لِيْ أَسْمَاءَ فُقَرَائِكُمْ حَتّٰى أَسُدَّ حَاجَتَهُمْ."

تَرْجَمَۃ: "مجھے اپنے فقراء اور حاجت مندوں کے نام لکھ کر دے دو تا کہ میں ان کی ضروریات پوری (کرنے کا کوئی بندوبست) کر دوں۔"

حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام غریبوں کی فہرست میں

وفد نے خلیفہ کے سامنے جو فہرست پیش کی اس میں تھا:

فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں اور سعید بن عامر۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حیرت سے پوچھا:

"سعید بن عامر! کون سعید بن عامر؟"

انہوں نے جواب دیا:

ہمارا گورنر۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مزید حیرت سے پوچھا:

"تمہارا گورنر! کیا تمہارا گورنر فقیر ہے؟"

وفد نے مزید وضاحت کی۔

"جی ہاں امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! کتنے ہی دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ ان کے گھر میں آگ نہیں جلتی[1]۔"

یہ سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رو پڑے۔ وہ دیر تک روتے رہے حتیٰ کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر وہ اٹھے اور ایک ہزار دینار ایک تھیلی میں رکھ کر اسے وفد کے لوگوں کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

"اِقْرَؤُوْا عَلَيْهِ السَّلَامَ مِنِّيْ، وَقُوْلُوْا لَهٗ: بَعَثَ إِلَيْكَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِهٰذَا الْمَالِ لِتَسْتَعِيْنَ بِهٖ عَلٰى قَضَاءِ حَاجَاتِكَ.."

تَرْجَمَۃ: "سعید سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ امیر المؤمنین نے یہ مال آپ کے لیے بھیجا ہے تا کہ

---

[1] یعنی کچھ پکتا نہیں۔

آپ اس سے اپنی ضرورتیں پوری کریں۔"

وفد کے لوگ دیناروں کی وہ تھیلی لے کر حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں پہنچے اور اُسے اُن کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے اس تھیلی اور اس میں رکھے ہوئے دیناروں کو اپنے سے دور ہٹاتے ہوئے کہا:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ."

جیسے ان کے اوپر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو گئی ہو۔ یہ آواز سن کر ان کی بیوی گھبرائی ہوئی ان کے پاس آئیں اور بولیں:

"مَا شَأْنُکَ یَا سَعِیْدُ! أَمَاتَ أَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ؟"

تَرْجَمَۃ: "سعید کیا بات ہے؟ کیا امیر المؤمنین کا انتقال ہو گیا؟"

حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِکَ."

تَرْجَمَۃ: "نہیں بل کہ اس سے بھی بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔"

بیوی نے سوال کیا:

"أأُصِیْبَ الْمُسْلِمُوْنَ فِیْ وَقْعَۃٍ؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا کسی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے؟"

حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

"بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِکَ."

تَرْجَمَۃ: "نہیں بل کہ اس سے بھی بڑی مصیبت آ پڑی ہے۔"

بیوی نے پوچھا:

"وَمَا أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِکَ؟"

تَرْجَمَۃ: "اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے؟"

حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پریشانی میں جواب دیا:

"دَخَلَتْ عَلَیَّ الدُّنْیَا لِتُفْسِدَ آخِرَتِیْ، وَحَلَّتِ الْفِتْنَۃُ فِیْ بَیْتِیْ."

تَرْجَمَۃ: "دنیا میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے۔ تاکہ میری آخرت کو تباہ کر دے اور (مال کا) فتنہ

میرے گھر کے اندر آ چکا ہے۔"

بیوی نے ہمدردانہ مشورہ دیا:

"تَخَلَّصْ مِنْهَا. وَهِيَ لَا تَدْرِيْ مِنْ أَمْرِ الدَّنَانِيْرِ شَيْئًا."

تَرجَمۃ: "اس سے چھٹکارا حاصل کرلو" ابھی تک وہ دیناروں کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھیں۔"

حضرت سعید رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ نے پوچھا:

"أَ تُعِيْنِيْنَنِيْ عَلٰى ذٰلِكَ؟"

تَرجَمۃ: "کیا تم اس معاملے میں میری مدد کرسکتی ہو؟"

بیوی نے جواب دیا:

"نَعَمْ."

تَرجَمۃ: "ہاں! (کیوں نہیں)۔"

پھر حضرت سعید رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ نے تمام دیناروں کو بہت سی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں رکھ کر انہیں غریب اور ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کروادیا۔

شکایات یا صفات

اس واقعے کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ شام کے دورے پر وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس دورے میں جب آپ حمص پہنچے[1]، تو جب اہلِ حمص خلیفہ سے سلام وملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلیفہ نے ان سے دریافت کیا:

"كَيْفَ وَجَدْتُمْ أَمِيْرَكُمْ؟."

تَرجَمۃ: "تم نے اپنے اس (نئے) امیر کو کیسا پایا؟"

جواب میں انہوں نے امیر المؤمنین کے سامنے حضرت سعید بن عامر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کی چار شکایتیں پیش کیں، جن میں سے ہر ایک شکایت دوسری سے بڑی تھی، حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ فرماتے ہیں:

"میں نے ان کو اور سعید کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ سعید کے متعلق میرے اچھے گمان میں کوئی کمی نہ آئے، کیوں کہ میں ان کے متعلق بہت اچھا گمان رکھتا تھا، جب شکایت کرنے والے اور ان کے

---

[1] اس زمانے میں حمص کو "کویفہ" بھی کہا جاتا تھا اس لیے کہ وہاں کے باشندے بھی اہلِ کوفہ کی طرح اپنے وزیروں اور گورنروں کی شکایتیں کرنے میں مشہور تھے۔

امیر سعید بن عامر، میرے پاس اکٹھے ہو گئے تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ تم کو اپنے امیر سے کیا شکایت ہے؟"

شکایت کرنے والوں نے کہا:

① "جب تک خوب دن نہیں چڑھ آتا یہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:

میں نے سعید سے دریافت کیا کہ سعید! تم اس شکایت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے:

اللہ کی قسم! میں اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر اب اس کو ظاہر کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادمہ نہیں ہے اس لیے میں صبح جلدی اٹھتا ہوں، گھر والوں کے لیے آٹا گوندھ کر ذرا انتظار کرتا ہوں تا کہ اس کا خمیر اٹھ جائے، پھر روٹیاں پکاتا ہوں، اس کے بعد وضو کر کے لوگوں کی ضرورت کے لیے باہر نکلتا ہوں۔

میں نے اہلِ حمص سے پوچھا کہ تمہاری دوسری شکایت کیا ہے؟

انہوں نے کہا:

② "إِنَّهُ لَا يُجِيبُ أَحَدًا بِلَيْلٍ."

تَرْجَمَہ: "یہ رات کے وقت کسی کو جواب نہیں دیتے۔"

میں نے پوچھا:

"وَمَا تَقُوْلُ فِيْ ذٰلِكَ يَا سَعِيْدُ."

تَرْجَمَہ: "سعید! اس شکایت کے متعلق تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"إِنِّيْ وَاللّٰهِ كُنْتُ أَكْرَهُ أَنْ أُعْلِنَ هٰذَا أَيْضاً.
فَأَنَا قَدْ جَعَلْتُ النَّهَارَ لَهُمْ وَاللَّيْلَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! میں اس بات کو بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا، میں نے دن کے اوقات اِن لوگوں کے لیے اور رات کے اوقات اپنے رب کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔"

میں نے شکایت کرنے والوں سے کہا:

"اب تم اپنی تیسری شکایت بیان کرو۔"

انہوں نے کہا:

③ "یہ مہینے میں ایک بار دن بھر گھر سے باہر نہیں نکلتے۔"

"میں نے دریافت کیا کہ سعید! تم اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہو؟"

سعید نے کہا: "امیر المؤمنین! میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے اور جسم کے اِن کپڑوں کے سوا میرے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے، میں ان کو مہینے میں صرف ایک بار دھوتا ہوں اور ان کے خشک ہونے کا انتظار کرتا ہوں، اور سوکھنے کے بعد دن کے آخری حصے میں پہن کر باہر آتا ہوں۔"

"میں نے شکایت کرنے والوں سے کہا:

اب تم اپنی آخری شکایت بیان کرو۔"

انہوں نے کہا:

④ "ان کو بار بار بے ہوشی کے شدید دورے پڑتے ہیں اور یہ اپنے آس پاس سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔"

میں نے کہا: "سعید! تمہارے پاس اس شکایت کا کیا جواب ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

میں خُبیب بن عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی شہادت کے موقع پر موجود تھا اور اس وقت میں مشرک تھا، میں نے قریش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹتے جاتے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ آج تمہاری جگہ پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے؟"

تو وہ جواب دیتے:

"اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے اہل وعیال میں سکون سے رہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔"

اللہ کی قسم! جب مجھ کو وہ منظر یاد آتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آتا ہے کہ میں نے اس وقت ان کی مدد کیوں نہ کی، تو مجھے اس بات کا شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوتاہی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اور اسی وقت میرے اوپر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ سن کر میں نے کہا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یُخَیِّبْ ظَنِّیْ بِهٖ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے سعید کے بارے میں میرے اچھے گمان کو غلط ثابت نہیں کیا۔"

حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ایک ہزار دینار کو صدقہ کر دینا

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ ان کے لیے ایک ہزار دینار بھیجے تا کہ اِن سے وہ اپنی ضروریات پوری کریں۔ جب ان کی بیوی نے ان دیناروں کو دیکھا تو بولیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَغْنَانَا عَنْ خِدْمَتِكَ، اِشْتَرِ لَنَا مُؤْنَةً وَاسْتَأْجِرْ لَنَا خَادِمًا."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو آپ کی خدمات سے بے نیاز کر دیا۔ اب آپ اس رقم سے ہمارے لیے ایک غلام اور ایک خادمہ خرید دیجیے۔"

یہ سن کر حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"وَهَلْ لَكِ فِیْمَا هُوَ خَیْرٌ مِنْ ذٰلِكَ؟."

تَرْجَمَۃ: "کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں ہے؟"

بیوی نے پوچھا:

"اس سے بہتر!! اس سے بہتر کیا چیز ہے؟"

حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بات سمجھائی:

"نَدْفَعُهَا إِلٰی مَنْ یَّأْتِیْنَا بِهَا، وَنَحْنُ أَحْوَجُ مَا نَكُوْنُ إِلَیْهَا."

تَرْجَمَۃ: "یہ رقم ہم اس کے پاس جمع کر دیں جو یہ ہم کو اس وقت واپس کر دے جب ہم اس کے زیادہ ضرورت مند ہوں۔"

بیوی نے وضاحت چاہی اور پوچھا:

"وَمَا ذَاكَ؟"

تَرْجَمَۃ: "اس کی کیا صورت ہوگی؟"

حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"نُقْرِضُهَا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا."

تَرْجَمَۃ: "ہم یہ رقم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے دیں۔"

بیوی نے کہا:

"نَعَمْ، وَجُزِيْتَ خَيْرًا."

ترجمہ: "ہاں! (یہ بہتر ہے، آپ نے صحیح فرمایا) اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔"

پھر حضرت سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ان تمام دیناروں کو بہت سی تھیلیوں میں رکھ کر اپنے گھر کے ایک آدمی سے کہا:

"انہیں فلاں قبیلے کی بیواؤں ...... فلاں قبیلے کے یتیموں ...... فلاں قبیلے کے مسکینوں ...... اور فلاں قبیلے کے حاجت مندوں ...... میں تقسیم کردو۔"

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَامِرِ الْجُمَحِيِّ فَقَدْ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَتْ بِهِمْ خَصَاصَةٌ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن عامر جمحی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے راضی ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خود محتاج اور ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔"

فوائد و نصائح

داعی کی موت بھی ذریعۂ ہدایت ہے

دعوت کی محنت اور اسلام کو پھیلانے کی تڑپ اور لگن سے داعی کی زندگی میں تو اسلام پھیلتا اور پھولتا ہی ہے، لیکن داعی کی موت اور شہادت سے بھی اسلام پھیلتا ہے۔ جیسے حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی شہادت حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنی۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہو

ہمیں حضرت سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے حالات سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ ایک مومن کو اپنی عملی زندگی میں اس بات کو سامنے رکھنا چاہیے، کہ ہر معاملے میں اللہ رب العزت کی رضامندی مطلوب ہو اور اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی ناراضگی کا خیال نہ ہو، بل کہ اللہ کا حکم ہر حال میں مقدّم ہو۔

ہر برائی سے بچنے کا طریقہ

جب انسان اپنے اوپر کسی کو جواب دہ مان لیتا ہے تو یہی چیز اسے ہر برائی سے روکتی ہے۔ اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ یہ بات دل میں یقین کی حد تک بٹھالیں تو ان شاء اللّٰہ تعالیٰ یہی بات ہر برائی سے بچنے کا سبب بنے گی۔

جیسے حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت کے موقع پر حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مشرک ہونے کی بنا پر حضرت خُبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف سے دفاع نہیں کیا، یہ واقعہ ان کے دل و دماغ میں ایسے کھٹکنے لگا کہ ایک تو یہ ان کے اسلام لانے کا سبب بنا اور پھر مرتے دم تک انہیں اس کوتاہی پر افسوس ہوتا رہا۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اسلام لانے کا سبب کون سا واقعہ بنا؟

سُؤال: حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے معمولات کیا تھے؟

سُؤال: حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مال و دولت سے بے نیازی کا کوئی واقعہ بیان کیجئے؟

سُؤال: حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حالاتِ زندگی سے آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟

◆

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَهُ آيَةً تُعِينُهُ عَلَى مَا يَنْوِيْ مِنَ الْخَيْرِ" (من دعاء الرسول له)
ترجمہ: "اے اللہ! طفیل کو کوئی ایسی نشانی عطا فرما دیجیے جو بھلائی کے کاموں میں ان کی مددگار ہو۔"

تعارف

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے سردار تھے اور عرب کے قابلِ ذکر شریف اور گنے چنے بہادروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، وہ ایک ایسے مہمان نواز تھے جن کے بارے میں عربی میں کہا جاتا ہے:

"لَا تَنْزِلُ لَهُ قِدْرٌ عَنْ نَارٍ، وَلَا يُوْصَدُ لَهُ بَابٌ أَمَامَ طَارِقٍ......
يُطْعِمُ الْجَائِعَ، وَيُؤَمِّنُ الْخَائِفَ، وَيُجِيْرُ الْمُسْتَجِيْرَ."

مہمانوں کے بہت زیادہ آنے کی وجہ سے ان کے یہاں کھانے کی دیگیں کبھی چولہوں سے اترتی نہیں، اور ان کے دروازے آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لیے ہر وقت کھلے رہتے، وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے، خوف زدہ لوگوں کو تسلی دیتے، اور پناہ طلب کرنے والوں کو اپنی پناہ میں لیتے۔

ان ساری خوبیوں کے علاوہ، وہ نہایت سمجھ دار...... ذہین...... بہت ادب والے اور اچھے شاعر تھے۔ اس لیے وہ کلام اور شعر کے اچھے برے اور صحیح غلط کی تمیز میں کافی سمجھ رکھنے والے تھے اور وہ ایسی بات کرتے جو بہت اثر رکھتی۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلے کے علاقے "تہامہ" کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے، یہ وہ وقت تھا جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو ایمان کی دعوت دینا شروع فرمائی تھی اور قریش مکہ نے مخالفت شروع کر دی تھی۔

قریش کی مخالفت اور حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق و انصاف کے ساتھ لوگوں کو ایمان کی طرف دعوت دے رہے تھے، جب کہ کفار

قریش ہر قسم کے طریقے استعمال کر کے اس دعوت کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے اور لوگوں کو اس دعوت سے دور رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ وہ کسی ارادے اور تیاری کے بغیر لڑائی میں شامل ہوتے جا رہے ہیں، نہ تو وہ اس مقصد سے مکہ آئے تھے نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان اس لڑائی کا انہیں اندازہ تھا۔ اس وجہ سے اس لڑائی سے متعلق ان کی نہ بھولنے والی اور عجیب وغریب داستان سننے سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی قریش کے سردار میری طرف لپکے اور انہوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا اور مجھے بڑی عزت واکرام سے نوازا۔ پھر ان کے بڑے بڑے سردار اور معزز لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگے:

''يَا طُفَيْلُ، إِنَّكَ قَدْ قَدِمْتَ بِلَادَنَا، وَهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ قَدْ أَفْسَدَ أَمْرَنَا وَمَزَّقَ شَمْلَنَا، وَشَتَّتَ جَمَاعَتَنَا، وَنَحْنُ إِنَّمَا نَخْشَى أَنْ يَّحِلَّ بِكَ وَبِزَعَامَتِكَ فِيْ قَوْمِكَ مَا قَدْ حَلَّ بِنَا، فَلَا تُكَلِّمَ الرَّجُلَ، وَلَا تَسْمَعَنَّ مِنْهُ شَيْئًا، فَإِنَّ لَهُ قَوْلًا كَالسِّحْرِ، يُفَرِّقُ بَيْنَ الْوَلَدِ وَأَبِيْهِ، وَبَيْنَ الْأَخِ وَأَخِيْهِ، وَبَيْنَ الزَّوْجَةِ وَزَوْجِهَا.''

ترجمہ: ''طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو۔ اور یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، اس نے ہمارا سارا معاملہ خراب کر کے رکھ دیا ہے، اس نے ہم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمیں گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہم لوگوں کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں یہ مصیبت تم پر اور تمہاری قوم پر بھی نازل نہ ہو جائے، اس لیے (ہماری مخلصانہ تجویز ہے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ) تم نہ تو اس شخص سے کوئی بات کرنا نہ اس کی کوئی بات سننا کیوں کہ اس کی باتیں بڑی پُر اثر ہیں، (اس کی زبان میں بہت تاثیر ہے)۔ یہ شخص (اپنی ان باتوں کے ذریعے) باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں جدائی کر دیتا ہے۔''

حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

''اللہ کی قسم! وہ لوگ مسلسل اس شخص کی عجیب وغریب باتیں مجھے سناتے رہے اور اس کے حیران کرنے

والے کارناموں سے میری اپنی ذات اور میری قوم کے متعلق مجھ کو ڈراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے اس بات کا پکا ارادہ کرلیا کہ میں نہ تو اس شخص سے ملوں گا، نہ اس سے بات کروں گا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سنوں گا۔

جب میں خانۂ کعبہ کے طواف اور اس میں رکھے ہوئے اُن بتوں سے برکت حاصل کرنے کے لیے ''مسجد حرام'' میں گیا جن کی ہم عزت و احترام کرتے تھے، تو اس ڈر سے کہ کہیں محمد ﷺ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے، میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔

چناں چہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مشغول پایا، ان کا طریقۂ عبادت ہمارے طریقۂ عبادت سے مختلف تھا۔ وہ منظر مجھے اتنا اچھا لگا اور ان کے عبادت کے اس طریقے کو دیکھ کر میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ میں بغیر کسی ارادے کے آہستہ آہستہ ان سے قریب ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور اللہ کو یہی منظور تھا، کہ ان کی زبان سے نکلنے والے کچھ الفاظ میرے کانوں تک پہنچے، چناں چہ میں نے ان سے ایک بہترین کلام سنا اور اپنے دل میں کہا:

''ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا طُفَيْلُ ...... إِنَّكَ لَرَجُلٌ لَبِيْبٌ شَاعِرٌ، وَمَا يَخْفٰى عَلَيْكَ الْحَسَنُ مِنَ الْقَبِيْحِ، فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَسْمَعَ مِنَ الرَّجُلِ مَا يَقُوْلُ ...... فَإِنْ كَانَ الَّذِىْ يَأْتِىْ بِهٖ حَسَنًا قَبِلْتَهٗ، وَ إِنْ كَانَ قَبِيْحًا تَرَكْتَهٗ.''

تَرْجَمَہ: ''طفیل! تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے۔ (بڑے افسوس کی بات ہے) کہ تم ایک سمجھ دار اور عقل مند شاعر ہو، تم بات کی اچھائی اور برائی کو سمجھتے ہو۔ آخر اس شخص کی باتیں سننے میں کیا حرج ہے۔ اگر اس کی باتیں اچھی ہوں گی تب پھر قبول کر لینا اور اگر بری ہوں گی تو انہیں چھوڑ دینا۔''

''یہ سوچ کر میں وہیں رک گیا، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے چلتے ہوئے اندر چلا گیا اور آپ ﷺ سے عرض کیا:

''يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ قَالُوْا لِىْ عَنْكَ كَذَا وَكَذَا، فَوَاللّٰهِ مَا بَرِحُوْا يُخَوِّفُوْنَنِىْ مِنْ أَمْرِكَ حَتّٰى سَدَدْتُ أُذُنَىَّ بِقُطْنٍ لِئَلَّا أَسْمَعَ قَوْلَكَ، ثُمَّ أَبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُسْمِعَنِىْ شَيْئًا مِنْهُ، فَوَجَدْتُهٗ حَسَنًا فَاعْرِضْ عَلَىَّ أَمْرَكَ.

فَعَرَضَ عَلَيَّ أَمْرَهُ، وَقَرَأَ لِيْ سُوْرَةَ إِخْلَاصِ وَالْفَلَقِ، فَوَاللّٰهِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا أَحْسَنَ مِنْ قَوْلِهِ، وَلَا رَأَيْتُ أَمْرًا أَعْدَلَ مِنْ أَمْرِهِ.“

تَرجَمہ: ”اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم کے لوگوں نے مجھ کو آپ سے دور رکھنے کے لیے آپ کے متعلق بہت سی ایسی اور ایسی باتیں کہی ہیں۔ وہ مسلسل مجھ کو آپ کے دین سے ڈراتے رہے، حتیٰ کہ میں نے آپ کی باتیں نہ سننے کا پختہ ارادہ کرلیا اور روئی سے اپنے کان بند کرلیے تاکہ کہیں آپ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ لیکن یہ اللہ کی مرضی تھی کہ اس نے مجھے آپ کی باتیں سنائیں اور وہ مجھے بہت پسند آئیں۔ آپ اپنا دین مجھے بتائیے۔

چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت میرے سامنے پیش کی اور مجھے دو سورتیں، سورۂ ”اِخْلَاصْ“ اور سورۂ ”فَلَقْ“ پڑھ کر سنائیں۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں نے اس کلام سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا تھا اور نہ اس سے بڑھ کر انصاف کی کوئی بات سنی تھی۔“

میں نے اسی وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

قبیلے کے لوگوں کو اسلام میں لانے کی فکر

پھر میں بہت دنوں تک مکے میں ٹھہرا رہا اس عرصے میں میں نے اسلام کی بہت سی باتیں سیکھیں اور جتنا ممکن ہوا قرآن حفظ کیا۔ پھر جب میں نے اپنے قبیلے کی طرف لوٹنے کا اراہ کیا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ امْرُؤٌ مُطَاعٌ فِيْ عَشِيْرَتِيْ، وَأَنَا رَاجِعٌ إِلَيْهِمْ وَدَاعِيْهِمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَ لِيْ آيَةً تَكُوْنُ لِيْ عَوْنًا فِيْمَا أَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّهٗ آيَةً.“

تَرجَمہ: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ اور میرے قبیلے کے لوگ میری بات مانتے ہیں، اب میں واپس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دے جو میری دعوت کے لیے مددگار ثابت ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّهٗ اٰيَةً“

اے اللہ! طفیل کو کوئی نشانی عطا فرمادے۔"

اس کے بعد میں اپنے قبیلے کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ جب میں ان کی بستی کے قریب ایک اونچی جگہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر چراغ جیسی ایک روشنی چمک رہی ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے دعا کی:

"اے اللہ! اس کو چہرے کے علاوہ کسی دوسری جگہ منتقل کردے۔"

مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر سمجھیں گے کہ یہ کوئی سزا ہے جو مجھے اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنے کے جرم میں ملی ہے۔

تب وہ روشنی وہاں سے منتقل ہوکر میری لاٹھی کے سرے پر آگئی، اور جب میں پہاڑ کی بلندی سے نیچے اتر رہا تھا تو میری لاٹھی کے سرے پر چمکتی ہوئی وہ روشنی لوگوں کو ایک لٹکتے فانوس کی طرح نظر آرہی تھی۔ پھر جب نیچے اتر کر میں اپنے قبیلے میں پہنچا تو میرے والد صاحب جو بہت ضعیف ہوچکے تھے میرے پاس آئے، میں نے ان سے کہا:

"ابا! مجھ سے دور رہیے، اب آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا، نہ میں آپ کا ہوں نہ آپ میرے۔"

والد صاحب نے کہا: "بیٹے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا:

"میں مسلمان ہوچکا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کو قبول کرلیا ہے۔"

انہوں نے فرمایا:

"بیٹے! تم نے جو دین اختیار کیا ہے میں بھی اس کو اپناتا ہوں۔"

میں نے عرض کیا:

اچھا تو پھر آپ جاکر غسل کرلیجئے اور پاک کپڑے پہن لیجئے تاکہ میں آپ کو وہ دین سکھادوں جس کو میں نے اختیار کیا ہے۔

پھر وہ اٹھے، جاکر غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کرکے میرے پاس آئے۔ میں نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور انہوں نے بخوشی اسے قبول کرلیا۔

پھر میری بیوی میرے پاس آئی، میں نے اس سے کہا:

کہ "مجھ سے دور رہو، اب میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔"

اس نے بڑی حیرت سے پوچھا: ”میرے والدین آپ پر فدا ہوں، یہ کیوں؟“

میں نے کہا: ”اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان جدائی کر دی ہے، میں نے اسلام قبول کر کے دینِ محمد (ﷺ) کو قبول کر لیا ہے۔“

اس نے کہا:

”فَدِيْنِيْ دِيْنُكَ.“

تَرجَمہ: ”جو دین آپ کا وہی دین میرا بھی ہے۔“

میں نے اس سے کہا:

”جاؤ ذُوشَرٰی کے چشمے میں غسل کر کے پاک ہو لو[1]۔“ اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ ذوشریٰ سے ڈرتے نہیں ہیں؟

میں نے کہا: تباہی ہو تمہارے[2] اور ذوشریٰ کے لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ لوگوں کی نظروں سے دور جا کر وہاں غسل کر لو۔

”وَأَنَا ضَامِنٌ لَكِ اَلَّا يَفْعَلَ هٰذَا الْحَجَرُ الْأَصَمُّ شَيْئًا.“

تَرجَمہ: ”میں تم کو اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ یہ (حقیر، گونگا) بہرا بے جان پتھر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

اس کے بعد وہ گئی، غسل کیا اور پھر میرے پاس آئی تو میں نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جس کو اس نے خوشی سے قبول کر لیا۔ پھر میں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، مگر ابوہریرہ کے سوا سب نے اس کو قبول کرنے میں دیر کی۔

پھر میں ابوہریرہ کو ساتھ لے کر مکّہ آیا۔ جب میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

”مَا وَرَاءَكَ يَا طُفَيْلُ؟“

تَرجَمہ: ”طفیل تمہارے پیچھے تمہارے قبیلے کا کیا حال ہے؟“

میں نے عرض کیا:

”قُلُوْبٌ عَلَيْهَا أَكِنَّةٌ وَكُفْرٌ شَدِيْدٌ ......

---

[1] ذوشریٰ قبیلہ دوس کے بُت کا نام تھا جس کے پاس وہ چشمہ تھا جو پہاڑ کی بلندی سے گرتا تھا۔

[2] اس عقیدے

لَقَدْ غَلَبَ عَلٰی دَوْسٍ الفُسوقُ والعِصْيَان ......"

تَرْجَمَہ: "ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں (جن کی وجہ سے حق اور باطل میں پہچان نہیں کر سکتے)۔ وہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہیں اور سرکشی اور نافرمانی میں زندگی گزار رہے ہیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ آپ ﷺ میرے قبیلے والوں کے حق میں بددعا فرمائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ تو بے اختیار میری زبان سے نکل گیا "وَاقَوْمَاہ" "آہ میری قوم" لیکن رسول اللہ ﷺ بددعا کرنے کے بجائے فرما رہے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا ...... اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا ...... اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے ...... اے اللہ ...... اے اللہ ......"

پھر آپ ﷺ نے حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

"اِرجِعْ اِلٰی قَومِكَ وَارْفِقْ بِهِمْ وَادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ"

تَرْجَمَہ: "اپنے قبیلے میں جاؤ، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو۔"

پھر میں مستقل طور پر قبیلہ دوس کے علاقے میں رہ کر انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا رہا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور پھر بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ پھر جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میرے ساتھ قبیلہ دوس کے اسّی (۸۰) گھرانے تھے جو اسلام قبول کر کے اس کی تعلیمات سیکھ چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے مل کر نہ صرف یہ کہ بہت خوش ہوئے بل کہ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہم لوگوں کو بھی حصہ عنایت فرمایا۔ ہم نے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اِجْعَلْنَا مَيْمَنَتَكَ فِيْ كُلِّ غَزْوَةٍ تَغْزُوْهَا وَاجْعَلْ شِعَارَنَا: (مَبْرُوْر)."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہم لوگوں کو ہر غزوہ میں اپنے لشکر کے میمنہ (دائیں

طرف) پر مقرر فرمایئے اور ہماری علامت (نشانی) ''مبرور'' مقرر فرما دیجیے۔''

حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے

حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داستان کے آخری حصے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اس کے بعد میں برابر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی فتح عنایت فرمائی۔ فتحِ مکہ کے بعد میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! آپ مجھے عمرو بن حممہ کے بُت ''ذوالکفین'' کو جلانے کے لیے بھیج دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ میں اپنے قبیلے کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوا، جب اس کے پاس پہنچ کر اسے جلانا چاہا تو بہت سے مرد عورتیں اور بچے میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ اگر ہم نے ذوالکفین کو کوئی نقصان پہنچایا تو آسمان سے بجلی گر کر ہمیں ہلاک کر دے گی، لیکن ہم اس کے پجاریوں کے سامنے ہی اس کی طرف بڑھے اور یہ کہتے ہوئے اس کے سینے میں آگ لگا دی۔''

''یَا ذَالْکَفَیْنِ لَسْتُ مِنْ عُبَّادِکَا
مِیْلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِیْلَادِکَا
اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِی فُوَادِکَا.''

ترجمہ: ''اے ذوالکفین! میں تیرے پجاریوں میں سے نہیں ہوں، ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے ہوئی ہے، آج میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔''

اس بُت کے آگ میں راکھ ہو جانے کے ساتھ ہی قبیلہ دوس میں شرک کے باقی اثرات بھی جل کر ختم ہو گئے، اس کے جل جانے سے شرک کی جڑ بھی کٹ گئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو، اپنی تلوار کو اور اپنے لڑکے کو خلیفہ کی اطاعت کے لیے وقف کر دیا۔

جب مرتدین[1] اور نبوت کے جھوٹے دعوے کرنے والوں کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت

---

[1] اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنے والوں کو ''مرتد'' کہا جاتا ہے ''مرتدین'' اس کی جمع ہے۔

طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسیلمہ کذّاب سے جنگ کے لیے جانے والی فوج کے پہلے دستے میں شامل ہو گئے۔ یمامہ جاتے ہوئے راستے میں قیام کے دوران انہوں نے ایک خواب دیکھا، انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"إِنِّیْ رَأَیْتُ رُؤْیا فَعَبِّرُوْهَا لِیْ."

تَرْجَمَہ: "میں نے ایک خواب دیکھا ہے تم اس کی تعبیر بیان کردو۔"

ساتھیوں نے خواب کی تفصیل دریافت کی، تو انہوں نے کہا:

"رَأَیْتُ أَنَّ رَاسِیْ قَدْ حُلِقَ، وَأَنَّ طَائِرًا خَرَجَ مِنْ فَمِیْ، وَأَنَّ امْرَاَةً اَدْخَلَتْنِیْ فِیْ بَطْنِهَا، وَاَنَّ ابْنِیْ عَمْرًا جَعَلَ یَطْلُبُنِیْ حَثِیْثًا لٰکِنَّهٗ حِیْلَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ."

تَرْجَمَہ: "میں نے دیکھا کہ میرا سر مونڈ دیا گیا ہے، میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا، ایک عورت نے مجھے اپنے پیٹ میں چھپالیا ہے اور یہ کہ میرا بیٹا عمرو بھی بڑی تیزی سے میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے، لیکن میرے اور اس کے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی کردی گئی ہے اور وہ میرے ساتھ اس میں داخل ہونے سے رہ گیا۔"

"فَقَالُوْا خَیْرًا ......"

ساتھیوں نے کہا "آپ کا یہ خواب بہت اچھا ہے۔"

حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"میں نے اپنے طور پر اس خواب کی یہ تعبیر کی ہے۔

"اَمَّا حَلْقُ رَأْسِیْ فَلِذٰلِكَ اَنَّهٗ یُقْطَعُ ...... وَاَمَّا الطَّائِرُ الَّذِیْ خَرَجَ مِنْ فَمِیْ فَهُوَ رُوْحِیْ ...... وَاَمَّا الْمَرْاَةُ الَّتِیْ اَدْخَلَتْنِیْ فِیْ بَطْنِهَا فَهِیَ الْاَرْضُ تُحْفَرُ لِیْ فَاُدْفَنَ فِیْ جَوْفِهَا ...... وَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اُقْتَلَ شَهِیْدًا ...... وَاَمَّا طَلَبُ اِبْنِیْ لِیْ فَهُوَ یَعْنِیْ اَنَّهٗ یَطْلُبُ الشَّهَادَةَ الَّتِیْ سَاَحْظٰی بِهَا. اِذْ اَذِنَ اللّٰهَ. لٰكِنَّهٗ یُدْرِكُهَا فِیْمَا بَعْدُ"

تَرْجَمَہ: "سر مونڈے جانے کا مطلب یہ ہے کہ میرا سر کاٹا جائے گا، اور پرندہ جو میرے منہ کے راستے نکل کر اڑ گیا اس سے مراد میری روح ہے، اور عورت جس نے مجھے اپنے پیٹ میں چھپالیا، اس سے مراد میری قبر ہے جس میں مجھے دفن کیا جائے گا، امید ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہوگی اور میرے بیٹے کے میرا پیچھا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی شہادت کی خواہش میں میرا ساتھ دے گا

مگر وہ اسے کچھ دنوں کے بعد حاصل کر سکے گا۔"

یمامہ کی جنگ میں حضرت طفیل بن عمرو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے زبردست بہادری دکھائی، یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر گر گئے، اور زخموں کی تاب نہ لا کر شہادت کی نعمت حاصل کی، مگر ان کے صاحب زادے عمرو بن طفیل برابر جنگ میں مصروف رہے یہاں تک کہ شدید زخمی ہو گئے اور ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر گیا اور وہ اپنے والد اور اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو یمامہ کی سرزمین پر چھوڑ کر مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ حضرت طفیل رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے صاحب زادے ان کی خدمت میں تشریف لائے، اسی وقت حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے لیے کھانا لایا گیا۔ مجلس میں کچھ اور لوگ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے سب کو کھانے کے لیے بلایا مگر طفیل رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے صاحب زادے حضرت عمرو بن طفیل رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کھانے میں شریک نہیں ہوئے، وہ ایک طرف ہٹ گئے تھے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ان سے پوچھا:

"مَالَكَ؟ لَعَلَّكَ تَأَخَّرْتَ عَنِ الطَّعَامِ خَجَلاً مِنْ يَدِكَ."

تَرْجَمَہ: "کیا بات ہے تم کھانے میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ شاید تم اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے شرمندہ ہو کر کھانے میں شریک ہونے سے رک رہے ہو۔"

انہوں نے کہا:

"اَجَلْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "جی ہاں امیر المؤمنین!۔"

یہ سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ لَا أَذُوْقُ هٰذَا الطَّعَامَ حَتّٰى تَخْلِطَهُ بِيَدِكَ الْمَقْطُوْعَةِ ......وَاللّٰهِ مَا فِى الْقَوْمِ أَحَدٌ بَعْضُهُ فِى الْجَنَّةِ إِلَّا أَنْتَ، يُرِيْدُ بِذٰلِكَ يَدَهُ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! جب تک تم اپنا کٹا ہوا ہاتھ اس کھانے میں نہیں ڈالو گے میں اس کو نہیں چکھوں گا۔ اللہ کی قسم! اہل مجلس میں تمہارے سوا کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا جس کا کوئی عضو اس سے پہلے جنت میں داخل ہو۔"

حضرت عمرو بن طفیل رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ جب سے اپنے والد محترم سے جدا ہوئے تھے، برابر اس خواب کی عملی تعبیر کی تلاش میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ جب جنگِ یرموک کا موقع آیا تو اس میں بڑے شوق سے شریک

ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس شہادت کی دولت سے نوازا جس کی تمنا ان کے والد نے ان کے دل میں پیدا کی تھی۔

"رَحِمَ اللّٰهُ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ فَهُوَ الشَّهِيْدُ وَاَبُو الشَّهِيْدِ."

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ طفیل بن عمرو دوسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر رحم فرمائے۔ وہ خود بھی شہید ہوئے ساتھ ہی ایک شہید کے باپ ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔"

فوائد و نصائح

① حضرت طفیل بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حالاتِ زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو بغیر تحقیق کے کسی کی باتوں میں آکر دوسروں کے بارے میں بدگمان نہیں ہونا چاہیے، بل کہ اپنے طور پر اس کی تحقیق کر لینی چاہیے۔

دیکھیے حضرت طفیل بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کفارِ قریش نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شخصیت اور دعوت سے کس قدر بدگمان کیا تھا جب کہ حقیقتِ حال اس کے برخلاف تھی۔ لہٰذا جب بھی کسی ایک طرف کی بات معلوم ہو تو اس کے مطابق کوئی فیصلہ نہ فرمایئے جب تک کہ دوسرے کی بات سن نہ لیں۔

② اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ انسان اگر کسی اچھے مقام اور مرتبے کو حاصل کیے ہوئے ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اسے اپنی یہ حیثیت اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے استعمال کرنی چاہیے جیسا کہ حضرت طفیل بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی سرداری کو اپنے قبیلے والوں کو اللہ کے دین کی طرف لانے میں استعمال کیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے دوستوں کو...... رشتہ داروں کو...... اور دوسرے تعلق رکھنے والوں کو دیندار بنانے میں پوری کوشش کریں ساتھ ہی یہ دعا بھی کریں۔

﴿اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ.﴾[1]

تَرجَمہ: "اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے۔ اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنا دے۔"

وَضاحت: یہ ایک لمبی دعا کا آخری حصہ ہے۔

---

[1] نسائی، کتاب السہو: ۱/۱۹۲

③ تیسرا سبق یہ ملا ”دعوت کا کام“ بہت اہم اور ضروری کام ہے۔ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کے زمانہ میں جس قدر تیزی سے اسلام پھیلا اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام ”دُعَاۃ“ تھے، ان میں ہر شخص دین کی طرف لوگوں کو بلانے والا تھا ہر شخص دین کو پھیلانا اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا۔

حضرت طفیل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ان الفاظ پر ہمیں غور کرنا چاہیے جب انہوں نے واپسی کی اجازت لی تو فرمایا:

”أنا رَاجِعٌ اِلیهم وَدَاعِیْهِمْ اِلَی الاسلام“
”میں واپس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔“

اسی دعوت کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعوت کی محنت کے نتیجہ میں ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ہدایت عطا فرمائی، لہٰذا ہم بھی دعوت کے کام کو اپنے ذمہ سمجھیں، اور اسلام پھیلانے کی محنت کریں، تو اللہ تعالیٰ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ایسے ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائیں گے جن سے دین خوب پھلے گا پھولے گا۔

مُذاکرہ

سُؤال: اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت طفیل بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کس حیثیت سے مشہور تھے؟

سُؤال: کفار قریش نے کس دھوکے سے انہیں اسلام سے دور رکھا؟

سُؤال: جنگ یمامہ سے پہلے انہوں نے کیا خواب دیکھا اور اس کی کیا تعبیر بیان فرمائی؟

سُؤال: ”ذوالکفین“ بُت کو توڑتے وقت حضرت طفیل بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کیا اشعار پڑھے تھے؟

◆

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"حقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يُقَبِّلَ رَأْسَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ وَأَنَا أَبْدَأُ بِذٰلِكَ" (عمر بن الخطاب)

ترجمہ: "ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ کی پیشانی پر بوسہ دے اور میں اس کی ابتدا کرتا ہوں۔"

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اُن بڑے صحابی کے متعلق ہے جن کا نام عبداللہ بن حذافہ سہمی ہے۔ ممکن تھا کہ تاریخ اس شخص کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کرتی اور اس کا کوئی خیال دل میں لائے بغیر اسی طرح گزر جاتی جس طرح اس سے پہلے کے لاکھوں عربوں کو نظر انداز کرتی ہوئی گزر گئی ہے۔

لیکن اسلام نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موقع عطا کیا کہ وہ اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے اس دور کی بڑی طاقتوں سے ملیں۔ یعنی روم اور ایران کے بادشاہوں سے، اور اِن دونوں بادشاہوں سے اِن کی ملاقات کے ساتھ ایک ایسی داستان بن گئی جو ہمیشہ کے لیے لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہو چکی ہے اور جس کو تاریخ برابر دہراتی رہے گی۔

ایران کے بادشاہ کے ساتھ ان کی ملاقات کا قصہ ۶ھ سے تعلق رکھتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعے عجمی بادشاہوں کے پاس دعوتی خطوط ارسال فرمائے، اور ان خطوط کے ذریعے انہیں اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام کے دوران پیش آنے والے خطرات کا پورا پورا اندازہ تھا، کیوں کہ ان قاصدوں کو ایسے دور دراز علاقوں میں جانا تھا جن سے، اس سے پہلے اُن کو کوئی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اور پریشانی یہ تھی کہ وہ ان بادشاہوں کے مزاج اور زبانوں سے بھی بالکل ناواقف تھے، پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ان بادشاہوں کو اپنے پرانے دین کو چھوڑنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی دعوت دینی تھی، یعنی ایک ایسی قوم کے دین میں داخل ہونے کی دعوت تھی جو گزشتہ زمانہ میں ان کے حکم پر عمل کرنے والی رہ چکی تھی۔

یقیناً یہ ایک نہایت پرخطر سفر تھا جس پر روانہ ہونا موت کے منہ میں جانے، اور اس سے زندہ وسلامت واپس آنا نئی زندگی پانے کے برابر تھا۔ معاملے کی اس اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو مشورے کے لیے جمع فرمایا اور ان کے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

"أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّیْ أُرِیْدُ أَنْ أَبْعَثَ بَعْضَکُمْ إِلٰی مُلُوْكِ الْأَعَاجِمِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَیَّ کَمَا اخْتَلَفَتْ بَنُوْ إِسْرَائِیْلَ عَلٰی عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ."

تَرْجَمَہ: "میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگوں کو (اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے) عجمی بادشاہوں کی طرف بھیجوں تم لوگ اس میں مجھ سے اختلاف نہ کرنا جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ سے اختلاف کیا تھا۔"

جواب میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے عرض کیا۔

"نَحْنُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نُؤَدِّیْ عَنْكَ مَا تُرِیْدُ فَابْعَثْنَا حَیْثُ شِئْتَ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ!) ہم آپ کا ہر پیغام (خوشی خوشی) پہنچانے کے لیے تیار ہیں آپ ہم کو جہاں چاہیں بھیج دیں۔"

کسریٰ کے پاس دعوتِ اسلام لے کر جانا

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عرب اور عجم کے بادشاہوں کے پاس اپنے خطوط پہنچانے کے لیے چھ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا انتخاب فرمایا۔

ان چھ میں سے ایک حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی تھے۔ انہیں ایران کے بادشاہ کے یہاں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی اونٹنی کو سواری کے لیے تیار کیا اور بیوی بچوں سے رخصت ہوکر روانہ ہوگئے، وہ راستے میں صحراؤں اور میدانوں کو طے کرتے اور سفر کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے ایران پہنچے تو درباریوں سے کسریٰ[1] کے ساتھ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا، اور ان کو اس خط سے بھی آگاہ کردیا جسے وہ بادشاہ کے لیے لے کر آئے تھے۔

کسریٰ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے دربار کی خوب صورتی اور صفائی کا حکم دیا اور اپنے تمام بڑے بڑے افسروں کو دربار میں حاضری کی ہدایت کی، جب ساری تیاریاں مکمل ہوگئیں تو اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہ

---

[1] پہلے زمانے میں ہر ایرانی بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا، اور یہ ایران کے بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا۔ اس بادشاہ کا نام "خسرو پرویز" تھا۔

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کو دربار میں آنے کی اجازت دی۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ بادشاہ کے دربار میں اس حال میں آئے کہ اس وقت ان کے جسم پر ہلکا سا کمبل اور معمولی سا چوغہ (جبہ) تھا، اور ان کی شکل وصورت سے دیہاتی عربوں کی سادگی کا اظہار ہو رہا تھا، لیکن ان کا سر بہت بڑا اور قد کافی لمبا تھا اور ان کے دل میں اسلام کی عزت وعظمت اور ایمان کی قوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ کسریٰ نے جب ان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ایک درباری کو اشارہ کیا کہ وہ خط ان کے ہاتھ سے لے لے، مگر حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے کہا:

"لَا، إِنَّمَا أَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أَنْ أَدْفَعَهُ لَكَ يَداً بِيَدٍ وَأَنَا لَا أُخَالِفُ أَمْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ."

تَرجَمَہ: "نہیں! رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ میں یہ خط اپنے ہاتھ سے تجھے (کسریٰ) دوں اور میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔"

بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا:

"اُتْرُكُوْهُ يَدْنُوْ مِنِّیْ، فَدَنَا مِنْ كِسْرٰی حَتّٰى نَاوَلَهُ الْكِتَابَ بِيَدِهٖ."

تَرجَمَہ: "چھوڑ دو اس کو میرے پاس آنے دو، چناں چہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے کسریٰ کے قریب جاکر خط اس کے سپرد کردیا۔"

چناں چہ اس نے اپنے عرب ترجمان کو بلایا جو حیرہ کا باشندہ تھا اور اسے اپنے سامنے خط کھولنے اور اس کو پڑھنے کا حکم دیا۔ چناں چہ اس نے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ......"

تَرجَمَہ: "اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے یہ خط ہے ایران کے بادشاہ کسریٰ کی طرف، سلامتی اس کے لیے ہے جو ہدایت کی راہ پر چلا۔"

کسریٰ کی بدبختی

خط کا اتنا حصہ سنتے ہی اس کے سینے میں غیض وغضب کی آگ بھڑک اٹھی، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو

گیا اور گردن کی رگیں پھول گئیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خط کا آغاز اپنے نام سے فرمایا تھا۔ اس نے ترجمان کے ہاتھ سے خط جھپٹ لیا بغیر یہ جانے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے چیخ اٹھا:

"أَيَكْتُبُ لِيْ بِهٰذَا، وَهُوَ عَبْدِيْ؟."

ترجمہ: "میرا غلام ہوکر اسے یہ جرأت کیسے ہوئی...... کہ مجھے اس طرح مخاطب کرے۔"

پھر اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار سے نکال باہر کرنے کا حکم دیا، چناں چہ وہ وہاں سے نکال دیے گئے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار سے نکلے تو انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے، کیا وہ قتل کر دیے جائیں گے یا انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟

لیکن پھر انہوں نے اپنے دل میں کہا:

"وَاللّٰهِ مَا أُبَالِيْ عَلٰى أَيِّ حالٍ أَكُوْنُ بَعْدَ أَنْ أَدَّيْتُ كِتَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، وَرَكِبَ رَاحِلَتَهٗ وَانْطَلَقَ."

ترجمہ: "اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچانے کے بعد اب میرا جو بھی حشر ہو مجھے اب اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور اپنی سواری پر سوار ہوکر چلے گئے۔"

حضور ﷺ کی پیشن گوئی

ادھر جب کسریٰ کا غصہ جاتا رہا تو اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوبارہ اپنے سامنے پیش کیے جانے کا حکم دیا لیکن وہ نہیں ملے۔ اس کے آدمیوں نے انہیں بہت تلاش کیا مگر ان کا کوئی پتہ نہ چلا، ان لوگوں نے جزیرۂ عرب تک جانے والے تمام راستوں کو چھان مارا مگر وہ ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کسریٰ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی مکمل کارگزاری آپ ﷺ کو سنادی اور خط پھاڑنے کے واقعے سے بھی آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ اُن کی پوری کارگزاری سن کر آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

"مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهٗ" اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے۔

اِدھر کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر ''باذان'' کو لکھا کہ اُس شخص کے پاس جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اپنے دو قوی اور بہادر آدمیوں کو بھیجو اور انہیں حکم دو کہ اسے پکڑ لائیں اور میرے سامنے پیش کریں۔

حکم کے مطابق باذان نے اپنے دو مضبوط ترین آدمی رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری کے لیے روانہ کیے اور ان دونوں کے ہاتھ آپ ﷺ کو ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا:

''آپ بلا تاخیر اِن دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے چلے آئیں۔''

اس نے ان دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے حالات اچھی طرح جان لینے کے بعد اس کو آگاہ کریں۔

وہ دونوں تیز رفتاری کے ساتھ سفر طے کرتے ہوئے طائف پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہوئی، اُن دونوں نے ان سے حضور ﷺ کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ میں ہیں۔

تاجروں کو جب معلوم ہوا کہ کسریٰ کے فوجی حضور ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو تاجر خوش ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے اور انہوں نے قریش کو خوش خبری دیتے ہوئے کہا:

''قَرُّوْا عَیْناً فِإِنَّ کِسْریٰ تَصَدّٰی لِمُحَمَّدٍ وَکَفَاکُمْ شَرَّہٗ.''

تَرجَمۃ: ''یہ بات تمہارے لیے بڑی خوشی کی ہے کہ ''کسریٰ'' محمد (ﷺ) کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس نے تمہیں ان کے شر سے بچا لیا ہے۔''

حضور ﷺ سے کسریٰ کے قاصدوں کی گفتگو

اِدھر اِن دونوں نے مدینہ منورہ کا رخ کیا، وہاں پہنچ کر نبی کریم ﷺ سے ملے اور باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

''کسریٰ نے اپنے حاکم باذان کو ہدایت کی ہے کہ وہ آپ کو لانے کے لیے کسی کو بھیجے۔ چناں چہ ہم اسی لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں، اگر آپ ہماری بات مان لیں تو ہم کسریٰ سے بات کر کے آپ کے لیے رعایت حاصل کر لیں گے اور آپ کو اُس کی طرف سے پہنچنے والی ہر متوقع تکلیف اور اذیت سے بچا لیں گے۔

لیکن اگر آپ نے ہماری بات ماننے سے انکار کیا تو آپ خود اس کی طاقت سے بخوبی واقف ہیں، آپ یہ

بات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ آپ کو اور آپ کی پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا:

"اِرْجِعَا اِلٰی رِحَالِکُمَا الْیَومَ وَأْتِیَا غَداً."

تَرْجَمَۃ: "آج تو تم لوگ اپنے ٹھکانوں کو واپس جاؤ، کل پھر آنا۔"

جب دوسرے دن وہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھا:

"هَلْ أَعْدَدْتَ نَفْسَكَ لِلْمُضيِّ مَعَنا إِلٰى لِقَاءِ كِسْرٰى."

تَرْجَمَۃ: "کیا آپ نے ہمارے ساتھ چلنے اور کسریٰ سے ملنے کے لیے تیاری کر لی ہے۔"

تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

"لَنْ تَلْقِيَا كِسْرٰى بَعْدَ الْيَوْمِ ...... فَلَقَدْ قَتَلَهُ اللّٰهُ، حَيْثُ سَلَّطَ عَلَيْهِ اِبْنَهُ.

"شِيْرَوَيْهِ" فِيْ لَيْلَةِ كَذَا ...... مِنْ شَهْرِ كَذَا......"

تَرْجَمَۃ: "آج کے بعد تم کسریٰ سے نہیں مل سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے "شیرویہ" کو فلاں مہینے کی فلاں رات اس کے اوپر مسلط کر کے اسے ہلاک کروا دیا ہے۔"

جب اُن دونوں نے یہ سنا تو ان کے چہروں پر دہشت و حیرت کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ گھور گھور کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولے۔

"أَتَدْرِيْ مَا تَقُوْلُ أَنَكْتُبُ بِذٰلِكَ (لِبَاذَانَ).؟"

تَرْجَمَۃ: "جانتے ہیں آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں، کیا یہ ہم باذان کو لکھ دیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نَعَمْ وَقُوْلَا لَهُ: إِنَّ دِيْنِيْ سَيَبْلُغُ مَا وَصَلَ إِلَيْهِ مُلْكُ كِسْرٰى، وَ إِنَّكَ إِنْ أَسْلَمْتَ أَعْطَيْتُكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ، وَمَلَّكْتُكَ عَلٰى قَوْمِكَ."

تَرْجَمَۃ: "ہاں یہ سچ ہے اور اس کو یہ بھی لکھ دینا کہ میرا دین کسریٰ کی سلطنت کے آخری حدود تک پہنچ کر رہے گا، اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہارا یہ سارا زیرِ حکومت علاقہ تمہارے سپرد کر کے تم کو تمہاری قوم کا حکمران بنا دوں گا۔"

اس کے بعد وہ دونوں آپ ﷺ سے رخصت ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر سے اس کو مطلع کیا۔

کسریٰ کے گورنر باذان کا مسلمان ہونا

باذان نے کہا: کہ اگر محمد (ﷺ) کی یہ بات درست ہے تو یقیناً وہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو سوچوں گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اپنانا چاہیے۔

پھر اس کے چند ہی روز بعد ''شیرویہ'' کا خط باذان کے پاس پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا:

''أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَتَلْتُ كِسْرىٰ، وَلَمْ أَقْتُلْهُ إِلَّا اِنْتِقَامًا لِقَوْمِنَا فَقَدِ اسْتَحَلَّ قَتْلَ اَشْرَافِهِمْ وَسَبْيَ نِسَائِهِمْ وَانْتِهَابَ أَمْوَالِهِمْ، فَإِذَا جَاءَ كَ كِتَابِيْ هٰذَا فَخُذْ لِي الطَّاعَةَ مِمَّنْ عِنْدَكَ.''

تَرْجَمَہ: ''میں نے کسریٰ کو اپنی قوم کے انتقام میں قتل کر دیا ہے۔ اس نے ہماری قوم کے شریف لوگوں کو قتل کرنا، ان کی عورتوں کو کنیز بنانا اور ان کے مالوں کو چھیننا اپنی عادت بنالی تھی، جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو اپنے پاس موجود تمام لوگوں سے میری اطاعت وفرماں برداری کا عہد لے لو۔''

باذان نے اس خط کو پڑھتے ہی ایک طرف پھینک کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یمن میں رہنے والے سارے ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قیصرِ روم[1] سے ملاقات

یہ تو عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دعوت کے سلسلے میں کسریٰ کے پاس جانے کا قصہ تھا، اب اِن کا وہ قصہ بھی پڑھ لیجیے جو روم کے بادشاہ کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دینے سے متعلق ہے۔

روم کے بادشاہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ملاقات، خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خلافت کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ان کی ملاقات کا یہ قصہ بھی حد درجہ دل چسپ اور نہایت عجیب ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ۱۹ھ میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی تھی، جس میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی شریک تھے۔ مسلمان مجاہدین کے سچے ایمان...... عقیدہ کی پختگی...... اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کی خبریں روم کے بادشاہ تک پہلے سے

---

[1] روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔

پہنچی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے فوجی افسروں کو اس بات کی ہدایت کر دی تھی، کہ اگر وہ کسی مسلمان سپاہی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اسے قتل نہ کریں، بل کہ زندہ اس کے سامنے پیش کریں۔

اللہ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، رومی انہیں بادشاہ کے پاس لائے اور یہ کہتے ہوئے اس کے سامنے پیش کیا:

”یہ شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان ساتھیوں میں سے ہے جنہوں نے دعوت کے ابتدائی زمانے میں ان کی پکار پر لبیک کہا تھا، ہم اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور آپ کے حکم کے مطابق آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔“

قیصر انہیں دیر تک بہت غور سے دیکھتا رہا، پھر ان سے کہنے لگا:

”میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کر رہا ہوں۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ ”وہ کیا بات ہے؟“

بادشاہ نے کہا:

”أَعْرِضُ عَلَيْكَ أَنْ تَتَنَصَّرَ ...... فَإِنْ فَعَلْتَ، خَلَّيْتُ سَبِيْلَكَ ...... وَأَكْرَمْتُ مَثْوَاكَ..“

”تم نصرانیت قبول کر لو۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اور تمہارے ساتھ عزت و اکرام کا بہترین سلوک کروں گا۔“

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی اس پیش کش کو نفرت و حقارت سے ٹھکرا دیا اور حد درجہ یقین اور برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

”إِنَّ الْمَوْتَ لَأَحَبُّ إِلَيَّ أَلْفَ مَرَّةٍ مِمَّا تَدْعُوْنِيْ إِلَيْهِ.“

”یہ ناممکن ہے۔ موت مجھے تمہاری اس پیش کش سے ہزار گنا زیادہ محبوب ہے۔“

قیصر نے ان کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

”إِنِّيْ لَأَرَاكَ رَجُلاً شَهْمًا.“

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک نہایت عقل مند اور سمجھ دار آدمی ہو۔

”فَإِنْ أَجَبْتَنِيْ إِلٰى مَا أَعْرِضُهُ عَلَيْكَ أَشْرَكْتُكَ فِيْ أَمْرِيْ وَقَاسَمْتُكَ سُلْطَانِيْ.“

”اگر تم میری یہ پیش کش قبول کر لو تو میں تمہیں اپنی حکومت میں شریک کر لوں گا۔“

بادشاہ کی اس کھلی پیش کش کو سن کر زنجیروں میں جکڑا ہوا قیدی بے ساختہ مسکرا پڑا، اور اس نے نہایت بے نیازی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

”وَاللّٰهِ لَوْ أَعْطَيْتَنِيْ جَمِيْعَ مَا تَمْلِكُ، وَجَمِيْعَ مَا مَلَكَتْهُ الْعَرَبُ عَلٰى أَنْ أَرْجِعَ عَنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَا فَعَلْتُ۔“

تَرْجَمَۃ: ”اللہ کی قسم! اگر تم عرب و عجم کی ساری سلطنت بھی مجھے دے دو اور اس کے بدلے صرف یہ چاہو کہ میں ایک لمحے کے لیے دین محمد (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) سے پھر جاؤں تو یہ بھی میرے لیے ہرگز ناقابلِ قبول ہے۔“

قیصر نے دھمکی دیتے ہوئے کہا: ”تب میں تم کو قتل کر دوں گا۔“

حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اس کی دھمکی سے ڈرے بغیر جواب دیا: ”تمہاری مرضی، جو چاہو کرو۔“

پھر قیصر نے انہیں تختہ دار[1] پر باندھنے کا حکم دیا۔ اُس کے اِس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور انہیں تختۂ دار پر باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد اُس نے جلاد سے رومی زبان میں کہا:

اس کے دونوں ہاتھوں کے آس پاس تیر چلاؤ۔ وہ اس وقت بھی انہیں نصرانیت قبول کرنے کی دعوت رہا تھا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

پھر اس نے جلاد کو ان کے پاؤں کے اردگرد تیر مارنے کا حکم دیا۔ اس دوران بھی وہ انہیں اپنا دین چھوڑنے کی دعوت دے رہا تھا لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کیا۔ تب قیصر نے جلاد کو رک جانے کا اشارہ کیا اور کہا:

اسے تختۂ دار سے نیچے اتار دو۔ پھر اس نے ایک بڑی سی دیگ منگوائی، اس میں تیل ڈلوایا اور اسے آگ پر رکھوا دیا۔ جب تیل کھولنے لگا تو اس نے مسلمان قیدیوں میں سے دو آدمیوں کو بلوایا اور ان میں سے ایک کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈلوا دیا۔ اس میں پڑتے ہی مسلمان قیدی کے بدن کا گوشت الگ ہو گیا اور ہڈیاں نظر آنے لگیں۔

اس کے بعد قیصر نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی طرف رخ کرتے ہوئے پھر ان کو نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دی، مگر انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ اس کی دعوت کو رد کر دیا۔

---

[1] پھانسی کی جگہ

(چناں چہ قیصر نے دوسرے مسلمان قیدیوں کو بھی اس تیل میں ڈلوایا اور ساتھ ساتھ وہ ان کو نصرانیت کی دعوت بھی دیتا رہا، جب کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ برابر شدت سے انکار فرماتے رہے)

چناں چہ جب وہ ان سے بالکل مایوس ہوگیا تو انہیں بھی اسی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس میں ان کے دونوں ساتھیوں کو ڈالا گیا تھا۔ جب انہیں گھسیٹ کر دیگ کی طرف لے جایا جا رہا تھا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سپاہیوں نے قیصر سے کہا کہ یہ رو رہا ہے۔

قیصر نے سمجھا کہ اب ان کی ہمت جواب دے گئی ہے، اس نے سپاہیوں سے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اس کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اس خواہش کو دہرایا کہ وہ نصرانیت اختیار کرلیں، مگر جب انہوں نے انکار کردیا تو قیصر نے دریافت کیا۔

"وَيْحَكَ، فَمَا الَّذِیْ أَبْكَاكَ إِذَنْ؟."

تَرْجَمَہ: "پھر تم کیوں رو رہے تھے؟"۔

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جواب دیا:

"أَبْكَانِیْ أَنِّیْ قُلْتُ فِیْ نَفْسِیْ: تُلْقَى الْآنَ فِیْ هٰذِهِ الْقِدْرِ، فَتَذْهَبُ نَفْسُكَ، وَقَدْ كُنْتُ أَشْتَهِیْ أَنْ يَّكُوْنَ لِیْ بِعَدَدِ مَا فِیْ جَسَدِیْ مِنْ شَعْرٍ أَنْفُسٌ فَتُلْقَى كُلُّهَا فِیْ هٰذَا الْقِدْرِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ."

تَرْجَمَہ: "میرے دل میں یہ خیال آیا کہ عبداللہ! اس وقت تم اس دیگ میں ڈال دیے جاؤ گے اور تمہاری جان نکل جائے گی، حالاں کہ میری خواہش تھی کہ کاش! میرے بدن میں اتنی ہی جانیں ہوتیں جتنے بال ہیں اور وہ تمام جانیں ایک ایک کر کے اللہ کے دین کے لیے اس دیگ میں ڈالی جاتیں۔ اسی خیال پر مجھے رونا آگیا۔"

قیصر نے پوچھا:

"هَلْ لَكَ أَنْ تُقَبِّلَ رَأْسِیْ وأُخَلِّیَ عَنْكَ؟"

تَرْجَمَہ: "اچھا کیا تم میرے سر کو بوسہ دے سکتے ہو؟ اگر تم ایسا کرو تو میں تم کو رہا کردوں گا۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے سوال کیا؟

"وَعَنْ جَمِيْعِ أُسَارَى الْمُسْلِمِيْنَ أَيْضًا؟"

تَرْجَمَہ: "اور میرے دوسرے تمام مسلمان ساتھیوں کو بھی؟"

قیصر نے جواب دیتے ہوئے کہا:

”نَعَمْ وَعَنْ جَمِيْعِ أُسَارَى الْمُسْلِمِيْنَ أَيْضًا.“

تَرْجَمَہ: ”ہاں، دوسرے تمام مسلمان قیدیوں کو بھی تمہارے ساتھ رہا کر دیا جائے گا۔“

حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کہتے ہیں:

میں نے دل میں سوچا کہ یہ اللہ کا ایک دشمن ہے، اگر میں اس کے سر کو بوسہ دے دوں تو یہ اس کے بدلے میں مجھے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے گا، ایسا کر لینے میں میرا کیا نقصان ہے؟

یہ سوچ کر انہوں نے قریب جا کر اس کے سر کا بوسہ لے لیا۔

قیصر نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تمام مسلمان قیدی جمع کر کے عبداللہ بن حذافہ کے حوالے کر دیے جائیں، چناں چہ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے اپنی یہ کارگزاری ان کو سنائی، جس کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کو دیکھا تو فرمایا:

”حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يُّقَبِّلَ رَأْسَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ وَأَنَا أَبْدَأُ بِذٰلِكَ ...... ثُمَّ قَامَ وَقَبَّلَ رَأْسَهٗ ......“

تَرْجَمَہ: ”ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ کے سر کو بوسہ دے۔ اور یہ حق سب سے پہلے میں ادا کر رہا ہوں اور پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے سر کا بوسہ لیا۔“

فوائد ونصائح

دینی شعائر کی بے حرمتی سخت پکڑ کا ذریعہ ہے

دینی شعائر یعنی وہ چیزیں یا وہ باتیں جن سے دین کی پہچان ہوتی ہو ان کی بے حرمتی بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی سخت پکڑ کرتے ہیں۔ دیکھیے حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کسریٰ کے پاس جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا خط لے کر گئے تو کسریٰ نے اس مبارک خط کو پھاڑ دیا۔ کسریٰ کا یہ جرم صرف کسی قاصد کے خط کو پھاڑنا ہی نہ تھا بل کہ اس عظیم ہستی کی طرف سے اس مقدس صحیفے کو چاک کرنا بھی اس کا جرم تھا کہ جن کے نامِ نامی سے یہ دنیا اور یہ کائنات قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو اس سخت جرم کی ایسی سزا دی کہ وہ رہتی دنیا تک درسِ عبرت بن گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان لیتا ہے

دوسری بات یہ کہ ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ دین پر چلنے میں کوئی پریشانی نہیں، نہ اس پر عمل کرنا کوئی مشکل کام ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آخری دم تک آزماتا ہے اور امتحان لیتا ہے کہ میرا یہ بندہ میرے معاملے میں کس حد تک ثابت قدم ہے، اس کے اندر دین پر عمل پیرا ہونے میں کتنی قوتِ برداشت ہے۔

دیکھیے مذکورہ واقعے میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ثابت قدمی دکھائی اور دینِ اسلام پر استقامت کا مظاہرہ کیا۔ دنیا کی چند روزہ نعمتوں کی لالچ تو دور کی بات اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قیصرِ روم کے چنگل سے نجات دی اور لوگوں کے سامنے عزت و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

لہٰذا اگر ہمیں دین کے معاملے میں کوئی ظاہری سختی پیش بھی آئے تو یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے اور ایسے وقت میں ہمیں اپنے یقین میں اور مضبوطی پیدا کر کے استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اس کے لئے یہ دعا بھی مانگنی چاہیے۔

"يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔"

مُذاکرہ

سُؤال: رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کس بادشاہ کی طرف خط مبارک دے کر روانہ فرمایا؟

سُؤال: کسریٰ کے جرم کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اُسے کیا سزا دی؟

سُؤال: یمن کے گورنر "باذان" کے اسلام لانے کا سبب کون سا واقعہ بنا؟

سُؤال: قیصرِ روم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر کیا مظالم ڈھائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے کیسے نجات دی؟

◆

---

[1] ترمذی ابواب الدعوات، باب: ۱۹۲/۲

حضرت عمیر بن وہب جمحی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"لَقَدْ غَدَا عُمَیْرُ بنُ وَهْبٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ بَعضِ أَبنَائِي" (عمر بن الخطاب)
تَرْجَمَۃ: "مجھے عمیر بن وہب اپنے بعض بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔"

حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قبولِ اسلام

عمیر بن وہب جمحی جنگِ بدر سے خود تو اپنی جان بچا کر صحیح سلامت واپس آ گیا مگر اپنے پیچھے اپنے لڑکے کو مدینے میں چھوڑ آیا جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ مسلمان، باپ کے جرائم کے بدلے میں بیٹے سے پوچھ گچھ کریں گے اور اُن اذیتوں اور تکلیفوں کے بدلے میں اُسے دردناک سزا دیں گے، جو وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اسلام کی دعوت سے باز رکھنے اور ان کے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اس سے پھیرنے کے لیے دیا کرتا تھا۔

ایک روز عمیر چاشت کے وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے اور وہاں رکھے ہوئے بتوں سے (اپنے گمان کے مطابق) برکت حاصل کرنے کی نیت سے مسجدِ حرام میں داخل ہوا، وہاں صفوان بن امیہ حطیم کے پاس (کعبہ سے متصل شمال کی جانب ایک جگہ) بیٹھا ہوا نظر آیا تو وہ اس کی طرف بڑھ گئے اور اس کے پاس آ کر کہنے لگا۔

عمیر اور صفوان کی منصوبہ بندی

آقائے قریش! صبح بخیر! صفوان نے جواب دیتے ہوئے کہا: ابو وہب صبح بخیر! آؤ بیٹھ کر کچھ باتیں کریں، باتوں میں وقت اچھا کٹ جاتا ہے۔ عمیر صفوان کے برابر میں بیٹھ گیا اور دونوں کے درمیان جنگِ بدر اور اس میں نازل ہونے والی مصیبت کا ذکر چھڑ گیا۔

وہ اپنے ان قیدیوں کو شمار کر رہے تھے جو محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور ان کے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔ صفوان نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لَیْسَ وَاللّٰهِ فِی الْعَیْشِ خَیْرٌ بَعْدَهُمْ."

ترجمہ: ’’اللہ کی قسم! ان لوگوں کے بغیر اب زندگی میں کوئی لطف بھی باقی نہیں رہا۔‘‘

عمیر نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا:

’’صَدَقْتَ وَاللّٰهِ. ثُمَّ سَكَتَ قَلِيلًا وَقَالَ.

وَرَبِّ الْكَعْبَةِ لَوْ لَا دُيُوْنٌ عَلَيَّ لَيْسَ عِنْدِيْ مَا أَقْضِيْهَا بِهٖ، وَعَيَالٌ أَخْشَى عَلَيْهِمُ الضِّيَاعَ مِنْ بَعْدِيْ، لَمَضَيْتُ إِلٰى مُحَمَّدٍ وَقَتَلْتُهٗ، وَحَسَمْتُ أَمْرَهٗ، وَكَفَفْتُ شَرَّهٗ، ثُمَّ أَتْبَعَ يَقُوْلُ بِصَوْتٍ خَافِتٍ وَ اِنَّ فِيْ وُجُوْدِ اِبْنِيْ وَهَبٍ لَدَيْهِمْ مَا يَجْعَلُ ذِهَابِيْ اِلٰى يَثْرَبَ اَمْرًا لَا يُثِيْرُ الشُّبْهَاتِ.‘‘

ترجمہ: ’’اللہ کی قسم! تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو، پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ رب کعبہ کی قسم! اگر میرے ذمے وہ قرض نہ ہوتے جن کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی بندوبست نہیں ہے۔ اور میرے اہل وعیال نہ ہوتے جن کے اپنے بعد ہلاک ہو جانے کا مجھے شدید اندیشہ لاحق ہے تو میں یثرب[1] جا کر محمد (ﷺ) کا خاتمہ کر دیتا اور اس فتنے کو ختم کر دیتا جو ہمارے لیے پریشانی کا سبب ہوا ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔ مسلمانوں کے یہاں میرے لڑکے وہب کی موجودگی کے سبب میرا وہاں جانا ان کے لیے کسی تشویش یا شبہے کا باعث بھی نہیں ہوگا۔‘‘

صفوان نے عمیر کی اس بات کو غنیمت سمجھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہاتھ آیا ہوا یہ بہترین موقع ضائع ہو جائے، اس لیے عمیر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا:

’’يَا عُمَيْرُ، اِجْعَلْ دَيْنَكَ كُلَّهٗ عَلَيَّ فَأَنَا أَقْضِيْهِ عَنْكَ مَهْمَا بَلَغَ ......

وَأَمَّا عَيَالُكَ فَسَأَضُمُّهُمْ إِلٰى عِيَالِيْ مَا امْتَدَّتْ بِيْ وَبِهِمُ الْحَيَاةُ ......‘‘

ترجمہ: ’’عمیر! تم اپنا سارا قرض میرے اوپر چھوڑ دو۔ چاہے وہ جتنا بھی ہو میں اسے تمہاری طرف سے ادا کردوں گا، اور تمہارے اہل وعیال کو اپنے اہل وعیال میں شامل کر کے زندگی بھر ان کی پوری پوری کفالت کرتا رہوں گا۔ (میرے پاس جو دولت ہے وہ ان سب کے گزر بسر کے لیے کافی ہے۔ وہ اس سے خوش حالی اور فراخی کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں)۔‘‘

عمیر نے صفوان کو رازداری کی تاکید کرتے ہوئے کہا:

---

[1] مدینہ منورہ کا پرانا نام تھا۔

”ہماری اس آپس کی گفتگو کو اپنے ہی تک محدود رکھنا کسی دوسرے کو اس سے آگاہ نہ کرنا۔“

صفوان نے اس کو اطمینان دلایا۔

”میں تمہارے لیے اس کا ذمہ لیتا ہوں۔“

عمیر مسجد سے اٹھ کر باہر آیا تو اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض و کینے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ اپنے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے ضروری انتظامات میں مشغول ہو گیا۔ اس کو اپنے اس سفر اور اس کے مقصد کے بارے میں کسی شخص کی طرف سے کسی شبہے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، کیوں کہ اس وقت قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی کے سلسلے میں اُن کے قریشی رشتہ داروں کی مدینہ منورہ کی طرف آمدورفت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

عمیر کی مدینہ روانگی

عمیر نے اپنی تلوار کی دھار کو تیز کرنے اور اس کو زہر میں بجھانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اپنی سواری کی اونٹنی طلب کی، وہ تیار کر کے اس کے سامنے لائی گئی اور وہ اس کی پشت پر سوار ہو گیا اور اپنے دل میں بغض و دشمنی اور شر و فساد کے ناپاک جذبات لیے مدینے کی سمت چل پڑا۔

عمیر مدینے پہنچا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے مسجد کا رخ کیا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)۔ جب وہ مسجد کے دروازے کے پاس پہنچا تو اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اس سے نیچے اتر آیا۔

اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مسجد کے دروازے کے قریب ہی بیٹھے ہوئے آپس میں جنگِ بدر اور اس میں قتل ہونے والے قریشیوں اور ان کے قیدیوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ وہ مسلمان مہاجرین و انصار کے کارناموں کی یاد تازہ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کر رہے تھے جو اس نے مسلمانوں کی فتح و کامیابی اور ان کے دشمنوں کی ذلت آمیز شکست کی شکل میں ان کے اوپر کیا تھا۔

اچانک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ بدلی اور ان کی نظر عمیر بن وہب پر پڑی جو اپنی سواری سے اتر کر تلوار لٹکائے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا اٹھے اور یہ کہتے ہوئے دوڑے:

”هٰذَا الْكَلْبُ عَدُوُّ اللّٰهِ عُمَيْرُ بْنُ وَهْبٍ ......“

ترجمہ: ”یہ کتا، اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے......“

اللہ کی قسم! یہ کسی برے ارادے سے آیا ہے، یہی مکہ میں مشرکین کو ہمارے خلاف بھڑکاتا تھا اور جنگِ بدر سے پہلے ہمارے خلاف جاسوسی کیا کرتا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا:

”تم لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جاؤ اور آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لو، اور ہوشیار رہنا کہیں یہ خبیث مکار کوئی دھوکا نہ کر دے۔“

پھر وہ خود لپکے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ ﷺ سے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے جو تلوار سے مسلح ہو کر آیا ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور کسی برے ارادے سے یہاں آیا ہے۔“

”رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا:

”اسے میرے پاس لے آؤ۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمیر بن وہب کے پاس پہنچے اور اس کو گریبان سے پکڑ لیا۔ پھر اس کی گردن کو تلوار کے تسمے میں پھنسا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ حضور ﷺ نے اس کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا:

”أُدْنُ يَا عُمَيْرُ.“

ترجمہ: ”عمیر! قریب ہو جاؤ۔“

پھر آپ ﷺ نے عمیر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اسے اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔

اس نے آپ ﷺ کے نزدیک جا کر جاہلیت کے طریقے سے سلام کیا۔

”أَنْعِمْ صَبَاحاً.“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَقَدْ أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِتَحِيَّةٍ خَيْرٍ مِنْ تَحِيَّتِكَ يَا عُمَيْرُ ...... لَقَدْ أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِالسَّلَامِ، وَهُوَ تَحِيَّةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ.“

ترجمہ: ”اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہارے سلام سے بہتر سلام سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس ”سلام“ سے نوازا ہے جو اہل جنت کا طریقۂ سلام ہے۔“

عمیر نے کہا: ”واللہ! آپ ہمارے طریقۂ آداب سے زیادہ دور نہیں ہیں، ابھی کچھ دنوں پہلے آپ کے

سلام کرنے کا طریقہ بھی یہی تھا۔"

رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

"وَمَا الَّذِیْ جَاءَ بِكَ یَا عُمَیْرُ."

تَرجَمَہ: "اے عمیر! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟"

عمیر نے بہانہ بنایا اور کہا:

"جِئْتُ أَرْجُوْ فَكَاكَ هٰذَا الْأَسِيْرِ الَّذِيْ فِيْ أَيْدِيْكُمْ، فَأَحْسِنُوا إِلَيَّ فِيْهِ."

تَرجَمَہ: "اس قیدی کی رہائی کی امید لے کر آیا ہوں۔ جو آپ کے قبضے میں ہے۔ آپ اس کو رہا کرکے میرے اوپر احسان کیجیے۔"

آپ ﷺ نے اس کے دل کا چور پکڑتے ہوئے فرمایا:

"فَمَا بَالُ السَّيْفِ الَّذِيْ فِيْ عُنُقِكَ."

تَرجَمَہ: "پھر تمہاری گردن میں یہ تلوار کیسی (لٹک رہی) ہے؟"

اس نے ایک اور پردہ ڈالنا چاہا۔

"قَالَ قَبَّحَهَا اللّٰهُ مِنْ سُيُوْفٍ...... وَهَلْ أَغْنَتْ عَنَّا شَيْئًا يَوْمَ بَدْرٍ؟"

تَرجَمَہ: "اللہ ان تلواروں کا برا کرے، کیا جنگِ بدر کے روز یہ ہمارے کسی کام آسکیں؟"

آپ ﷺ نے اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا اور فرمایا:

"(أُصْدُقْنِيْ، مَا الَّذِيْ جِئْتَ لَهٗ يَا عُمَيْرُ؟)"

تَرجَمَہ: "اے عمیر! مجھے سچ سچ بتاؤ۔ تمہارے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا ہے؟"

اس نے ایک بار پھر سفید جھوٹ بولا۔

"میں واقعی صرف اسی کام سے آیا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس سازش کا راز فاش کردیا۔

"نہیں صحیح بات یہ ہے کہ تم اور صفوان بن امیہ حجرِ اسود کے پاس بیٹھے تھے، اور تم نے قریش کے ان مقتولین کا ذکر کیا جو بدر کے گڑھے میں ڈال دیے گئے تھے۔ پھر تم نے کہا تھا:

"لَوْ لَا دَيْنٌ عَلَيَّ وَعِيَالٌ عِنْدِيْ لَخَرَجْتُ حَتّٰى أَقْتُلَ مُحَمَّدًا ...... فَتَحَمَّلَ لَكَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ دَيْنَكَ وَعِيَالَكَ عَلٰى أَنْ تَقْتُلَنِيْ ...... وَاللّٰهُ حَائِلٌ بَيْنَكَ وَبَيْنَ

ذٰلِكَ."

تَرْجَمَۃ: "اگر میرے اوپر قرض کا بوجھ اور اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں یثرب جا کر محمد (ﷺ) کا کام تمام کر دیتا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ)۔ تو صفوان نے اس شرط پر کہ تم مجھے قتل کر دو گے تمہارے قرضوں کی ادائیگی اور تمہارے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، لیکن یاد رکھو تمہارے اور تمہارے (اس ناپاک) ارادے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے۔"

یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے عمیر بن وہب بالکل ہکا بکا رہ گیا، پھر بول اٹھا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے کہا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کی بیان کردہ آسمانی خبروں اور آپ کے اوپر نازل شدہ وحی کو نہیں مانتے تھے، لیکن میرے اور صفوان کے مابین طے شدہ اس منصوبے کو میرے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

"وَوَاللّٰہِ لَقَدْ أَیْقَنْتُ أَنَّہٗ مَا أَتَاكَ بِہٖ إِلَّا اللّٰہُ......"

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! اب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہمارے اس خفیہ منصوبے کی خبر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔"

اللہ کا شکر ہے کہ وہ مجھے یہاں کھینچ لایا تاکہ مجھے دولتِ ایمان سے سرفراز فرمائے۔ پھر وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ سے فرمایا:

"فَقِّھُوْا أَخَاكُمْ فِيْ دِیْنِہٖ، وَعَلِّمُوْہُ الْقُرْآنَ، وَاطْلِقُوْا أَسِیْرَہٗ."

تَرْجَمَۃ: "اپنے بھائی کو دین سکھاؤ اسے قرآن کی تعلیم دو اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

حضرت عمیر بن وہب جمحی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے اسلام لانے پر تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ بہت خوش ہوئے، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا:

"لَخِنْزِیْرٌ كَانَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ عُمَیْرِ بْنِ وَھْبٍ حِیْنَ قَدِمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَھُوَ الْیَوْمَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ بَعْضِ أَبْنَائِيْ."

تَرْجَمَۃ: "جس وقت عمیر بن وہب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا، وہ میرے نزدیک خنزیر سے بھی بدتر تھا، لیکن آج وہ مجھے میرے بعض بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔"

صفوان بن امیہ کا مکہ میں بے چینی اور انتظار

حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مدینے میں رک گئے۔ وہ وہاں رک کر اسلامی تعلیمات کے ذریعے اپنے لیے راہ نمائی حاصل کرتے، قرآن کے نور سے اپنے دل کو منوّر کرتے اور اپنی زندگی کے بارونق اور مطمئن ترین ایام گزارتے رہے۔

اس مدت کے دوران صفوان بن امیہ اپنے دل کو جھوٹی امیدوں سے بہلاتا رہا۔ جب بھی اس کا گزر قریش کی مجلسوں کی طرف ہوتا، وہ ان کو خوش خبری دیتے ہوئے کہتا:

"أَبْشِرُوْ بِنَبَاءِ عَظِيْمٍ يَأْتِيْكُمْ قَرِيْباً فَيُنْسِيْكُمْ وَقْعَةَ بَدْرٍ."

تَرْجَمَہ: "عن قریب تمہارے پاس ایک ایسی اہم اور خوشی کی خبر آنے والی ہے جو بدر کے حادثے کے اثرات کو تمہارے دلوں سے مٹا دے گی۔"

لیکن جب اس کا انتظار بہت لمبا ہو گیا تو آہستہ آہستہ پریشانی...... بے چینی بڑھنے لگی اور لحہ بہ لحہ اس کی بے قراری اور پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا، گویا جیسے وہ آگ کے انگاروں پر لوٹ پوٹ ہو رہا ہو۔

وہ مدینے کی طرف سے آنے والے ہر مسافر سے حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں دریافت کرتا مگر کسی کے پاس اس کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ہوتا تھا۔ آخر کار ایک مسافر نے آکر اس کو یہ اطلاع دی:

"عمیر نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

یہ خبر صفوان بن امیہ پر بجلی بن کر گری، کیوں کہ اس کو اس بات کا پکا یقین تھا کہ عمیر بن وہب ہرگز اسلام قبول نہیں کر سکتا چاہے روئے زمین پر بسنے والا ہر شخص مسلمان ہو جائے۔

قریش کو دعوتِ اسلام

ادھر حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ برابر اپنے دین کا علم حاصل کرتے رہے اور جہاں تک ممکن ہوسکا اپنے رب کے کلام کو حفظ کرتے رہے۔ پھر ایک روز انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! ماضی میں ایک طویل مدت تک میں خدا کے نور کو بجھانے کی کوشش میں لگا رہا اور دینِ اسلام کو قبول کرنے والوں کو سخت قسم کی تکلیفیں دیتا رہا۔ جو بھی اسلام قبول کرتا تو میں اسے طرح

طرح کی تکلیفیں پہنچاتا۔"

"اَنَا اُحِبُّ اَنْ تَأْذَنَ لِیْ بِاَنْ اَقْدَمَ عَلٰی مَکَّةَ لِاَدْعُوَ قُرَیْشًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَاِنْ قَبِلُوْا مِنِّیْ فَنِعْمَ مَا فَعَلُوْا، وَ اِنْ اَعْرَضُوْا عَنِّیْ آذَیْتُهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ کَمَا کُنْتُ اُوْذِیْ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ."

ترجمہ: "اب میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ وہاں پہنچ کر میں قریش کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دوں۔ اگر وہ میری دعوت قبول کرلیں گے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ لیکن اگر انہوں نے میری اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو میں ان کو بھی بت پرستی اور انکار اسلام کے جرم میں ویسی ہی تکلیفیں دوں گا، جیسی اصحابِ رسول ﷺ کو اسلام قبول کرنے پر دیا کرتا تھا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ اجازت پا کر وہ مکہ مکرمہ آئے اور صفوان بن امیہ کے گھر آکر اس سے کہنے لگے:

عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صفوان بن امیہ کو دعوت دینا

"یَا صَفْوَانُ، اِنَّکَ لَسَیِّدٌ مِنْ سَادَاتِ مَکَّةَ، وَعَاقِلٌ مِّنْ عُقَلَاءِ قُرَیْشٍ، اَفَتَرٰی اَنَّ هٰذَا الَّذِیْ اَنْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ عِبَادَةِ الْاَحْجَارِ وَالذَّبْحِ لَهَا یَصِحُّ فِی الْعَقْلِ اَنْ یَّکُوْنَ دِیْنًا؟ اَمَّا اَنَا فَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

ترجمہ: "اے صفوان! تمہارا شمار مکہ معظمہ کے بڑے اور قریش کے عقل و دانش والے لوگوں میں ہوتا ہے۔ کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو ان پتھروں کی عبادت اور ان کے لیے قربانی کرنے کا جو طریقہ تم لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ عقل کی رو سے زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ ہے؟

(میں تو اسے درست نہیں سمجھتا)، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا حقیقت میں کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

پھر حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں دعوت الی اللہ کے کام میں لگ گئے اور بڑی تعداد میں لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہترین اجر سے نوازے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

فوائد ونصائح

① اسلامی تعلیمات ہماری ضرورت ہی نہیں بل کہ انسانی زندگی کا حصہ بھی ہیں، یہی تعلیمات ہمیں بدی سے اچھائی کی طرف اور گم راہی سے سیدھی راہ کی طرف لاتی ہیں، مگر بنیادی خرابی وہاں سے پیدا ہونا شروع ہوتا ہے کہ انسان اطمینان سے ان تعلیمات کو سمجھنے کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ ان تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارنا دشوار سمجھتا ہے۔ لیکن جہاں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے وہاں پھر اس کی زندگی ہی بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت عمیر بن وہب جمحی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے حالاتِ زندگی میں پڑھا۔

② ہمیں بھی اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ جو لوگ دین سے دور ہیں ان تک دین کی دعوت پہنچائیں اور انہیں یہ بات سمجھائیں کہ دین پر چلنا ہماری ضرورت ہے۔ اور اس مقصد کے لیے ہم خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی اس دعا کے مانگنے کا اہتمام کریں۔

ایمان واعمال کی محبت اور کفر ونافرمانی سے نفرت کی دعا

”اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِىْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ.“[1]

تَرْجَمَۃ: ”اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے، اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنادے اور نفرت ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی، اور نافرمانی کی اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں بنالے۔“

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کس ارادے سے مدینہ طیبہ آئے اور کیا بن کر گئے؟

سُؤال: حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے اسلام لانے کی وجہ کیا بنی؟

سُؤال: حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو دیکھ کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کیا کہا تھا؟

سُؤال: حضرت عمیر بن وہب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے مدینہ طیبہ آنے کے بعد مکّہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ لوگوں کو کیا کہتا پھرتا تھا؟

---

[1] الحزب الاعظم: صفحہ ٦١

حضرت براء بن مالک انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"لَا تُوَلُّوا الْبَرَاءَ جَيْشًا مِنْ جُيُوْشِ الْمُسْلِمِيْنَ مَخَافَةَ أَنْ يُهْلِكَ جُنْدَهُ بِإِقْدَامِهِ" (عمر بن الخطاب)

تَرْجَمَہ: "براء کو مسلمانوں کے لشکر میں سے کسی لشکر کا امیر نہ بنایا جائے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ (اپنی دلیری اور بہادری کی وجہ سے) اقدام کر کے انہیں ہلاکت میں نہ ڈال دیں۔"

تعارف

بکھرے ہوئے بال، غبار آلود چہرہ، ہلکے پھلکے اور دبلے پتلے بدن کے مالک تھے۔ بظاہر ان کی شخصیت میں کوئی کشش نہ تھی، دیکھنے والے ان کے اوپر ایک نظر ڈال کر اپنی نگاہیں پھیر لیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس قدر بہادر کہ ایک موقع پر انہوں نے تنہا مقابلہ کرتے ہوئے ایک سو مشرکین کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ دوسرے مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے اس کے علاوہ ہیں۔ وہ تلوار چلانے کے ماہر، نہایت بہادر اور جنگ کے وقت آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے تھے۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مختلف علاقوں کے گورنروں کو یہ حکم دیا تھا کہ انہیں لشکر مجاہدین کے کسی دستے کا امیر نہ بنایا جائے، کیوں کہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ بہادری کی وجہ سے انہیں ہلاکت میں ڈال دیں گے۔

یہ ہیں خادمِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بھائی حضرت براء بن مالک انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ ان کی جرأت وشجاعت کے کارنامے اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو بیان کرنے لگیں تو واقعات ختم نہ ہوں لیکن وقت تنگ ہو جائے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بہادرانہ کارناموں میں سے صرف ایک واقعے کا ذکر کر دیا جائے جو ان کے دوسرے کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہو۔

اس واقعے کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا انتقال ہوا۔ عرب قبائل بڑی تعداد میں دین اسلام کو چھوڑ کر اس میں سے بالکل اسی رفتار سے نکلنے لگے، جس طرح وہ فوج در فوج اس میں داخل ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف اور اِدھر اُدھر کے چند قبائل کے سوا جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان پر جما دیا تھا، کوئی بھی اسلام پر باقی نہیں رہا تھا۔

مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان فتنوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوگئے اور ان سے مقابلے کے لیے بلند اور مضبوط پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے۔ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے مہاجرین وانصار پر مشتمل گیارہ لشکر بنائے اور ان کے لیے گیارہ جھنڈے تیار کر کے ان کے امیروں کے حوالے کرتے ہوئے انہیں جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا، تاکہ وہ مرتدین کو (جو اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ کافر ہوگئے) حق وہدایت کی راہ پر واپس لائیں اور دینِ حق سے پھر جانے والوں کو (اگر سمجھانے سے کام نہ چلے تو) تلوار کے ذریعے دوبارہ دینِ حق کی طرف پلٹ آنے پر مجبور کردیں۔

صورتِ حال یہ تھی کہ ان مرتدین میں مسیلمہ کذّاب کا قبیلہ بنوحنیفہ کثرتِ تعداد، جنگی مہارت اور بہادری ودلیری کے لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط اور انتہائی طاقت ور تھا۔ مسیلمہ کی حمایت ومدد کے لیے اس کے اپنے قبیلے اور اس کے قریبی قبائل کے چالیس ہزار جنگ جو اکٹھے ہوگئے تھے۔ ان کی اکثریت نے مسیلمہ پر ایمان لانے کے بجائے محض قبائلی تعلق کی بناء پر اس کی پیروی اختیار کی تھی۔ ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ جھوٹا اور محمد (ﷺ) سچے نبی ہیں مگر ربیعہ کا کذاب (مسیلمہ) مضر کے صادق محمد (ﷺ) کے مقابلے میں ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

ہوا یہ کہ مسیلمہ نے مسلمانوں کے پہلے لشکر کو، جو اس سے لڑنے کے لیے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں نکلا تھا، شکست دے کر الٹے پاؤں واپس ہونے پر مجبور کردیا۔ ان کی جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں دوسری فوج روانہ کی، جس میں انہوں نے انصار ومہاجرین میں سے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع فرمایا۔ اس فوج کے اگلے دستے میں حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ دوسرے بہادر اور جانباز مسلمان مجاہدین شامل تھے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے پر حملہ

دونوں فوجیں نجد میں یمامہ کے مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرائیں اور جنگ شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد مسیلمہ کا پلہ بھاری ہونے لگا، مسلمان کچھ پریشان ہوکر اپنی جگہ سے ہٹنے لگے یہاں تک کہ مسیلمہ کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے پر حملہ کردیا اور اسے جڑ سے اکھاڑ

پھینکا، اور اگر بنو حنیفہ ہی کے ایک شخص (مجاعہ) نے امان نہ دی ہوتی تو انہوں نے ان کی بیوی (حضرت اُمّ تمیم) کو قتل بھی کر دیا ہوتا۔ اس وقت مسلمانوں کو زبردست خطرے کا احساس ہوا۔ انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کیا کہ اگر وہ مسیلمہ سے شکست کھا جاتے ہیں، تو آج کے بعد نہ کوئی اسلام کی حمایت میں کھڑا رہ سکے گا نہ پورے جزیرہ عرب میں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ممکن ہوگی۔

یہ احساس ہوتے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی تیزی کے ساتھ فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی اس طرح نئے سرے سے ترتیب قائم، کی کہ مہاجرین کو انصار سے اور مختلف قبائل کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، اور اس کی قیادت انہیں میں سے ایک فرد کے سپرد کر دی۔ تاکہ جنگ میں ہر لشکر کی کارکردگی کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان فوج کس مقام پر کم زور پڑ رہی ہے۔

خوف ناک جنگ کا آغاز

دونوں فوجوں میں ایسی سخت اور خوفناک جنگ شروع ہوئی کہ اس سے پہلے مسلمانوں کی جنگ کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں گزری۔ مسیلمہ کی قوم نے اس جنگ میں بہت زیادہ بہادری کا مظاہرہ کیا۔ وہ جنگ کے میدان میں مضبوط چٹانوں کی طرح ڈٹ گئے۔ انہوں نے اپنے مقتولین کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کی، نہ اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے حوصلے پست ہونے دیے نہ ان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹے۔ مسلمان مجاہدین نے بھی حیرت انگیز اور بے مثال بہادری اور دلیری کے مظاہرے کیے اور جرأت وشجاعت کے ایسے ایسے شاندار کارنامے انجام دیے، کہ اگر ان کو یک جا کر کے مرتب کر دیا جائے تو ایک دل چسپ لاجواب کتاب وجود میں آ جائے۔

یہ ہیں انصار کا جھنڈا تھامے ہوئے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ اپنے جسم پر خوشبو لگاتے ہیں، کفن پہنتے ہیں اور زمین میں گڑھا کھود کر اس میں پنڈلیوں تک اتر کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اپنی جگہ پر جم کر لڑتے ہیں، اپنے قبیلے کے جھنڈے کی حفاظت کرتے ہیں اور لڑتے لڑتے شہید ہو جاتے ہیں۔

اور یہ ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو مسلمانوں کو للکار رہے ہیں لوگو! دشمن پر سخت حملہ کرو اور اس کو مارتے کاٹتے آگے ہی بڑھتے رہو:

”أَيُّهَا النَّاسُ، وَاللّٰهِ لَا أَتَكَلَّمُ بَعْدَ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ أَبَدًا حَتّٰى يُهْزَمَ مُسَيْلَمَةُ أَوْ أَلْقَى اللّٰهَ، فَأُدْلِيَ إِلَيْهِ بِحُجَّتِيْ ......“

تَرْجَمَہ: ’’لوگو! میں اس کے بعد اس وقت تک کوئی بات نہیں کروں گا جب تک مسیلمہ کو شکست نہ ہو جائے یا میں اللہ کی راہ میں شہید ہو کر اپنی شہادت کو اللہ کے حضور پیش کر دوں۔‘‘

پھر انہوں نے دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اور یہ ہیں حضرت ابو حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آقا، حضرت سالم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، مہاجرین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے متعلق مہاجرین کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں ان کی طرف سے کسی کم زوری کا اظہار نہ ہو، انہوں نے کہا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ کہیں آپ کی طرف سے دشمن ہمارے اوپر حملہ نہ کر دیں۔

انہوں نے جواب دیا:

’’إِنْ أُتِيْتُمْ مِنْ قِبَلِيْ فَبِئْسَ حَامِلُ الْقُرْآنِ أَكُوْنُ ......‘‘

تَرْجَمَہ: ’’اگر (میری طرف سے کسی قسم کی کم زوری کا اظہار ہو اور) دشمن میری طرف سے تمہارے اوپر حملہ کرنے کی راہ پالے تو میں بدترین حاملِ قرآن ٹھہروں گا۔‘‘

یہ کہہ کر وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ جب حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جنگ کے شعلوں کو تیزی سے بھڑکتے ہوئے دیکھا، تو حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے: ’’انصاری نوجوان! دشمن پر حملہ کرو۔‘‘

تو حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے قبیلے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

’’يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ لَا يُفَكِّرَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمْ بِالرُّجُوْعِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَلَا مَدِيْنَةَ لَكُمْ بَعْدَ الْيَوْمِ...... وَ إِنَّمَا هُوَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ ...... ثُمَّ الْجَنَّةَ.‘‘

تَرْجَمَہ: ’’اے انصار کے لوگو! تم میں سے کوئی شخص مدینہ واپس لوٹنے کی بات نہ سوچے۔ آج کے بعد تمہارے لیے مدینہ نہیں ہے۔ آج تو صرف اللہ وحدہ لاشریک (کی رضا کی طلب) ہے اور...... پھر جنت ہے۔‘‘

پھر انہوں نے مشرکین پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں ان کے قبیلے کے لوگوں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ صفوں کو چیرتے، تلوار چلاتے اور دشمنوں کی گردنوں پر اس تلوار کی تیزی آزماتے رہے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ اور اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے بھاگ کر اس باغ میں پناہ لی جو اس کے بعد تاریخ میں ’’حَدِيْقَةُ الْمَوْت‘‘ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لیے کہ اس روز اس باغ میں بہت کثیر تعداد میں لوگ قتل ہوئے اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔

حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بے خوفی

"حَدِیْقَۃُ الْمَوْت" ایک بہت وسیع وعریض باغ تھا اور اس کی فصلیں بہت زرخیز اور اونچی تھیں۔ مسیلمہ اور اس کے ہزاروں ساتھیوں نے اس میں پناہ لینے کے بعد اس کے دروازے اندر سے بند کر لیے اور اس کی اونچی دیواروں کے پیچھے خود کو محفوظ کر لیا، اور اندر سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ اس وقت اسلام کے بہادر سپاہی حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آگے بڑھے اور فرمایا:

"یَا قَوْمِ، ضَعُوْنِیْ عَلٰی تُرْسٍ، وَارْفَعُوا التُّرْسَ عَلَی الرِّمَاحِ، ثُمَّ اقْذِفُوْنِیْ إِلَی الْحَدِیْقَةِ قَرِیْبًا مِّنْ بَابِهَا، فَإِمَّا أَنْ أَسْتَشْهِدَ، وَ إِمَّا أَنْ أَفْتَحَ لَكُمُ الْبَابَ."

تَرجَمہ: "لوگو! مجھے ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے سہارے اوپر اٹھاؤ اور دروازے کے قریب باغ کے اندر پھینک دو، تاکہ یا تو میں شہادت کا درجہ حاصل کر لوں یا پھر تمہارے لیے دروازہ کھول دوں۔"

بے مثال جوان مردی

حضرت براء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نہایت ہلکے پھلکے اور دبلے پتلے تھے۔ وہ فوراً ایک ڈھال پر بیٹھ گئے اور کئی نیزوں نے انہیں اوپر اٹھا لیا اور ان کو "حَدِیْقَۃُ الْمَوْت" کے اندر مسیلمہ کے ہزاروں فوجیوں کے درمیان پھینک دیا گیا۔ اندر پہنچتے ہی وہ دشمنوں کے اوپر بجلی بن کر گرے۔ وہ دروازے کے پاس برابر لڑتے رہے اور ان کی گردنیں تلوار سے قلم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے دس آدمیوں کو قتل کر دیا اور دروازہ کھول دیا۔ اس وقت ان کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے اسّی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے۔ مسلمانوں نے دیواروں اور دروازوں کے راستے "حَدِیْقَۃُ الْمَوْت" پر حملہ کر دیا، اور اس میں پناہ لینے والے مرتدین کو اپنی تلواروں سے قتل کرنا شروع کر دیا، اور تقریباً بیس ہزار مرتدین کو ہلاک کرنے کے بعد مسیلمہ تک پہنچ گئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت براء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زخموں کا علاج کرنے کے لیے ان کو خیمے میں اٹھا کر لایا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ علاج کے سلسلے میں ایک ماہ تک ان کے پاس ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء کاملہ سے نوازا اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو شاندار فتح عنایت فرمائی۔

حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ شہادت کے عظیم درجے کو پانے کی آرزو کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رہے اور برابر اس کی کوشش میں لگے رہے جو "حَدِیْقَۃُ الْمَوْت" کے روز ان کو حاصل ہوتے ہوتے

رہ گئی تھی۔ وہ اپنے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے سرفراز ہونے کے لیے بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے اور ان میں خطرناک ترین مواقع پر پہنچ کر لڑتے رہے۔ آخر کار وہ وقت آگیا جب مسلمانوں نے ایران کے مشہور شہر "تستر" کو فتح کرنے کے لیے اس کا محاصرہ کرلیا۔ اہل فارس ایک نہایت مضبوط قلعے میں پناہ لیے ہوئے تھے اور مسلمانوں نے اس کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ جب محاصرہ کا یہ سلسلہ کافی طویل ہوگیا اور اہل ایران کی پریشانیاں حد سے بڑھ گئیں، تو وہ قلعہ کی دیواروں سے لوہے کی زنجیریں لٹکانے لگے جن کے سروں سے لوہے کی کنڈیاں آگ میں تپا کر انگاروں کی طرح سرخ کردی جاتیں۔

وہ نوکیلی اور گرم کنڈیاں مسلمانوں کے جسموں میں دھنس جاتیں اور وہ ان میں پھنس کر رہ جاتیں، اور ایرانی اوپر سے زنجیروں کے ذریعے ان کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ ان کنڈیوں میں پھنس کر مسلمان یا تو شہید ہو جاتے یا شدید زخمی ہو جاتے تھے۔ انہی میں سے ایک کنڈی حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم میں دھنس گئی، یہ دیکھتے ہی حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلعے کی دیوار کی طرف لپکے اور جھپٹ کر اس زنجیر کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا جو ان کے بھائی کو اٹھائے لیے جارہی تھی، وہ اس کو اپنے بھائی کے جسم سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے اس کوشش میں ان کے دونوں ہاتھ بری طرح جل گئے، مگر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے بھائی کو اس کنڈی کی گرفت سے چھڑائے بغیر زنجیر کو اپنے ہاتھوں سے نہیں چھوڑا۔ بھائی کو نجات دلانے کے بعد وہ زمین پر گر پڑے اس وقت ان کے ہاتھوں کا سارا گوشت جل چکا تھا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔

اس غزوے کے موقع پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت عطا فرمائے۔ ان کی یہ دعا بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوئی اور ان کی وہ دلی تمنا پوری ہوگئی جس کو وہ مدتوں سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ وہ میدان جنگ میں شہید ہو کر گرنے اور اللہ کے دیدار کی قیمتی اور قابل رشک نعمت سے سرفراز ہوگئے۔

"نَضَّرَ اللّٰهُ وَجْهَ الْبَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ فِي الْجَنَّةِ، وَأَقَرَّ عَيْنَهُ بِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَرَضِيَ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کو جنت میں خوش و خرم اور سرسبز و شاداب اور تر و تازہ رکھے، اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے ان کی آنکھیں

ٹھنڈی کرے۔ ان سے راضی ہو جائے اور ان کو خوش کر دے آمین۔“

فوائد و نصائح

ہمارا عزم

حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنی ضرورتوں اور خواہشات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو آگے رکھیں گے۔ اور ہمارا عزم یہ ہو کہ ہم دین کو سارے عالم کے انسانوں میں عام کرنے کا ان شاء اللہ تعالیٰ ذریعہ بنیں گے۔

ہم اپنے بھائی کی مدد کریں

دوسرا سبق اس واقعے سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم مشکل وقت میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے والے ہوں اور ان کے کام آنے والے ہوں۔ جیسا کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشکل میں مدد کی، بل کہ ایک طرح سے ان کی مشکل اپنے سر لے لی چناں چہ یہ الفاظ آپ نے واقعے میں پڑھ لیے ہوں گے:

> ”بھائی کو نجات دلانے کے بعد وہ زمین پر گر گئے اس وقت ان کے ہاتھوں کا سارا گوشت جل چکا تھا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔“

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے بھائیوں کی معاونت کرتے رہیں اور مشکل میں ان کا ساتھ دیتے رہیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہم سب خیر و عافیت بھی مانگتے رہیں۔

جرأت مندانہ زندگی اپنایئے

تیسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم مخلوق کا خوف دل سے نکال کر جرأت مندانہ زندگی اپنائیں، اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی ظالم کے ظلم اور کسی طاقت ور کی طاقت کی ہرگز پرواہ نہ کریں، بل کہ سینہ سپر ہو کر ہمت و عزم کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں، تاکہ اللہ کا دین زندہ ہو جائے اور ہماری جانیں اس پر قربان ہو جائیں۔
حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ ہمیں اسی بات کا سبق دے رہے ہیں۔

”لوگو! مجھے ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے سہارے اوپر اٹھاؤ اور دروازے کے قریب باغ کے اندر پھینک دو (جہاں ہزاروں دشمن موجود تھے) تا کہ یا تو میں شہادت کا درجہ حاصل کرلوں یا پھر تمہارے لیے (قلعے کا) دروازہ کھول دوں۔“

ان الفاظ کو دو چار مرتبہ اور پڑھ لیجیے اور پھر غور کیجیے کہ کس قدر غیرت اور بہادری ہے ان الفاظ کو ادا کرنے والے انسان میں، سچ ہے کہ صرف اللہ سے ڈرنے والا انسان پوری کائنات سے بےخوف ہوجاتا ہے۔

ہمارے اکابر علماء دیوبند رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی بالکل یہی شان تھی کہ وہ صرف اللہ ہی سے ڈرنے والے تھے اس لیے وہ دنیا کی کسی چیز سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتے تھے، اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بار بار مانگنی چاہیے کہ اے اللہ! میرے دل کو مخلوق کی محبت سے...... مخلوق کے خوف سے...... مخلوق کے یقین سے...... مخلوق کے تاثر سے مکمل پاک وصاف فرمادے۔ اور اے اللہ! تیری ذات عالی کی محبت...... تیری ذات عالی کا خوف...... تیری ذات عالی کا یقین...... اور تیری ہی ذات عالی کا تاثر ہمیں نصیب فرمادے۔

مُذاکِرہ

سُؤال: جنگ یمامہ کی وجہ کیا بنی؟

سُؤال: حَدِیْقَۃُ المَوتْ کیسی جگہ ہے؟

سُؤال: جنگِ یمامہ میں حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قوم کے پاؤں کو میدانِ جہاد میں جمانے کی غرض سے کیا فرمایا؟

سُؤال: ہمیں حضرت براء بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حالات زندگی سے کیا سبق ملتا ہے؟

* * *

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا

"لَمْ تَبْقَ هِنْدُ الْمَخْزُوْمِيَّةُ أُمًّا لِسَلَمَةَ وَحْدَهٗ وَ إِنَّمَا غَدَتْ أُمًّا لِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "ہند مخزومیہ (ام سلمہ) صرف سلمہ کی ماں نہیں رہیں بل کہ تمام مسلمانوں کی ماں ہوگئیں۔"

تعارف

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بہت زیادہ عزت و شرافت والی خاتون تھیں۔ ان کے والد کا شمار قبیلۂ بنی مخزوم کے مشہور اور اہم سرداروں اور عرب کے گنے چنے چند مشہور سخی لوگوں میں ہوتا تھا، وہ اپنی سخاوت و فیاضی کی وجہ سے "زَادُ الرَّاکِب" کے لقب سے مشہور تھے۔ کیوں کہ قافلے جب ان کے گھر کی طرف روانہ ہوتے یا ان کے ساتھ سفر کرتے تو ان میں سفر کرنے والے مسافر کبھی اپنے ساتھ زادِ راہ لے کر چلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ سب کے اخراجات یہ خود برداشت کیا کرتے تھے۔

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے خاوند کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو بالکل اسلام کے شروع کے زمانے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے صرف حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور چند اور لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا جن کی تعداد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے بھی کم تھی۔

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا نام ہند بنت ابی امیہ تھا، لیکن ان کی کنیت "اُمّ سلمہ" ان کے نام سے زیادہ مشہور تھی۔

وہ اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ ہی اسلام لائیں۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون تھیں۔ یہ شرف ان سے پہلے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو حاصل تھا۔ جیسے ہی ان کے اور ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو ملی، وہ غصے سے آگ بگولہ ہوگئے، ان کے اندر غصے کی ایک لہر پیدا ہوگئی اور انہوں نے ان دونوں کو ایسی اذیت ناک اور تکلیف دہ سزائیں دینے کا سلسلہ شروع کردیا جو مضبوط چٹانوں کو ہلا دینے کے لیے کافی تھیں، لیکن انہوں نے ان سزاؤں کے سامنے نہ تو کسی بزدلی و کم زوری کا اظہار کیا نہ ہمت ہاری، نہ کسی قسم کے شک وشبہے میں مبتلا ہوئے۔

ہجرتِ حبشہ

جب تکالیف دینے کا یہ سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اس وقت یہ دونوں ہجرت کرنے والے ''قافلۂ مہاجرین'' میں پیش پیش تھے۔ حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے شوہر انجانے علاقے کی طرف چل پڑے اور اپنے پیچھے مکّہ مکرمہ میں اپنا عالی شان مکان، اپنا بلند مقام اور اپنی خاندانی شرافت چھوڑ گئے۔ وہ اپنے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے خواہاں اور اس کی رضا و خوشنودی کے طالب تھے۔

اگرچہ حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے شوہر کو نجاشی (شاہ حبشہ) کی حمایت و سرپرستی میں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی تھی، مگر اس کے باوجود مکّہ مکرّمہ واپس جانے اور سرچشمۂ ہدایت (محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے دیدار کی آرزو ان کے دلوں کو ہر وقت بے قرار اور بے چین رکھتی تھی۔ اور پھر جب سرزمینِ حبشہ میں ٹھہرے ہوئے مہاجرین کے پاس مسلسل اس طرح کی خبریں آنے لگیں کہ مکّہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا ہے، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے، اور قریش کی جانب سے تکلیفوں اور ان کے ظلم وستم کا زور بڑی حد تک ٹوٹ چکا ہے۔

چناں چہ ان حضرات نے جب اس قسم کی باتیں سنی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے مکّہ مکرّمہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ کرلیا۔ حرم شریف میں پہنچنے کا شوق اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضری کی آرزو انہیں کھینچے لیے جا رہی تھی۔

چناں چہ واپسی کے اس سفر میں بھی حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے شوہر سب سے آگے تھے۔ لیکن واپس آنے والوں پر بہت جلد یہ بات کھل گئی کہ ان کے پاس اس سلسلے میں جو خبریں پہنچی تھیں، ان کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا تھا۔ صحیح صورت حال یہ تھی کہ مسلمان حضرت حمزہ اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے اسلام لانے کے بعد جو تھوڑے آگے بڑھے تھے، قریش کی طرف سے اس کی شدید مخالفت بھی ہوئی ہے۔

قریش کا ظلم وستم

اس کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کو ستانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کے لیے بہت برے طریقے

استعمال کیے اور ان کے ظلم وستم کی چکی پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ چلنے لگی۔ اس لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اور حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے شوہر نے قریش کی اذیتوں سے نجات حاصل کرنے اور اپنے دین کی حفاظت کے خیال سے جلد از جلد ہجرت کر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر یہ کام ان کے لیے اتنا آسان نہ تھا جتنا وہ سمجھتے تھے۔ اس مرتبہ انہیں انتہائی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم ان مشکلات کی کہانی خود حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی زبانی ان کے بیان کردہ روایت کے مطابق لکھتے ہیں چناں چہ وہ فرماتی ہیں:

"جب ابو سلمہ (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تو انہوں نے میرے لیے سواری کا اونٹ تیار کیا، مجھے اس پر سوار کیا اور میرے بچے سلمہ کو میری گود میں ڈالا، اور کسی چیز کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ لیکن ابھی ہم مکہ معظمہ کی حدود سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ میرے قبیلے (بنی مخزوم) کے کچھ لوگوں نے ہم کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور ابو سلمہ سے کہنے لگے:

> "إِنْ كُنْتَ قَدْ غَلَبْتَنَا عَلٰى نَفْسِكَ، فَمَا بَالُ امْرَأَتِكَ هٰذِهٖ؟ وَهِيَ بِنْتُنَا، فَعَلَامَ نَتْرُكُكَ تَأْخُذُهَا مِنَّا وَتَسِيْرُ بِهَا فِي الْبِلَادِ؟."
>
> **تَرْجَمَۃ:** "تم ہماری بات نہیں مانتے تو یہ تمہارا اپنا اختیار ہے۔ لیکن تم اپنے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو (تمہاری مرضی) مگر تمہاری بیوی سے تمہیں کیا سروکار؟ یہ تو ہماری بیٹی ہے ہم تم کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ اس کو اپنے ساتھ لیے ہوئے در در (کی ٹھوکریں کھاتے) پھرو۔"

پھر وہ ان کے اوپر جھپٹ پڑے اور مجھے زبردستی ان سے چھین کر الگ کر دیا۔ جب میرے شوہر ابو سلمہ کے قبیلے (بنو عبد الاسد) کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ میرے قبیلے والوں نے مجھے اور میرے بچے کو ابو سلمہ سے چھین لیا ہے تو وہ نہایت غصہ ہوئے اور کہنے لگے:

> "لَا وَاللّٰهِ لَا نَتْرُكُ الْوَلَدَ عِنْدَ صَاحِبَتِكُمْ بَعْدَ أَنْ اِنْتَزَعْتُمُوْهَا مِنْ صَاحِبِنَا انْتِزَاعًا ...... فَهُوَ اِبْنُنَا وَ نَحْنُ أَوْلٰى بِهٖ."
>
> **تَرْجَمَۃ:** "اللہ کی قسم! جب تم نے اپنے خاندان کی لڑکی کو ہمارے قبیلے کے آدمی سے چھین لیا تو ہم بھی بچے کو اس کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ وہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔"

پھر میری آنکھوں کے سامنے ہی وہ میرے بچے سلمہ کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کھینچا تانی میں اس کا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا اور وہ اس کو چھین کر لے گئے۔

یہ صورت حال میرے لیے نا قابلِ برداشت تھی، اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا ہے اور میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ ایک طرف میرے شوہر اپنے دین اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے مدینہ چلے گئے۔ دوسری طرف میرے بچے کو بنو عبدالاسد نے زبردستی مجھ سے چھین لیا اور میرے قبیلہ بنو مخزوم نے زبردستی مجھے اپنے پاس روک لیا۔ اس طرح ذرا سی دیر میں مجھے میرے شوہر اور میرے بچے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔

پھر حضرت اُمِّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اپنی داستان کا اگلا حصہ بیان کرتی ہیں۔

''اس کے بعد سے میرا روزمرہ کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سویرے مکّہ معظّمہ کے باہر ''ابطح'' کی طرف نکل جاتی اور اس جگہ جا کر بیٹھ جاتی جہاں میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ میں ان گزری ہوئی گھڑیوں کو یاد کرتی رہتی، جب میرے شوہر اور بچے کے درمیان جدائی کی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔ میں برابر روتی رہتی یہاں تک کہ رات کے سائے گہرے ہو جاتے۔ میری یہ حالت ایک سال یا اس کے قریب رہی۔ آخر کار میرے چچا کے لڑکوں میں سے ایک شخص کا گزر میری طرف ہوا، اس کو میرے اس حال پر ترس آیا۔ اور اس نے میرے قبیلے والوں سے کہا:

''أَلَا تُطْلِقُوْنَ هٰذِهِ الْمِسْكِيْنَةَ!! فَرَّقْتُمْ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَبَيْنَ وَلَدِهَا.''

تَرْجَمَہ: ''تم لوگ اس غریب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے، (اس مسکین عورت کو کیوں تڑپا رہے ہو، کیا تم اس کی حالت نہیں دیکھ رہے، یہ اپنے شوہر اور بیٹے کے غم میں کس قدر بے چین ہے؟) تم نے اس کو اس کے شوہر اور بچے سے جدا کر کے اس کے اوپر ظلم کیا ہے۔''

آخر کار میرے قبیلے والے اس حد تک نرم ہو گئے کہ انہوں نے مجھے اپنے شوہر کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن میرے لیے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ میں اپنے بچے کو مکّہ معظّمہ میں بنی عبدالاسد کے یہاں چھوڑ کر خود اپنے شوہر کے پاس مدینہ منورہ چلی جاتی، اور اس صورت میں جب کہ میں خود مدینہ منورہ میں رہوں اور میرا چھوٹا سا ننھا بچہ مکّہ معظّمہ میں اس حال میں پڑا ہو کہ اس کے متعلق مجھے کوئی خبر نہ ملے، کیسے ممکن تھا کہ مجھے اس کے بغیر چین آ جائے اور میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو رک سکیں، بعض لوگوں نے جب مجھ کو اس طرح رنج و غم اور بے چینی میں دیکھا تو ان کو میری حالت پر رحم آیا اور انہوں نے بنی عبدالاسد سے بات

کر کے ان کو میرے ساتھ نرم رویّہ اپنانے پر آمادہ کرلیا، چناں چہ انہوں نے میرا بچہ ''سلمہ'' مجھے واپس کر دیا۔

ہجرتِ مدینہ

''اب میں نے مکہ معظمہ میں ٹھہر کر مدینہ منورہ جانے والے کسی ہم سفر کے انتظار میں وقت ضائع کرنا اور اپنی روانگی میں مزید تاخیر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس حالت میں کہیں کوئی ایسا حادثہ نہ پیش آجائے جو مجھے میرے شوہر کے پاس پہنچنے سے روک دے۔ اس لیے میں نے جھٹ پٹ اپنی سواری کے اونٹ کو تیار کیا، بچے کو گود میں لیا اور اپنے شوہر سے ملنے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑی۔ جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہ سے ہوئی۔ عثمان زمانہ جاہلیت میں خانۂ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، فتح مکہ میں شریک ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بیت اللہ کی کنجی ان کے حوالے کی۔

عثمان بن طلحہ نے مجھ سے پوچھا:

''إِلٰى أَيْنَ يَا بِنْتَ زَادِ الرَّاكِبِ؟.''

تَرْجَمَہ: اے ''زَادِ الرَّاكِبِ'' کی بیٹی! کہاں جارہی ہو؟''

میں نے جواب دیا:

''أُرِيْدُ زَوْجِيْ فِي الْمَدِيْنَةِ.''

تَرْجَمَہ: ''اپنے شوہر کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔''

انہوں نے دریافت کیا:

''أَوَ مَا مَعَكِ أَحَدٌ؟.''

تَرْجَمَہ: ''کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟''

میں نے جواب دیا:

''لَا وَاللّٰهِ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ بُنَيِّيْ هٰذَا.''

تَرْجَمَہ: ''نہیں، اللہ تعالیٰ اور میرے بچے کے سوا میرے ساتھ (دوسرا) کوئی نہیں ہے۔''

انہوں نے کہا:

''وَاللّٰهِ! لَا أَتْرُكُكِ أَبَدًا حَتّٰى تَبْلُغِي الْمَدِيْنَةَ.''

تَرْجَمَہ: ''اللہ کی قسم! جب تک تم مدینہ نہ پہنچ جاؤ، میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔''

یہ کہہ کرانہوں نے میرے اونٹ کی نکیل تھام لی اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہوگئے۔

اللہ کی قسم! اس سے پہلے مجھے ایسا عرب نہیں ملا جو اُن سے زیادہ شریف ہو۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو وہ اونٹ کو بٹھاتے اور خود مجھ سے دور ہٹ جاتے۔ جب میں اونٹ سے نیچے اتر کر زمین پر صحیح طرح کھڑی ہو جاتی تو وہ اونٹ کے پاس آتے، کجاوہ اتار کر زمین پر رکھ دیتے اور اونٹ کو لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے۔ پھر مجھ سے دور کسی سائے میں لیٹ جاتے، جب روانگی کا وقت ہو جاتا تو وہ اٹھ کر اونٹ کے پاس آتے اس کو تیار کر کے میرے قریب لاتے اور مجھے اس پر سوار ہونے کی اجازت دیتے ہوئے دور ہٹ جاتے۔ جب میں سوار ہو کر اطمینان سے بیٹھ جاتی تب وہ آجاتے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل پڑتے۔ مدینہ پہنچنے تک تمام راستے میں میرے ساتھ ان کا یہی رویہ رہا۔ جب ان کی نظر بنی عوف بن عمرو کی بستی ''قباء'' پر پڑی تو بولے:

''زَوْجُكِ فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، فَادْخُلِيْهَا عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ.''

تَرْجَمَہ: ''تمہارے شوہر اسی بستی میں ہیں۔ اللہ کا نام لے کر چلی جاؤ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ واپس جانے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف مڑ گئے۔ ایک طویل عرصے کی جدائی کے بعد ہم بچھڑے ہوئے دوبارہ ایک دوسرے سے ملے۔ حضرت اُمّ سلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کی آنکھیں اپنے شوہر کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوئیں، اور حضرت ابوسلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے دل نے اپنی بیوی اور بچے کو پا کر سکھ کا سانس لیا۔

حضرت ابوسلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی شہادت

اس کے بعد وقت تیزی سے گزرتا رہا اور غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا جس میں حضرت ابوسلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ شریک ہوئے اور کامیاب ہو کر مسلمانوں کے ساتھ واپس لوٹے۔ اور پھر غزوۂ احد (جو جنگِ بدر کے بعد پیش آیا) میں بھی بہت بہادری سے شریک ہوئے اور اس میں اپنی جرأت وشجاعت کی مثال قائم کی۔ جنگ سے واپس آئے تو ان کا جسم زخموں سے چور تھا۔ وہ برابر زخموں کا علاج کرتے رہے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ زخم ٹھیک ہو چکے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیوں کہ وہ زخم بظاہر تو بھر گئے تھے مگر اندر ہی اندر خراب ہو گئے تھے۔ ایک دن اچانک پھٹ گئے اور حضرت ابوسلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ بستر سے لگ گئے۔ اسی زمانے میں جب وہ اپنے زخموں کی وجہ سے تکلیف میں تھے ایک دن اپنی بیوی سے بولے:

اُمّ سلمہ! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"لَا يُصِيبُ اَحَدًا مُصِيبَةٌ، فَيَسْتَرْجِعُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَيَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي هٰذِهٖ. اَللّٰهُمَّ اخْلِفْنِي خَيْرًا مِّنْهَا، اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ......"

تَرْجَمَۃ: "جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھے اور دعا کرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے ہی اس مصیبت کا اجر چاہتا ہوں۔ الٰہی! تو مجھے اس کا بہترین بدلہ عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بدلے کی بہترین صورت پیدا فرما دیتا ہے۔"

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی عرصے تک اسی بیماری میں مبتلا رہے۔ اسی دوران ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ دروازے میں داخل ہوئے اور ابھی اچھی طرح ان کو دیکھ بھی نہیں سکے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھوں کو بند کیا اور آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے ان کے لیے دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمُقَرَّبِيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْتَحْ لَهٗ فِي قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ."

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما دے۔ اور اسے اپنے مقرب بندوں میں اعلیٰ مقام عطا فرما اور اس کے گھر والوں کے لیے اس کا قائم مقام ہو جا اور اس کے گھر والوں کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرما۔ اے رب العالمین! ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اس کی قبر کو کشادہ اور منور فرما۔"

ادھر جب حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ دعا یاد آئی۔ جو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بتائی تھی تو انہوں نے کہا۔ "اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي هٰذِهٖ" الٰہی! میں اپنی اس مصیبت میں تیری ذات اقدس سے اجر و ثواب کی نیت کرتی ہوں۔

لیکن ان کا دل "اَللّٰهُمَّ اَخْلِفْنِي فِيهَا خَيْرًا مِّنْهَا" (اے اللہ! مجھے اس کا بہترین بدلہ عطا فرما) کہنے پر آمادہ نہ ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھیں کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو ان کے بدلے میں طلب کیا جائے...... لیکن کچھ دیر بعد انہوں نے دعا مکمل کر دی۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیش آنے والی اس مصیبت پر مسلمانوں نے بہت صدمے و افسوس کا اظہار کیا۔ ہمدردی کے طور پر انہیں "اَيِّمُ الْعَرَبِ" "بیوۂ عرب" کے لقب سے یاد کرنے لگے، کیوں کہ مدینے میں ان کے ننھے منھے بچوں کے سوا ان کے اہل قبیلہ و خاندان میں سے ان کا کوئی قریبی سرپرست اور ہمدرد نہ

تھا۔

”اَیِّمُ الْعَرَبْ“ سے ”اُمّ المؤمنین“

مہاجرین وانصار دونوں نے ایک ہی وقت اپنے اوپر حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے حق کو محسوس کیا۔ اوران کی عدت کے دن گزرتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا۔ مگر انہوں نے ان کا پیغام منظور نہیں کیا۔ پھر حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پیغام کو بھی اسی طرح رد کر دیا جس طرح وہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پیغام کو نامنظور کر چکی تھیں۔ پھر جب خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے لیے پیغام دیا تو حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے کہا:

”یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ فِیَّ خِلَالًا ثَلَاثًا: فَأَنَا اِمْرَاَۃٌ شَدِیْدَۃُ الْغَیْرَۃِ فَأَخَافُ اَنْ تَرٰی مِنِّیْ شَیْئًا یُغْضِبُکَ فَیُعَذِّبُنِیَ اللّٰہُ بِہٖ.

وَاَنَا اِمْرَاَۃٌ قَدْ دَخَلْتُ فِی السِّنِّ.

وَاَنَا اِمْرَاَۃٌ ذَاتُ عِیَالٍ.“

تَرجَمَہ: ”اے اللہ کے رسول! میرے اندر تین باتیں ایسی ہیں جو شاید آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو پسند نہ آئیں:

پہلی بات یہ ہے کہ میں انتہائی غیرت مند عورت ہوں جس کی وجہ سے طبیعت میں غصہ ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ میری کوئی بات آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طبیعت مبارک کو ناگوار گزر جائے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھ سے ناراض ہو جائیں، تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر عذاب آ جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک عمر رسیدہ (بڑی عمر والی) عورت ہوں۔ تیسری بات یہ کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں۔“

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کی یہ باتیں سن کر ارشاد فرمایا:

”أَمَّا مَا ذَکَرْتِ مِنْ غَیْرَتِکِ فَإِنِّیْ أَدْعُو اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ أَنْ یُذْہِبَہَا عَنْکِ.

وَأَمَّا مَا ذَکَرْتِ مِنَ السِّنِّ فَقَدْ اَصَابَنِیْ مِثْلُ الَّذِیْ اَصَابَکِ. وَأَمَّا مَا ذَکَرْتِ مِنَ

الْعِيَالِ. فَإِنَّمَا عِيَالُكِ عِيَالِي."

تَرجَمَہ: "یہ جو تم نے اپنی غیرت مندی کی بات کہی ہے تو میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہارے اندر سے غصے والی طبیعت کو دور کر دے۔

اور جہاں تک سن رسیدگی (بڑی عمر) کی بات ہے تو اس میں میری حالت تم سے مختلف نہیں ہے۔

اور یہ جو تم نے بال بچوں کا ذکر کیا ہے تو (اس کے لیے کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے اسی لیے تو میں پیش کش کر رہا ہوں تا کہ ان کی ذمہ داری لے لوں اور تمہیں اس پریشانی سے نجات مل جائے)۔

تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح کر لیا اور ان کی وہ دعا قبول ہو کر سامنے آگئی جو انہوں نے اپنے شوہر کے انتقال کے وقت مانگی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ابو سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بہترین بدلہ عطا فرما دیا۔

اور اس وقت سے ہند بنت ابی امیہ مخزومیہ صرف سلمہ ہی کی ماں نہیں بل کہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے چہرے کو جنت میں تر و تازہ اور بارونق رکھے، ان سے راضی رہے اور ان کو راضی رکھے۔ آمین۔

فوائد ونصائح

انسان پر آنے والی تمام پریشانیاں وقتی ہوتی ہیں۔ ان پریشانیوں میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے امتحان لیتا ہے کہ یہ بندہ میرے معاملات میں کتنا مخلص ہے۔ اور ان پریشانیوں پر صبر کر کے مجھے یاد کرتا ہے یا نہیں؟

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو بھی اسلام قبول کرنے کے بعد کافی سختیوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن انہوں نے صبر کیا اور استقامت کا ثبوت دیا۔ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں "اُمّ المؤمنین" کے شرف سے نوازا۔

"رَحِمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَرَضِيَ عَنْهَا وَجَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهَا"

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا گھر کس نام سے مشہور تھا؟

سُؤال: حبشہ کی پہلی ہجرت سے مسلمان کیا سوچ کر واپس آئے تھے؟

سُؤال: حضرت ابوسلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو مصیبت کے وقت کون سی دعا پڑھنا سکھائی اور اس کا کیا فائدہ بتایا؟

سُؤال: رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دعوتِ نکاح کے جواب میں حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اپنی کون سی تین عادتوں کا ذکر کیا، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کے جواب میں کیا ارشاد فرمایا؟

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"یَضْرِبُ الْحِصَارَ الْاِقْتِصَادِیَّ عَلٰی قُرَیْشٍ"
ترجمہ: "جنہوں نے قریش پر اقتصادی پابندی لگائی۔"

رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ میں دعوت الی اللہ کے ذریعے اسلام کے دائرے کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے عرب وعجم کے کافر بادشاہوں کو دین کی دعوت دینے کے لیے آٹھ خطوط لکھے۔ آپ ﷺ نے جن حکمرانوں کو یہ خطوط بھیجے تھے، ان میں سے ایک ثمامہ بن اثال حنفی بھی تھا۔ ثمامہ کو اہم حکمرانوں میں شامل کرنا اور اس کے یہاں دعوتی خط روانہ کرنا حیرت انگیز اور قابل تعجب اس لیے نہیں تھا کہ وہ نہایت بااثر اور اہم شخصیت کا مالک تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کا ایک بارعب بادشاہ، بنوحنیفہ کا ایک سربراہ اور علاقۂ یمامہ کے ان بادشاہوں میں سے تھا جن کی کوئی بات ٹھکرائی نہیں جاتی تھی۔

حضور ﷺ کے پیغام پر ثمامہ کا توہین آمیز رویّہ

جب ثمامہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا تو اس نے اس کے ساتھ نہایت توہین آمیز رویّہ اپنایا۔ اس کے تکبر اور جاہلانہ غرور نے اس کو گناہ پر جما دیا اور اس نے حق کی دعوت سننے سے اپنے کان بند کر لیے، پھر شیطان اس پر سوار ہوگیا اور برابر اسے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر کے ان کی دعوت کو ختم کر دینے پر ابھارتا رہا۔ وہ رسول اللہ ﷺ پر بے خبری کی حالت میں اچانک حملہ کر کے آپ ﷺ کو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) شہید کر دینا چاہتا تھا، اور اپنے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے وہ کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔ ایک مرتبہ اسے موقع ملا وہ حضور اکرم ﷺ پر چھپ کر حملہ کرنے والا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کے چچا کے ذریعے حضور ﷺ کی حفاظت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ ثمامہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے ارادۂ قتل سے باز آگیا۔ لیکن وہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقصان پہنچانے کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں رہا، وہ برابر ان کی تاک میں لگا رہا۔ آخر کار وہ چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قابو پانے میں کامیاب ہو

گیا، اور ان کو نہایت دردناک طریقے سے شہید کر ڈالا۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ میں اس بات کا اعلان فرمادیا کہ ثمامہ جہاں کہیں ملے قتل کردیا جائے۔

حضرت ثمامہ کی گرفتاری اور قبولِ اسلام

صحابہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی شہادت اور نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کے کچھ ہی دنوں بعد ثمامہ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور اس ارادے سے وہ اپنے علاقے یمامہ سے مکہ مکرّمہ کی سمت روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر وہ کعبہ کا طواف اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کے لیے قربانی کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اپنے اس سفر کے دوران وہ مدینے کے قریب ایک راستے سے گزرتے ہوئے اچانک ایک ایسی آفت میں پھنس گیا جس کا اسے وہم و گمان تک نہیں تھا۔

حضور ﷺ کے مبارک اور کریمانہ اخلاق

ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے کچھ مسلمانوں پر مشتمل ایک جماعت نے، جو اس خطرے کی وجہ سے کہ کہیں کوئی شریر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر مدینے کے باشندوں کو نقصان نہ پہنچا دے رات کو پہرے کے فرائض انجام دے رہی تھی، ثمامہ کو دیکھا اور اسے گرفتار کرلیا۔ (حالاں کہ ان میں سے کوئی بھی اس کو پہچانتا نہ تھا) اور اس کو مدینہ لائے، اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ خود ہی اس قیدی کے حالات جان کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ فرمائیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر سے مسجد کی طرف آئے اور اندر تشریف لانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کی نظر ثمامہ پر پڑی جو ستون سے بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ سے دریافت فرمایا:

"أَتَدْرُوْنَ مَنْ أَخَذْتُمْ."

تَرْجَمَہ: "جانتے ہو تم لوگوں نے کس کو گرفتار کیا ہے؟"

صحابہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ نے عرض کیا:

"لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

تَرْجَمَہ: "نہیں اے اللہ کے رسول ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔"

آپ ﷺ نے قیدی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

هٰذَا ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالِ الْحَنَفِيُّ، فَأَحْسِنُوْا إِسَارَهٗ."

ترجمہ: ”یہ قبیلہ بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال ہے۔ اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا:

”اِجْمَعُوْا مَا كَانَ عِنْدَكُمْ مِنَ الطَّعَامِ وَابْعَثُوْا بِهٖ إِلٰى ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ......“

ترجمہ: ”تمہارے پاس جو بھی کھانا ہو، اسے جمع کر کے ثمامہ بن اثال کے پاس بھیج دو۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ”میری اونٹنی کا دودھ صبح و شام دھو کر اس کو پیش کیا جائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے خیال سے اس کے پاس تشریف لے گئے۔

اور اس سے دریافت فرمایا:

”مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟

ترجمہ: ”اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے (تم ہماری طرف سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو)؟“

اس نے جواب دیا:

”عِنْدِيْ يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ ...... فَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ......
وَ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ.“

ترجمہ: ”میں آپ کے متعلق اچھا گمان اور آپ سے اچھے برتاؤ کی امید رکھتا ہوں۔ لیکن اگر آپ میرے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص کو قتل کرائیں گے جس نے آپ کے صحابہ کا خون بہایا یعنی جو قتل کا مجرم ہے۔

اور اگر آپ معاف فرما کر مجھے چھوڑ دیں تو میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔ اور اگر آپ کو مال کی خواہش ہے تو وہ بھی فرمایئے جتنا مال چاہیں گے، دیا جائے گا۔“

اس گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو اس کے حال پر چھوڑا اور دو دن تک اسی حالت میں رہنے دیا۔ اس دوران اس کے پاس روزانہ کی طرح کھانے پینے کی چیزیں اور اونٹنی کا دودھ برابر پہنچتا رہا۔ دو دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے پاس تشریف لائے اور وہی سوال کیا:

”مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ.“

ترجمہ: ”ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے۔ تم ہم سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟“

اس نے جواب دیا:

"لَيْسَ عِنْدِيْ إِلَّا مَا قُلْتُ لَكَ مِنْ قَبْلُ.
فَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ ......
وَ إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ ......
وَ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ."

تَرْجَمَۃ: "میرے پاس کہنے کی وہی باتیں ہیں جو اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ میرے اوپر احسان کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو اس کی قدر پہچانتا ہے، اور اگر میرے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فیصلہ برحق ہوگا کیوں کہ میں آپ کے آدمیوں کو قتل کر کے اس کا مستحق قرار پا چکا ہوں، اور اگر آپ کو مال کی خواہش ہے تو بتایئے، جو چاہیں گے آپ کو پیش کیا جائے گا۔"

اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے اس سے مزید کچھ نہیں فرمایا بل کہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ البتہ اگلے روز آپ ﷺ پھر اس کے پاس تشریف لے گئے اور پھر وہی سوال دوہرایا:

"مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ."

تَرْجَمَۃ: "ثمامہ! تم کو ہماری طرف سے کس قسم کی برتاؤ کی امید ہے؟"

اور اس نے بھی پہلے کی طرح وہی جواب دیا۔

"اگر آپ میرے اوپر احسان کرتے ہیں تو ایک احسان مند پر احسان کریں گے اور اگر مجھے قتل کرا دیتے ہیں تو میں اس کا مستحق ہوں اور اگر آپ کو مال کی ضرورت ہو تو فرمایئے، آپ کا مطلوبہ مال میں آپ کو پیش کر دوں گا۔"

اس سوال و جواب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ."

تَرْجَمَۃ: "ثمامہ کو رہا کر دو۔"

اور حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کی زنجیر کھول دی گئی۔ رہائی پا کر ثمامہ مسجد سے نکلا اور مدینہ طیبہ کے باہر بقیع کے قریب واقع کھجوروں کے ایک باغ میں گیا جس میں کنواں تھا۔ اپنی سواری کو اسی کنویں کے پاس بٹھا کر اس کے پانی سے خوب اچھی طرح غسل کیا اور پاک صاف ہو کر پھر اسی راستے سے چل کر مسجد میں واپس آگیا۔ اس نے مسجد میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے قریب پہنچ کر با آواز بلند کلمۂ شہادت:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ."

پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

"يَا مُحَمَّدُ، وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ ...... وَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا إِلَيَّ."

تَرْجَمَۃ: "اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم، روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ برا نہ تھا۔ مگر اب یہ چہرا مجھے ہر چہرے سے زیادہ محبوب ہے۔"

"وَاللّٰهِ مَا كَانَ دِيْنٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهٖ إِلَيَّ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ قابل نفرت میرے نزدیک کوئی دین نہ تھا۔ لیکن اب یہ مجھے تمام ادیان سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔"

"وَوَاللّٰهِ مَا كَانَ بَلَدٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ میرے نزدیک کوئی دوسرا شہر نہیں تھا مگر اب آپ کا یہ شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ پسند ہے۔"

تھوڑی دیر رک کر پھر بولے۔

"میں نے آپ کے کچھ ساتھیوں کو شہید کیا ہے۔ اس کے بدلے میں آپ مجھ پر کیا لازم کرتے ہیں؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكَ يَا ثُمَامَةُ ...... فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا قَبْلَهٗ ......"

تَرْجَمَۃ: "ثمامہ! اس سلسلے میں تمہارے اوپر نہ قصاص ہے نہ دیت (نہ تمہیں قتل کیا جائے گا نہ تم سے مال لیا جائے گا)۔ کیوں کہ اسلام نے تمہاری پچھلی تمام زیادتیوں اور غلط کاریوں کو مٹا دیا ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے اسلام لانے کی وجہ سے جنت کی خوش خبری دی یہ سن کر انکا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ کہنے لگے:

"وَاللّٰهِ لَأُصِيْبَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ أَضْعَافَ مَا أَصَبْتُ مِنْ أَصْحَابِكَ، وَلَأَضَعَنَّ نَفْسِيْ وَسَيْفِيْ وَمَنْ مَّعِيْ فِيْ نُصْرَتِكَ وَنُصْرَةِ دِيْنِكَ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! میں نے آپ کے جتنے صحابہ کو قتل کیا ہے اس سے کئی گنا تعداد میں مشرکین کو

قتل کروں گا۔ اور اپنی ذات کو، اپنی تلوار کو اور ان لوگوں کو جو میرے ماتحت اور ساتھی ہیں آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت و تائید کے لیے وقف کرتا ہوں۔"

ذرا سی دیر کے بعد پھر کہا۔ "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ کے ساتھیوں نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب میں عمرہ کی نیت سے نکلا تھا۔ تو آپ کے خیال میں اب مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟"

شریعت کے موافق ادا کیا جانے والا پہلا عمرہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم مکہ جا کر عمرہ ادا کر لو، مگر یہ عمرہ اب تم اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کے مطابق ادا کرو گے۔" پھر آپ نے حج اور عمرہ کے اعمال کی تعلیم دی۔

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے، جب مکّہ معظمہ پہنچے تو وہیں کھڑے ہو کر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ."

تَرجَمَہ: "میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک ساری تعریفیں اور تمام نعمتیں تیرے لیے ہیں اور بادشاہت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

"فَكَانَ أَوَّلُ مُسْلِمٍ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ دَخَلَ مَكَّةَ مُلَبِّيًا."

تَرجَمَہ: "وہ (امت محمدیہ میں) دنیا کے سب سے پہلے مسلمان تھے جو (توحید کا) تلبیہ پڑھتے ہوئے مکّہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔"

قریش حیرت زدہ رہ گئے

قریش کے لوگ اس آواز کو سن کر سہم گئے اور غصہ ہو کر دوڑے۔ انہوں نے اپنی تلواریں نیام سے نکال لیں اور آواز کی طرف لپکے تاکہ اس شخص پر ٹوٹ پڑیں جو مکّہ مکرمہ میں آ کر ان کے عقائد کے خلاف باآواز بلند پکار رہا ہے۔ وہ لوگ ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بڑھے تو انہوں نے تلبیہ کی آواز اور تیز کر دی۔ وہ ان کی طرف نہایت لاپروائی اور بے خوفی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ ایک قریشی جوان نے تیر چلا کر ان کو شہید کرنا چاہا۔ مگر دوسروں نے اس کو یہ کہتے ہوئے ایسا کرنے سے روک دیا:

"وَيْحَكَ أَتَعْلَمُ مَنْ هٰذَا؟

إِنَّهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ مَلِكُ الْيَمَامَةِ ...... وَاللّٰهِ إِنْ أَصَبْتُمُوْهُ بِسُوْءٍ قَطَعَ قَوْمُهُ عَنَّا الْمِيْرَةَ وَأَمَا تُوْنَا جُوْعًا."

تَرجَمۃ: "تیرا برا ہو۔ جانتا ہے یہ کون ہے؟

یہ یمامہ کا بادشاہ ثمامہ بن اثال ہے۔ اگر تم نے اس کو کوئی نقصان پہنچایا تو اس کے قبیلے والے ہمارے یہاں غلے کی برآمد روک کر ہم کو بھوکا ماردیں گے۔"

پھر وہ لوگ اپنی تلواریں میان میں رکھ کے حضرت ثمامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے آئے اور ان سے بولے:

"مَا بِكَ يَا ثُمَامَةُ؟ أَصَبَوْتَ وَتَرَكْتَ دِيْنَكَ وَدِيْنَ اٰبَائِكَ!!."

تَرجَمۃ: "اے ثمامہ! یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم بے دین ہو گئے ہو اور تم نے اپنا اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے؟۔"

حضرت ثمامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا۔ "نہیں میں بے دین نہیں ہوا ہوں بل کہ میں نے سب سے اچھے دین یعنی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دین کی پیروی اختیار کرلی ہے۔" اس کے بعد انہوں نے کہا:

قریش پر اقتصادی پابندی

"اس گھر والے کی قسم! میرے واپس جانے کے بعد یمامہ کے گیہوں کا ایک دانہ اور وہاں کی پیداوار کا کوئی حصہ اس وقت تک تمہارے یہاں نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ تم سب کے سب محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اتباع نہ اختیار کرلو۔"

حضرت ثمامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قریش کی آنکھوں کے سامنے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمرہ کے ارکان ادا کیے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے قربانی کے جانور ذبح کیے اور واپس اپنے وطن لوٹ آئے۔ واپس آکر انہوں نے اپنے قبیلے والوں کو قریش کے یہاں غلہ نہ بھیجنے کا حکم دیا۔ قبیلہ والوں نے ان کے اس حکم کی تعمیل کی اور اہلِ مکّہ کے یہاں اپنی پیداوار بھیجنی بند کری۔

قریش کی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے شکایت

اقتصادی (مالی) پابندی جو حضرت ثمامہ بن اثال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قریش کے خلاف لگائی تھی آہستہ آہستہ سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ اس کے نتیجے میں غلے کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا، لوگوں میں

فاقہ اور غربت عام ہوگئی اور ان کی تکلیف اور پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کو اپنے اور بال بچوں کے بھوک سے مر جانے کا شدید خطرہ ہوگیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا:

"إِنَّ عَهْدَنَا بِكَ أَنَّكَ تَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحُضُّ عَلٰى ذٰلِكَ ......

وَهَا أَنْتَ قَدْ قَطَعْتَ أَرْحَامَنَا، فَقَتَلْتَ الْآبَاءَ بِالسَّيْفِ، وَأَمَتَّ الْأَبْنَاءَ بِالْجُوْعِ.

وَ إِنَّ ثُمَامَةَ بْنَ أُثَالٍ قَدْ قَطَعَ عَنَّا مِيرَتَنَا وَأَضَرَّبِنَا، فَإِنْ رَأَيْتَ أَنْ تَكْتُبَ إِلَيْهِ أَنْ يَّبْعَثَ إِلَيْنَا بِمَا نَحْتَاجُ إِلَيْهِ فَافْعَلْ."

ترجمہ: "ہم آپ کے متعلق پہلے سے یہ بات جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تاکید کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ہم جس صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ قطع رحمی کا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔ آپ ہمارے بڑوں کو تلوار سے اور ہمارے بیٹوں کو بھوک سے مار رہے ہیں۔ ثمامہ بن اثال نے غلے کی برآمد پر پابندی لگا کر ہمیں سخت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو لکھ دیں کہ وہ غلہ اور ہماری ضرورت کی چیزوں پر لگائی گئی پابندی ختم کر دیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثمامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو لکھ دیا کہ وہ قریش کے خلاف پیداوار پر لگائی ہوئی پابندی ختم کر دیں۔ چناں چہ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہ پابندی اٹھالی۔ اور قریش کے یہاں غلہ بھیجنا شروع کر دیا۔

اپنے قبیلے کو مسیلمہ کے کفر وفریب سے بچانے کی کوشش

حضرت ثمامہ بن اثال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ زندگی بھر اپنے دین کے وفادار اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے پابند رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور اہل عرب اجتماعی اور انفرادی طور پر اللہ کے دین سے نکلنے لگے، اور مسیلمہ کذّاب نے بنو حنیفہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے انہیں اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دینی شروع کی تو حضرت ثمامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کے سامنے ڈٹ گئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ "بنو حنیفہ کے لوگو! خبردار! اس گم راہی کی دعوت کو ہرگز قبول نہ کرنا جس میں ہدایت کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! یہ بدبختی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ان لوگوں پر مسلط کیا ہے جو اسے اختیار کریں، اور زبردست امتحان و آزمائش ہے ان لوگوں کے لیے جو اس سے بچیں۔"

انہوں نے مزید فرمایا:

"يَا بَنِیْ حَنِيْفَةَ إِنَّهٗ لَا يَجْتَمِعُ نَبِيَّانِ فِیْ وَقْتٍ وَاحِدٍ، وَ إِنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ، وَلَا نَبِیَّ يُشْرَكُ مَعَهٗ."

تَرْجَمَہ: "اے بنو حنیفہ والو! تم باز آ جاؤ، مسلیمہ کذّاب کی دعوت سے بچو۔ تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ ایک وقت میں دو نبی نہیں ہو سکتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، ان کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ ہی ان کی نبوت میں کسی کو شریک کیا گیا ہے۔"

پھر قرآن مجید کی یہ تین آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿حٰمٓ ۝ . تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ. لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾[1]

تَرْجَمَہ: "حٰمٓ! اس کتاب کا نازل فرمانا اس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے...... گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول فرمانے والا...... سخت عذاب والا انعام و قدرت والا...... جس کے سوا کوئی معبود نہیں...... اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔"

پھر فرمایا کہ کہاں اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم کلام اور کہاں مسیلمہ کذّاب کا جھوٹا قول۔

اور فرمایا:

"يَا ضِفْدَعُ نِقِّیْ مَا تَنَقِّيْنَ لَا الشَّرَابَ تَمْنَعِيْنَ وَلَا الْمَاءَ تُكَدِّرِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "اے مینڈک! تم جتنا چاہو ٹر ٹر کرتے رہو اپنی اس ٹر ٹر سے نہ تم پینے سے روک سکتے نہ پانی کو گدلا کر سکتے ہو۔"

پھر وہ اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو لے کر الگ ہو گئے جو اسلام پر ثابت قدم رہ گئے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے دین کو زمین پر غالب کرنے کے لیے مرتدین (اسلام سے پھرنے والوں) کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے۔

"جَزَى اللّٰهُ ثُمَامَةَ بْنَ أُثَالٍ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ...... وَأَكْرَمَهٗ بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ.."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے

---

[1] المؤمن: ۱ - ۳

بہترین جزا دے، اور اس جنت میں انہیں وہ اعزاز واکرام نصیب ہو جس کا پرہیزگار لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

فوائد ونصائح

رسول اکرم ﷺ صرف ہماری طرف نبی بنا کر ہی نہیں بھیجے گئے بل کہ ہمارے لیے رحمۃ للعالمین بن کر بھی مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہر نیکی کا بل کہ ہر برائی اور ظلم کا بدلہ بھی رحم سے دیا۔ کفارِ قریش نے شعبِ ابی طالب میں آپ ﷺ کو اور آپ کے قبیلے کو محصور (قید) کر دیا تھا۔ دانہ پانی بند تھا۔ یہاں تک آپ کے قبیلے والوں کا گزارہ درختوں کے پتوں پر ہو رہا تھا۔

کسی کو وہاں دانہ پانی پہنچانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن جب یہی دور کفارِ قریش پر آیا اور حضرت ثمامہ بن اثال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان پر اقتصادی پابندی لگائی تو اس وقت آپ ﷺ نے ہی یہ اقتصادی پابندی ختم کروائی تھی۔

ہم مسلمان ہیں تو ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔ اور ہر ایک کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

مُذاکرہ

سُوَال: حضرت ثمامہ بن اثال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے مکتوبِ نبوی (حضور ﷺ کے خط) کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

سُوَال: حضرت ثمامہ بن اثال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کس طرح اسلام قبول کیا؟

سُوَال: حضور ﷺ نے عرب وعجم کے کافر بادشاہوں کو جس سن میں خطوط لکھے، یہ بتائیں وہ کون سا سن اور کتنے خطوط تھے؟

سُوَال: کیا آپ کو معلوم ہے کہ بلند آواز میں تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے کون داخل ہوئے تھے؟

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

”يُدْفَنُ تَحْتَ أَسْوَارِ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ“

ترجمہ: ”قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کیے گئے۔“

تعارف

اس جلیل القدر صحابی کا نام خالد بن زید بن کلیب تھا، ان کی کنیت ابوایوب تھی اور ان کا تعلق انصار کے قبیلہ بنونجار سے تھا۔ ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناواقف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے مکانات کو چھوڑ کر ان کے مکان کو اس وقت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے منتخب فرمایا، جب وہ مکہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ان کے ذکر کو سارے عالم میں مشہور اور ان کے مقام کو ساری مخلوق میں بلند کر دیا اور یہی ایک بات ان کے فخر کے لیے کافی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ٹھہرنے کا واقعہ بہت دلچسپ ہے جس کے ذکر سے دل کو خوشی اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادتِ کبریٰ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ منورہ کے رہنے والے لوگ آپ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے۔ انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں میں عزت واحترام سے تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند روز مدینے کے قریب ایک بستی ”قبا“ میں ٹھہرے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ وہ پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے تقویٰ کے ساتھ رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے تو یثرب (مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ والوں نے اس کا نام مدینۃ النبی یعنی نبی کا شہر رکھ دیا) کے تمام بڑے بڑے سردار ان کے راستے میں کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہ آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں قیام کرنے پر آمادہ کرنے کا شرف حاصل کرلیں۔ یثرب کے

تمام سردار باری باری اونٹنی کے آگے کھڑے ہوجاتے اور اس کا راستہ روک کر عرض کرتے:

"أَقِمْ عِنْدَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي الْعَدَدِ وَالْعُدَدِ وَالْمَنَعَةِ.."

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے یہاں قیام فرمائیں۔ ہم اپنی قوت، ساز وسامان اور کثیر افراد کے ذریعے آپ کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔"

لیکن آپ ﷺ ہر ایک کو جواب دیتے:

"دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ."

ترجمہ: "اسے چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔"

جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی۔ اونٹنی مسلسل چلتی رہی، سب کی آنکھیں اسی کی طرف لگی ہوئی تھیں، دلوں میں ایک ہی شوق تھا کہ کسی طرح رسول اکرم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوجائے۔

جب وہ اونٹنی کسی کے مکان کے سامنے سے گزر جاتی تو اس گھر والوں پر مایوسی وناامیدی چھا جاتی اور ان کے بعد والوں کے دلوں میں امید کی شمع جگمگا اٹھتی تھی۔ اونٹنی اسی طرح ایک ایک کر کے مختلف گھروں کے سامنے سے گزرتی رہی اور لوگ اپنی محرومی پر خاموش ہوکر اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے سامنے خالی پڑے ہوئے میدان میں پہنچ کر بیٹھ گئی، لیکن رسول اللہ ﷺ اس کی پشت سے اتر کر نیچے تشریف نہیں لائے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھی اور آگے چل پڑی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دی۔ چند قدم چل کر اونٹنی مڑی اور واپس آکر دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں پہلی بار بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ لپکے۔ انہوں نے آپ کا سامان اٹھا لیا اور اسے خوشی خوشی اپنے گھر میں اس طرح لائے جیسے دنیا کا سارا خزانہ ان کے ہاتھ آگیا ہو۔

حضرت ابوایوب اور ان کی اہلیہ کا بے ادبی کے خوف سے رات بھر جاگتے رہنا

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے اوپر کی منزل کو اہل خانہ کے ساز وسامان سے خالی کرا دیا تاکہ رسول اللہ ﷺ اس میں قیام فرمائیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے نچلی منزل کو اوپر والی منزل پر ترجیح دی اور اسے اپنے قیام کے لیے پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

آپ ﷺ کی بات مانتے ہوئے آپ ﷺ کو اسی جگہ ٹھہرایا جسے آپ ﷺ نے پسند فرمایا تھا۔

جب رات ہوئی اور رسول اللہ ﷺ آرام فرمانے کے لیے تشریف لے جا چکے تو حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ بالائی منزل میں چلے گئے، لیکن جیسے ہی انہوں نے دروازہ بند کیا ان کے دل میں خیال آیا اور اپنی اہلیہ سے مخاطب ہوئے۔

”وَيْحَكِ، مَاذَا صَنَعْنَا؟
اَيَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفَلَ، وَنَحْنُ اَعْلٰى مِنْهُ؟
اَنَمْشِيْ فَوْقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟
اَنَصِيْرُ بَيْنَ النَّبِيِّ وَالْوَحْيِ؟ اِنَّا اِذَنْ لَّهَالِكُوْنَ.“

ترجمہ: ”تمہارا بھلا ہو، یہ ہم نے کیا کیا؟
کیا یہ بات مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیچے اور ہم ان سے اوپر رہیں؟
کیا یہ بات ہم کو زیب دیتی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلیں؟
کیا رسول اللہ ﷺ اور وحی الٰہی کے درمیان حائل ہونا ہمارے لیے مناسب ہے؟
آہ! اس صورت میں تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔“

اس وقت دونوں میاں بیوی سخت حیرانی و پریشانی سے دوچار تھے اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ وہ دونوں رات بھر بے چین رہے۔ آخر کار ان کو اس وقت تھوڑا سا سکون میسر آیا جب وہ اوپر والی منزل کے اس کونے میں سمٹ گئے جو رسول اللہ ﷺ کے اوپر نہیں تھا، وہ دونوں وہیں لیٹ گئے۔ اگر چلتے تو بیچ میں چلنے کے بجائے کنارے کنارے چلتے تھے۔ صبح کو حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

”وَاللّٰهِ مَا اُغْمِضَ لَنَا جُفْنٌ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ لَا اَنَا وَلَا اُمُّ اَيُّوْبَ.“

ترجمہ: ”آج رات میں اور اُمّ ایوب رات بھر جاگتے رہے۔“ آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا۔“

”اے اللہ کے رسول! رات بھر ہم اس احساس سے بے چین رہے کہ ہم جس مکان کی اوپر منزل میں ہیں، آپ اس کے نیچے تشریف فرما ہیں اور جب ہم چلتے اور حرکت کرتے ہیں تو دھول اور گرد و غبار آپ کے اوپر گر کر آپ کے لیے تکلیف کا سبب بنتی ہے۔ پھر دوسری بات یہ کہ ہم آپ کے اور وحی الٰہی کے درمیان حائل ہو

رہے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"هَوِّنْ عَلَيْكَ يَا اَبَا اَيُّوْبَ، اِنَّهُ اَرْفَقُ بِنَا اَنْ نَّكُوْنَ فِي السُّفْلِ، لِكَثْرَةِ مَنْ يَّغْشَانَا مِنَ النَّاسِ."

ترجمہ: "اے ابوایوب! اس کی فکر اور پرواہ مت کر۔ چوں کہ لوگ بکثرت میرے پاس ملنے کے لیے آتے رہتے ہیں اس لیے نیچے ہی رہنا میرے لیے زیادہ مناسب اور آرام دہ ہے۔"

حضور ﷺ کو تکلیف پہنچنے کے خوف سے کمبل میں پانی جذب کرنا

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم مانتے ہوئے اوپر والی منزل میں ہی رہا۔ یہاں تک کہ ایک ٹھنڈی رات کو ہمارا پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا اور اس کا پانی اوپر والی منزل کے فرش پر پھیل گیا۔ ہم دونوں میاں بیوی اس کے پھیلے ہوئے پانی کو جذب کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت ہمارے پاس استعمال کے لیے صرف ایک ہی کمبل تھا، اس خوف سے کہ کہیں یہ پانی نیچے ٹپک کر رسول اللہ ﷺ کے لیے پریشانی کا سبب نہ بن جائے، ہم نے اسی کمبل میں پانی کو جذب کرلیا۔ پھر صبح کے وقت میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

"بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ، اِنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اَكُوْنَ فَوْقَكَ، وَاَنْ تَكُوْنَ اَسْفَلَ مِنِّيْ. ثُمَّ قَصَصْتُ عَلَيْهِ خَبَرَ الْجَرَّةِ، فَاسْتَجَابَ لِيْ، وَصَعِدَ اِلَى الْعُلِّيَّةِ، وَنَزَلْتُ اَنَا وَاُمُّ اَيُّوْبَ اِلَى السُّفْلِ."

ترجمہ: "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ سے اوپر رہوں اور آپ مجھ سے نیچے رہیں۔ پھر میں نے رات کو پیش آنے والا پانی کا واقعہ آپ ﷺ کو سنایا اور آپ ﷺ سے اوپر والی منزل میں منتقل ہو جانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور اوپر کی منزل میں منتقل ہوگئے، اور میں اُمّ ایوب کے ساتھ نیچے آگیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تقریباً سات مہینے تک قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ جب اس زمین میں مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی جس میں اونٹنی بیٹھی تھی تو آپ ﷺ ان حجروں میں منتقل ہوگئے جو مسجد کے اردگرد آپ کے اور آپ کی ازواج مطہرات کے لیے بنائے گئے تھے، اور آپ ﷺ

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوس میں رہنے لگے۔ کتنے اچھے اور شریف پڑوسی تھے جو ان دونوں کو میسر آئے تھے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہمان نوازی

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے ایسی ہی محبت تھی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت گرمی میں دوپہر کے وقت گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھ کر پوچھا:

‘‘يَا اَبَابَكْرٍ مَا اَخْرَجَكَ هٰذِهِ السَّاعَةَ.’’

تَرجَمَہ: ‘‘اے ابوبکر! آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے؟’’

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ ‘‘بھوک کی شدت اور بے چینی کی وجہ سے۔’’

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ‘‘اللہ کی قسم! میرے گھر سے نکلنے کا سبب بھی یہی ہے۔’’

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے حجرے سے تشریف لائے اور ان دونوں حضرات سے دریافت فرمایا۔ ‘‘آپ دونوں اس وقت کس غرض سے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے ہیں؟’’

دونوں نے عرض کیا:

‘‘واللہ! ہم سب اس بھوک سے بے چین ہو کر نکلے ہیں جس کو ہم اپنے اندر شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔’’

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

‘‘اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں نے بھی اسی سے پریشان ہو کر گھر سے قدم نکالا ہے۔’’

‘‘اٹھیے! میرے ساتھ چلیے۔’’

اور تینوں حضرات حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پہنچے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ کوئی نہ کوئی چیز بچا کر رکھتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے تاخیر کرتے اور وقت مقررہ پر تشریف نہ لاتے تو وہ کھانا گھر والوں کو کھلا دیتے۔ یہ لوگ دروازے پر پہنچے تو حضرت اُمّ ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

گھر سے نکل کر ان کے پاس پہنچیں اور بولیں۔ ”نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی تشریف آوری ہماری عزت افزائی کا ذریعہ ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

”اَیْنَ اَبُوْ اَیُّوْبَ؟“

تَرْجَمَۃ: ”ابوایوب کہاں ہیں؟“

حضرت ابوایوب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سن لی۔ وہ قریب ہی اپنے کھجوروں کے باغ میں کام کر رہے تھے۔ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے لپکے:

”مَرْحَبًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِمَنْ مَّعَهٗ.“

تَرْجَمَۃ: ”رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا آنا ہمارے لیے بہت خوشی اور عزت کا سبب ہے۔“

پھر انہوں نے کہا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ آپ کی تشریف آوری بے وقت کیسے ہوئی؟ آپ تو اس وقت کبھی تشریف نہیں لاتے تھے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا ”ابوایوب تم ٹھیک کہتے ہو۔“

پھر حضرت ابوایوب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ باغ میں گئے اور اس میں سے کھجوروں کا ایک گچھا کاٹ لائے جس میں تمر، رطب، اور بسر ہر (یعنی خشک، تازہ اور نیم پختہ) قسم کی کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔

پیارے نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔

”اسے کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم نے اس میں سے صرف پکی ہوئی کھجوریں ہی کیوں نہیں توڑ لیں؟“

انہوں نے کہا ”میں نے مناسب سمجھا کہ آپ ﷺ اس میں سے تمر، رطب، اور بسر ہر قسم کی کھجور اپنی پسند کے مطابق تناول فرمائیں۔ اس کے علاوہ میں آپ کے لیے ایک بکری بھی ذبح کروں گا۔“

تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر ذبح کرنا ہے تو دودھ والی بکری مت ذبح کرنا۔“

پھر حضرت ابوایوب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے بکری کا ایک سالہ بچہ لیا اور اسے ذبح کر دیا، پھر انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا:

”اِعْجِنِیْ وَاخْبِزِیْ لَنَا، وَاَنْتِ اَعْلَمُ بِالْخُبْزِ“

تَرْجَمَۃ: ”ایوب کی ماں! آٹا گوندھ کر ہمارے لیے روٹیاں پکا لو۔ تم بہت عمدہ روٹیاں پکانا جانتی

ہو۔"

اس کے بعد انہوں نے آدھا گوشت پکایا اور آدھے کو بھون لیا۔ جب کھانا پک کر تیار ہوگیا اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے سامنے رکھ دیا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے گوشت میں سے ایک ٹکڑا لیا اور اس کو روٹی میں رکھ کر فرمایا:

"یَا اَبَا اَیُّوْبَ بَادِرْ بِهٰذِهِ الْقِطْعَةِ اِلٰی فَاطِمَةَ، فَاِنَّهَا لَمْ تُصِبْ مِثْلَ هٰذَا مُنْذُ اَيَّامٍ."

ترجمہ: "اے ابوایوب! یہ ٹکڑا جلدی سے فاطمہ کو دے آؤ، اس کو کئی دنوں سے ایسا کھانا نہیں ملا ہے۔"

پھر جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"خُبْزٌ، وَلَحْمٌ، وَتَمْرٌ، وَبُسْرٌ، وَرُطَبٌ!!."

ترجمہ: "روٹی، گوشت، تمر، رطب، اور بسر۔"

یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور پھر ارشاد فرمایا:

"وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ هٰذَا هُوَ النَّعِیْمُ الَّذِیْ تُسْاَلُوْنَ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، فَاِذَا اَصَبْتُمْ مِثْلَ هٰذَا فَضَرَبْتُمْ بِاَیْدِیْكُمْ فِیْهِ فَقُوْلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ"

ترجمہ: "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا، جب تم کو اس قسم کی نعمتیں ملیں اور تم انہیں کھانے کے لیے ہاتھ میں لو تو کہو بسم اللہ اور جب کھا چکو تو اس دعا سے اللہ کا شکر ادا کرو۔"

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ اَشْبَعَنَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ."

ترجمہ: "اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں سیر کیا اور ہم پر اپنا انعام اور فضل فرمایا۔"

احسان کا بدلہ احسان

پھر آپ ﷺ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"اِئْتِنَا غَدًا."

ترجمہ: "کل ہمارے پاس آنا۔"

(آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص آپ کے ساتھ احسان کرتا تو آپ ﷺ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اس کے احسان کا بدلہ چکا دیں) حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی یہ بات نہیں سن سکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا:

''ابوایوب! رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں: کل تم میرے پاس آنا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''سَمْعًا وَطَاعَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ.''

تَرْجَمَۃ: ''رسول اللہ ﷺ کا حکم میرے سرآنکھوں پر۔''

جب دوسرے دن حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو ایک کنیز (جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھی) یہ کہتے ہوئے عنایت فرمائی:

''اِسْتَوْصِ بِهَا خَيْرًا. يَا اَبَا اَيُّوْبَ. فَاِنَّا لَمْ نَرَ مِنْهَا اِلَّا خَيْرًا مَا دَامَتْ عِنْدَنَا.''

تَرْجَمَۃ: ''اے ابوایوب! اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ یہ جب سے ہمارے پاس ہے ہم نے اسے نہایت ہی نیک اور فرماں بردار پایا ہے۔''

حضرت ابوایوب کا کنیز کے ساتھ حسنِ سلوک

وہ کنیز کو لیے ہوئے گھر لوٹے۔ جب اُمّ ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا تو بولیں:

''لِمَنْ هٰذِهٖ يَا اَبَا اَيُّوْبَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''ابوایوب یہ کنیز کس کی ہے؟''

انہوں نے جواب دیا۔ ''ہماری ہے نبی کریم ﷺ نے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔''

یہ سن کر اُمّ ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ''کتنا عظیم ہے عطا کرنے والا اور کتنا عمدہ ہے یہ عطیہ۔''

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ کہا۔ ''اور حضور ﷺ نے ہم کو اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔''

ان کی بیوی نے پوچھا:

''وَكَيْفَ نَصْنَعُ بِهَا حَتّٰى نُنَفِّذَ وَصِيَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''ہم اس کے ساتھ کون سا رویہ اختیار کریں کہ آپ ﷺ کی ہدایت پر پورا پورا عمل

کرسکیں؟"

حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حل پیش کرتے ہوئے کہا:

"وَاللّٰهِ لَا اَجِدُ لِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِهَا خَيْرًا مِنْ اَنْ اُعْتِقَهَا."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ہدایت پر عمل کرنے کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی کہ اس کو آزاد کردیں۔"

حضرت اُمِّ ایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ان کی تائید کی اور کہا:

"هُدِيْتَ اِلَى الصَّوَابِ، فَاَنْتَ مُوَفَّقٌ."

تَرْجَمَۃ: "آپ کی رائے بالکل صحیح ہے، آپ کو درست بات کی توفیق ملی۔"

اور حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کنیز کو آزاد کردیا۔

یہ حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی عام اور روز مرہ زندگی کے چند واقعات تھے۔ اگر آپ کو ان کی مجاہدانہ اور زمانہ جنگ کی زندگی کے واقعات دیکھنے کا موقع ملے تو یقیناً آپ حیران رہ جائیں گے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی ایک غازی اور مجاہد کی طرح گزاری۔ آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانے سے لے کر حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دور تک کسی غزوے سے پیچھے نہیں رہے جو مسلمانوں کو پیش آیا، سوائے اس کے کہ کسی دوسری جگہ پر ان کی تشکیل ہوئی ہو۔

مجاہدانہ طرزِ زندگی

وہ غزوہ حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا آخری غزوہ تھا جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ کی فتح کے لیے فوج بھیجی تھی۔ اس وقت حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی عمر کافی زیادہ تھی۔ اس وقت ان کی عمر اسی (۸۰) سال کے قریب تھی، لیکن یہ بڑی عمر ان کو یزید کی فوج میں شامل ہونے اور میدانِ جہاد میں ایک مجاہد کی حیثیت سے داخل ہونے سے نہ روک سکی۔ وہ فوج میں ایک عام سپاہی کی طرح شریک ہوئے لیکن دشمن کے ساتھ جنگ چھڑے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ان کے اوپر بیماری کا ایسا شدید حملہ ہوا جس نے ان کو جنگ میں شرکت کرنے سے معذور کردیا۔

آپ کی آخری وصیت

ان کی شدید بیماری کی خبر پا کر امیر جماعت یزید بن معاویہ ان کی عیادت کے لیے آئے اور ان سے دریافت کیا:

"اَلَكَ مِنْ حَاجَةٍ یَا اَبَا اَیُّوْبَ؟"

تَرْجَمَۃ: "اے ابوایوب! آپ کی کوئی خواہش ہے؟"

حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا:

"اِقْرَأْ عَنِّی السَّلَامَ عَلٰی جُنُوْدِ الْمُسْلِمِیْنَ، وَقُلْ لَّهُمْ: یُوْصِیْکُمْ اَبُوْ اَیُّوْبُ اَنْ تُوْغِلُوْا فِی اَرْضِ الْعَدُوِّ اِلٰی اَبْعَدِ غَایَةٍ، وَاَنْ تَحْمِلُوْهُ مَعَکُمْ، وَاَنْ تَدْفِنُوْهُ تَحْتَ اَقْدَامِکُمْ عِنْدَ اَسْوَارِ الْقُسْطُنْطِیْنِیَّةِ."

تَرْجَمَۃ: "مسلمانوں کی جماعت کو میرا سلام کہنا۔ اور ان سے کہنا کہ ابوایوب کی وصیت ہے کہ دشمن کی زمین میں اندر تک گھس جاؤ اور مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ اور میری لاش کو قسطنطنیہ کی دیواروں کے نزدیک دفن کردو۔"

یہ کہتے کہتے میزبان رسول (حضرت ابو ایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ) نے آخری ہچکی لی اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ."

مسلمانوں نے ان کی آخری خواہش اور وصیت کا پورا پورا احترام کیا۔ مسلمانوں نے دشمن پر پے در پے اور شدید حملے کیے اور انہیں دھکیلتے ہوئے شہر کی دیوار تک پہنچ گئے۔ وہ حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی لاش مبارک کو ساتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں ان کی وصیت کے مطابق قبر تیار کی گئی اور اس میں ان کو دفن کیا گیا۔

؎ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

"رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیَّ، فَقَدْ اَبٰی اِلَّا اَنْ یَّمُوْتَ عَلٰی ظُهُوْرِ الْجِیَادِ الصَّافِنَاتِ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. وَسِنُّهُ تَقَارَبَ الثَّمَانِیْنَ ......"

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔ انہوں نے اس کے سوا اور کسی صورت کو پسند نہیں کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میدان جنگ میں گھوڑی کی پیٹھ پر ان کو موت آئے۔ حالاں کہ ان کی عمر اس وقت اسّی سال کے قریب تھی۔"

فوائد و نصائح

مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ مسلمان اپنی زندگی کے اصل مقصد کو پہچانے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اپنے دین کی سر بلندی اور اس کو پھیلانے کے لیے بھیجا ہے۔ جس طرح حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے میں لگا دی، حتیٰ کہ جب انتقال ہونے لگا تو اپنے ساتھیوں کو وصیت کی کہ میری لاش کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلیں اور آخری منزل پر پہنچ کر دفن کریں۔ زندگی میں بھی دین کو پھیلانے کی فکر اور انتقال کے وقت بھی دین کو پھیلانے کی فکر۔

اللہ کی ہر نعمت کی قدر کریں

دوسری اہم بات یہ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ کسی بھی نعمت کی ناقدری اور ناشکری نہیں کرنی چاہیے، جیسا کہ اس واقعے میں آیا کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بھوک سے بے چین ہو کر گھر سے نکلے، اور پھر حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے کھجوریں، گوشت اور روٹی پیش کی تو ان چیزوں کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا: یہی نعمتیں ہیں جن کے بارے میں آخرت میں سوال کیا جائے گا۔ لیکن ان نعمتوں کے استعمال سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھنی چاہیے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس واقعے میں کھانے کے بعد کی جو دعا بتائی گئی ہے ہم خود بھی اس کو یاد کریں اور اپنے گھر والوں اور دوستوں کو بھی یاد کروائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی قدر اور شکر کریں۔

مذاکرہ

سوال: رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مدینہ طیبہ آمد سے پہلے مدینہ طیبہ کا نام کیا تھا؟

سوال: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے استقبال کے وقت ہر شخص کی خواہش کیا تھی؟

سوال: جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا مہمان بن کر حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانے میں کیا پیش کیا؟

سوال: حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی لاش کو کہاں دفن کیا گیا؟

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"شَيْخٌ عَزَمَ عَلٰی اَنْ يَّطَأَ بِعَرَجَتِهِ الْجَنَّةَ"

ترجمہ: "ایسے جلیل القدر صحابی جنہوں نے جنت میں لنگڑاتے ہوئے چل کر داخل ہونے کا عزم کیا۔"

عمرو بن جموح دور جاہلیت میں مدینے کے ایک عظیم رہنما مانے جاتے تھے۔ آپ کا شمار قبیلہ بنوسلمہ کے پسندیدہ سردار، مدینے کے سخی اور بہادر لوگوں میں ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کے سرداروں میں یہ رواج تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے لیے خاص طور سے الگ الگ بُت اپنے گھر میں رکھتا تھا۔

تا کہ ہر صبح و شام اس سے برکت حاصل کرے، خوشی کے وقت اس کے نام پر جانور ذبح کرے اور مصیبت اور پریشانی کے وقت میں اس سے حفاظت و پناہ کی درخواست کرے۔ اس وقت کے رواج کے مطابق عمرو بن جموح کے پاس بھی ایک بُت تھا جس کا نام "مَنَاةْ" تھا۔ اس کو انہوں نے بہت قیمتی اور عمدہ لکڑی سے بنایا تھا۔ عمرو بن جموح اس سے بہت زیادہ محبت کرتے، اس کے رکھ رکھاؤ کا بڑا اہتمام کرتے، اس کی دیکھ بھال کے لیے بہت فکرمند رہتے اور ہمیشہ انتہائی محبت کے ساتھ اس کو بہت مہنگی خوشبو سے معطر کرتے تھے۔

آپ کے اہلِ خانہ کا قبولِ اسلام اور آپ کی بے خبری

جس وقت ایمان کی فضا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے یثرب کے ایک ایک گھر میں داخل ہو رہی تھی، عمرو بن جموح کی عمر ساٹھ سال تک پہنچ چکی تھی۔ اور اس وقت ان کے تینوں بیٹے، حضرت معاذ، حضرت معوذ، حضرت خلاد اور ان کے ایک ہم عمر ساتھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے تینوں بیٹوں کے ساتھ ان کی ماں ہند بھی مسلمان ہوگئیں لیکن عمرو بن جموح اس سے بالکل بے خبر تھے۔

عمرو بن جموح کی بیوی نے دیکھا کہ اہل یثرب کی بڑی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ان کے خاوند اور دیگر چند لوگوں کے سوا قبائل کے بڑے سرداروں میں سے کوئی بھی اب شرک پر باقی نہیں رہ گیا ہے۔ حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت کرتی اور ان کا بہت زیادہ احترام کرتی تھیں، اور ان

کے متعلق اس بات سے ڈرتی تھیں کہ اگر انہوں نے کفر کو نہیں چھوڑا اور اسی حال میں ان کو موت آگئی تو وہ جہنم میں جائیں گے۔

ادھر عمرو بن جموح اپنے لڑکوں کے متعلق یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ کہیں یہ لوگ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر اس داعی اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی نہ اختیار کرلیں، جس نے تھوڑی ہی مدت میں بہت سے لوگوں کو ان کے پرانے دین سے پھیر کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کرلیا ہے۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی سے کہا:

”يَا هِنْدُ اِحْذَرِيْ اَنْ يَّلْتَقِيَ اَوْلَادُكِ بِهٰذَا الرَّجُلِ (يَعْنِيْ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ) حَتّٰى نَرٰى رَأْيَنَا فِيْهِ.“

تَرْجَمَۃ: ”ہند خبردار! دیکھو اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک ہم کسی فیصلے پر نہ پہنچ جائیں۔ تمہارے لڑکے اس شخص سے ملنے نہ پائیں۔“

ہند نے کہا:

”سَمْعًا وَطَاعَةً، وَلٰكِنْ هَلْ لَّكَ اَنْ تَسْمَعَ مِنِ ابْنِكَ مُعَاذٍ مَا يَرْوِيْهِ عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ.“

تَرْجَمَۃ: ”میں اس کا خیال رکھوں گی۔ لیکن کیا آپ پسند کریں گے کہ اپنے بیٹے معاذ سے وہ باتیں سن لیں جو اس شخص سے سن کر وہ بیان کر رہا ہے۔“

عمرو بن جموح نے پوچھا: تمہارا بھلا ہو، کیا وہ میری لاعلمی میں اپنے دین سے پھر گیا ہے؟

نیک بیوی کو ان پر ترس آیا اور انہوں نے جواب دیا۔

”كَلَّا، وَلٰكِنَّهٗ حَضَرَ بَعْضَ مَجَالِسِ هٰذَا الدَّاعِيَةِ، وَحَفِظَ شَيْئًا مِّمَّا يَقُوْلُهٗ.“

تَرْجَمَۃ: ”نہیں ایسا نہیں ہے، بل کہ وہ اس داعی کی مجلس میں شامل ہوا تھا اور وہاں اس نے اس کی کچھ باتیں یاد کرلی ہیں۔“

عمرو نے کہا۔ ”اس کو میرے پاس بلاؤ۔“

عمرو بن جموح کا قرآن سن کر متاثر ہونا

اور جب معاذ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ ”یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اس میں سے کچھ باتیں مجھے

سناؤ۔" یہ سن کر بیٹے نے باپ کو کلامِ الٰہی کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾[1]

ترجمہ: "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے، جو رحمان و رحیم ہے اور روز جزاء کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو نہ تیرے غضب کے مستحق ہیں نہ گم راہ ہیں۔"

عمرو بڑے غور و فکر کے ساتھ اپنے بیٹے کی زبان سے ادا ہونے والی ان آیتوں کو سنتے رہے، پھر انہوں نے سر اٹھایا اور بیٹے سے کہنے لگے:

"مَا اَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَمَا اَجْمَلَهٗ! اَوَ كُلُّ كَلَامِهٖ مِثْلُ هٰذَا."

ترجمہ: "کتنا خوب صورت اور حسین ہے یہ کلام، کیا اس کا سارا کلام ایسا ہی ہے؟"

معاذ نے کہا:

"ان کا کلام بہت ہی خوب صورت ہے۔" "ابا جان کیا آپ ان سے بیعت کرنا پسند کریں گے؟ آپ کا پورا قبیلہ ان سے بیعت کر چکا ہے۔" یہ سن کر عمرو بن جموح تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر بولے۔ "مناۃ" سے مشورہ کیے بغیر میں ایسا نہیں کرسکتا۔ دیکھتا ہوں وہ مجھے کیا رائے دیتا ہے۔"

بیٹے نے کہا:

"وَمَا عَسٰى اَنْ يَّقُوْلَ (مَنَاةٌ) يَا اَبَتَاهُ، وَهُوَ خَشَبٌ اَصَمُّ لَا يَعْقِلُ وَلَا يَنْطِقُ."

ترجمہ: "ابا جان! یہ ممکن ہی نہیں کہ "مناۃ" آپ سے کوئی بات کرے یہ تو ایک لکڑی کا بنا ہوا بُت ہے جس میں نہ سننے کی صلاحیت ہے نہ جواب دینے کی، اور نہ عقل ہے یہ آپ کو مشورہ کیا دے گا؟"

عمرو بن جموح نے غصے سے تیز ہوتے ہوئے کہا:

---

[1] الفاتحة: ۱ ۔ ۷

"قُلْتُ لَكَ لَن اَقْطَعَ اَمْرًا دُوْنَهٗ."

تَرجَمَۃ: "میں کہہ چکا ہوں کہ اس سے رائے لیے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

"مناۃ" سے مشورہ

اس کے بعد عمرو بن جموح وہاں سے اٹھ کر "مناۃ" کے پاس پہنچے۔ (اہل جاہلیت کا معمول تھا کہ جب وہ کسی بُت سے بات کرنا چاہتے تھے تو اس کے پیچھے کسی بوڑھی عورت کو کھڑا کر دیتے اور وہ ان کے باطل خیال کے مطابق جو بات اس بڑھیا کے دل میں ڈالتا وہ بڑھیا وہی کہتی تھی) اور اس کے سامنے اپنے سیدھے اور تندرست پاؤں کے بل کھڑے ہو گئے۔ ان کا ایک پاؤں لنگڑا تھا۔ پہلے تو انہوں نے بُت کی بہترین حمد و ثناء کی۔ پھر بولے:

"يَا (مَنَاةُ) لَا رَيْبَ اَنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ بِاَنَّ هٰذَا الدَّاعِيَةَ الَّذِىْ وَفَدَ عَلَيْنَا مِنْ مَّكَّةَ لَا يُرِيْدُ اَحَدًا بِسُوْءٍ سِوَاكَ ......

وَاَنَّهٗ اِنَّمَا جَاءَ لِيَنْهَانَا عَنْ عِبَادَتِكَ ...... وَقَدْ كَرِهْتُ اَنْ اُبَايِعَهٗ. عَلَى الرُّغْمِ مِمَّا سَمِعْتُهٗ مِنْ جَمِيْلِ قَوْلِهٖ. حَتّٰى اسْتَشِيْرَكَ، فَاَشِرْ عَلَىَّ، فَلَمْ يُرَدِّ عَلَيْهِ (مَنَاةُ) بِشَيْءٍ فَقَالَ: لَعَلَّكَ قَدْ غَضِبْتَ ...... وَاَنَا لَمْ اَصْنَعْ شَيْئًا يُؤْذِيْكَ بَعْدُ ...... وَلٰكِنْ لَا بَأْسَ، فَسَاَتْرُكُكَ اَيَّامًا حَتّٰى يَسْكُتَ عَنْكَ الْغَضَبُ."

تَرجَمَۃ: "مناۃ! تجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ داعی جو مکے سے ہمارے یہاں پہنچا ہے، وہ تیرے علاوہ کسی اور کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ وہ صرف اس لیے یہاں آیا ہے کہ ہم کو تیری عبادت سے روک دے۔ اور میں اس کی اچھی باتیں سننے کے باوجود ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مجھے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یونہی اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں، حالاں کہ میں نے اس کی بہت عمدہ باتیں بھی سنی ہیں۔ آج میں اسی لیے تجھ سے مشورہ لینے آیا ہوں تو مجھے اس سلسلے میں مناسب مشورہ دے، لیکن جب مناۃ کی طرف سے ان کی بات کا کوئی جواب نہ ملا تو یہ صورت حال دیکھ کر بڑے غم گین ہوئے، اور کہا: میرے پیارے مناۃ! "شاید تو ناراض ہو گیا ہے اور میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو تیرے لیے تکلیف دہ ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں تجھ کو چند روز کی مہلت دیتا ہوں تا کہ تیرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔"

مناۃ سے نفرت اور اسلام سے محبت

عمرو بن جموح کے تینوں بیٹے ”مناۃ“ کے ساتھ اپنے باپ کے بہت زیادہ تعلق کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کو یہ بات بھی خوب معلوم تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے لیے بہت اہم ہو چکا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ ان کے والد کے دل میں اس بُت کی عقیدت و محبت کی بنیاد کم زور ہو رہی ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ اس کی عقیدت کو اپنے والد کے دل سے پورے طور پر نکال دیں۔ ان کو ایمان کی طرف لانے کی یہی ایک شکل تھی۔

عمرو بن جموح کے لڑکے رات کے اندھیرے میں اپنے دوست حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ مناۃ کے پاس پہنچے اور اس کو اس کی جگہ سے اٹھا کر بنو سلمہ کے اس گڑھے پر لے گئے جس میں بنو سلمہ کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالتے تھے۔ لڑکے اس کو گڑھے میں پھینک کر چپکے سے گھر لوٹ آئے۔ اور اس کام کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ صبح کو جب عمرو اپنے بُت کے پاس عبادت کے لیے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بُت تو وہاں سے غائب ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے گھر والوں سے کہا:

”وَيْلَكُمْ، مَنْ عَدَا عَلٰى اِلٰهِنَا هٰذِهِ اللَّيْلَةِ؟“

تَرجَمہ: ”تم لوگوں کا برا ہو۔ آج رات میرے معبود کے ساتھ کس نے دشمنی کی ہے؟“

لیکن اہل خانہ میں سے کسی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کرتے پھرتے رہے۔ وہ سخت غصے میں چیخ چیخ کر گھر والوں کو دھمکی دیتے رہے۔ اور آخر کار کافی تلاش کرنے کے بعد وہ ان کو گڑھے میں منہ کے بل الٹا پڑا ہوا مل گیا۔ انہوں نے اسے وہاں سے نکالا، اسے دھو کر صاف کیا اور خوشبو لگا کر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے بولے:

”اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ اَعْلَمُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا لَاَخْزَيْتُهٗ.“

تَرجَمہ: ”خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ حرکت کی ہے تو میں اسے آج بہت ذلیل و رسوا کرتا۔“

دوسری رات بھی لڑکوں نے ”مناۃ“ کے ساتھ وہی حرکت کی جو پچھلی رات کر چکے تھے۔ صبح کو جب عمرو بن جموح نے اسے تلاش کیا تو اسی گڑھے میں گندگی میں ملوث پایا۔ آج بھی انہوں نے اس کو وہاں سے باہر نکال کر دھویا اور خوشبو لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

لڑکے ہر رات اس کے ساتھ یہی سلوک کرتے رہے، یہاں تک کہ جب عمرو بن جموح ان کی اس حرکت سے بالکل تنگ آ گئے تو ایک رات سونے سے پہلے اس کے پاس گئے، اور اپنی تلوار اس کی گردن میں لٹکاتے ہوئے بولے۔

”يَا مَنَاةُ، إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ مَنْ يَّصْنَعُ بِكَ هٰذَا الَّذِيْ تَرٰى، فَإِنْ كَانَ فِيْكَ خَيْرٌ فَادْفَعِ الشَّرَّ عَنْ نَّفْسِكَ، وَهٰذَا السَّيْفُ مَعَكَ.“

تَرْجَمَۃ: ”اے میرے مناۃ! خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے، اگر تیرے اندر ذرا بھی خیر ہو تو تو اپنا دفاع کر۔ یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے۔“

یہ کہہ کر وہ خود اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئے۔ اور جب بیٹوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ ابا جان گہری نیند میں پہنچ کر آس پاس سے بے خبر ہو چکے ہیں تو وہ چپکے سے بُت کے پاس پہنچے، انہوں نے اس کی گردن میں پڑی ہوئی تلوار نکال لی اور اس کو اٹھا کر گھر کے باہر لے گئے۔ اس مرتبہ انہوں نے ایک مردہ کتے کو اس کے ساتھ باندھ دیا اور دونوں کو بنو سلمہ کے اسی گڑھے میں پھینک دیا جس میں گندگی اور غلاظت بھری ہوئی تھی۔ صبح کو جب ان کے والد سو کر اٹھے اور بُت کو اپنی جگہ موجود نہیں پایا تو اس کی تلاش میں نکلے اور حسبِ معمول اس کو اسی گڑھے میں اس حال میں منہ کے بل پڑا ہوا پایا کہ اس کے ساتھ ایک مردہ کتا بندھا ہوا تھا اور تلوار اس سے چھین لی گئی تھی۔ اب یہ منظر دیکھ کر ان کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اس کو گڑھے سے نہیں نکالا بل کہ جہاں لڑکوں نے اسے پھینکا تھا، وہیں چھوڑ دیا اور بولے۔

”وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا لَّمْ تَكُنْ أَنْتَ وَكَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِيْ قَرَنٍ.“

تَرْجَمَۃ: ”اللہ کی قسم! اگر تو واقعی معبود (اور مشکل کشا) ہوتا تو تو کتے کے ساتھ بندھا ہوا گڑھے میں نہ پڑا ہوتا۔“

پھر اس کے بعد انہیں اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیر نہ لگی۔ اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

جذبۂ ایمانی اور شوقِ شہادت

جب حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان کا مزہ چکھ لیا تو اپنی عمر کے اس ایک ایک لمحے پر پریشانی اور ندامت کا اظہار کرنے لگے جو شرک کی حالت میں گزرا تھا، ایمان لانے کے بعد وہ پوری طرح اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اپنے نفس، اپنے مال اور اپنی اولاد کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے

لیے وقف کر دیا۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے اپنے تینوں بیٹوں کو کافروں سے مقابلے کی تیاریاں کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ انہیں صبح و شام بہادر شیروں کی طرح آتے جاتے دیکھتے۔ ان کے چہرے شہادت کے شوق و جذبے سے جگمگا رہے تھے۔ اس صورت حال نے ان کے اندر بھی جوش و جذبے کو ابھارا اور انہوں نے اپنے بیٹوں سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا تہیہ کر لیا۔ لیکن ان کے بیٹے ان کو جنگ میں شریک ہونے سے منع کرنے لگے۔ کیوں کہ وہ عمر رسیدہ اور بوڑھے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاؤں میں لنگڑا پن تھا اور ایسی حالت میں اسلام جہاد میں شریک ہونے سے معذور قرار دیتا ہے۔ ان کے بیٹوں نے ان سے کہا:

”یَا اَبَانَا اِنَّ اللّٰهَ عَذَرَكَ، فَعَلَامَ تُكَلِّفُ نَفْسَكَ مَا اَعْفَاكَ اللّٰهُ مِنْهُ.“

ترجمہ: ”ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار دیا ہے۔ آپ خود کو ایسی بات کا پابند کیوں بنا رہے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے“

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی اس بات سے سخت ناراض ہوئے اور ان کی شکایت کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے:

”یَا نَبِیَّ اللّٰهِ، اِنَّ اَبْنَائِیْ هٰؤُلَاءِ یُرِیْدُوْنَ یَحْبِسُوْنِیْ عَنْ هٰذَا الْخَیْرِ وَهُمْ یَتَذَرَّعُوْنَ بِاَنِّیْ اَعْرَجُ، وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَطَأَ بِعَرْجَتِیْ هٰذِهِ الْجَنَّةَ.“

ترجمہ: ”اے اللہ کے رسول! میرے یہ بیٹے مجھے اس کار خیر (جہاد میں شریک ہونے) سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں لنگڑا ہوں اور معذور ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونا میرے لیے ضروری نہیں ہے۔ خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس ٹانگ سے جنت میں داخل ہوں گا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ ذوق و شوق دیکھا تو ان کے بیٹوں سے فرمایا:

”دَعُوْهُ، لَعَلَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَرْزُقُهُ الشَّهَادَةَ......“

ترجمہ: ”ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شہادت عطا فرمائے۔“

چناں چہ بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق خاموش ہو گئے۔

جنت کا اشتیاق

جب مجاہدین کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی اہلیہ سے ملے اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے، جیسے انہیں لوٹ کر واپس نہیں آنا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قبلہ رو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے اور دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِيْ اِلٰى اَهْلِيْ خَائِبًا."

تَرجَمَہ: "خدایا! مجھے شہادت کی دولت نصیب فرما اور مجھے شہادت سے محروم کر کے واپس نہ لوٹا۔"

پھر وہ اس شان سے میدان جہاد کی طرف روانہ ہوئے کہ ان کے تینوں لڑکے اور ان کے قبیلہ بنو سلمہ کے بہت سے افراد نے انہیں اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اور جب جنگ شروع ہوئی اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے گرد مختلف دستوں میں بٹ گئے تو یہ عجیب منظر دیکھنے میں آیا کہ حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سب سے اگلے دستے میں اپنی تندرست ٹانگ سے کودتے ہوئے مسلمانوں کی اس اگلی جماعت میں شامل ہو گئے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے آگے بڑھی تھی۔ اور اپنی زبان مبارک سے یہ کہہ رہے ہیں:

"اِنِّيْ لَمُشْتَاقٌ اِلَى الْجَنَّةِ. اِنِّيْ لَمُشْتَاقٌ اِلَى الْجَنَّةِ."

تَرجَمَہ: "میں جنت کا مشتاق ہوں۔ میں جنت کا مشتاق ہوں۔"

اس وقت ان کے ایک صاحب زادے حضرت خلاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پیچھے سے ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ دونوں باپ بیٹے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے مشرکین سے برابر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں میدان جنگ میں شہید ہو کر گر پڑے۔ اور دونوں کی شہادت کے درمیان چند لمحات سے زیادہ کا وقفہ نہ تھا۔

جب جنگ ختم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ شہداء کو دفن کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے فرمایا:

"خَلُّوْهُمْ بِدِمَائِهِمْ وَجِرَاحِهِمْ، فَاَنَا الشَّهِيْدُ عَلَيْهِمْ."

تَرجَمَہ: "انہیں ان کے خون اور زخموں سمیت ہی دفن کر دو، میں ان کا گواہ ہوں۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَسِيْلُ دَمًا، اَللَّوْنُ كَلَوْنِ الزَّعْفَرَانِ، وَالرِّيْحُ كَرِيْحِ الْمِسْكِ."

تَرْجَمَۃ: "جو مسلمان اللہ کی راہ میں زخمی ہوگا، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ زخموں سے اس کا خون جاری ہوگا، اس خون کا رنگ زعفرانی اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔"

پھر فرمایا۔ "عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دفن کرنا۔ یہ دونوں اس دنیا میں ایک دوسرے کے نہایت گہرے اور مخلص دوست تھے۔"

اللہ تعالیٰ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی شہداء احد سے راضی ہو۔ اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

فَوائِد ونَصَائِح

نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ ہے

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی خالق و مالک ہیں اور عبادت کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو اس وقت تک کوئی چیز کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیوں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے۔ اس لیے ہمیں ہر چیز میں غور کرنا چاہیے کہ اس چیز سے جو ہمیں فائدہ یا نقصان نظر آرہا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ دوا سے صحت اللہ تعالیٰ کے حکم سے مل رہی ہے۔ کھانے سے بھوک اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹ رہی ہے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ ان کا بُت خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتا تو کسی کی حفاظت کیا کرے گا۔ اس لیے بُت پرستی سے توبہ کرکے ایمان لے آئے۔ اور پھر اپنی جان اسلام کے پھیلانے کے لیے اللہ کی راہ میں قربان کردی۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان اور یقین کی سلامتی کی دعا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی محنت آخر دم تک کرنے کی نیت اور عزم کریں۔

دنیا اور آخرت کی کامیابی دین میں ہے

اس واقعے سے دوسرا سبق یہ ملا کہ جب انسان غلط راستے کو چھوڑ کر صحیح راستے پر آ جاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ عزت و اکرام سے نوازتے ہیں دنیا و آخرت میں اس کو کامیابی عطا فرماتے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بُت پرستی کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور پھر اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق گزاری تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا و آخرت میں عزت اور کامیابی عطا فرما دی۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسلام لانے سے پہلے کس بُت کی پوجا کرتے تھے؟

سُؤال: حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بیٹوں کے نام کیا ہیں؟

سُؤال: حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسلام لانے کے بعد کون سے غزوے میں شریک ہوئے؟

سُؤال: حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے غزوہ احد میں شرکت کرنے کے لیے گھر سے نکلتے وقت کیا دعا مانگی؟

◆

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"اَوَّلُ مَنْ دُعِیَ بِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ"

ترجمہ: "یہ سب سے پہلے صحابی ہیں جن کو امیر المؤمنین کے لقب سے پکارا گیا۔"

تعارف

وہ جلیل القدر صحابی جن کی زندگی کا تعارف ہم اس وقت پیش کر رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا بہت گہرا اور مضبوط رشتہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو شروع ہی میں اسلام کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت حاصل ہے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس طرح کہ ان کی والدہ محترمہ حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ اسی طرح آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبتی بھائی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، کیوں کہ ان کی ہمشیرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اور امہات المؤمنین میں سے تھیں۔

وہ پہلے شخص تھے جن کو اسلام کا جھنڈا سپرد کر کے ایک جماعت کا امیر بنایا گیا، وہ سب سے پہلے صحابی ہیں جن کو امیر المؤمنین کے لقب سے پکارا گیا، وہ بزرگ، محترم اور عظیم المرتبت صحابی حضرت عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین یعنی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی تھی۔

ہجرتِ مدینہ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی تکلیفوں سے بچنے کے لیے اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدینہ کی ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو قافلۂ مہاجرین میں دوسرے نمبر پر ان کا نام تھا،

صرف ایک شخص ان سے آگے تھا۔ ان سے پہلے اس شرف کی طرف سوائے حضرت ابو سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے کسی اور نے سبقت نہیں کی تھی۔

اللہ کے لیے ہجرت کرنا اور اس کی راہ میں گھر بار اور اہل وعیال اور وطن سے جدائی اختیار کرنا حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے کوئی انوکھی بات نہ تھی اس سے پہلے وہ اور ان کے گھرانے کے کچھ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے، لیکن اس مرتبہ ان کی ہجرت نہایت مکمل اور وسیع پیمانے پر تھی۔ اس مرتبہ ان کے اہل وعیال، ان کے قریبی رشتہ دار اور اہل خاندان سب نے ہجرت میں ان کا ساتھ دیا۔ ان میں سے مرد، عورتیں، بچے، بچیاں اور بوڑھے، جوان سب ہی ان کے شریکِ سفر تھے، کیوں کہ ان کا گھرانہ اسلام کا گھرانہ اور ان کا خاندان ایمان کا خاندان تھا۔

جب یہ لوگ مکہ مکرمہ چھوڑ کر نکل گئے تو ان کے مکانات رنج وغم کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ان کے اوپر عجیب اداسی پھیل گئی، اور زندگی کی رونق اور چہل پہل کے آثار اس طرح وہاں سے مٹ گئے جیسے پہلے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا اور ایسی ویرانی کا عالم تھا جیسا کہ ان گھروں میں کسی نے بھی کوئی رات ہی بسر نہ کی ہو۔

حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے اہل خانہ کو ہجرت کیے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی، ایک دن قریش کے سردار یہ معلوم کرنے کے لیے مکہ کے محلوں اور آبادیوں میں چکر لگانے نکلے کہ مسلمانوں میں سے کون کون سے لوگ مکہ چھوڑ کر جا چکے ہیں، اور کون سے لوگ ابھی تک یہاں آباد ہیں۔ ان گشت کرنے والوں میں ابوجہل اور عتبہ ابن ربیعہ بھی تھے۔ عتبہ ابنِ ربیعہ نے دیکھا کہ بنو جحش کے مکانات میں تیز ہوائیں گرد وغبار اڑاتی ہوئی چل رہی ہیں، اور ان کے دروازوں کے کھلے ہوئے پٹ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بڑی ڈراؤنی آواز پیدا کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا:

”أَصْبَحَتْ دِيَارُ بَنِي جَحْشٍ خَلاءً تَبْكِي أَهْلَهَا.“

تَرْجَمَۃ: ”بنو جحش کے مکانات ویران ہو گئے ہیں اور یہ اپنے رہنے والوں کی جدائی میں رو رہے ہیں۔“

یہ سن کر ابوجہل نے کہا:

”وَمَنْ هٰؤُلَاءِ حَتّٰى تَبْكِيَهُمُ الدِّيَارُ؟“

تَرْجَمَۃ: ”یہ کیسے لوگ تھے کہ ان کی جدائی کے صدمے سے ان کے مکانات تک رو رہے ہیں؟“

یعنی یہ کیسے لوگ تھے کہ ان کو اپنے گھروں کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر ابوجہل نے حضرت عبداللہ بن جحش

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مکان پر قبضہ کرلیا، اس کو اور اس میں باقی ماندہ سامان و اسباب کو اس طرح استعمال کرنے لگا جس طرح یہ اس کا خود اپنا سامان اور اپنا گھر ہو۔ جب اپنے مکان پر ابوجہل کے قبضے کی خبر حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ہوئی تو ان کو اس پر بڑا افسوس ہوا، اور جب انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اس کا ذکر کیا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"أَلَا تَرْضٰی یَا عَبْدَاللّٰہِ، أَنْ یُعْطِیَكَ اللّٰہُ بِهَادَارًا فِی الْجَنَّةِ؟"

تَرجَمَہ: ''عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض تم کو جنت میں مکان عطا فرمائے؟''

انہوں نے کہا:

"بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ."

تَرجَمَہ: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! میں اس پر راضی ہوں۔''

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا تمہیں اس کے بدلے جنت میں اس سے عمدہ اور عالی شان مکان ملے گا۔ یہ سن کر ان کا دل خوش ہوگیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔

حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی دونوں ہجرتوں میں قریش مکہ کے ہاتھوں دکھ اور اذیت برداشت کرنے کے بعد ابھی مدینے میں اطمینان و سکون کی دو گھڑیاں بھی نہیں گزار پائے تھے، اور نہ ہی انہوں نے ابھی انصار مدینہ کے سایے اور ان کے حفظ و امان میں رہ کر سکھ چین کے چند لمحات گزارے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی زندگی کی سب سے سخت آزمائش اور ان کے اسلام لانے کے بعد کے سب سے کٹھن امتحان میں ڈال دیا۔

آزمائش

ہوا یہ کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسلام کی سب سے پہلی فوج کو بھیجنے کے لیے آٹھ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو طلب فرمایا جن میں حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بھی شامل تھے، اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"لَأُؤَمِّرَنَّ عَلَیْكُمْ أَصْبَرَكُمْ عَلَى الْجُوْعِ وَالْعَطَشِ"

تَرجَمَہ: ''میں تمہارا امیر اس شخص کو مقرر کروں گا جو بھوک پیاس کی شدت سب سے زیادہ

برداشت کر سکتا ہو۔"

پھر آپ ﷺ نے جھنڈا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھما دیا، یعنی اس جماعت کی قیادت حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی:

"فَكَانَ اَوَّلَ أَمِيْرٍ أُمِّرَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ."

ترجمہ: "اس طرح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے مسلمان تھے جن کو مسلمانوں کی کسی جماعت کا امیر بنایا گیا۔"

روانگی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے سفر کا رخ متعین فرمایا، اور ایک خط ان کے حوالے کرتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ دو دن کا سفر طے کرنے سے پہلے اس کو نہ پڑھیں۔ حسب ہدایت جب دو دن سفر میں گزر گئے تو انہوں نے اس خط کو کھولا تو اس میں یہ ہدایت درج تھی:

"إِذَا نَظَرْتَ فِيْ كِتَابِيْ هٰذَا فَامْضِ حَتّٰى تَنْزِلَ (نَخْلَةَ) بَيْنَ الطَّائِفِ وَمَكَّةَ، فَتَرَصَّدْ بِهَا قُرَيْشًا، وَقِفْ لَنَا عَلٰى أَخْبَارِ هِمْ ......"

ترجمہ: "میرے اس خط کو پڑھنے کے بعد آگے چلتے رہنا، جب طائف اور مکہ کے درمیان ایک باغ آجائے تو اس مقام پر پڑاؤ ڈالنا اور وہاں ٹھہر کر قریش پر کڑی نگاہ رکھنا، اور جو بھی صورت حال ہو ہمیں اس سے آگاہ رکھنا۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط پڑھ کر نبی ﷺ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں مقام نخلہ پر پہنچ کر وہاں چھپ کر قریش پر نظر رکھوں، اور ان کے حالات سے آپ ﷺ کو آگاہ کروں۔

انہوں نے مجھے تم میں سے کسی کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے تم میں سے جو شخص شہادت کا طالب اور اس کا آرزومند ہو تو وہ میرے ساتھ چلے، اور جس کا جی چاہے بلا خوف ملامت واپس چلا جائے، لیکن ان سب نے یک زبان ہو کر کہا:

"سَمْعًا وَطَاعَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّمَا نَمْضِيْ مَعَكَ حَيْثُ أَمَرَكَ نَبِيُّ اللّٰهِ."

ترجمہ: "ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو جہاں جانے کا حکم فرمایا ہے، چلیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔"

وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور "نخلہ" کے مقام پر پہنچ کر قریش کے حالات معلوم کرنے کے لیے مختلف راستوں پر چکر لگانے لگے۔

اس تلاش و جستجو کے دوران ان کی نظر دور سے آتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلے پر پڑی جو چار آدمیوں (عمرو بن حضرمی، عمر بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کے بھائی مغیرہ بن عبداللہ) پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کے پاس قریش کا سامان تجارت تھا جس میں کھال، کشمش اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں تھیں جن کی وہ تجارت کرتے تھے۔ عرب لوگ چار مہینوں میں کسی کو قتل کرنا حرام سمجھتے تھے، ۱۲ مہینوں میں سے چار مہینے ایسے تھے جن کو وہ ایسی برکت والا سمجھتے کہ اگر اس میں دشمن بھی مل جاتا تو اس کو کچھ نہ کہتے۔ وہ چار مہینے یہ ہیں: رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ اور محرم۔

وہ تاریخ ماہ حرام (رجب) کی آخری تاریخ تھی۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ خیال کیا کہ یہ ماہ شعبان کی یکم تاریخ ہے، اور ماہ رجب جو کہ حرمت کا مہینہ ہے وہ ختم ہوگیا ہے لہٰذا وہ اس غلط فہمی کی بناء پر ان کے اوپر حملہ کرنے، انہیں قتل کرنے اور ان کے مال و اسباب کو بطورِ غنیمت لے جانے پر سب متفق ہوگئے اور پھر...... تھوڑی دیر میں وہ ان میں سے ایک کو قتل اور دو کو گرفتار کر چکے تھے۔ البتہ چوتھا شخص بھاگ کر اپنی جان بچا لینے میں کامیاب ہوگیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی دونوں قیدیوں اور سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کو لیے ہوئے مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کے بارے میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاللّٰهِ مَا أَمَرْتُكُمْ بِقِتَالٍ، وَ إِنَّمَا أَمَرْتُكُمْ اَنْ تَقِفُوْا عَلٰى أَخْبَارِ قُرَيْشٍ، وَأَنْ تَرْصُدُوْا حَرَكَتَهَا ......"

تَرجَمَہ: "خدا کی قسم! میں نے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ میں نے تو تم کو صرف قریش کے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ ان کی نقل و حرکت پر چھپ کر نظر رکھو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بل کہ ان کے معاملے کو فی الحال روک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مال غنیمت کی طرف توجہ فرمائی اور نہ اس میں سے کچھ لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو

سخت صدمہ پہنچا، اور انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے مکمل طور پر تباہی و بربادی کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو یہ بات بھی بری لگی کہ ان کے مسلمان بھائی انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ جب بھی ان کا گزر مسلمانوں کی کسی جماعت پر ہوتا تو وہ یہ کہتے ہوئے ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے:

''یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔'' اور انہیں اس وقت اور زیادہ صدمہ پہنچا جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ قریش نے ان کی اس حرکت کو رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنے، ان سے بدلہ لینے اور ان کو قبائل میں بدنام کرنے کا ایک ذریعہ بنالیا ہے۔ مشرکین مکہ یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرتے پھر رہے تھے:

"إِنَّ مُحَمَّدًا قَدِ اسْتَحَلَّ الشَّهْرَ الْحَرَامَ، فَسَفَكَ فِيهِ الدَّمَ، وَأَخَذَ الْمَالَ، وَأَسَرَ الرِّجَالَ ......"

تَرجَمہ: ''محمد (ﷺ) نے حرام مہینے کو حلال کرلیا، اس میں خونریزی کی، مال لوٹا اور آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔''

پھر نہ پوچھیے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے ساتھیوں کو اپنی اس غلطی پر کتنا گہرا رنج اور صدمہ ہوا، اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے کتنی ندامت ہوئی، کیوں کہ ان کی اس کاروائی کی وجہ سے آپ ﷺ سخت ذہنی تکلیف و اذیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

خوش خبری

جب ان لوگوں کی بے چینی اور پریشانی حد سے زیادہ اور ان کی قوت برداشت سے باہر ہوگئی تو اچانک ایک شخص نے آکر انہیں یہ خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ ان کا وہ گناہ معاف فرما کر ان سے راضی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنے نبی پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهِ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ﴾[1]

---

[1] البقرة: ۲۱۷

تَرْجَمَہ: ''لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ) اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا، اور اللہ سے کفر کرنا، مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی برا ہے۔ اور فتنہ تو قتل (خونریزی) سے زیادہ برا ہے۔''

یہ سن کر انہیں بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ لوگ قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھتے ہوئے ان کے ساتھ گلے ملتے، انہیں خوش خبری سناتے، اور انہیں مبارک باد دیتے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا دل خوش ہوگیا۔ آپ ﷺ نے قافلے کا مال قبول کرلیا اور دونوں قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے ساتھیوں سے بھی راضی ہوگئے۔ کیوں کہ ان کا یہ سفر مسلمانوں کی زندگی میں ایک بہت بڑے اور عظیم واقعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس غزوہ میں حاصل ہونے والا مال غنیمت اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا، اس میں قتل ہونے والا شخص پہلا مشرک تھا۔ اس میں گرفتار ہونے والے قیدی پہلے قیدی تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتا ہوئے۔ اس کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے باندھا، اور اس کے امیر حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وہ پہلے شخص تھے جن کو پہلی مرتبہ امیر المؤمنین کے لقب سے پکارا گیا۔

پھر جنگِ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے شجاعت و بہادری کے وہ کارنامے دکھائے جو ان کے ایمان کے شایان شان تھے۔

شہادت کے لیے دعا اور اس کی قبولیت

پھر غزوۂ احد پیش آیا۔ جس میں حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے دوست حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے درمیان ایک یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے اور اپنے دوست کے واقعے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن جحش (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) مجھ سے ملے اور بولے: ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کروگے؟'' میں نے جواب دیا:

"کیوں نہیں۔" پھر ہم دونوں ایک طرف تنہائی میں چلے گئے اور میں نے دعا کی:

"یَا رَبِّ إِذَا لَقِیْتُ الْعَدُوَّ فَلَقِّنِیْ رَجُلًا شَدِیْدًا بَأْسُہٗ، شَدِیْدًا حَرَدُہٗ أُقَاتِلُہٗ وَیُقَاتِلُنِیْ، ثُمَّ ارْزُقْنِیَ الظَّفَرَ عَلَیْہِ حَتّٰی أَقْتُلَہٗ وَآخُذَ سَلَبَہٗ، فَأَمَّنَ عَبْدُاللّٰہِ بنِ جَحْشٍ عَلٰی دُعَائِیْ"

تَرجَمۃ: "میرے رب! جب دشمن سے میرا مقابلہ ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرانا جس کی گرفت نہایت سخت یعنی بہادر اور جنگ جو ہو اور جس کا غصہ و غضب انتہائی شدید ہو۔ میں اس سے لڑوں، وہ مجھ سے لڑے، پھر تو مجھے اس کے اوپر غلبہ و کامیابی عطا فرما، حتیٰ کہ میں اسے قتل کر کے اس کے اسلحے کو اپنے قبضے میں لے لوں۔"

عبداللہ بن جحش (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے میری اس دعا پر آمین کہا پھر انہوں نے دعا کی:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ رَجُلًا شَدِیْدًا حَرَدُہٗ شَدِیْدًا بَأْسُہٗ أُقَاتِلُہٗ فِیْکَ وَیُقَاتِلُنِیْ ثُمَّ یَأْخُذُنِیْ فَیَجْدَعُ أَنْفِیْ وَأُذُنِیْ فَإِذَا لَقِیْتُکَ غَدًا قُلْتَ: فِیْمَ جُدِعَ أَنْفُکَ وَأُذُنُکَ؟ فَأَقُوْلُ: فِیْکَ وَفِیْ رَسُوْلِکَ فَتَقُوْلُ: صَدَقْتَ ......"

تَرجَمۃ: "اے اللہ! میدان جنگ میں میرا مقابلہ ایسے شخص سے کرانا جو انتہائی غضب ناک اور سخت حملہ کرنے والا ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے پھر وہ میرے اوپر غالب آجائے اور میری ناک اور میرے کان کاٹ لے۔

اور جب قیامت کے دن میں تیرے سامنے حاضر ہوں تو، تو مجھ سے پوچھے کہ میرے بندے! تیری ناک اور تیرے کان کیوں کاٹے گئے۔ تو میں کہوں کہ اے اللہ! تیری اور تیرے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی راہ میں (کاٹے گئے ہیں) پھر تیری طرف سے مجھے جواب ملے کہ تو نے سچ کہا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی دعا میری دعا سے بہت بہتر تھی۔ میں نے دن کے آخری حصے میں دیکھا کہ انہیں قتل کر کے ان کے ناک کان کاٹ دیے گئے اور ان کی ناک اور کانوں کو ایک دھاگے کے ذریعے درخت پر لٹکا دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دعا قبول فرمالی اور انہیں شہادت کی نعمت سے

نوازا جیسا کہ ان کے ماموں سیّد الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نوازا تھا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماموں اور بھانجہ دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس آنسو ان کی قبر کو تر کر رہے تھے جو شہادت کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی۔

فوائد و نصائح

اسلام کا پہلا تبلیغی مرکز

دارارقم اس گھر کا نام ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ مل کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام چھپ کر شروع فرمایا۔ کیوں کہ اسلام کے شروع کے زمانے میں کافروں کی طرف سے زبردست مخالفت تھی اور مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں دی جاتی تھیں، اور مسلمانوں کو سر عام اپنے دین یعنی اسلام پر عمل کرنا اور اس کی دعوت دینا بہت ہی زیادہ مشکل تھا۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کی مرکزی حیثیت دی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں مسلمان جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں سیکھتے اور پھر اسلام کو پھیلانے کے جذبے سے چھپ چھپ کر کافروں کو دعوت دیتے تھے، جو کافر بھی مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوتا تو اسے دارارقم میں لے جایا جاتا، جہاں وہ مسلمان ہو کر دین کی باتیں سیکھتا اور اسی طرح وہ بھی دین کی دعوت دینے والا بن جاتا۔

پھر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہت ساری تکلیفوں کو آسانیوں میں بدل دیا اور مسلمان اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام سرعام کرنے لگے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دارارقم میں دین کی دعوت دی اسی طرح اگر ہم بھی اپنے گھروں، محلوں، مسجدوں، اور بازاروں میں دین کی دعوت دیں گے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولیں گے اور دین کی باتیں سیکھیں اور سکھائیں گے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان دارارقم کو دین کے پھیلانے کا ذریعہ اور مرکز بنایا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں، محلوں، مسجدوں اور بازاروں کو دین کے پھیلنے کا ذریعہ اور مرکز بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے گم راہ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائیں گے، اور پھر وہ جتنے اعمال کریں گے ان سب کے برابر اجر و ثواب اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عطا فرمائیں گے۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسلام میں کب داخل ہوئے؟

سُوال: وہ کون سے صحابی ہیں جنہوں نے ہجرت کرنے میں حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی پہل کر لی؟

سُوال: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسلام کا سب سے پہلا جھنڈا جس جماعت کو دیا تھا اس جماعت کے امیر کا نام کیا ہے؟

سُوال: غزوۂ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کیا دعائیں مانگیں؟

* * *

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ، وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ" (محمد رسول الله)

ترجمہ: "ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ہیں۔"

تعارف

وہ مبارک چہرہ، خوش شکل، کم زور جسم لمبا قد، اور پُروقار شخصیت کے مالک تھے:

"تَرْتَاحُ الْعَيْنُ لِمَرْآهُ، وَتَأْنَسُ النَّفْسُ لِلُقْيَاهُ، وَيَطْمَئِنُّ إِلَيْهِ الْفُؤَادُ."

ترجمہ: "انہیں دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور راحت ملتی اور ان سے مل کر روح کو سکون اور دل کو اطمینان نصیب ہوتا۔"

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بھی صفت عطا فرمائی تھی کہ وہ بے حد خوش اخلاق، نرم مزاج اور بہت زیادہ شرم وحیا والے تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہادر اتنے تھے کہ جب کوئی سخت معاملہ پیش آتا یا کوئی مشکل گھڑی سامنے آتی تو وہ ایک خطرناک شیر کی مانند چاق وچوبند نظر آتے۔ وہ رونق وِصفائی اور تیزی اور کاٹ میں تلوار کی دھار کے مشابہ تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب صورت اور وجیہ ترین انسان تھے

یہ ہیں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امین حضرت عامر بن عبداللہ بن جراح فہری قریشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی کنیت "ابوعبیدہ" ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثَلَاثَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَصْبَحُ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنُهَا أَخْلَاقًا، وَأَثْبَتُهَا حَيَاءً، إِنْ حَدَّثُوْكَ لَمْ يَكْذِبُوْكَ وَ إِنْ حَدَّثْتَهُمْ لَمْ يُكَذِّبُوْكَ: أَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ، وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ."

ترجمہ: "قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ روشن چہرے، سب سے زیادہ خوش اخلاق اور

سب سے زیادہ حیا والے ہیں۔ اگر وہ تم سے بات کریں گے تو کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے، اور اگر تم ان سے بات کرو گے تو کبھی تم کو جھٹلائیں گے نہیں۔ وہ ہیں: ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان اور ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ۔"

اسلام قبول کرنے میں پہل کرنا

حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی تھی۔ وہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلمان ہونے کے دوسرے دن ہی ان کے دستِ مبارک پر اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ارقم بن ابی ارقم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو لے کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان لوگوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ یہ لوگ اسلام کے شروع زمانے میں آنے والے بنیادی اشخاص تھے جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مکّہ مکرمہ میں رہتے ہوئے شروع سے آخر تک ان شدید ترین آزمائشوں کو برداشت کرتے ہوئے زندگی گزاری جن میں مسلمانوں کو مبتلا کیا گیا۔ انہوں نے ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ جو مصائب و تکلیفیں برداشت کیں اور جو سختیاں جھیلیں، روئے زمین پر کسی دین کے ماننے والوں نے نہ جھیلی ہوں گی۔

انہوں نے بڑی بہادری اور ہمت و حوصلے کے ساتھ ان تکلیفوں کا مقابلہ کیا اور ہر موقع پر اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ سچی محبت کا ثبوت دیا، لیکن غزوۂ بدر کے موقع پر وہ جس آزمائش میں مبتلا ہوئے اس کی سختی ہر خیال و تصور سے بالاتر (اونچی بلند) تھی۔

جنگِ بدر کا عجیب واقعہ

وہ جنگِ بدر میں صفوں کے درمیان اس طرح بڑھ بڑھ کر اور مختلف طریقوں سے حملے کر رہے تھے جیسے ان کو نہ تو موت کا کوئی ڈر ہے نہ ہلاکت کا کوئی اندیشہ۔ ان کے حملوں نے مشرکین پر ہیبت طاری کر دی اور قریش کے بڑے بڑے سردار اُن کا سامنا کرنے سے ڈرنے لگے، لیکن ان میں سے ایک شخص ایسا تھا جو ہر وقت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سامنا کرنے کی کوشش کرتا، اور ہر موقع پر ان کے مقابلے میں

آ جاتا، مگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کے راستے سے ہٹ جاتے، اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتے۔ وہ شخص بار بار ان کے اوپر حملہ آور ہوتا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہر بار اس سے ہٹ کر دوسری طرف نکل جاتے۔ آخر کار اس نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے سارے راستے بند کر دیے، ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جب اس کی یہ حرکتیں حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قوت برداشت سے باہر ہوگئیں تو انہوں نے اس کے سر پر تلوار سے زوردار اور بھرپور وار کیا۔ اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہوگئے اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ مرنے والا شخص کون ہوگا؟

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا امتحان ہر قسم کی سوچ و خیال سے بڑھ کر تھا۔ اور آپ کا سر چکرا جائے گا جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھ سے مارا جانے والا شخص کوئی اور نہیں خود ان کا والد عبداللہ بن جراح تھا۔

انہوں نے اپنے والد کو نہیں، ان کی شخصیت میں پائے جانے والے کفر و شرک کو قتل کیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے والد کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں

---

[1] المجادلة: ۲۲

گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں، خبردار رہو! اللہ کی جماعت والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔“

حضرت ابوعبیدہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی طرف سے اس بات کا پیش آنا کچھ انوکھا اور تعجب خیز کارنامہ نہ تھا۔ وہ اپنی قوتِ ایمانی، دینی جذبہ اور امتِ محمدیہ کے لیے امانت داری کے اس اونچے مقام پر پہنچے تھے کہ جس کے لیے بڑی بڑی ہستیاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں آرزومند رہتی ہیں۔

دیانت داری کا واقعہ

محمد بن جعفر نے بیان کیا ہے کہ ایک بار عیسائیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی: ”ابوالقاسم! آپ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے کسی ایسے شخص کو بھیجئے جس کو آپ ہمارے لیے پسند کرتے ہوں، تاکہ وہ ہمارے درمیان ان جائدادوں کا فیصلہ کرے جن کے بارے میں ہمارے اندر اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں مسلمان بہت پسند ہیں۔“

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم دوپہر کے وقت مجھ سے ملو۔ میں تمہارے ساتھ ایک ایسے شخص کو روانہ کروں گا جو طاقت ور بھی ہے اور دیانت دار بھی۔“

حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کہتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز کے لیے بہت جلدی پہنچا۔ اس دن کی طرح میرے دل میں امارت کی کبھی تمنا نہیں پیدا ہوئی تھی اور امارت کی یہ تمنا میرے دل میں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تعریف کا میں ہی مستحق ٹھہروں۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے تو میں اچک اچک کر خود کو نمایاں کرنے لگا تاکہ آپ ﷺ کی نظر میرے اوپر پڑ سکے، لیکن آپ میری طرف متوجہ ہونے کے بجائے اپنی نگاہوں کو مجمع کے درمیان گردش دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی تلاش کرنے والی نظریں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ پر جاکر ٹک گئیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اہلِ وفد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”اُخْرُجْ مَعَهُمْ فَاقْضِ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ فِيمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ.“

تَرجَمَہ: ”ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے درمیان پیدا شدہ اختلافات کو حق کے ساتھ نپٹاؤ۔“

یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا ”ابوعبیدہ نے اس فضیلت کو حاصل کرلیا۔“

بہادری اور شجاعت

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صفت امانت کی وجہ سے ہی مشہور نہ تھے بل کہ وہ امانت داری کے ساتھ ساتھ زبردست قوت ایمانی کے بھی مالک تھے اور بہت سے مواقع پر ان کی اس قوت کا اظہار بھی ہو چکا تھا۔ اس قوت کا اظہار خاص طور پر اس وقت ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم کی ایک جماعت کو قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ فرمایا، اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی سفر میں کھانے کے لیے ان کے حوالے کی تھی۔ اس وقت اس تھیلی کے علاوہ دوسری کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو روزانہ ایک ایک کھجور دیتے اور ہر شخص اس کھجور کو چوس کر اوپر سے پانی پی لیتا تھا اور یہی اس کی پورے ایک دن کی خوراک ہوتی تھی۔

ان کی قوت ایمانی کا اظہار اس وقت بھی ہوا تھا جب غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں کو شکست اور ان کے میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد ایک مشرک بڑے غضب ناک انداز میں چلا رہا تھا:

"دُلُّوْنِیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ ...... دُلُّوْنِیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ."

تَرجَمَۃ: "ہمیں بتاؤ! محمد کہاں ہیں؟ بتاؤ ہمیں کہاں ہے محمد؟۔"

تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دس افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے ان کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے والے مشرکین کے نیزوں کو اپنے سینوں پر روک لیں۔

جنگ ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانت مبارک شہید ہو چکے تھے۔ پیشانی مبارک زخمی ہو گئی تھی اور رخسار (چہرہ) مبارک میں خود (لوہے) کی کڑیاں چبھ گئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کڑیوں کو رخسار مبارک سے نکالنا چاہا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ کام آپ میرے لیے چھوڑ دیں اور انہوں نے چھوڑ دیا کہ ابوعبیدہ یہ خدمت انجام دیں۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ ان کڑیوں کو ہاتھوں سے کھینچ کر نکالتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ اس لیے انہوں نے ایک کڑی کو دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑا اور زور لگا کر کھینچا تو وہ باہر آگئی مگر ساتھ ہی ان کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا۔ پھر انہوں نے دوسری کڑی کو بھی اپنے دانتوں

کی مضبوط گرفت میں لے کر زور لگایا، کڑی پیشانی مبارک سے نکل گئی مگر ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"فَكَانَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ هَتَمًا."

ترجمہ: "(اگلے دونوں دانت ٹوٹ جانے کے باوجود) ابوعبیدہ بن جراح نہایت خوب صورت دکھائی دیتے تھے۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شروع سے آخر تک تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، اور جب سقیفۂ بنی ساعدہ کا موقع آیا (جس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت کی گئی تھی) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"اُبْسُطْ يَدَكَ أُبَايِعْكَ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: (إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيْنًا، وَأَنْتَ أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ)."

ترجمہ: "اپنا ہاتھ بڑھائیے آپ کی بیعت کروں، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس (ہماری) امت کے امین آپ ہیں۔"

تو انہوں نے جواب دیا:

"مَا كُنْتُ لِأَتَقَدَّمَ بَيْنَ يَدَيْ رَجُلٍ أَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَؤُمَّنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَمَّنَا حَتّٰى مَاتَ."

ترجمہ: "میں ایسے شخص سے آگے بڑھنے کی جرات کیسے کرسکتا ہوں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہم مسلمانوں کا امام بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ ہماری امامت کرتے رہے۔"

اور اس کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خلافت کی بیعت ہوگئی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق وصداقت کے معاملے میں ان کے بہترین خیر خواہ اور خیر و بھلائی میں ان کے قابل اعتماد ساتھی ثابت ہوئے۔

وفات

پھر جب حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے بعد حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے خلافت کی وصیت کی اور اس کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں تو حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مکمل طور پر ان کی اطاعت کی اور ایک مرتبہ کے سوا کبھی ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔

وہ کون سا موقع تھا جب حضرت ابوعبیدہ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی؟۔

ہوا یہ کہ جس زمانے میں وہ شام کے علاقے میں مسلمانوں کی جماعت کے امیر تھے، اور دین کی دعوت لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک جا رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان ملکوں میں اسلام پھیلا رہے تھے، اور ان کے ہاتھ پر ملک کے ملک اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ایک طرف مشرق میں دریائے فرات، اور دوسری جانب شمال میں ایشیائے کوچک تک پہنچ گئے تھے، عین اس موقع پر شام میں اچانک طاعون کی ایسی خطرناک وباء پھوٹ پڑی جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس بیماری میں بے شمار انسان مبتلا ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے انسان موت کے منہ میں چلے گئے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس کا علم ہوا تو وہ سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے، اور انہوں نے ایک قاصد کو اس پیغام کے ساتھ ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں روانہ کیا:

"إِنِّیْ بَدَتْ لِیْ إِلَیْكَ حَاجَةٌ لَا غِنٰی لِیْ عَنْكَ فِیْهَا، فَإِنْ أَتَاكَ كِتَابِیْ لَیْلًا فَإِنِّیْ أَعْزِمُ عَلَیْكَ أَلَّا تُصْبِحَ حَتّٰی تَرْكَبَ إِلَیَّ، وَ إِنْ أَتَاكَ نَهَارًا فَإِنِّیْ أَعْزِمُ عَلَیْكَ أَلَّا یُمْسِیَ حَتّٰی تَرْكَبَ إِلَیَّ."

تَرْجَمَہ: "اچانک مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس میں میرے لیے آپ سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اگر میرا خط آپ کے پاس رات کے وقت پہنچے تو صبح کا انتظار کیے بغیر روانہ ہو جائیے، اور اگر دن کو ملے تو شام ہونے سے پہلے روانہ ہو جائیے۔"

حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب حضرت عمر کا یہ خط ملا تو انہوں نے فرمایا:

"قَدْ عَلِمْتُ حَاجَةَ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ إِلَیَّ، فَهُوَ یُرِیْدُ أَنْ یَسْتَبْقِیَ مَنْ لَیْسَ بِبَاقٍ، ثُمَّ كَتَبَ إِلَیْهِ یَقُوْلُ:

یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! إِنِّیْ قَدْ عَرَفْتُ حَاجَتَكَ إِلَیَّ، وَ إِنِّیْ فِیْ جُنْدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ

وَلَا أَجِدُ بِنَفْسِي رَغْبَةً عَنِ الَّذِي يُصِيبُهُمْ ......
وَلَا أُرِيدُ فِرَاقَهُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيَّ وَفِيهِمْ أَمْرَهُ ......
فَإِذَا أَتَاكَ كِتَابِي هٰذَا فَحَلِّلْنِي مِنْ عَزْمِكَ، وَائْذَنْ لِّي بِالْبَقَاءِ.“

تَرْجَمَہ: ”مجھے معلوم ہے کہ امیر المؤمنین کو مجھ سے کیا ضرورت ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کو بچانا چاہتے ہیں جو بچنے والا نہیں ہے“ پھر انہوں نے ان کے جواب میں لکھا:

”امیر المؤمنین! میں سمجھ گیا کہ آپ کو مجھ سے کیا ضرورت ہے۔ میں مسلمانوں کے لشکر میں ہوں اور اپنے دل میں اس قسم کی کوئی خواہش نہیں پاتا کہ میں اپنے آپ کو اس وباء سے محفوظ کر لوں جس میں یہ سب لوگ مبتلا ہیں۔ میں اس وقت تک ان لوگوں سے الگ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنا فیصلہ نہیں کر دیتا۔ اس لیے جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو آپ مجھے اپنی قسم سے بری کر دیجئے اور مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔“

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ خط پڑھا تو رونے لگے، اور ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ حاضرین نے ان کے رونے کی شدت کو دیکھ کر پوچھا:

”أَمَاتَ أَبُو عُبَيْدَةَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟“

تَرْجَمَہ: ”کیا ابوعبیدہ کا انتقال ہو گیا؟“

تو انہوں نے جواب دیا کہ:

”لَا، وَلٰكِنَّ الْمَوْتَ مِنْهُ قَرِيبٌ.“

تَرْجَمَہ: ”نہیں (ان کا انتقال نہیں ہوا ہے) مگر موت ان کے قریب ہے۔“

اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ اندیشہ (اندازہ) غلط نہیں تھا اس لیے کہ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد وہ طاعون میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے چند قیمتی نصائح

اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو انہوں نے اپنی جماعت کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”إِنِّي مُوصِيكُمْ بِوَصِيَّةٍ إِنْ قَبِلْتُمُوهَا لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ:
أَقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَصُومُوا شَهْرَ رَمَضَانَ، وَتَصَدَّقُوا، وَحُجُّوا وَاعْتَمِرُوا، وَتَوَاصَوْا،

وَانْصَحُوْا لِأُمَرَائِكُمْ وَلَا تَغُشُّوْ هُمْ وَلَا تُلْهِكُمُ الدُّنْيَا، فَإِنَّ الْمَرْءَ لَوْ عُمِّرَ أَلْفَ حَوْلٍ مَا كَانَ لَهٗ بُدٌّ مِّنْ أَنْ يَّصِيْرَ إِلٰى مَصْرَعِيْ هٰذَا الَّذِيْ تَرَوْنَ ......
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔"

تَرجَمَہ: "میں تم لوگوں کو ایک وصیت کر رہا ہوں، اگر اس پر عمل کرو گے تو ہمیشہ خیر و فلاح پر قائم رہو گے۔ سنو! نماز قائم کرو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو، صدقہ و خیرات کرتے رہو، حج اور عمرہ ادا کرو، آپس میں ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی نصیحت کیا کرو، اپنے حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کرو، ان کے ساتھ خیانت اور فریب سے کام نہ لو۔

اور دنیا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ اس لیے کہ اگر آدمی کو ہزاروں سال کی طویل زندگی بھی مل جائے تب بھی اس کو مرنا ضرور ہے جس طرح اس وقت میرا انتقال ہو رہا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔"

پھر انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا "معاذ! میرے بعد لوگوں کو نماز تم پڑھاؤ گے۔" اور تھوڑی دیر بعد روح جسم سے پرواز کر گئی۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ." ان کے انتقال کے بعد حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ قَدْ فُجِعْتُمْ بِرَجُلٍ. وَاللّٰهِ. مَا أَعْلَمُ أَنِّيْ رَأَيْتُ رَجُلًا أَبَرَّ صَدْرًا، وَلَا أَبْعَدَ غَائِلَةً وَلَا أَشَدَّ حُبًّا لِلْعَاقِبَةِ وَلَا أَنْصَحَ لِلْعَامَّةِ مِنْهُ، فَتَرَحَّمُوْا عَلَيْهِ يَرْحَمْكُمُ اللّٰهُ."

تَرجَمَہ: "لوگو! آج تمہیں ایک ایسے شخص کی موت کا صدمہ ہوا ہے کہ بخدا! میں نے آج تک کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ نیک دل، حسد و بغض سے پاک اور ان سے زیادہ برائی اور فساد سے دور ہو۔ نہ میں نے کسی ایسے شخص کو دیکھا جو ان سے زیادہ آخرت سے محبت کرنے والا اور عام مسلمانوں کا خیر خواہ ہو۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحم کی دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم فرمائے گا۔"

فوائد و نصائح

انسان صفات سے قیمتی بنتا ہے

ہمیں اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنی چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب ہیں اور اس کے بندوں کو بھی۔ ان صفات میں ایک صفت انصاف ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ انصاف والے تھے، یہاں تک کہ عیسائیوں کے آپس کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے حضور ﷺ نے ان کو عیسائیوں کے وفد کے ساتھ بھیجا تھا۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے خوش رہیے

اس کے ساتھ یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ نفع و نقصان، زندگی و موت بل کہ ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ تو کوئی دنیا میں آسکتا ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر سکتا ہے۔ اس لیے تقدیر پر ہمیشہ راضی رہنا چاہیے۔ اور ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ کسی چیز سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ جس طرح حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں طاعون کی بیماری پھیلنے کی وجہ سے گھبرائے نہیں، کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ جو وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے انتقال کا مقرر فرمایا ہے اس سے پہلے یا بعد میں موت نہیں آئے گی، بل کہ جو وقت مقرر ہے اسی پر آئے گی۔ اور ساتھ ہی حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اس علاقے سے باہر نہیں گئے، کیوں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی ایک حدیث میں بیماری (طاعون وغیرہ) کے بارے میں نقل کیا ہے:

"وَ اِنْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ فَاثْبُتْ"[1]

تَرجَمَہ: "اگر کسی جگہ کوئی بیماری پھیل جائے (جیسے طاعون وغیرہ) تو وہاں (سے نہ بھاگنا) ثابت قدم رہو۔"

اس لیے ہم بھی کسی تکلیف یا بیماری وغیرہ سے نہ گھبرائیں بل کہ ہمت کریں اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کریں۔ اور اس بات کا پورا یقین رکھیں کہ اگر ہمیں دنیا میں کوئی تکلیف آئی تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے بدلے بہترین نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

---

[1] رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر

مُذاکرہ

سُوَال: غزوۂ بدر میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کس شخص سے دور ہٹ رہے تھے پھر آخر کار انہوں نے اس کو قتل کر دیا؟

سُوَال: عیسائیوں کے وفد کے ساتھ ان کی جائدادوں کا فیصلہ کرنے کے لیے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کس کو بھیجا؟

سُوَال: غزوۂ احد میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے رخسار مبارک سے خود کی کڑیاں نکالتے ہوئے حضرت ابو عبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے اس پر حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کیا فرمایا کرتے تھے؟

سُوَال: حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا انتقال کہاں اور کس طرح ہوا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّقْرَأَ الْقُرْآنَ رُطَباً كَمَا نَزَلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ" (محمد رسول الله)

تَرْجَمَہ: "جو شخص قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن اُمّ عبد کی قرأت کے مطابق پڑھے۔"

تعارف

عبداللہ ایک کم سن اور نابالغ لڑکے تھے۔ وہ روزانہ مکّہ مکرمہ کے ایک امیر شخص، (اپنے آقا اور قریش کے سردار عقبہ بن معیط) کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے انسانی آبادی سے دور مکّہ کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔

ان کا اصلی نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام مسعود تھا، لیکن عام طور سے لوگ انہیں "ابن اُمّ عبد" کہہ کر پکارتے تھے۔

کم عمر عبداللہ، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی باتیں اکثر سنا کرتے تھے مگر ایک تو اپنی کم عمری اور دوسرے آبادی سے دور، انسانی معاشرے سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اس پر خاص توجہ نہیں کر پاتے تھے۔ ان کا تو روز کا یہ معمول تھا کہ صبح سویرے عقبہ بن معیط کی بکریوں کو چرانے نکل جاتے اور اس وقت واپس لوٹتے جب رات کا اندھیرا پورے طور پر پھیل چکا ہوتا۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا معجزہ اور حضرت عبداللہ کا قبولِ اسلام

ایک روز ان مکی نوجوان حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دور فاصلے پر درمیانی عمر کے دو بزرگوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جو تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور سخت پیاس کی وجہ سے ان کے ہونٹ اور حلق خشک ہو رہے تھے، ان میں سے ایک نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تھے اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے۔ وہ دونوں حضرات ان کے قریب پہنچ کر کے، انہیں سلام کیا اور بولے:

"يَا غُلَامُ! اِحْلِبْ لَنَا مِنْ هٰذِهِ الشِّيَاهِ مَا نُطْفِيءُ بِهِ ظَمَأَنَا، وَنَبُلُّ عُرُوْقَنَا."

تَرجَمۃ: ''اے لڑکے! ہمارے لیے ان بکریوں کا دودھ دوہو (نکالو) جس سے ہم اپنی پیاس بجھا سکیں اور اپنی رگوں کو تر کرسکیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''لَا أَفْعَلُ، فَالْغَنَمُ لَيْسَتْ لِيْ، وَأَنَا عَلَيْهَا مُؤْتَمَنٌ ......''

تَرجَمۃ: ''میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ میں ان بکریوں کا دودھ آپ کو نہیں پیش کرسکتا کیوں کہ یہ میری نہیں ہیں بل کہ میری امانت میں ہیں۔ میں ان کا مالک نہیں ہوں۔''

میں ملازم ہوں مجھے بکریاں چرانے کے لیے رکھا گیا ہے دودھ کسی کو پلانے کی اجازت نہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سن کر ان دونوں حضرات نے کسی قسم کی ناگواری یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، بل کہ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس جواب کو پسند کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اچھا کوئی ایسی بکری بتاؤ جو ابھی چھوٹی ہو، اور دودھ نہ دیتی ہو۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قریب ہی کھڑی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کردیا۔ حضور اکرم ﷺ اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اسے پکڑا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرت کے ساتھ دیکھا اور اپنے دل میں کہا، بھلا اتنی چھوٹی عمر کی بکریاں بھی دودھ دیا کرتی ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تھوڑی ہی دیر بعد بکری کے تھنوں میں دودھ اتر آیا اور اس سے تیزی کے ساتھ دودھ بہنے لگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین پر پڑا ہوا ایک پیالہ نما گہرا سا پتھر اٹھا کر اسے دودھ سے بھر لیا، پھر اس دودھ کو ان دونوں حضرات نے خوب جی بھر کر پیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پلایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے پیش آنے والے اس واقعے پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب ہم سب لوگ اچھی طرح خوب سیر ہوگئے تو نبی اکرم ﷺ نے بکری کے تھن سے کہا:

سکڑ جا اور وہ سکڑتے سکڑتے اپنی حالت پر آگیا۔

اس وقت میں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

''وہ کلمات جو آپ نے ابھی کہے تھے، ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجیے۔'' تو انہوں نے فرمایا:

''إِنَّكَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ.''

ترجمہ: ”تم ایک سکھائے پڑھائے لڑکے ہو۔“

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام سے متعارف ہونے کے واقعے کی ابتداء تھی۔

نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کی شدید تکلیفوں اور آزمائش سے بچنے کے لیے اس دن مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل آئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس انداز میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی محبت اور تعلق کا اظہار کیا اس سے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے۔ ان کی احتیاط اور امانت داری کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کے اندر امانت اور سچائی کی علامات کو محسوس کرلیا۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرلیا اور خود کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کردیا، اور اسی روز سے وہ سعادت منداور خوش قسمت لڑکا بکریوں کی نگرانی کے فریضہ سے نکل کر سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں منتقل ہوگیا۔

رازدانِ رسول ﷺ کا لقب پانا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت سفر میں حضر میں، گھر کے اندر اور گھر سے باہر سائے کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ جب آپ ﷺ سو جاتے تو وہ آپ ﷺ کو بیدار کرتے، جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو وہ پردے کا انتظام کرتے، جب آپ ﷺ گھر سے باہر جانے کا ارادہ فرماتے تو وہ فوراً جوتے مبارک آپ ﷺ کے قدموں میں لاکر رکھتے، جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ اپنے ہاتھوں سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پاؤں مبارک سے جوتے اتارتے۔ وہ آپ ﷺ کے لیے چھڑی اور مسواک ہر وقت تیار رکھتے، اور جب آپ ﷺ کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو وہ پہلے اس میں داخل ہوتے تاکہ کسی چیز سے آپ کو تکلیف نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے قرب وتعلق کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے انہیں ہر وقت اپنے گھر آنے اور اپنے تمام رازوں سے واقف رہنے کی اجازت دے رکھی تھی، اسی وجہ سے ان کو ”صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ“ ”یعنی رسول اللہ ﷺ کے رازدان“ کہا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تربیت حاصل کی۔ انہوں نے اپنی زندگی کو آپ ﷺ کے اخلاق وعادات کے مطابق بنالیا۔ اور ہر کام میں آپ ﷺ کی پیروی

کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر عادت مبارکہ کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے:

"إِنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيًا وَسَمْتًا."

تَرجَمَہ: "وہ اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ قریب تھے۔"

علمِ تفسیر اور قرأت میں امتیازی حیثیت

انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسے سے دین کا علم حاصل کیا وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے بڑے قاری، قرآن مجید کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے اور شریعت کے بارے میں سب سے زیادہ واقف تھے۔ نمونے کے طور پر ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ایک بار جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"امیر المؤمنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو قرآن میں دیکھے بغیر، زبانی اس کا املاء کراتا ہے۔" یہ سن کر انہوں نے غصے کے لہجے میں پوچھا:

"مَنْ هُوَ وَيْحَكَ؟"

تَرجَمَہ: "تیرا برا ہو، کون ہے وہ شخص؟"

اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ "عبداللہ بن مسعود۔"

یہ سن کر آہستہ آہستہ ان کے غصے کا اثر ختم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پہلے جیسی حالت پر آگئے۔ پھر انہوں نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ أَنَّهُ بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْهُ"

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص بھی اس کا حق دار ہے۔"

اور فرمایا اس کے متعلق میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں:

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے یہاں تشریف فرما تھے۔ وہ دونوں حضرات مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ اس مجلس میں میں بھی موجود تھا۔ پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے۔ ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم اندھیرے کی وجہ سے انہیں پہچان نہ سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کھڑے ہو کر ان کی قرات سنتے رہے پھر ہماری طرف مڑتے ہوئے فرمایا:

”مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ رُطَبًا كَمَا نَزَلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ......“

ترجمہ: ”جو شخص قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن اُمّ عبد کی قرأت کے مطابق پڑھے۔“

پھر جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سَلْ تُعْطَهْ...... سَلْ تُعْطَهْ......“

ترجمہ: ”مانگو جو چاہتے ہو دیا جائے گا، مانگو جو چاہتے دیا جائے گا“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

”پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ کی قسم! میں صبح سویرے ان کے پاس جا کر ان کی دعا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آمین کہنے کی خوش خبری سناؤں گا۔

اور جب صبح سویرے خوش خبری دینے کے ارادے سے ان کے یہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مجھ سے پہلے ان کو یہ خوش خبری دے چکے ہیں۔

خدا کی قسم! میں نے جب بھی کسی نیکی کے کام میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے آگے بڑھنا چاہا تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑ دیا۔“

قرآن مجید کے علم میں آپ کا بلند مقام

کتاب اللہ کے علم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

”قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق کوئی شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو میں وہاں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے علم سے ضرور فائدہ حاصل کروں گا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا بالکل صحیح فرمایا ہے۔ حضرت عمر بن

خطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک قافلے سے ملتے ہیں، اندھیری رات ہونے کی وجہ سے قافلے کے لوگوں کا پتہ نہیں چل رہا، اس قافلے میں حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ بھی ہیں، حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ایک شخص سے کہتے ہیں ان سے پوچھو!

"مِنْ أَيْنَ الْقَوْمُ؟"

تَرْجَمَۃ: "آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جواب دیا:

"مِنَ الفَجِّ الْعَمِيْقِ."

تَرْجَمَۃ: "فج عمیق سے (دور دراز جگہ سے)۔"

حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا: ان سے پوچھو!

"أَيْنَ تُرِيْدُوْنَ؟"

تَرْجَمَۃ: "اور کہاں کا ارادہ ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جواب دیا:

"اَلْبَيْتَ العَتِيْقَ."

تَرْجَمَۃ: "بیت عتیق کا، (بیت اللہ شریف کا)۔"

یہ عمدہ جواب سن کر حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے کہا:

"إِنَّ فِيْهِمْ عَالِمًا."

تَرْجَمَۃ: "ضرور اس قافلے میں کوئی عالم ہے۔"

پھر انہوں نے اپنے آدمی سے کہا پوچھو!

"أَيُّ الْقُرْآنِ اَعْظَمُ؟"

"قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جواب دیا:

﴿اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ.﴾ [1]

تَرْجَمَۃ: "اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا

---

[1] البقرة: ٢٥٥

نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ان سے پوچھو!

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَحْكَمُ؟"

تَرْجَمَۃ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ محکم ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى﴾[1]

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ان سے پوچھو!

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَجْمَعُ؟"

تَرْجَمَۃ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ جامع ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: "پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ان سے پوچھو!

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَجْمَعُ أَخْوَفُ؟"

تَرْجَمَۃ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾[3]

تَرْجَمَۃ: "انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پائے گا۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھوایا:

---

[1] النحل: ۹۰ [2] الزلزال: ۷، ۸ [3] النسآء: ۱۲۳

"أَيُّ الْقُرآنِ أَرْجىٰ؟"

تَرْجَمَۃ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: "(اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور رحیم ہے۔"

حضرت عمر رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: ان سے پوچھو!

"أَفِيْكُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا تم میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟"

تو قافلے والوں نے جواب دیا:

"اَللّٰهُمَّ نَعَمْ."

تَرْجَمَۃ: "جی ہاں! موجود ہیں۔"

بلند ہمتی

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ صرف عالم و قاری اور عابد و زاہد ہی نہیں تھے بل کہ وہ بڑے ہمت والے، چاق و چوبند نہایت عقل مند اور میدانِ جنگ میں بوقتِ ضرورت آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے مجاہد بھی تھے۔

وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بعد سب سے پہلے مشرکین کے مجمع میں بآواز بلند قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ ایک روز مسلمان (جب وہ تعداد میں تھوڑے اور کم زور تھے) مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ بخدا! ابھی تک قریش نے بآواز بلند کسی سے قرآن نہیں سنا۔ کون ہے جو ان کو سنا دے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا "میں انہیں قرآن سناؤں گا۔" صحابہ رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے کہا "آپ اس کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کے ساتھ اس

---

[1] الزّمر: ۵۳

کے قبیلے کی طاقت ہو کہ اگر قریش اس کے ساتھ بری نیت سے پیش آئیں تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔" لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"دَعُوْنِیْ فَإِنَّ اللّٰهَ سَیَمْنَعُنِیْ وَیَحْمِیْنِیْ ......"

ترجمہ: "نہیں یہ کام مجھے ہی کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے مقابلے میں میری حمایت کرے گا اللہ میرا حامی و ناصر ہے۔"

پھر وہ چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مقام ابراہیم کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت سرداران قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ......﴾[1]

ترجمہ: "اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ نہایت مہربان، خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔"

آپ لگاتار سورہ رحمٰن کی تلاوت کرتے رہے، قریش نے جب غور کیا تو انہیں پتہ چلا، ارے یہ تو وہی کچھ پڑھ رہا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے! یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، تیزی سے ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے، لیکن انہوں نے تلاوت کا سلسلہ ختم نہیں کیا۔ وہ برابر پڑھتے رہے اور وہیں رکے جہاں تک وہ پڑھنا چاہتے تھے، پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آئے اس وقت ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا "آپ کے متعلق ہم کو اسی بات کا اندیشہ تھا۔" یہ سن کر انہوں نے کہا۔

"اللہ کی قسم! یہ کافر لوگ آج سے پہلے میری نظر میں اتنے ذلیل و بے حیثیت نہ تھے اگر آپ لوگ چاہیں تو میں کل بھی ان کو اسی طرح قرآن سنا سکتا ہوں۔" لیکن ساتھیوں نے کہا:

"نہیں بس اتنا کافی ہے، تم نے ان کو وہ مقدس کلام سنا دیا جس کا سننا انہیں گوارا نہیں ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔

---

[1] الرحمٰن: ۱۔ ۵

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے انتقال کا وقت قریب آیا اور وہ سخت بیمار تھے تو حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مزاج پرسی کے بعد انہوں نے دریافت کیا:

"مَا تَشْتَكِیْ؟"

تَرجَمَہ: "آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟"

فرمایا:

"ذُنُوْبِیْ"

تَرجَمَہ: "اپنے گناہوں کی۔"

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے پوچھا:

"فَمَا تَشْتَهِیْ؟"

تَرجَمَہ: "کیا خواہش ہے۔"

فرمایا:

"رَحْمَةَ رَبِّیْ."

تَرجَمَہ: "اپنے رب کی رحمت کی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی دنیا سے بے رغبتی

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا:

"أَلَا آمُرُ لَكَ بِعَطَائِكَ الَّذِیْ امْتَنَعْتَ عَنْ أَخْذِهِ مُنْذُ سِنِیْنَ؟"

تَرجَمَہ: "کیوں نہ آپ کے وظیفے کی ادائیگی کا حکم جاری کردوں جس کو لینے سے آپ نے پچھلے کئی سالوں سے انکار کر دیا ہے؟"

فرمایا:

"لَا حَاجَةَ لِیْ بِهِ."

تَرجَمَہ: "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا:

"يَكُوْنُ لِبَنَاتِكَ مِن بَعْدِكَ."

تَرْجَمَۃ: ''یہ مال آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔''

فرمایا:

''أَتَخْشَى عَلٰى بَنَاتِيَ الْفَقْرَ؟
إِنِّيْ أَسَرْتُهُنَّ أَنْ يَقْرَأْنَ كُلَّ لَيْلَةٍ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةَ ......
وَ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:
مَنْ قَرَأَ الْوَاقِعَةَ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةَ أَبَدًا.''

تَرْجَمَۃ: ''کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق محتاجی اور فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کی ہدایت کر دی ہے۔''

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

تَرْجَمَۃ: ''جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے گا اس پر فقر و فاقہ نہیں آئے گا۔''

اور جب رات آئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے، اس وقت ان کی زبان مبارک اللہ کے ذکر اور اس کی روشن آیات سے تر تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

فوائد ونصائح

یہ دنیا دار الاسباب ہے

دنیا کو اللہ تعالیٰ نے اسباب کے ساتھ جوڑا ہوا ہے ہر چیز کا سبب رکھا ہے، اسباب پورے کرنے کے بعد اور اسباب استعمال کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے اور بھروسہ اسی اکیلے اللہ پر کرنا چاہیے، دیکھیں! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے بغیر بکریوں کے ہی دعا کے ذریعے دودھ مانگ سکتے تھے لیکن سبب اختیار فرمایا۔

اسی طرح ہمیں اپنے ہر کام کے لیے محنت کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ مدرسہ اسکول میں ہم چھٹی کریں اور صرف دعاؤں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں، اسباب پورے اپنا کر پھر اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

جسمانی صحت کی دیکھ بھال کرتے رہیے

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم، قاری، عابد ہونے

کے ساتھ ساتھ بہادر و نڈر شخص بھی تھے اور طاقت ور مجاہد بھی تھے، جیسے کہ آپ نے پڑھا:

”وَلَمْ يَكُنْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَارِئًا عَالِمًا عَابِدًا زَاهِدًا فَحَسْبُ وَ إِنَّمَا كَانَ. مَعَ ذٰلِكَ. قَوِيًّا حَازِمًا مُجَاهِدًا مِقْدَامًا إِذَا جَدَّ الْجِدُّ.“

تَرْجَمَۃ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ) صرف قاری عالم عابد و زاہد نہ تھے بل کہ طاقت ور، چاک و چوبند اور بوقت ضرورت آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے مجاہد بھی تھے۔“

لہٰذا طلبہ کو چاہیے کہ وہ ورزش کا اہتمام کریں، روزانہ اتنا پیدل چلیں کہ پسینہ آ جائے، اچھا دماغ صحت مند جسم میں ہی ہوتا ہے اور حدیث میں ہے:

”اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ.“[1]

تَرْجَمَۃ: ”اللہ کے نزدیک طاقت ور مؤمن کم زور مؤمن سے زیادہ محبوب اور بہتر ہے۔“

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو عام طور پر لوگ کیا کہہ کر پکارا کرتے تھے؟

سُؤال: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی قرأت کے متعلق کیا فرمایا؟

سُؤال: حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے اسلام سے متعارف ہونے کی ابتداء کیا تھی پورا واقعہ بیان کریں؟

سُؤال: حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اپنی بچیوں کو کون سی سورہ پڑھنے کی ہدایت دی تھی؟

---

[1] مسلم، کتاب القدر، باب الایمان بالقدر والاذعان له: ۲/۳۳۸

حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"سَلْمَانُ مِنَّا أَهلَ الْبَيْتِ" (محمد رسول الله)
تَرْجَمَۃ: ''سلمان ہمارے گھر والوں میں سے ہے۔''

سلمان فارسی کے اسلام سے پہلے کے حالات

یہ ایک ایسے انسان کا قصہ ہے جو کافی عرصے تک حقیقت کی تلاش وجستجو میں فکر مند رہے، اور لمبی مدت تک اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنے کے لیے حیران و پریشان رہے۔ یہ قصہ حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔

یہ بات ہم ان ہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اپنے اس قصے کو اپنی زبان سے بیان کریں۔ حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے قصے کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سلمان فارسی کی ابتدائی تربیت

میں اصفہان کی ایک بستی ''جیان'' کا رہنے والا ایک ایرانی نوجوان تھا۔ میرے والد اس گاؤں کے زمیندار...... اس کے باشندوں میں سب سے زیادہ مالدار...... سب سے بلند مقام ومرتبہ کے مالک تھے۔ وہ میری پیدائش کے دن ہی سے میرے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی اس کے ساتھ ساتھ ان کی محبت بھی بڑھتی رہی اور اس میں دن رات ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے نقصان پہنچنے کے ڈر سے لڑکیوں کی طرح میرے گھر سے نکلنے پر سخت پابندی عائد کر دی۔ میں نے اپنے باپ دادا کے مذہب مجوسیت کا علم حاصل کرنے اور اس کے احکام وفرائض پر عمل کرنے میں بہت زیادہ محنت اور دل چسپی سے کام لیا اور ترقی کر کے اس مذہب کا لیڈر بن گیا، اور مجوسی مذہب کی عبادت گاہ کا بڑا نگران بنا دیا گیا، اور دن رات آگ کو جلانے اور روشن رکھنے کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی گئی۔ میں اسے دن رات ایک لمحے کے لیے بھی بجھنے نہ دیتا تھا۔

نصرانیت سے واقفیت اور اس سے محبت

میرے والد کے پاس کافی زمین تھی جس سے بڑی مقدار میں غلہ حاصل ہوتا تھا۔ زمین کا انتظام اور فصلوں کی دیکھ بھال وہ خود کرتے تھے۔ ایک بار کسی مصروفیت کی وجہ سے وہ گاؤں نہیں جا سکے اس لیے مجھ سے کہا بیٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی مصروفیت کے بہ سبب میں کھیت پر نہیں جا سکتا۔ آج میری جگہ تم وہاں چلے جاؤ اور اس کی نگرانی کرو۔ والد صاحب کی ہدایت کے مطابق کھیت پر جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ راستے میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا پر سے ہوا۔ اس وقت گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ ان کی آواز کانوں میں پڑی تو میری توجہ ان کی طرف چلی گئی۔ چوں کہ میرے والد نے گھر سے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے پر پابندی لگا دی تھی اس لیے میں نصاریٰ اور دیگر اہل مذاہب کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ چناں چہ جب میں نے ان کی آواز سنی تو یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، گرجا میں داخل ہو گیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو ان کی عبادت اور نماز کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اور میرے دل میں ان کے مذہب کی رغبت پیدا ہو گئی۔ میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ پھر میں غروبِ آفتاب تک ان کے ساتھ رہا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کی اصل شام میں ہے۔ جب رات کو گھر واپس آیا تو میرے والد مجھ سے ملے اور مجھے کارگزاری سنانے کو کہا۔ میں نے کہا کہ ابا جان! میرا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جو کنیسہ (عبادت گاہ) میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقۂ عبادت بہت پسند آیا اور میں غروبِ آفتاب تک ان کے ساتھ رہا۔ میرے اس عمل سے والد صاحب بہت گھبرائے اور انہوں نے کہا:

”أَيْ بُنَيَّ لَيْسَ فِيْ ذٰلِكَ الدِّيْنِ خَيْرٌ …… دِيْنُكَ وَدِيْنُ آبَائِكَ خَيْرٌ مِّنْهُ.“

تَرجَمہ: ”بیٹے! اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے۔ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا دین اس سے بہتر ہے۔“

میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے۔ میری بات سن کر والد صاحب کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں میں اپنے دین سے پھر نہ جاؤں۔ چناں چہ انہوں نے مجھے گھر میں قید کر کے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

حق کی تلاش

موقع پا کر میں نے نصاریٰ کے یہاں پیغام بھیجا کہ اگر شام جانے والا کوئی قافلہ تمہارے پاس پہنچے تو مجھے بتا دینا۔ خوش قسمتی سے چند دنوں کے بعد ہی شام جانے والا قافلہ ان کے پاس پہنچ گیا اور انہوں نے مجھے اس کی اطلاع کر دی۔ میں نے کوشش کر کے اپنے آپ کو بیڑیوں سے آزاد کیا اور چپکے سے ان کے ساتھ شام پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دریافت کیا کہ عیسائیوں کے دین کے جاننے والوں میں سب سے افضل آدمی کون ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ وہ پادری جو گرجا کا انتظام سنبھالنے والا ہے، اس وقت کا سب سے افضل اور بہتر نصرانی (عیسائی) ہے، چناں چہ میں نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"إِنِّيْ قَدْ رَغِبْتُ فِي النَّصْرَانِيَّةِ، وَأَحْبَبْتُ أَنْ أَلْزَمَكَ وَأَخْدِمَكَ وَأَتَعَلَّمَ مِنْكَ وَأُصَلِّيَ مَعَكَ."

ترجمہ: "میں عیسائیت کو پسند کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس رہوں، آپ کی خدمت کروں۔ آپ سے عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔"

اس نے میری درخواست قبول کر لی۔ اور مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ چناں چہ میں اس کے ساتھ گرجا میں رہنے اور اس کی خدمت کرنے لگا، لیکن چند ہی روز رہنے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ اپنے اخلاق و عادات اور اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔

وہ اپنے ماننے والوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور ثواب کی خوش خبری سناتا۔ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے لوگ اسے مال دیتے تو وہ سب کچھ اپنے لیے جمع کر لیتا، فقراء و مساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی اور اس کے یہاں سات مٹکے سونے سے بھر گئے۔

اس کا یہ رویّہ دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد جب اس کا انتقال ہو گیا اور نصرانی اس کی تجہیز و تکفین (کفن دفن) کے لیے جمع ہوئے تو میں نے ان کو بتایا:

"یہ بہت برا شخص تھا تم لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا مگر تمہاری دی ہوئی پوری کی پوری رقم اپنے لیے رکھ لیتا تھا اس میں سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو ایک پائی بھی نہیں دیتا تھا۔"

انہوں نے کہا:

"مَنْ أَيْنَ عَرَفْتَ ذٰلِكَ؟"

تَرْجَمَہ: "تم کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہیں؟"

میں نے کہا:

"أَنَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى كَنْزِهٖ."

تَرْجَمَہ: "میں تم کو اس کا خزانہ دکھاتا ہوں۔"

پھر میں نے وہ جگہ دکھا دی۔ انہوں نے وہاں سے سات گھڑے نکالے جو سونے چاندی سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا:

"بخدا! ہم اس کو ہرگز دفن نہیں کریں گے۔"

پھر انہوں نے اس کی لاش کو صلیب (عیسائیوں کے نشان) پر لٹکا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی۔

اس کے چند روز گزرنے کے بعد انہوں نے اس جگہ ایک دوسرے شخص کو مقرر کر دیا اور میں اس کی صحبت میں رہنے لگا۔ میں نے دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ دنیا سے نفرت کرنے والا، آخرت سے محبت کرنے والا اور عبادت کا پابند ہو، اس کی یہ خوبیاں دیکھ کر مجھے اس سے بے انتہا عقیدت و محبت ہو گئی اور ایک مدت تک اس کی صحبت سے فائدہ حاصل کرتا رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے عرض کیا:

"يَا فُلَانُ إِلٰى مَنْ تُوْصِيْ بِيْ وَمَعَ مَنْ تَنْصَحُنِيْ أَنْ أَكُوْنَ مِنْ بَعْدِكَ؟"

تَرْجَمَہ: "محترم! میرے لیے آپ کی کیا وصیت ہے؟ آپ مجھے اپنے بعد کس کی صحبت اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟"

"اس نے کہا بیٹے! اپنے علم کی حد تک میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو اس دین پر قائم ہے جس پر میں تھا۔ وہ فلاں شخص ہے جو موصل میں رہتا ہے۔ اس نے دین میں کوئی رد و بدل نہیں کیا ہے۔ حق اب صرف اسی کے پاس ہے۔ تم اس کے پاس چلے جانا۔"

جب میرے اس شیخ کا انتقال ہو گیا تو میں موصل پہنچا اور اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو اپنا پورا تعارف کرا دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ فلاں بزرگ نے اپنی موت کے وقت مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی وصیت کی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اب صرف آپ ہی اس دین پر قائم ہیں

جس پر وہ خود تھے۔ میری بات سن کر اس نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور میں وہاں رہنے لگا۔ میں نے اس کو بہترین حالت پر پایا، لیکن بدقسمتی سے میں زیادہ دنوں تک اس کے علم سے استفادہ نہ کرسکا۔ اس کی موت کا وقت بہت جلد آگیا، جب اس کے انتقال کی گھڑی قریب آگئی تو میں نے عرض کیا:

"يَا فُلَانُ لَقَدْ جَائَكَ مِنْ أَمْرِاللّٰهِ مَا تَرٰى وَ أَنْتَ تَعْلَمُ مِنْ أَمْرِيْ مَا تَعْلَمُ، فَإِلٰى مَنْ تُوْصِيْ بِيْ؟ وَمَنْ تَأْمُرُنِيْ بِاللِّحَاقِ بِهٖ؟"

تَرْجَمَۃ: "محترم! آپ کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے اور آپ میرے مسئلے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اب آپ کی طرف سے میرے لیے کیا وصیت ہے۔ مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرماتے ہیں؟۔"

میری بات سن کر انہوں نے فرمایا:

"بیٹے! بخدا! مجھے نہیں معلوم کہ "نصیبین" نامی بستی کے فلاں شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس دین پر باقی ہے جس پر ہم لوگ ہیں۔ بس تم وہیں جاؤ اور اسی کی صحبت اختیار کرو۔"

اس بزرگ کی تجہیز وتکفین کے بعد میں نصیبین والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اپنے حالات اور اپنے بزرگ کی وصیت بتلائی۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھنے پر رضا مندی ظاہر کی اور میں ان کے پاس مقیم ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اسی حق پر قائم ہیں جس پر پہلے دونوں بزرگ تھے، لیکن مجھے ان کی صحبت میں رہتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کا وقت بھی پورا ہوگیا۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آگیا تو میں نے ان سے کہا:

"لَقَدْ عَرَفْتَ مِنْ أَمْرِيْ مَا عَرَفْتَ فَإِلٰى مَنْ تُوْصِيْ بِيْ؟"

تَرْجَمَۃ: "آپ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا مقصد کیا ہے جس کے لیے میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اب آپ اپنے بعد مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرما رہے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"أَيْ بُنَيَّ وَاللّٰهِ إِنِّيْ مَا أَعْلَمُ اَحَدًا بَقِيَ عَلٰى اَمْرِنَا إِلَّا رَجُلاً بِعَمُّوْرِيَةَ هُوَ فُلَانٌ، فَالْحِقْ بِهٖ"

تَرْجَمَۃ: "بیٹے! میری معلومات کی حد تک اب روئے زمین پر صرف ایک شخص رہ گیا ہے جو اس

دین حق پر قائم ہے۔ وہ فلاں شخص ہے جو ''عموریہ'' میں رہتا ہے میرے بعد تم اسی کے پاس چلے جانا۔''

دینِ اسلام کا ظہور اور اس کی تلاش

میں ان کی ہدایت کے مطابق ''عموریہ'' پہنچا۔ تمام حالات و واقعات سے انہیں باخبر کیا اور بزرگ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ٹھہرنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے اجازت دے دی اور میں ان کے ساتھ رہنے لگا۔ اللہ کی قسم! وہ پچھلے بزرگوں کے طریقے پر قائم تھے۔ میں ان کے علم سے فائدہ اٹھانے لگا۔ ان کے یہاں رہتے ہوئے میں نے کچھ گائیں اور بکریاں پال لیں۔ جب ان کی موت کا وقت آ پہنچا تو میں نے ان سے کہا:

''آپ میرے معاملے سے اچھی طرح واقف ہیں، میرے بارے میں کس طرف بھیجنے کی وصیت کریں گے اور مجھے کیا حکم دیں گے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''يَا بُنَيَّ! وَاللّٰهِ! مَا أَعْلَمُ أَنَّ هُنَاكَ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ بَقِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ مُسْتَمْسِكًا بِمَا كُنَّا عَلَيْهِ …… وَلٰكِنَّهُ قَدْ أَظَلَّ زَمَانٌ يَخْرُجُ فِيْهِ بِأَرْضِ الْعَرَبِ نَبِيٌّ يُبْعَثُ بِدِيْنِ إِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ يُهَاجِرُ مِنْ أَرْضِهِ إِلٰى أَرْضٍ ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ حَرَّتَيْنِ، وَلَهٗ عَلَامَاتٌ لَا تَخْفٰى فَهُوَ يَأْكُلُ الْهَدِيَّةَ، وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، وَبَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَلْحَقَ بِتِلْكَ الْبِلَادِ فَافْعَلْ.''

ترجمہ: ''بیٹے! بخدا میرے علم کی حد تک پوری زمین پر اب ایسا کوئی شخص نہیں بچا جو اس دین پر قائم ہو جس پر ہم تھے۔ لیکن وہ وقت قریب آ گیا ہے جب سرزمین عرب میں ایک نبی دین ابراہیمی (اسلام) کے ساتھ مبعوث ہوں گے، پھر وہ اپنے وطن سے ایک ایسے علاقے کی طرف ہجرت کریں گے جہاں سیاہ خشک پتھروں کے درمیان کھجوروں کے باغات ہوں گے۔ ان کی چند واضح نشانیاں ہیں۔ وہ ہدیہ تو قبول کریں گے، مگر صدقہ نہیں کھائیں گے اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر ہو سکے تو تم اسی علاقے میں چلے جاؤ۔''

ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک میں عموریہ بستی میں مقیم رہا۔ ایک مرتبہ ادھر سے کچھ عرب تاجروں کا

گزر ہوا جو قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا:

"إِنْ حَمَلْتُمُوْنِیْ مَعَکُمْ إِلٰی أَرْضِ الْعَرَبِ أَعْطَیْتُکُمْ بَقَرَاتِیْ هٰذِهٖ وَغُنَیْمَتِیْ."

ترجمہ: "اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ عرب کی سرزمین لیتے چلو تو میں تمہیں اپنی ساری گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔"

وہ تیار ہو گئے اور میں نے اپنے جانور ان کے حوالے کر دیے۔ جب قافلہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک مقام "وادی القریٰ" پر پہنچا تو انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب میں ایک غلام کی حیثیت سے اس کی خدمت کرنے لگا۔ کچھ عرصے بعد بنو قریظہ میں سے اس کا چچازاد بھائی ملنے کے لیے آیا اور وہ مجھے خرید کر اپنے ساتھ "یثرب" لے گیا۔ میں نے وہاں کھجوروں کے باغات دیکھے جن کا ذکر عموریہ والے بزرگ نے کیا تھا۔ اس کی بیان کردہ علامتوں کی مدد سے میں نے مدینے کو پہچان لیا۔ اب میں اپنے نئے یہودی آقا کے ساتھ مدینے میں رہنے لگا۔

اس وقت تک نبی کریم ﷺ مکہ ہی میں تھے اور اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس دوران میں اپنی غلامی کی مصروفیات اور اس سے فرصت نہ ملنے کے بہ سبب ان کے متعلق کچھ بھی معلومات حاصل نہیں کر سکا۔

نبی اکرم ﷺ سے ملاقات

پھر آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔ میرا آقا اسی درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اتنے میں اس کے قبیلے کا کوئی شخص آیا اور کہنے لگا:

"قَاتَلَ اللّٰهُ بَنِیْ قَیْلَةَ وَاللّٰهِ إِنَّهُمُ الْاٰنَ لَمُجْتَمِعُوْنَ بِقُبَاءَ، عَلٰی رَجُلٍ قَدِمَ عَلَیْهِمُ الْیَوْمَ مِنْ مَکَّةَ یَزْعُمُ أَنَّهٗ نَبِیٌّ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ بنو قیلہ اوس و خزرج کے قبیلے کو تباہ کرے۔ وہ سب قباء میں ایک شخص کے استقبال کے لیے جمع ہیں جو آج ہی مکہ سے ان کے یہاں پہنچے ہیں اور خود کو نبی بتا رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی میرے بدن میں کپکپاہٹ طاری ہو گئی اور میرا پورا جسم کانپنے لگا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اپنے آقا کے اوپر گر پڑوں گا۔ میں جلدی جلدی درخت سے اترا اور اس آدمی سے پوچھنے لگا:

"مَاذَا تقُولُ؟ أَعِدْ عَلَيَّ الْخبرَ …… فَغَضِبَ سَيِّدِيْ وَلَكَمَنِيْ لَكْمَةً شَدِيْدَةً، وَقَالَ لِيْ:

مَالَكَ وَلِهٰذَا؟ عُدْ إِلٰى مَا كُنْتَ فِيْهِ مِنْ عَمَلِكَ."

تَرْجَمَہ: "ابھی تم کیا کہہ رہے تھے ذرا وہ بات مجھے دوبارہ بتاؤ؟ اس پر میرا آقا غضب ناک ہوگیا اور اس نے مجھے ایک گھونسہ مار کر کہا: "تمہیں اس سے کیا مطلب چلو، جا کر اپنا کام کرو۔"

شام کو کچھ کھجوریں ساتھ لے کر جو میں نے جمع کر رکھی تھیں، رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ مسافر ساتھی بھی ہیں یہ صدقے کی کچھ کھجوریں ہیں۔ میرے خیال میں آپ لوگ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کھاؤ، مگر خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا:

"هٰذِهٖ وَاحِدَةٌ."

تَرْجَمَہ: "یہ پہلی علامت ہے۔"

اس کے بعد میں واپس چلا آیا اور پھر کھجوریں جمع کرتا رہا اور جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینے آئے تو میں نے دوبارہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا:

"اس روز میں نے دیکھا کہ آپ نے صدقے کی کھجوریں نہیں کھائیں اس لیے آج یہ تھوڑی سی کھجوریں ہدیۃً خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔"

آپ ﷺ نے ان کھجوروں میں سے خود بھی کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی شریک کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا:

"هٰذِهٖ الثَّانِيَةُ ……"

تَرْجَمَہ: "یہ دوسری علامت ہے۔"

تیسری بار جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ جنت البقیع میں تشریف فرما تھے۔ وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس وقت آپ کے جسم پر دو چادریں تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آ گیا کہ شاید میں وہ

نبوت کی مہر دیکھ سکوں جس کے بارے میں عموریہ میں مجھے پادری نے بتایا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنی پشت مبارک کی طرف نظر اٹھائے ہوئے دیکھا تو میرا مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر ہٹا دی۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھا، اسے پہچانا اور جھک کر اسے چومنے لگا۔ اس وقت میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”کیا بات ہے؟“

تو میں نے اپنا پورا قصہ بیان کیا جس کو سن کر آپ ﷺ خوش ہوئے اور اس بات سے بھی خوش ہوئے کہ آپ کے صحابہ نے میری زبان سے حق کی تلاش کی میری درد بھری داستان سن لی۔ ان لوگوں نے بھی اس پر بہت زیادہ حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور بے حد خوش ہوئے۔

”فَسَلَامٌ عَلٰی سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ يَوْمَ قَامَ يَبْحَثُ عَنِ الْحَقِّ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ.
وَسَلَامٌ عَلٰی سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ يَوْمَ عَرَفَ الْحَقَّ فَآمَنَ بِهٖ أَوْثَقَ الْإِيْمَانِ.
وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ مَاتَ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا.“

تَرْجَمَہ: ”سلام ہو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جس دن وہ تلاش حق کی راہ میں در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور سلام ہو ان پر جس دن انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

اور سلام ہو ان پر جس دن وہ فوت ہوئے اور جس دن انہیں زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔“

فوائد و نصائح

طلب سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی پہلے حق کی تلاش میں پھر اس حق کے مطابق زندگی گزارنے میں گزری۔ جس طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق کی تلاش میں جگہ جگہ پھرے۔ کئی عیسائی پادریوں کی خدمت کی، پھر جب ایک پادری نے انہیں حضور ﷺ کے بارے میں نشانیاں بتائیں، تو اسی وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے نکل گئے اور اس کے باوجود کہ راستے میں قید کر لیے گئے اور غلام بنائے گئے مگر پھر بھی حق کی جستجو اور لگن میں کوئی کمی نہیں آئی، ساری

تکالیف کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور آخر کار اسلام قبول کر کے دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے والے بن گئے۔

ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ ہمیشہ حق کی تلاش میں رہنا چاہیے، حق بات کہنی چاہیے اور حق بات پر عمل کرنا چاہیے۔ اور ساتھ ہی یہ دعا مانگنی چاہیے:

"اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَرْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَرْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ."

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں حق راستہ بتا دیجیے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیجیے اور ہمیں باطل راستہ بھی دکھا دیجیے اور اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرما دیجیے۔"

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں کے رہنے والے تھے؟

سُؤال: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب پہلے پادری کے پاس گئے اور اس کی خدمت کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی کون سی بات بہت بری لگی؟

سُؤال: آخری پادری نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی نشانیاں بتائیں؟

سُؤال: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو دیکھا تو کیا کیا؟

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"سَيَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا، فَلَا تَسُبُّوْا أَبَاهُ، فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ."

(محمد رسول اللّٰہ)

ترجمہ: "عکرمہ بن ابی جہل بہت جلد ایک مؤمن و مہاجر کی حیثیت سے تمہارے ہاں پہنچنے والا ہے، اس کے باپ کو گالی نہ دو، مردے کو گالی دینے سے (اس کے رشتہ دار) زندہ کو تکلیف پہنچتی ہے اور مردے کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔"

تعارف

عکرمہ بن ابی جہل کی عمر تقریباً تیس سال تھی جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و ہدایت کی دعوت کا کھلم کھلا اظہار کیا تھا۔ وہ حسب و نسب کے اعتبار سے قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور مال و دولت کے لحاظ سے ان میں سب سے اونچے تھے۔ اگر ان کا باپ آڑے نہ آتا تو وہ اس لائق تھے کہ اپنے ہم عمروں، سعد بن ابی وقاص اور مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح بہت پہلے اسلام میں داخل ہو چکے ہوتے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ان کا باپ کون تھا؟

یہ وادی مکّہ کا بہت بڑا ظالم و جابر، مشرکینِ عرب کا سردار، مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچانے والا، جس کی سخت سزاؤں کے ذریعے اہل ایمان کو آزمایا گیا، اور اہل ایمان اس آزمائش میں ثابت قدم نکلے، اس ظالم کی مکاری اور چالبازی کے ذریعے اہل یقین کی سچائی کو جانچا گیا، تو وہ سچائی اور ایمان کے معیار پر پورے اترے، اس کے متعلق بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ "ابو جہل" تھا۔

یہ تو ان کا باپ تھا اور وہ خود عکرمہ ابن ابی جہل مخزومی ہیں۔ عکرمہ کا شمار قریش کے سرداروں اور وہاں کے امیر اور سمجھ دار لوگوں میں ہوتا تھا۔

ابو جہل کا قتل

عکرمہ بن ابی جہل نے خود کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنے باپ کی مرضی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

مخالفت کرنے پر مجبور تھے۔ چناں چہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی دشمنی اپنے دل میں بٹھالی، اور آپ ﷺ کے ساتھ شدید مخالفت سے پیش آئے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں، اور ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ جس سے ان کا باپ خوش ہوگیا۔

جب ان کے باپ نے غزوۂ بدر میں مشرکین کے لشکر کی قیادت کی اور لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اعلان کیا کہ محمد (ﷺ) کو شکست دیے بغیر وہ مکہ واپس نہیں لوٹے گا۔ اس نے بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر وہاں تین دن قیام کیا۔ اس دوران وہ اونٹ ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا رہا اور شراب پیتا رہا۔ اس کو خوش کرنے کے لیے دف بجا بجا کر باندیاں اسے گانے سناتی رہیں۔ جس وقت ابو جہل اس لشکر کی قیادت کر رہا تھا اس کا بیٹا اس کا قابل اعتماد ساتھی تھا۔

لیکن جب جنگ شروع ہوئی اور ابو جہل کو پتہ چلا کہ اب اسے شکست ہو رہی ہے اور اس کو اپنی موت دکھائی دینے لگی، تو اس نے اپنے خدا لات وعزیٰ کو پکارنا شروع کیا۔

لیکن لات وعزیٰ نے نہ اس کی پکار سنی نہ اس کی مدد کو آئے، کیوں کہ وہ سننے سے معذور اور مدد کرنے سے عاجز تھے۔

تو وہ ذلت کی موت مارا گیا اور اس کے بیٹے نے دیکھا کہ مسلمانوں کے نیزے اپنے دشمن کے خون سے تر ہیں۔ عکرمہ نے اپنے کانوں سے اس کے حلق سے نکلنے والی آخری چیخ سنی تھی۔

عکرمہ بدر کے میدان میں قریش کے سردار (ابو جہل) کی لاش چھوڑ کر مکہ لوٹ آئے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد ان کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہا کہ وہ اپنے باپ کی لاش اٹھا کر لاتے اور اسے مکہ میں دفن کرتے۔ جنگ کے میدان سے بھاگتے ہوئے وہ بہ حالت مجبوری اسے مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ آئے، اور مسلمانوں نے دوسرے مقتولین کے ساتھ اسے بھی بدر کے کنویں میں پھینک کر اس پر ریت ڈال دی۔

رویّے کی تبدیلی

اور اسی روز سے اسلام کے ساتھ عکرمہ کے رویّے نے دوسری صورت اختیار کرلی۔ پہلے تو وہ اپنے باپ کی حمایت میں اسلام کے مخالف تھے مگر آج سے والد کے بدلے کے لیے اسلام سے دشمنی اختیار کرلی اور یہیں سے عکرمہ اور ان کے دوسرے ہم خیال مشرکینِ قریش جن کے والد یا (رشتہ دار) جنگ بدر میں مارے گئے تھے

اور وہ ان کے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے، اہلِ مکہ کے سینوں میں نبی کریم ﷺ کے خلاف عداوت کی آگ اور انتقام کے شعلے بھڑکانے میں لگ گئے، جس کے نتیجے میں اُحد کی جنگ ہوئی۔

جنگِ بدر کا بدلہ لینے والے لشکر میں عکرمہ کی شرکت

جنگِ بدر میں اپنی شکست کا بدلہ اور اپنے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے قریش کا جو لشکر مکہ سے روانہ ہوا جو ''غزوۂ احد'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے عکرمہ اس میں شریک ہوگئے، انہوں نے اپنی بیوی اُمّ حکیم کو بھی ساتھ لیا تاکہ وہ بھی عورتوں کے ساتھ شامل ہوکر مسلمانوں کے خلاف مردوں کو بھڑکائیں اور صفوں کے پیچھے کھڑی ہو جائیں اور جب قریش کے نوجوانوں میں شکست کے آثار نظر آئیں تو وہ دف بجا بجا کر انہیں قتال پر تیار کریں اور ان کو میدانِ جنگ میں ثابت قدم رکھنے کی کوشش کریں۔

قریش نے اپنی فوج کے گھوڑے سوار دستے کا کمانڈر سیدھے ہاتھ کی طرف خالد بن ولید کو بنایا اور بائیں طرف فوج کا کمانڈر عکرمہ بن ابی جہل کو بنایا۔ اس دن ان دونوں کمانڈروں نے جرأت وشجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ قریش کا پلہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھاری ہوگیا اور اس کے نتیجے میں قریش کو فتح ہوئی جس پر ابوسفیان خوشی سے چیخ رہا تھا:

''هٰذَا بِيَوْمِ بَدْرٍ.''

تَرجَمَہ: ''یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے۔''

آج ہم نے غزوہ بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر بھاگنے میں کامیابی

غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین نے مدینے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ جب محاصرے کو کافی وقت ہوگیا تو عکرمہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ محاصرے کی مدت لمبی ہونے کی وجہ سے پریشان ہوگئے۔ آخر انہوں نے خندق کے ایک تنگ حصے کو دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑی لگا کر اس پار جا پہنچے۔ کچھ بہادر سواروں نے ان کی راہ اپنائی اور وہ بھی ان کے پیچھے خندق پار کر کے دوسری جانب پہنچ گئے۔ ان میں سے عمرو بن عبدود عامری مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا لیکن عکرمہ بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔

فتح مکہ کے موقع پر قتل کیے جانے کے ڈر سے یمن چلنا

فتح مکہ کے موقع پر جب قریش نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے اب مقابلے کی ہمت اور طاقت نہیں ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے راستے سے ہٹ جائیں۔ یہ فیصلہ انہوں نے اس لیے کیا کہ ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کے کمانڈروں کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ مکّہ مکرّمہ کے عام لوگوں کو کچھ نہ کہیں۔ وہ صرف انہی لوگوں سے جنگ کریں جو ان سے لڑیں۔

لیکن عکرمہ اور ان کے کچھ ہم خیال ساتھی قریش کے اس فیصلے کے باوجود جنگ کا ارادہ لیے مکّہ سے نکل پڑے اور مسلمانوں کے بہت بڑے لشکر کے سامنے مقابلے کے لیے آئے۔ کیوں کہ غزوۂ خندق کے واقعے سے پہلے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کر چکے تھے اس لیے غزوۂ خندق میں وہ مشرکین سے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک معمولی جھڑپ کے بعد مشرکین مکّہ کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس جھڑپ میں ان کے چند آدمی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بھاگنے والوں میں عکرمہ ابن ابی جہل بھی تھا۔

اس وقت وہ سخت حیرانی و پریشانی سے دوچار تھا۔ اس لیے کہ مکّہ مکرّمہ میں اب ان کے لیے کوئی ٹھہرنے کی جگہ نہیں رہی۔ مکّہ والوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ان تمام جرموں کو معاف کر دیا تھا جو انہوں نے آپ ﷺ کے مقابلے میں کیے تھے۔ البتہ اس عام معافی سے چند مجرموں کو ہٹا لیا گیا تھا، اور ان کو معاف نہیں کیا گیا تھا۔ اور نام لے لے کر حکم دیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، خواہ وہ کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوئے ہی کیوں نہ ملیں۔ ان لوگوں میں ”عکرمہ بن ابی جہل“ کا نام سرفہرست تھا۔ اس لیے اپنی جان کے خوف سے وہ چھپ کر مکّہ مکرّمہ سے نکلے اور یمن کی طرف چل پڑے، کیوں کہ اس کے علاوہ انہیں کسی دوسری جگہ پناہ ملنے کی امید نہ تھی۔

حضرت عکرمہ کی بیوی امّ حکیم کا اسلام قبول کرنا

عکرمہ کی بیوی اُمّ حکیم اور ہند بنت عتبہ دس دوسری عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کے ارادے سے آپ ﷺ کے مکان پر پہنچیں۔ اس وقت دو ازواج مطہرات، آپ کی صاحبزادی حضرت

فاطمہ زہراء اور خاندان عبدالمطلب کی چند خواتین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ اس موقع پر ہند بنت عتبہ نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ أَظْهَرَ الدِّيْنَ الَّذِىْ اخْتَارَهٗ لِنَفْسِهٖ، وَ إِنِّىْ لَأَسْأَلُكَ أَنْ تَمَسَّنِىْ رَحِمُكَ بِخَيْرٍ، فَإِنِّىْ امْرَأَةٌ مُؤْمِنَةٌ مُصَدِّقَةٌ، ثُمَّ كَشَفَتْ عَنْ وَجْهِهَا وَقَالَتْ: هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کر دیا۔ میں آپ کے ساتھ اپنی خاندانی رشتہ داری کا واسطہ دے کر آپ سے خیر اور حسنِ سلوک کی درخواست کرتی ہوں۔ میں سچے دل سے اسلام قبول کرتی ہوں، میں ایک مسلمان عورت ہوں" پھر انہوں نے اپنے چہرے سے نقاب سرکاتے ہوئے کہا: "اللہ کے رسول! میں عتبہ کی بیٹی ہند ہوں۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَرْحَبًا بِكِ."

تَرْجَمَہ: "میں تمہیں مرحبا کہتا ہوں اور تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔"

انہوں نے پھر کہا:

"وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ بَيْتٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلَّ مِنْ بَيْتِكَ، وَلَقَدْ أَصْبَحْتُ وَمَا عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ بَيْتٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزَّ مِنْ بَيْتِكَ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہ تھا جس کی ذلت و رسوائی مجھے آپ ﷺ کے گھر کی ذلت و رسوائی سے زیادہ پسند ہو۔ مگر اب یہ حال ہے کہ دنیا کا کوئی گھر میرے نزدیک آپ ﷺ کے گھر سے زیادہ معزز نہیں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ تمہارے پاکیزہ خیالات و احساسات میں زیادتی اور برکت عطا فرمائے۔ اس کے بعد عکرمہ کی بیوی اُمّ حکیم کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا پھر بولیں:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَدْ هَرَبَ مِنْكَ عِكْرِمَةُ إِلَى الْيَمَنِ خَوْفًا مِنْ أَنْ تَقْتُلَهٗ فَأَمِّنْهُ أَمَّنَكَ اللّٰهُ."

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! عکرمہ اس ڈر سے بھاگ گیا ہے کہ آپ اسے قتل کر دیں گے۔ اللہ کے رسول! آپ اسے امان بخش دیں اللہ آپ کو امان دے گا۔''

آپ ﷺ نے ان کی درخواست سن کر ارشاد فرمایا:

''هُوَ آمِنٌ.''

تَرْجَمَۃ: ''عکرمہ بن ابی جہل کو امان دی جاتی ہے آج سے وہ پناہ میں ہے۔''

حضرت عکرمہ کا اسلام قبول کرنا

شوہر کے لیے پناہ کا اعلان سن کر حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی وقت ان کی تلاش میں نکل پڑیں۔ حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تن تنہا اپنا سفر جاری رکھا اور آخر کار تہامہ کے علاقے میں سمندر کے کنارے عکرمہ کو پالیا اس وقت وہ ایک مسلمان ملاح سے گفتگو کر رہے تھے کہ وہ انہیں کشتی میں سوار کر کے اس پار پہنچا دے۔ مگر ملاح اس بات پر اصرار کر رہا تھا:

''إِخْلَصْ حَتّٰى أَنقُلَكَ.''

تَرْجَمَۃ: ''کہ پہلے تم اخلاص کا اظہار کرو تب میں تم کو اس پار لے جاؤں گا۔''

عکرمہ نے پوچھا:

''وَكَيْفَ أُخْلِصُ؟''

تَرْجَمَۃ: ''کہ میں اخلاص کا اظہار کس طرح کروں؟۔''

تو اس نے کہا: کہو!

''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.''

تَرْجَمَۃ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے معبود سوائے اللہ کے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

عکرمہ نے جواب دیا:

''مَا هَرَبْتُ إِلَّا مِنْ هٰذَا.''

تَرْجَمَۃ: ''اسی کلمے کی وجہ سے بھاگ کر تو میں یہاں آیا ہوں......۔''

ابھی ان دونوں کی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عکرمہ کے پاس پہنچ گئیں۔

اوران سے بولیں:

"يَا ابْنَ عَمِّ، جِئْتُكَ مِنْ عِنْدِ أَفْضَلِ النَّاسِ، وَأَبَرِّ النَّاسِ، وَخَيْرِ النَّاسِ ......"

تَرجَمَہ: "میرے چچا کے بیٹے! میں آپ کے پاس سب سے افضل...... سب سے بڑھ کر نیک ...... اورسب سے اچھے انسان...... اور بہتر ہستی کے پاس سے آئی ہوں۔"

یعنی میں تمہارے پاس محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف سے آئی ہوں۔ میں نے ان سے تمہاری جاں بخشی کا وعدہ لے لیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے آپ کو پناہ دے دی ہے۔ اب اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے۔

عکرمہ نے پوچھا: "کیا تم نے خود ان سے بات کی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا "ہاں! میں نے خود بات کی ہے اور انہوں نے تم کو امان دی ہے۔" وہ برابر انہیں جاں بخشی کا یقین دلاتی رہیں یہاں تک کہ وہ مطمئن اور ان کے ساتھ واپسی پر رضا مند ہو گیا۔

عکرمہ کے مسلمان ہونے پر حضور ﷺ کی خوشی

جب عکرمہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا:

"سَيَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا فَلَا تَسُبُّوْا أَبَاهُ فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ"

تَرجَمَہ: "عکرمہ بن ابی جہل بہت جلد ایک مؤمن و مہاجر کی حیثیت سے تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں۔ ان کے باپ کو گالی نہ دو (یعنی برا مت کہنا) مردے کو برا کہنے سے اس کے زندہ (رشتہ دار) کو تکلیف پہنچتی ہے اور میت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔"

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد عکرمہ اپنی بیوی اُمّ حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی خوش ہوئے اور خوشی میں چادر کے بغیر ہی ان کے استقبال کے لیے لپکے۔ پھر جب آپ ﷺ اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے تو عکرمہ نے کھڑے کھڑے عرض کیا:

"يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ أُمَّ حَكِيمٍ أَخْبَرَتْنِي أَنَّكَ أَمَّنْتَنِي ......"

تَرجَمَہ: "اے محمد (ﷺ)! اُمّ حکیم نے مجھے بتایا کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے۔"

حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا:

"صَدَقَتْ، فَأَنْتَ آمِنٌ."

تَرجَمَہ: "انہوں نے صحیح کہا ہے، تمہیں امان حاصل ہے۔"

انہوں نے دوبارہ سوال کیا:

"إِلَامَ تَدْعُوْا يَا مُحَمَّدُ؟"

تَرجَمَہ: "اے محمد (ﷺ)! آپ مجھے کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"أَدْعُوْكَ إِلٰى أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّىْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، وَأَنْ تُقِيْمَ الصَّلٰاةَ وَاَنْ تُؤْتِيَ الزَّكَاةَ ...... (حتّٰى عَدَّ أَرْكَانَ الْإِسْلَامِ كُلَّهَا."

تَرجَمَہ: "میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے اور اس بات کی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس بات کی کہ تم زکوٰۃ دو۔ آپ ﷺ ارکان اسلام گناتے رہے۔"

تو عکرمہ نے کہا:

"وَاللّٰهِ مَا دَعَوْتَ إِلَّا إِلٰى حَقٍّ، وَمَا أَمَرْتَ إِلَّا بِخَيْرٍ، ثُمَّ أَرْدَفَ يَقُوْلُ. قَدْ كُنْتَ فِيْنَا. وَاللّٰهِ. قَبْلَ أَنْ تَدْعُوَ إِلٰى مَا دَعَوْتَ إِلَيْهِ وَأَنْتَ أَصْدَقُنَا حَدِيْثًا وَأَبَرُّنَا بِرًّا ...... ثُمَّ بَسَطَ يَدَهُ وَقَالَ: إِنِّىْ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وأَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ"

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! آپ نے حق کی دعوت دی اور خیر کا حکم دیا...... اللہ کی قسم! آپ اس دعوت سے پہلے بھی ہم میں سب سے سچے اور نیک تھے، یہ کہہ کر انہوں نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔"

اسلام لانے کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول ﷺ سے درخواست کی:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِىْ خَيْرَ شَىْءٍ أَقُوْلُهُ."

تَرجَمَہ: "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے سب سے اچھی چیز بتا دیجیے تاکہ میں اسے برابر پڑھا کروں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھا کرو:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

عکرمہ نے پوچھا: ''اس کے بعد کیا کہوں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہو کہ میں خدائے تعالیٰ اور حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مجاہد، اور مہاجر ہوں۔'' اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کہہ دیا۔

اس وقت آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اَلْيَوْمَ لَا تَسْأَلُنِيْ شَيْئًا أُعْطِيْهِ أَحَدًا إِلَّا أَعْطَيْتُكَ إِيَّاهُ."

ترجمہ: ''آج تم جو چیز بھی مجھ سے مانگو گے جو میں نے کسی کو نہ دی ہو تو وہ تمہیں ضرور دوں گا۔''

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"إِنِّيْ أَسْأَلُكَ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لِيْ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَيْتُكَهَا، أَوْ مَقَامٍ لَقِيْتُكَ فِيْهِ، أَوْ كَلَامٍ قُلْتُهُ فِيْ وَجْهِكَ أَوْ غَيْبَتِكَ."

ترجمہ: ''میں چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ جتنی دشمنی کی، جہاں کہیں بھی آپ کے مقابلے کے لیے آیا اور آپ کے خلاف جو بات بھی کی، خواہ آپ کے سامنے یا پیٹھ پیچھے کہی ہو ان سب سے میرے لیے معافی کی دعا فرمائیں۔''

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں حضور ﷺ کی دعا

تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيْهَا وَكُلَّ مَسِيْرٍ سَارَ فِيْهِ إِلٰى مَوْضِعٍ يُرِيْدُ بِهِ إِطْفَاءَ نُوْرِكَ وَاغْفِرْ لَهُ مَانَالَ مِنْ عِرْضِيْ فِيْ وَجْهِيْ أَوْ أَنَا غَائِبٌ عَنْهُ"

ترجمہ: ''اے اللہ! ہر اس عداوت سے عکرمہ کی مغفرت فرما جو انہوں نے میرے ساتھ کی، اور معاف فرمادے ان کی ہر اس لغزش کو جس کے ذریعے انہوں نے تیرے نور کو بجھانے کی کوشش کی، اور درگزر فرما ان کی ہر اس حرکت کو جو انہوں نے میری آبرو سے کھیلتے ہوئے میرے سامنے یا میری غیر موجودگی میں کی ہو۔''

اس دعا کو سن کر حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انہوں نے کہا:

"أَمَا وَاللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَا أَدَعُ نَفَقَةً كُنْتُ أَنْفَقْتُهَا فِيْ صَدٍّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا أَنْفَقْتُ ضِعْفَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَلَا قِتَالًا قَاتَلْتُهُ صَدًّا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا قَاتَلْتُ

ضِعفَهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ."

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم! آج سے پہلے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے جتنا مال میں خرچ کرتا رہا ہوں، اب آج کے بعد سے اللہ کی راہ میں اس سے دوگنا زیادہ خرچ کروں گا۔ اور آج سے پہلے خدا کے دین سے روکنے کے لیے جتنی قوت سے لڑتا رہا، آج کے بعد اس سے دوگنی طاقت کے ساتھ راہِ خدا میں لڑوں گا۔"

اور اس روز سے مسلمانوں کی جماعت میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہوا جو میدان جنگ میں ایک شیر دل شہ سوار اور مسجدوں میں ایک عابد تہجد پڑھنے والے اور قاریٔ قرآن تھے۔ وہ قرآن کریم کو اپنے چہرے پر رکھ کر خدا کے خوف سے روتے ہوئے بڑے والہانہ انداز میں کہتے:

"کِتَابُ رَبِّیْ ...... کَلَامُ رَبِّیْ"

"میرے رب کی کتاب ...... میرے رب کا کلام۔"

جنگِ یرموک میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری اور شہادت کا واقعہ

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ ان کے قبول اسلام کے بعد اسلام پھیلانے کے لیے جتنے سفر ہوئے، ان سب میں ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوئے اور مسلمان جب بھی کسی سفر میں نکلے اس میں آگے آگے رہے۔ جنگِ یرموک میں تو حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ کی طرف اس طرح لپکے تھے جیسے کوئی سخت پیاسا شدید گرمی میں ٹھنڈے میٹھے پانی کی طرف لپکتا ہے۔ ایک موقع پر جب مسلمانوں پر دشمن کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تو، وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے، تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی اور کھلی تلوار لے کر رومیوں کی صفوں میں گھس کر بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ان کے پاس پہنچ کر کہا:

"لَا تَفْعَلْ یَا عِکْرِمَةُ فَإِنَّ قَتْلَكَ سَیَکُوْنُ شَدِیْدًا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ."

ترجمہ: "عکرمہ! ایسا نہ کیجیے۔ (اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے)۔ آپ کا قتل ہو جانا مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت حادثہ ہوگا۔"

لیکن حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا:

"إِلَیْكَ عَنِّیْ یَا خَالِدُ ...... فَلَقَدْ کَانَ لَكَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سَابِقَةً، أَمَّا أَنَا وَأَبِيْ فَقَدْ كُنَّا مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَدَعْنِيْ أُكَفِّرْ عَمَّا سَلَفَ مِنِّيْ. ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ قَاتَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَأَفِرُّ مِنَ الرُّوْمِ الْيَوْمَ؟ إِنَّ هٰذَا لَنْ يَكُوْنَ أَبَدًا. ثُمَّ نَادَىٰ فِي الْمُسْلِمِيْنَ: مَنْ يُبَايِعُ عَلَى الْمَوْتِ؟"

تَرجَمَہ: "خالد! ہٹ جاؤ۔ میرا راستہ نہ روکو۔ اگرچہ حضور ﷺ کے ساتھ رہنے اور اسلام کی خدمت کرنے میں تم مجھ سے آگے ہو لیکن میں اور میرا باپ رسول اللہ ﷺ کے سخت مخالف تھے اس لیے حضور ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف میرے حصے میں بہت دیر سے آیا۔ مجھے چھوڑ دو۔ آج میں پچھلی کوتاہیوں اور محرومیوں کی تلافی کر لینا چاہتا ہوں...... پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا:

"میں بہت سے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں جم کر لڑا۔ کیا آج رومیوں کے مقابلے میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا" پھر انہوں نے مسلمانوں کو پکارا "آج موت پر کون بیعت کرتا ہے؟"۔"

ان کی پکار پر تقریباً چار سو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں میں ان کے چچا حضرت حارث بن ہشام اور حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (قائد لشکر) کے خیمے کے قریب بہت خطرناک جنگ کی اور دشمن کے بڑھتے ہوئے حملوں کا بہترین انداز میں دفاع کیا۔ جب یرموک میں جنگ و قتال ختم ہوا اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تو یرموک کی زمین پر تین مجاہد زخموں سے چور نڈھال پڑے ہوئے تھے اور وہ تھے: حضرت حارث بن ہشام، حضرت عیاش بن ربیعہ، اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔

سخت پیاس سے بے تاب حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی مانگا، جب پانی ان کی خدمت میں پیش کیا جا رہا تھا، تو حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا تو حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی پلانے کا اشارہ کیا اور فرمایا:

"اِدْفَعُوْهُ إِلَيْهِ."

تَرجَمَہ: "(پہلے) ان کو دے دیں۔"

اور جب پانی حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے جایا گیا تو حضرت عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان

کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"اِدْفَعُوْهُ إِلَيْهِ. فَلَمَّا دَنَوْا مِنْ عَيَّاشٍ وَجَدُوْهُ وَقَدْ قَضَى نَحْبَهُ ...... فَلَمَّا عَادُوْا إِلٰى صَاحِبَيْهِ وَجَدُوْهُمَا قَدْ لَحِقَا بِهِ. رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ......"

تَرْجَمَہ: "پہلے حضرت عیاش کی پیاس بجھائی جائے اور جب پانی پلانے والے ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ (وہ اس سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ یعنی) وہ شہید ہو چکے تھے۔ جب وہ پلٹ کر پہلے دونوں صحابیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ بھی (آب کوثر سے اپنی پیاس بجھا چکے ہیں یعنی) شہید ہو چکے ہیں۔"

"وَسَقَاهُمْ مِنْ حَوْضِ الْكَوْثَرِ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُوْنَ بَعْدَهَا ...... وَحَبَاهُمْ خَضْرَاءَ الْفِرْدَوْسِ يَرْتَعُوْنَ فِيْهَا أَبَدًا ......"

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں سے راضی ہو اور انہیں حوض کوثر سے اس طرح سیراب کرے کہ اس کے بعد انہیں پیاس محسوس نہ ہو اور انہیں جنت الفردوس کی سرسبزی و شادابی مرحمت فرمائے جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ خوش حال ہوتے رہیں۔ آمین۔"

فوائد و نصائح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات رحمت ہی رحمت ہے

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے، سارے عالم والوں کے لیے رحمت تھے، ابوجہل جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمنوں میں سے تھا اس کے بیٹے کو بھی معاف فرما دیا، آدمی کو جس سے دشمنی ہو جاتی ہے تو دشمن کے بیٹے اور دشمن کی ہر چیز سے دشمنی ہو جاتی ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ ہمارا کام اسلام پھیلانا ہے لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے، اگر دشمن اور دشمن کا بیٹا بھی جہنم سے بچ سکے تو اس کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ دشمن کے بیٹے کو یہ تکلیف بھی نہ پہنچے کہ اس کے والد کو کوئی برا بھلا کہے۔

ہر مسلمان دین کا داعی ہو

دوسری بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر شخص جو اسلام میں داخل ہوتا وہ اسلام کو پھیلانے والا

بنتا اور اسلام کی طرف دوسروں کو بھی دعوت دینے والا بنتا تھا، حضرت عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب یمن کی طرف گئے تو کشتی چلانے والے ملاح نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اس طرح موقع پا کر لوگوں کو دین کی دعوت دیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ملفوظ ہے فرمایا: آج ہم بھی محنت کر کے ہر مسلمان کو داعی بنا دیں۔ ہمارا ڈرائیور، ہمارا ڈاکٹر ہمارے مرد اور ہماری عورتیں سب ہی داعی ہوں۔ اگر ہر آدمی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بن جائے تو آج بھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائیں گے جو اسلام سے بھاگ کر کہیں اور جانے کی کوشش کر رہے ہیں یعنی وہ بھی اسلام کی طرف آ جائیں گے۔[1]

مُذاکرہ

سُوَال: مسلمان ملاح حضرت عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کس بات پر اصرار کر رہا تھا؟

سُوَال: ابوجہل کون سی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا؟

سُوَال: جب حضرت عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مکہ مکرمہ پہنچے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے کیا فرمایا؟

سُوَال: اسلام لانے کے بعد حضرت عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کیا درخواست کی؟

---

[1] ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی صفحہ ۲۲ ملفوظ نمبر ۲۰

حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ایک صحابیٔ رسول جو ایمان لانے کے بعد کسی ادنیٰ ترین گناہ کے بھی مرتکب نہ ہوئے)

"إِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ: اَلْأَنَاةُ وَالْحِلْمُ" (محمد رسول الله)

تَرجَمَہ: "تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جو خدا اور اس کے رسول کو نہایت پسندیدہ ہیں، ایک خودداری اور دوسری بردباری ہے۔"

انسان فطری طور پر خیر و شر کا سرچشمہ ہے۔ جو لوگ دور جاہلیت میں بہتر ہوتے ہیں ان لوگوں میں اسلام لانے کے بعد اور زیادہ خیر و صلاح کا عنصر غالب ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں رخ ہمارے سامنے ہیں۔ ایک رخ جاہلیت کے ہاتھوں نے بنایا ہے۔ اور دوسرا رخ اسلام کی مرہون منت ہے۔

وہ صحابی حضرت زید الخیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ انہیں اسی نام سے پکارتے تھے۔ اور اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زید الخیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نام سے یاد فرمایا۔

آپ کے دورِ جاہلیت کا ایک انوکھا واقعہ

عربی ادب کی کتابوں میں ان کی پہلی زندگی کے متعلق جو حالات نقل کیے گئے ہیں وہ بھی پڑھ لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام لانے کے بعد بھی اور اسلام لانے سے پہلے بھی، یہ شریف النفس لوگوں میں سے تھے۔ ان کا واقعہ امام شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ بنو عامر کے ایک بزرگ کی زبانی ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"ایک سال ہمارے علاقے میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زبردست قحط اور خشک سالی نے ایسی قیامت برپا کی کہ کھیت اور باغ سوکھنے اور جانور ہلاک ہونے لگے۔ حالات کی سختی سے تنگ آ کر ہمارے قبیلے کا ایک شخص اپنے اہل و عیال کو لے کر حیرہ چلا گیا۔ (عراق کا ایک شہر جو نجف اور کوفہ کے درمیان واقع ہے)۔ اور انہیں وہاں چھوڑ کر ان سے رخصت ہوتے ہوئے بولا۔

"جب تک میں تمہارے پاس لوٹ کر نہ آ جاؤں تم لوگ یہیں میرا انتظار کرنا۔ پھر اس نے قسم کھائی کہ

میں ان کے پاس آؤں گا تو مال و دولت کے ساتھ، ورنہ اسی کوشش میں اپنی جان دے دوں گا۔"

پھر اس نے کچھ کھانے پینے کی اشیاء اپنے ساتھ لیں اور پیدل ہی چل پڑا۔ وہ دن بھر چلتا رہا۔ جب رات ہوئی تو اس نے دیکھا کہ سامنے ایک خیمہ نصب ہے اور اس کے قریب ہی گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا:

"یہ پہلا مال غنیمت ہے جو میرے ہاتھ لگا ہے۔" اس کو لے کر بیوی بچوں کے پاس چلا جاؤں گا۔ پھر وہ بچھڑے (گائے کے بچے) کے پاس پہنچا اور اس کی رسی کھول لی۔ اور ابھی اس پر سوار ہونے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز آئی:

"خَلِّ عَنْهُ وَاغْنَمْ نَفْسَكَ، فَتَرَكَهُ وَمَضٰى."

تَرجَمۂ: "اسے چھوڑ دو اور جان کی خیر چاہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ تو اس نے اس کو چھوڑ دیا اور چلا گیا۔"

وہ بچھڑے کو چھوڑ کر آگے چل پڑا اور سات روز تک چلتا رہا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اونٹوں کا ایک باڑا تھا۔ باڑے کے قریب ہی کھالوں سے بنا ہوا ایک اچھا اور بہت بڑا خیمہ اور اس کے اندر چمڑے کا ایک چھوٹا سا گول خیمہ تھا۔ یہ چیزیں اپنے مالک کے مال دار اور خوش حال ہونے کا پتہ دے رہی تھیں۔ اس نے اپنے جی میں کہا:

"لَا بُدَّ لِهٰذَا الْمَرَاحِ مِنْ إِبِلٍ. وَلَا بُدَّ لِهٰذَا الْخِبَاءِ مِنْ أَهْلٍ."

تَرجَمۂ: "اس باڑے میں اونٹ بھی ہوں گے اور اس خیمے میں رہنے والے کوئی نہ کوئی آدمی بھی ہوں گے۔"

اگرچہ اس وقت خالی نظر آتا ہے۔ پھر اس نے خیمہ کے اندرونی ماحول پر ایک نظر ڈالی۔ سورج اب غروب ہو رہا تھا اور مغرب ہونے کا وقت قریب تھا۔ تو اس نے خیمے کے درمیان میں ایک نہایت ضعیف العمر بوڑھے شخص کو دیکھا۔ وہ اس کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔ مگر بوڑھے شخص کو اس کا بالکل علم نہیں ہوا۔ چند لمحوں کے بعد سورج غروب ہو گیا اور اسے سامنے سے آتا ہوا ایک سوار نظر آیا جو انتہائی خوب صورت اور لمبے چوڑے قد کا مالک تھا۔ وہ ایک خوب صورت گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا اور دو غلام اس کی دونوں جانب پیدل چل رہے تھے۔ باڑے میں پہنچ کر سب سے پہلے بڑا اونٹ بیٹھا۔ پھر باقی اونٹ بھی اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔ یہی شخص زید الخیل تھے، انہوں نے سواری سے اترتے ہی ایک موٹی سی اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غلام کو حکم دیا

''اس اونٹنی کو دوہ لو اور شیخ کو پلاؤ۔''

غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اونٹنی کو دوہا اور دودھ سے بھرا ہوا برتن بوڑھے کے آگے رکھ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ بوڑھے نے اس میں سے ایک دو گھونٹ دودھ پی کر برتن نیچے رکھ دیا۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ میں آہستہ آہستہ سے اس کی طرف کھسک کر گیا، برتن اٹھایا اور اسے منہ سے لگا کر خالی کر دیا، اور پھر واپس زمین پر رکھ دیا۔ غلام نے آکر برتن اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ اور اپنے مالک سے بولا ''آقا! شیخ نے پورا دودھ پی لیا۔''

سوار (زید الخیل) یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دوسری اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اسے بھی دوہو اور شیخ کو پیش کرو۔''

غلام ان کا حکم بجا لایا اور دودھ سے بھرا ہوا برتن بوڑھے کے آگے رکھ دیا۔ بوڑھے نے اس میں سے صرف ایک گھونٹ پیا اور برتن نیچے رکھ دیا۔ میں نے اسے اٹھا کر اس میں سے آدھا دودھ پیا اور باقی دودھ اس خیال سے بچا دیا کہ کہیں سوار کے دل میں کوئی شبہ نہ پیدا ہو جائے۔

پھر سوار نے دوسرے غلام کو ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس نے حکم کے مطابق بکری کو ذبح کر دیا۔ تو سوار اٹھ کر اس کے پاس آئے اور بوڑھے کے لیے اس میں سے کچھ گوشت بھونا اور اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ جب بوڑھے شخص کا پیٹ بھر گیا تو اس سے بچا ہوا گوشت سوار (زید الخیل) نے اور ان کے دونوں غلاموں نے کھایا۔ پھر وہ سب اپنے اپنے بستروں کے پاس چلے گئے۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند میں ڈوب کر خراٹے لینے لگے۔ اب میں چپکے سے اٹھ کر بڑے اونٹ کے پاس پہنچا۔ اور اس کی رسی کھول کر اس پر سوار ہو کر ایڑی لگائی تو اونٹ تیزی سے چل پڑا۔ دوسرے اونٹ بھی اس کے پیچھے لگ گئے۔ میں رات بھر چلتا رہا۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا تو میں نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شخص میرا پیچھا کرتا ہوا نظر نہیں آیا۔ میں نے اونٹ کی رفتار اور تیز کر دی اور برابر چلتا رہا یہاں تک کہ سورج کافی بلند ہو گیا۔ میں نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا تو دور فاصلے پر کوئی چیز نظر آئی جیسے کوئی گدھ یا کوئی دوسرا بہت بڑا پرندہ ہو۔ وہ چیز مجھ سے قریب ہوتی گئی۔ جب اس کی شکل صاف اور واضح طور پر نظر آنے لگی تو میں نے دیکھا کہ وہ کوئی آدمی ہے جو گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے۔ وہ برابر میرے نزدیک آتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے انہیں پہچان لیا۔ وہ وہی سوار (زید الخیل) تھے اور اونٹوں کو تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ پہنچے تھے۔ اس وقت میں نے اونٹ کو باندھ دیا اور ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان پر چڑھا لیا۔ اور اونٹ کو اپنے پیچھے رکھا۔ یہ دیکھ کر سوار کچھ دور فاصلے پر رک گئے۔ اور مجھ سے کہا:

"اُحْلُلْ عِقَالَ الْفَحْلِ."

ترجمہ: "اونٹ کی رسی کھول دو۔"

میں نے کہا:

"کَلَّا."

ترجمہ: "ہرگز نہیں۔ (میں اس کی رسی نہیں کھولوں گا)۔"

"لَقَدْ تَرَکْتُ وَرَائِیْ نِسْوَۃً جَائِعَاتٍ بِالْحِیْرَۃِ وَأَقْسَمْتُ أَلَّا أَرْجِعَ إِلَیْهِنَّ إِلَّا وَمَعِیْ مَالٌ أَوْ أَمُوْتَ."

ترجمہ: "میں اپنے پیچھے حیرہ میں (بھوک سے روتے ہوئے بچوں اور) فاقہ کی سختیاں جھیلتے ہوئے پریشان حال اہل وعیال کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور یہ قسم کھائی ہے کہ میں ان کے پاس مال لے کر لوٹوں گا ورنہ اسی کوشش میں مر جاؤں گا۔"

انہوں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے گرج کر کہا:

"إِنَّکَ مَیِّتٌ ...... اُحْلُلْ عِقَالَ الْفَحْلِ. لَا أَبَا لَکَ."

ترجمہ: "تو سمجھ لو کہ تم مر چکے ہو۔ تمہارا برا ہو۔ اونٹ کی رسی کھول دو۔"

میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ "ہرگز نہیں کھولوں گا۔"

تب انہوں نے کچھ نرم ہوتے ہوئے کہا "تم بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ اور دھوکہ کھا رہے ہو۔ مجھے جانتے نہیں ہو کہ میں کون ہوں؟

پھر کہا۔ "اچھا اونٹ کی نکیل لٹکاؤ۔ اور بتاؤ کون سی گرہ میں تیر ماروں۔"

نکیل میں تین گرہیں تھیں......۔

میں نے درمیانی گرہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ انہوں نے تیر چھوڑا اور وہ آ کر اس کے بیچوں بیچ اٹک گیا۔ جیسے اپنے ہاتھ سے اس میں پھنسایا ہو۔ پھر انہوں نے باقی دونوں گرہوں کو بھی اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیا۔ جب میں نے تیر اندازی کی یہ مہارت دیکھی تو میں ڈر گیا اور میں نے اپنے تیر کو ترکش میں واپس رکھ دیا اور گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا کہ اب میں ان سے بچ نہیں سکتا۔ وہ میرے قریب آئے اور میری تلوار اور تیروں بھری ترکش کمان کو اپنے قبضے میں کرتے ہوئے مجھے اپنے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب میں چپ چاپ ان کے پیچھے سوار ہو گیا تو مجھ سے کہنے لگے:

"كَيْفَ تَظُنُّ أَنِّيْ فَاعِلٌ بِكَ؟"

تَرْجَمَۃ: "تمہارا کیا خیال ہے بھلا میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟"

میں نے جواب دیا۔

"أَسْوَأَ أَظُنُّ."

تَرْجَمَۃ: "بہت برا۔"

انہوں نے دریافت کیا: "یہ کیوں؟"

میں نے احساسِ ندامت کے ساتھ کہا۔

"لِمَا فَعَلْتُهُ بِكَ، وَمَا أَنْزَلْتُ بِكَ مِنْ عَنَاءٍ وَقَدْ أَظْفَرَكَ اللّٰهُ بِيْ."

تَرْجَمَۃ: "اس لیے کہ میں نے تمہارے ساتھ غلط طریقہ اپنایا اور تمہیں سخت پریشانی میں مبتلا کیا۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے اوپر قابو دے دیا ہے۔"

انہوں نے کہا:

"أَتَظُنُّ أَنِّيْ أَفْعَلُ بِكَ سُوْءًا وَقَدْ شَارَكْتَ مُهَلْهِلاً (يعنى أَبَاهُ) فِيْ شَرَابِهٖ وَطَعَامِهٖ وَنَادَمْتَهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ؟"

تَرْجَمَۃ: "تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کروں گا جب کہ تم (میرے والدگرامی) مہلہل کے ساتھ کھانے پینے میں شریک اور رات ان کے دودھ پینے کے ساتھی رہ چکے ہو؟"

وہ آدمی کہتا ہے:

"فَلَمَّا سَمِعْتُ اسْمَ مُهَلْهِلٍ قُلْتُ: أَزَيْدُ الْخَيْلِ أَنْتَ؟"

تَرْجَمَۃ: "جب میں نے ان کے منہ سے مہلہل کا نام سنا تو میں نے ان سے کہا کہ کیا "تم مہلہل کے بیٹے زید الخیل ہو"؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "ہاں میں زید الخیل ہوں۔"

میں نے کہا۔

"أَكُوْنَ خَيْرَ آسِرٍ."

تَرْجَمَۃ: "تب تو میں ایک بہترین شخص کا قیدی ہوں۔"

امید ہے کہ تم میرے ساتھ اچھا اور شریفانہ برتاؤ کرو گے۔

انہوں نے کہا۔

"لَا بَأْسَ عَلَيْكَ"

ترجمہ: "تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

اور مجھے لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

انہوں نے منزل پر پہنچ کر مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم! اگر یہ اونٹ میرے ہوتے تو انہیں تمہارے حوالے کر دیتا لیکن یہ میری بہن کی امانت ہیں۔ اب تم چند روز میرے پاس ٹھہرو۔ میں عن قریب ایک جگہ حملہ کرنے والا ہوں۔ اس میں مجھے کافی مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہے۔" تین دن کے بعد ہی انہوں نے بنی نمیر پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں تقریباً سو اونٹ ان کے ہاتھ آئے۔ انہوں نے وہ سارے اونٹ مجھے دے دیے اور میری حفاظت کے لیے اپنے کچھ غلاموں کو میرے ساتھ کر دیا۔ اور میں بخیر و عافیت حیرہ شہر پہنچ گیا۔"

نبی کریم ﷺ سے ملاقات

یہ زید الخیل کی ان کے دور جاہلیت کی کہانی تھی۔ ان کے زمانۂ اسلام کے واقعات سیرت کی کتابوں میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر زید الخیل کے کانوں میں پہنچی اور وہ ان کی دعوت سے کسی قدر آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنی سواری کو سفر کے لیے تیار کیا اور اپنے قبیلے کے بڑے بڑے سرداروں کو یثرب (مدینہ) چلنے اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرنے کے لیے بلایا۔ بنی طے کا جو وفد ان کے ساتھ روانہ ہوا اس میں زر بن سدوس، مالک بن جبیر اور عامر بن جوین شامل تھے جو اپنے قبیلے کے بڑے سرداروں میں سے تھے۔

جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجد نبوی کا رخ کیا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر اپنی سواریوں سے اتر گئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ کا خطاب سن کر اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گہرا تعلق، اور آپ ﷺ کی بات کو نہایت ہی ادب سے خاموشی کے ساتھ سننا، یہ دیکھ کر وفد کے لوگ سخت حیران ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا تو مسلمانوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

''میں تمہارے لیے عزّیٰ (ایک بُت کا نام ہے) اور دوسرے تمام معبودوں سے بہتر ہوں۔'' مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں، ان سب سے بہتر ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر زید الخیل اور ان کے ساتھیوں پر دو مختلف اور الگ الگ قسم کے اثرات مرتب ہوئے۔ کچھ لوگوں نے حق کی اس دعوت پر لبیک کہا اور آگے بڑھ کر اسے قبول کر لیا۔ اور کچھ لوگوں نے تکبر کی وجہ سے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

زر بن سدوس نے جب مسلمانوں کی نگاہوں میں آپ ﷺ کے لیے بے پناہ محبت و احترام کا عکس دیکھا تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اور اس کا دل خوف سے بھر گیا۔ اس نے اپنے ساتھ والوں سے کہا:

''إِنِّیْ لَأَرَیٰ رَجُلًا لَیَمْلِکَنَّ رِقَابَ الْعَرَبِ، وَاللّٰهِ لَا أَجْعَلَنَّهٗ یَمْلِكُ رَقَبَتِیْ اَبَدًا.''

تَرْجَمَۃ: ''میری آنکھیں ایک ایسے شخص کو دیکھ رہی ہیں جو تمام اہل عرب کا سربراہ بن جائے گا اللہ کی قسم! میں ہرگز اسے اپنا سربراہ نہیں بننے دوں گا۔''

اس کے بعد وہ شام کی طرف نکل گیا اور وہاں اس نے راہبوں کی طرح اپنا سر منڈا کر نصرانیت اختیار کر لی۔ البتہ زید الخیل اور ان کے دوسرے ساتھیوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ حضور ﷺ نے جیسے ہی اپنا خطبہ ختم کیا۔ زید الخیر مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو گئے۔ وہ نہایت خوب صورت، تندرست و طاقت ور اور لمبے قد والے شخص تھے۔ اتنے لمبے کہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تو ان کے دونوں پاؤں زمین کو چھوتے، ایسا لگتا کہ وہ گھوڑے پر نہیں کسی گدھے پر سوار ہیں۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اونچی اور بلند آواز میں کہا:

''یَا مُحَمَّدُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ''

تَرْجَمَۃ: ''یعنی اے محمد! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

''مَنْ أَنْتَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''تم کون ہو؟''

انہوں نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

''أَنَا زَیْدُ الْخَیْلِ بْنُ مُهَلْهِلٍ.''

''میں زید الخیل بن مہلہل ہوں۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بَلْ اَنْتَ زَيْدُ الْخَيْرِ، لَا زَيْدُ الْخَيْلِ.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَاءَ بِكَ وَمِنْ سَهْلِكَ وَجَبَلِكَ، وَرَفَّقَ قَلْبَكَ لِلْاِسْلَامِ."

تَرجَمہ: "تم زَيْدُ الْخَيْلِ نہیں۔ زَيْدُ الْخَيْرِ ہو۔"

"اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے تم کو یہاں تک میدانی پہاڑی علاقوں سے صحیح سالم گزار کر پہنچایا اور تمہارے دل کو قبولِ اسلام کے لیے نرم کر دیا۔"

اس کے بعد وہ زَيْدُ الْخَيْرِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے معروف ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کو اپنے مکان پر لے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت بھی تھی۔ جب یہ لوگ گھر پہنچے تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیٹھنے کے لیے ایک تکیہ پیش کیا۔ حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے اس پر ٹیک لگانے کو بے ادبی سمجھتے ہوئے اسے آپ ﷺ کی طرف واپس کر دیا۔ یہ عمل دونوں جانب سے تین بار دوہرایا گیا۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"يَا زَيْدُ، مَا وُصِفَ لِیْ رَجُلٌ قَطُّ. ثُمَّ رَأَيْتُهٗ إِلَّا كَانَ دُوْنَ مَا وُصِفَ بِهٖ إِلَّا أَنْتَ."

تَرجَمہ: "زید الخیر! تمہارے علاوہ اس سے پہلے جس کسی کے اوصاف میرے سامنے بیان کیے گئے اور بعد میں میں نے اس کو دیکھا تو اسے اس کے بیان کردہ اوصاف سے کمتر ہی پایا سوائے آپ کے (کہ آپ کو ایسا ہی پایا جیسے آپ کے بارے میں سنا تھا)۔"

پھر ارشاد فرمایا:

"يَا زَيْدُ، إِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ."

تَرجَمہ: "زید! تمہارے اندر دو ایسی خوبیاں ہیں جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں۔"

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرشوق لہجے میں سوال کیا:

"وَمَا هُمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه؟"

تَرجَمہ: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وہ دو صفتیں کون سی ہیں؟"

آپ ﷺ نے جواب دیا:

"اَلْأَنَاةُ وَالْحِلْمُ."

ترجمہ: "وقار اور حلم (سنجیدگی اور بردباری)۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ عَلٰی مَا یُحِبُّ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: أَعْطِنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَلَاثَمِائَةِ فَارِسًا، وَأَنَا كَفِیْلٌ لَكَ بِأَنْ أُغِیْرَ بِهِمْ عَلٰی بِلَادِ الرُّوْمِ وَأَنَالَ مِنْهُمْ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے اندر ایسی عادتیں پیدا کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہیں۔" حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لہجے سے خوشی چھلک رہی تھی۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ مجھے (صرف) تین سو سواروں کا ایک دستہ دے دیں ان کی دیکھ بھال کی تمام ذمہ داری میری ہوگی۔ میں اس بات کی آپ ﷺ کو ضمانت دیتا ہوں کہ میں ان کو ساتھ لے کر روم پر حملہ کروں گا اور زبردست فتح و کامیابی حاصل کروں گا۔"

آپ ﷺ نے ان کی اس بلند ہمتی کو داد دیتے ہوئے فرمایا:

"لِلّٰهِ دَرُّكَ یَا زَیْدُ ...... أَیُّ رَجُلٍ أَنْتَ؟"

ترجمہ: "شاباش اے زید خدا بھلا کرے تمہارا! تم کتنے باعزم اور حوصلہ مند ہو۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آنے والے ان کی قوم کے تمام لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری اور وفات

جب حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے وطن نجد کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

"أَیُّ رَجُلٍ هٰذَا؟ كَمْ سَیَكُوْنُ لَهٗ مِنَ الشَّأْنِ لَوْ سَلِمَ مِنْ وَبَاءِ الْمَدِیْنَةِ."

ترجمہ: "یہ شخص کتنے عظیم ہیں۔ ان کی کتنی شان ہوگی اگر یہ مدینے کی وبا سے محفوظ رہ گئے تو آئندہ زبردست کارنامے انجام دیں گے۔"

(اس زمانے میں مدینہ منورہ میں وبائی بخار پھیلا ہوا تھا)۔

مدینہ منورہ سے روانگی سے پہلے ہی حضرت زید الخیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس وبائی بخار سے متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے سفر کے دوران اپنے ساتھیوں سے کہا کہ قبیلہ بنی قیس کے علاقے سے بچ کر نکل چلو۔ جاہلیت میں ہمارے اور ان کے درمیان زبردست مقابلے اور گھمسان کی جنگیں ہو چکی ہیں۔ اور اللہ کی قسم! اب میں کسی مسلمان سے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت زید الخیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ شدید بخار کے باوجود مسلسل سفر کرتے رہے۔ ان کا بخار دن بدن تیز ہوتا جا رہا تھا۔

حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دلی تمنا

"فَقَدْ كَانَ يَتَمَنّٰى أَنْ يَلْقٰى قَوْمَهٗ، وَأَنْ يَكْتُبَ اللّٰهُ لَهُمُ الْإِسْلَامَ علٰى يَدَيْهِ."

تَرْجَمَۃ: "ان کی شدید خواہش اور دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے قبیلے میں پہنچ جائیں اور قبیلے والے ان کے ذریعے اسلام قبول کر لیں۔"

آخرکار ان کی موت کا وقت آ پہنچا انہوں نے راستے ہی میں اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ان کے اسلام لانے اور موت کے درمیان اتنا وقت ہی نہ گزر پایا کہ ان سے کوئی گناہ ہوتا، اسلام لا کر پاک و صاف ہو گئے اور فوراً دنیا کو الوداع کہہ کر آخرت کی طرف روانہ ہو گئے۔

فوائد و نصائح

ماں باپ کی خدمت کرنے کا صلہ

یاد رکھنے کی بات ہے کہ نیکی نیکی ہی ہوتی ہے، چاہے کوئی بھی کرے، اور نیکی کا بدلہ ضرور ملتا ہے، کافر کو نیکی کا بدلہ دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ حضرت زید الخیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسلام سے پہلے جب کافر تھے اپنے والد کی خدمت کرتے تھے۔ اپنے کام سے آنے کے بعد سب سے پہلے اپنے والد کو دودھ پلاتے، کھانا کھلاتے پھر ان کا بچا ہوا خود کھاتے اور پیتے، ہو سکتا ہے شاید یہی نیکی قبول ہو گئی ہو اور اللہ نے ان کو اسلام کی توفیق دے دی۔

ہمیں بھی چاہیے اپنے والدین کا خوب ادب کریں...... عزت کریں...... احترام کریں۔ ان کے لیے دعا

مانگیں ہر نماز کے بعد ۳ مرتبہ ان کے لیے یہ دعا مانگیں:

”رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا.“[1]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! میرے ماں باپ پر ایسے ہی رحم فرما جیسے انہوں نے مجھ پر بچپن میں رحم فرمایا۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، چناں چہ فرمایا:

”اَنِ شْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ“[2]

تَرْجَمَہ: ”میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا شکر پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے سے ہے تو والدین کا شکر پانچ مرتبہ دعا مانگنے سے ہے۔

والدین کی قدر پہچاننے کے لیے کتاب ”والدین کی قدر کیجیے“ مطبع مکتبہ دار الہدیٰ کا ہدایت کی نیت سے ضرور مطالعہ کریں۔

مُذاکرہ

سُوَال: حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا کیا نام تھا؟

سُوَال: حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے؟

سُوَال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کون سی دو خوبیوں کا تذکرہ فرمایا؟

سُوَال: حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے؟

◆

---

[1] بنی اسرائیل: ۲٤

[2] لقمٰن: ١٤

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

”أَنْتَ آمَنْتَ إِذْ كَفَرُوْا، وَعَرَفْتَ إِذْ أَنْكَرُوْا، وَوَفَيْتَ إِذْ غَدَرُوْا، وَأَقْبَلْتَ إِذْ أَدْبَرُوْا“ (عمر بن الخطاب)

ترجمہ: ”آپ ایمان لے آئے جب کہ لوگ کفر پر قائم رہے آپ نے (حق کو) جان لیا جب کہ انہوں نے جاننے سے انکار کر دیا، آپ نے وفا کی جب کہ انہوں نے بے وفائی کی آپ آگے بڑھے جب کہ انہوں نے پیٹھ پھیر لی۔“

تعارف

ہجرت نبوی کے نویں سال عرب کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنی شدید نفرت وحقارت اور مسلسل انکار کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ بادشاہ حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاتم طائی کے بیٹے تھے۔ جن کے والد کی سخاوت وفیاضی آج تک ضربُ المثل ہے۔ یعنی کسی کے سخی ہونے کی مثال دینا ہو تو کہتے ہیں: ”یہ حاتم طائی کی طرح سخی ہے۔“

ریاست وحکومت حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ اس لیے کہ ان کے قبیلے ”قبیلۂ بنی طے“ نے ان کے والد کی موت کے بعد ان کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ان کے لیے مقرر کیا اور قبیلے کی قیادت وسرداری کی باگ ڈور ان کے حوالے کر دی۔

جب رسول کریم ﷺ نے علی الاعلان اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا اور عرب کے بہت سے قبائل ایک ایک کر کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے تو عدی بن حاتم طائی یہ سمجھے کہ اسلام اگر اور زیادہ پھیل گیا تو میری سرداری ختم ہو جائے گی، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی شدید مخالفت اور ان کے ساتھ بغض ودشمنی پر اتر آئے۔ حالاں کہ نہ تو وہ اس سے پہلے براہ راست رسول اللہ ﷺ کو جانتے تھے نہ ہی آپ ﷺ کو کبھی دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً بیس قیمتی سال اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں ضائع کر دیے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو حق بات کے قبول کرنے کے لیے کھول دیا۔

قبولِ اسلام

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کی کہانی ایک دل چسپ اور نہ بھلائی جانے

والی کہانی ہے۔ حضرت عدی بن حاتم طائی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اس کہانی کا آغاز کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

”مَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ كَانَ أَشَدَّ مِنِّيْ كَرَاهَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ سَمِعْتُ بِهٖ، فَقَدْ كُنْتُ امْرَأً شَرِيْفًا، وَكُنْتُ نَصْرَانِيًّا، وَكُنْتُ أَسِيْرُ فِيْ قَوْمِيْ بِالْمِرْبَاعِ، فَآخُذُ الرُّبُعَ مِنْ غَنَائِمِهِمْ كَمَا كَانَ يَفْعَلُ غَيْرِيْ مِنْ مُّلُوْكِ الْعَرَبِ: فَلَمَّا سَمِعْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهْتُهٗ.“

تَرجَمَہ: ”جس وقت میں نے محمد ﷺ کی نبوت اوران کی دعوتی سرگرمیوں کا حال سنا اس وقت عرب کے کسی شخص کو مجھ سے زیادہ ان کے ساتھ نفرت نہ تھی۔ میں اپنے قبیلے والوں میں چوتھائی حصہ لینے والا مشہور تھا اس لئے کہ میں اپنے قبیلے سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول کیا کرتا تھا، جس طرح میرے علاوہ دوسرے سردار اپنے اپنے قبائل سے وصول کیا کرتے تھے۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر سنا تو مجھے سخت ناگوار گزرا۔“

قصے کو آگے بڑھاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی قوت وشوکت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا اوران کے لشکر اوران کی جماعتیں عرب کے مشرق سے مغرب تک اسلام پھیلانے کے لیے نکلنے لگیں تو میں نے اپنے دل میں خطرہ محسوس کیا۔

میں نے اپنے غلام کو، جو میرے اونٹ چرایا کرتا تھا، ہدایت کی:

”لَا أَبَا لَكَ، أَعْدِدْ لِيْ مِنْ إِبِلِيْ نُوْقًا سِمَانًا سَهْلَةَ الْقِيَادِ وَارْبِطْهَا قَرِيْبًا مِنِّيْ، فَإِنْ سَمِعْتَ بِجَيْشٍ لِمُحَمَّدٍ أَوْبِسَرِيَّةٍ مِنْ سَرَايَاهُ قَدْ وَطِئَتْ هٰذِهِ الْبِلَادَ فَأَعْلِمْنِيْ.“

تَرجَمَہ: ”میرے سفر کے لیے چند تندرست وتوانا اور سیدھی سادی اونٹنیاں ہر وقت تیار رکھو اور انہیں میرے قریب باندھ دو اور جب سنو کہ محمد کا لشکر یا ان کی کوئی جماعت ہمارے علاقے نجد میں داخل ہوگئی ہے تو مجھے اس کی خبر دو۔“

ایک دن صبح سویرے غلام نے مجھ سے کہا:

”يَا مَوْلَايَ! مَا كُنْتَ تَنْوِيْ أَنْ تَصْنَعَهٗ إِذَا وَطِئَتْ أَرْضَكَ خَيْلُ مُحَمَّدٍ فَاصْنَعْهُ الْآنَ.“

تَرجَمَہ: ”آقا! آپ اپنے علاقے میں محمد (ﷺ) کے لشکر کی آمد پر جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اب اسے کر گزریے۔“

میں نے وجہ پوچھی:

"وَلِمَا ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ"

تَرْجَمَہ: "کیوں! تجھے تیری ماں گم کرے۔"

تو اس نے بتایا:

"إِنِّیْ قَدْ رَأَیْتُ رَایَاتٍ تَجُوْسُ خِلَالَ الدِّیَارِ فَسَأَلْتُ عَنْهَا، فَقِیْلَ لِیْ هٰذِهٖ جُیُوْشُ مُحَمَّدٍ"

تَرْجَمَہ: "میں نے جھنڈے اس علاقے میں حرکت کرتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ محمد (ﷺ) کا لشکر ہے۔"

میں نے غلام سے کہا:

"أَعْدِدْ لِیَ النُّوْقَ الَّتِیْ أَمَرْتُكَ بِإِعْدَادِهَا وَقَرِّبْهَا مِنِّیْ."

تَرْجَمَہ: "جن اونٹنیوں کو تیار رکھنے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا انہیں فوراً میرے پاس لے آؤ۔"

پھر میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اہل وعیال کو اپنے پیارے وطن چھوڑ کر کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور تیز رفتاری کے ساتھ سرزمین شام کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے پاس پہنچ کر وہاں قیام کروں۔ میں جلدی میں اپنے گھر کے تمام افراد کو جمع نہ کرسکا۔ جب خطرے کی حدود سے نکل کر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ میں اپنی بہن کو قبیلہ طے کے باقی افراد کے ساتھ اپنے وطن نجد ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ اب میرے لیے ان کے پاس پلٹ کر جانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مجبوراً انہیں چھوڑ کر اپنے ساتھ آئے ہوئے اہل خانہ کو لیے شام چلا گیا اور وہاں اپنے مذہب کے لوگوں میں رہنے لگا اور میرے پیچھے میری بہن میری توقع کے مطابق ان حالات سے پریشان ہوتی رہیں جن کا پہلے ہی سے مجھے اندیشہ تھا۔

عدی بن حاتم کی بہن کی گرفتاری اور رہائی

شام کے اندر مجھ کو اطلاع ملی کہ نبی کریم ﷺ کے لشکر نے ہمارے علاقے پر حملہ کیا۔ میری بہن کو گرفتار کرلیا گیا اور انہیں دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ لے جایا گیا اور مسجد کے دروازے کے قریب ایک احاطے میں بند کردیا گیا۔ مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کا گزر میری بہن کی طرف سے ہوا تو انہوں نے اٹھ کر نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلَكَ الْوَالِدُ، وَغَابَ الْوَافِدُ، فَامْنُنْ عَلَيَّ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ."

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! میرے والد انتقال کر چکے ہیں، میرے سرپرست غائب ہیں، آپ مجھ پر احسان کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"وَمَنْ وَافِدُكِ؟"

ترجمہ: "کون ہے تمہارا سرپرست؟۔"

انہوں نے کہا:

"عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ."

ترجمہ: "عدی بن حاتم۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

کون عدی بن حاتم؟

"اَلْفَارُّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ"

ترجمہ: "اللہ اور اس کے رسول سے بھاگنے والا؟"

اتنا فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے۔ دوسرے روز بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان پر سے ہوا تو انہوں نے دوبارہ وہی باتیں کہیں جو کل کہہ چکی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا جو کل دے چکے تھے۔ اور جب تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو چوں کہ وہ مایوس ہو چکی تھیں اس لیے خاموش رہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے ایک شخص نے انہیں اشارہ کیا کہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو۔ چناں چہ انہوں نے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلَكَ الْوَالِدُ، وَغَابَ الْوَافِدُ، فَامْنُنْ عَلَيَّ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ."

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! میرے والد انتقال کر چکے ہیں اور میرے سرپرست لاپتہ ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ پر احسان فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان فرماتے ہوئے ان کی رہائی کا حکم صادر فرما دیا۔ رہائی پا کر انہوں نے کہا:

"إِنِّيْ أُرِيْدُ اللِّحَاقَ بِأَهْلِيْ فِي الشَّامِ."

ترجمہ: ”میں اپنے گھر والوں کے پاس شام جانا چاہتی ہوں۔“

نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

”وَلٰكِنْ لَا تَعْجَلِیْ بِالْخُرُوْجِ حَتّٰی تَجِدِیْ مَنْ تَثِقِیْنَ بِهٖ قَوْمَكِ لِیُبَلِّغَكِ بِلَادَ الشَّامِ، فَإِذَا وَجَدْتِ الثِّقَةَ فَاعْلِمِیْنِیْ“

ترجمہ: ”جب تک تمہارے قبیلے کا کوئی قابل اعتماد آدمی نہیں مل جاتا روانگی میں جلدی نہ کرنا اور جب کوئی قابل اعتماد شخص مل جائے تو مجھے بتانا۔“

رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد انہوں نے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے انہیں بات کرنے کا اشارہ کیا تھا، تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

وہ مدینے میں ٹھہری رہیں، اسی دوران کچھ لوگوں کا وفد وہاں آیا جس میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے اوپر وہ اعتماد کر سکتی تھیں۔ چناں چہ عدی بن حاتم کی بہن نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

”یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَقَدْ قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ قَوْمِیْ لِیْ فِیْهِمْ ثِقَةٌ وَبَلَاغٌ، فَكَسَاهَا الرَّسُوْلُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِ، وَمَنَحَهَا نَاقَةً تَحْمِلُهَا، وَأَعْطَاهَا نَفَقَةً تَكْفِیْهَا، فَخَرَجَتْ مَعَ الرَّكْبِ:“

ترجمہ: ”میرے قبیلے کے کچھ لوگ یہاں آئے ہیں، مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے، وہ مجھے میری منزل تک پہنچا دیں گے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں پہننے کے کپڑے، سواری کی اونٹنی اور بقدر ضرورت سفر کا خرچہ دے کر رخصت فرمایا اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔“

عدی بن حاتم نے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

ادھر شام میں ہم کو برابر ان کے حالات کی اطلاع ملتی رہتی تھی اور ہم ان کے شام پہنچنے کے منتظر تھے۔ حالاں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے میری بہن کے ساتھ اچھے برتاؤ کی جو خبریں پہنچ رہی تھیں، دل اسے تسلیم نہیں کرتا تھا۔ کیوں کہ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میں نے اپنے دورِ حکومت میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔

انہی حالات میں ایک روز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک میری نظر ایک عورت پر پڑی جو اپنے ہودج (اونٹ کے کجاوہ) میں بیٹھی ہماری طرف چلی آ رہی تھیں تو میں نے کہا یہ تو حاتم کی بیٹی معلوم ہوتی ہے اور حقیقت میں بھی وہی تھیں۔ جب وہ اور قریب آئیں تو ہم نے انہیں صاف طور پر پہچان لیا، واقعی وہ

میری بہن ہی تھیں۔ وہ ہمارے پاس پہنچ کر سواری سے اترتے ہی خفگی کے لہجے میں بولیں:

"اَلْقَاطِعُ الظَّالِمُ! ...... لَقَدِ احْتَمَلْتَ بِأَهْلِكَ وَوَلَدِكَ وَتَرَكْتَ بَقِيَّةَ وَالِدِكَ وَعَوْرَتَكَ."

ترجمہ: "بے مروت ...... بے وفا...... ظالم...... تم نے اپنی بیوی اور بچوں کو تو اپنے ساتھ لے لیا اور اپنے باپ کی اولاد اور اپنی عزت کو پیچھے چھوڑ کر چلے آئے۔"

میں نے کہا:

"أَيْ أُخَيَّةُ! لَا تَقُوْلِيْ إِلَّا خَيْرًا."

ترجمہ: "پیاری بہن! صرف اچھی باتیں کہو۔"

اور میں انہیں راضی کرنے لگا۔ آخر کار وہ مجھ سے راضی ہو گئیں اور پھر انہوں نے اپنے سارے حالات تفصیل سے بیان کیے جو بالکل وہی تھے جو ہم کو پہلے پہنچتے رہے تھے۔ وہ نہایت ذہین، عقل مند اور سمجھ دار عورت تھیں۔

پھر میں نے ان سے رائے لیتے ہوئے پوچھا: "اس شخص (محمد ﷺ) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

انہوں نے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ تم جلد از جلد ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ اگر واقعی وہ نبی ہیں تو ان کو سچا ماننے میں تمہارے جیسے آدمی کا پیچھے رہ جانا بڑی افسوس ناک بات ہوگی۔ تمہیں ملاقات میں پہل کرنے پر اجر ملے گا، اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ان کے یہاں تمہاری ناقدری نہیں ہوگی۔"

عدی بن حاتم کی حضور ﷺ سے ملاقات

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ پھر میں نے سفر کی تیاری کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچا۔ میں نے اس سے پہلے تو نہ ان کے پاس اپنے پہنچنے کی اطلاع بھیجی تھی نہ ان سے اپنے لیے امان حاصل کی تھی۔ البتہ مجھے اس بات کی اطلاع ہوگئی تھی کہ انہوں نے میرے متعلق اپنے ساتھیوں سے فرمایا ہے:

"إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ يَدَ عَدِيٍّ فِيْ يَدِيْ."

ترجمہ: "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عدی بن حاتم کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔"

جب میں مدینہ پہنچا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے حاضر خدمت ہو

کر آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"مَنِ الرَّجُلُ."

تَرجَمۃ: "کون ہو؟"

میں نے جواب دیا:

"عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ."

تَرجَمۃ: "حاتم طائی کا بیٹا عدی ہوں۔"

یہ سن کر آپ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کی طرف لے گئے۔ آپ ﷺ مجھے ساتھ لیے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک نہایت بوڑھی عورت ملی جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ وہ ان کو روک کر اپنی کسی ضرورت کے متعلق باتیں کرنے لگی۔ آپ ٹھہر کر پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے۔ دورانِ گفتگو میں وہیں کھڑا رہا۔ کھڑا کھڑا میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا:

"وَاللّٰهِ مَا هٰذَا بِأَمْرِ مَلِكٍ."

تَرجَمۃ: "اللہ کی قسم! یہ بادشاہ نہیں ہو سکتے۔"

بڑی بی کی ضرورت سن کر آپ ﷺ نے پھر میرا ہاتھ تھام لیا اور چلتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گئے۔ گھر میں پہنچ کر آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک تکیہ اٹھایا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو میری طرف ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ مگر آپ ﷺ کے سامنے اس پر بیٹھتے ہوئے مجھے شرم آئی اور میں نے اسے بے ادبی سمجھتے ہوئے عرض کیا، نہیں، اس پر آپ تشریف رکھیں، لیکن آپ ﷺ نے اصرار کر کے مجھے اس پر بٹھایا اور خود زمین ہی پر بیٹھ گئے کیوں کہ گھر میں اس کے علاوہ دوسرا تکیہ نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا "اللہ کی قسم! یہ انداز کسی بادشاہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

"إِيْهِ يَا عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ، أَلَمْ تَكُنْ رَكُوْسِيًّا تَدِيْنُ بِدِيْنٍ بَيْنَ النَّصْرَانِيَّةِ وَالصَّابِئَةِ؟"

تَرجَمۃ: "عدی! بتاؤ کیا تم رکوسی نہ تھے؟ تم ایک ایسے دین کو اختیار کیے ہوئے نہ تھے جو نصرانیت اور صابئیت کے درمیان تھا؟"

میں نے جواب دیا۔

"بَلٰی."

تَرجَمَہ: ''بے شک میں رکوسی تھا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَلَمْ تَكُنْ تَسِيْرُ فِيْ قَوْمِكَ بِالْمِرْبَاعِ فَتَأْخُذُ مِنْهُمْ مَالَا يِحِلُّ لَكَ فِيْ دِيْنِكَ؟''

تَرجَمَہ: ''کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے تھے، کیا تم ان سے وہ مال نہیں لیتے تھے جو تمہارے دین میں حلال نہ تھا؟''

میں نے عرض کیا:

''بَلٰى.''

تَرجَمَہ: ''ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایسا ہی کرتا تھا۔

اور اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ نبی مرسل ہیں۔''

حضور ﷺ کی تین پیش گوئیاں

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَعَلَّكَ يَا عَدِيُّ، إِنَّمَا يَمْنَعُكَ مِنَ الدُّخُوْلِ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ مَا تَرَاهُ مِنْ حَاجَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَفَقْرِهِمْ، فَوَاللّٰهِ لَيُوْشِكَنَّ الْمَالُ أَنْ يَّفِيْضَ فِيْهِمْ حَتّٰى لَا يُوْجَدُ مَنْ يَأْخُذُهُ. وَلَعَلَّكَ. يَا عَدِيُّ. إِنَّمَا يَمْنَعُكَ مِنَ الدُّخُوْلِ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ مَا تَرىٰ مِنْ قِلَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ كَثْرَةِ عَدُوِّهِمْ، فَوَاللّٰهِ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ تَسْمَعَ بِالْمَرْأَةِ تَخْرُجُ مِنَ الْقَادِسِيَّةِ عَلٰى بَعِيْرِ هَا حَتّٰى تَزُوْرَ هٰذَا الْبَيْتَ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ. وَلَعَلَّكَ إِنَّمَا يَمْنَعُكَ مِنَ الدُّخُولِ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ أَنَّكَ تَرَى أَنَّ الْمُلْكَ وَالسُّلْطَانَ فِيْ غَيْرِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَيْمُ اللّٰهِ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ تَسْمَعَ بالقُصُوْرِ الْبِيْضِ مِنْ أَرْضِ بابِلَ قَدْ فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ، وَأَنَّ كُنُوْزَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ قَدْ صَارَتْ إِلَيْهِمْ.''

تَرجَمَہ: ''عدی! شاید تم اس دین (اسلام) کو قبول کرنے سے اس لیے گھبرا رہے ہو کہ آج مسلمانوں کے پاس مال و دولت نہیں ہے لیکن خدا کی قسم! وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب ان کے یہاں مال و دولت کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ اسے کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ یا شاید تم اس دین میں داخل ہونا اس لیے ناپسند کرتے ہو کہ آج مسلمانوں کی تعداد کم اور ان کے دشمنوں کی

تعداد زیادہ ہے۔ لیکن خدا کی قسم! تم جلد ہی سنو گے کہ ایک عورت اکیلی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لیے قادسیہ سے نکلے گی اور دوران سفر اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر محسوس نہیں ہوگا۔

یا شاید اس دین کو قبول کرنا تم کو اس لیے گوارا نہیں ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ آج حکومت و بادشاہی دوسروں کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمان اس سے محروم ہیں لیکن خدا کی قسم! تم جلد ہی سن لو گے کہ بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوں گے اور کسریٰ (ایران) کے خزانے ان کے قبضے میں آئیں گے۔"

میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا؟ کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین کے ساتھ فرمایا۔

"ہاں، ہاں۔ کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے۔"

"اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طویل عمر پائی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پیشین گوئیاں تو حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہیں۔"

"وَبَقِيَتِ الثَّالِثَةُ، وَ إِنَّهَا وَاللّٰهِ لَابُدَّ كَائِنَةٌ."

ترجمہ: "صرف ایک باقی رہ گئی ہے اور خدا کی قسم! وہ بھی یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔"

میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ قادسیہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلی اور بلاخوف وخطر مکہ مکرمہ پہنچ گئی۔ اور میں اس فوج کے اگلے دستے میں خود موجود تھا جس نے کسریٰ کے خزانوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا تھا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری پیشین گوئی بھی ضرور پوری ہوگی۔"

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوری ہوئی اور تیسری پیشین گوئی بھی زاہد و عابد خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور خلافت میں پوری ہوگئی۔ اس وقت مسلمان مالی اعتبار سے اس قدر خوش حال ہو گئے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا آدمی فقراء و مساکین کو زکوٰۃ کا مال لینے کے لیے پکارتا، مگر کوئی اس کو لینے والا نہ تھا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح اور حضرت عدی بن حاتم

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قسم پوری ہوئی۔

فوائد و نصائح

ہم دین کیسے پھیلائیں؟

پوری دنیا میں اسلام کیسے پھیلے گا، کبھی اس سوال پر آپ نے غور کیا، اسی طرح اسلام کے دشمنوں کو ہدایت کیسے ملے گی، اسلام کے دشمنوں کو اسلام کا دوست کس طرح بنایا جا سکتا ہے، فقیروں اور بادشاہوں دونوں کو اسلام میں داخل کرنے کا کیا راستہ ہے؟

آیئے! ان سب باتوں کے جوابات ہم سیرت سے تلاش کرتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عدی بن حاتم طائی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اسلام دشمن ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا، بیس سال تک جس نے دشمنی کی ہوئی ہو، ایسا پکا دشمن کس طرح دوست بنا، حضرت عدی بن حاتم طائی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خود فرماتے ہیں "مَا مِنْ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ كَانَ أَشَدَّ مِنِّی كَرَاهَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ حِيْنَ سَمِعْتُ بِهٖ" "جب سے میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی نبوت کی بات سنی اس وقت سے عرب کے کسی شخص کو مجھ سے زیادہ نفرت نہ تھی جتنی مجھ کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نفرت تھی" اور اسلام سے بھاگنے کے لیے اس دشمن نے پوری تیاری کر لی ہو، اور پھر ملک شام بھاگ بھی جائے اس کے باوجود اس کو ہدایت مل جائے غور کرنے کی بات ہے وہ کیا عمل تھا جس سے ایسے دشمنوں کو بھی ہدایت مل جاتی ہو؟

دعوت اور دعا

وہ دو عمل تھے ایک دعوت الی اللہ، اللہ کی طرف انسانوں کو بلانا اور اس دعوت کے لیے گھر پر رہتے ہوئے گھر پر محنت کرنا اور باہر نکل کر پوری دنیا میں اس دعوت کے لیے سفر کرنا، اور دوسرا عمل دعا کہ ان کافروں کے لیے دعا کرنا رو رو کر، اللہ سے ان کی ہدایت مانگنا اور ان کی ہدایت طلب کرتے ہوئے ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا۔

اب غور کیجیے حضرت عدی بن حاتم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے غلام نے آکر خبر دی۔

"إِنِّیْ قَدْ رَأَيْتُ رَأَيَاتٍ تَجُوْسُ خِلَالَ الدِّيَارِ، فَسَأَلْتُ عَنْهَا، فَقِيْلَ لِیْ هٰذِهٖ جُيُوْشُ مُحَمَّدٍ۔"

ترجمہ: ''میں نے کچھ جھنڈے اس علاقے میں حرکت کرتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے۔''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام سے کہا:

''أَعْدِدْ لِیَ النُّوْقَ الَّتِیْ أَمَرْتُكَ بِإِعْدَادِهَا وَقَرِّبْهَا مِنِّیْ.''

ترجمہ: ''جن اونٹنیوں کو تیار رکھنے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا انہیں فوراً میرے پاس لے آؤ۔''

مسلمان اس وقت دعوت الی اللہ کے لیے حرکت میں تھے، پھرنے والے تھے اگر مسلمان صرف مدینے ہی میں بیٹھے رہتے تو حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی جماعت آگئی۔

دین اخلاق سے پھیلا ہے

پھر حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھیے دشمن کی بہن ہیں اور ایسے دشمن جنہوں نے بیس سال تک دشمنی کی ہے، لیکن ان کی بہن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی عطا فرمائی تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جا سکے اور خرچ اپنی طرف سے عطا فرمایا کہ سفر میں تکلیف نہ ہو۔

یہ وہ اخلاق تھے جنہوں نے دشمنوں کو بھی اسلام لانے پر آمادہ کیا۔

اب حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی بہن سے پوچھتے ہیں:

''مَا تَرَیْنَ فِیْ أَمْرِ الرَّجُلِ (یَعْنِیْ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ)؟ فَقَالَتْ: أَرٰی. وَاللّٰهِ. أَنْ تَلْحَقَ بِهٖ سَرِیْعًا، فَإِنْ یَّكُنْ نَبِیًّا فَلِلسَّابِقِ إِلَیْهِ فَضْلُهٗ. وَ إِنْ یَّكُنْ مَلِكًا فَلَنْ تَذَلَّ عِنْدَهٗ وَأَنْتَ أَنْتَ.''

ترجمہ: ''اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم جلد از جلد ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ اگر واقعی وہ نبی ہیں تو تمہارے جیسے آدمی کا ان کو سچا ماننے میں پیچھے رہ جانا بڑی افسوس ناک بات ہوگی تمہیں ملاقات میں پہل کرنے پر اجر ملے گا، اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ان کے یہاں تمہاری ناقدری نہیں ہوگی۔''

اس لیے ہم بھی ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ہدایت کی فکر اور دعا کریں گے اور ہر ایک سے اچھے اخلاق سے پیش آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین اسلام کے پھیلنے کا اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کا

ذریعہ بنائیں گے۔

مُذاکِرہ

سُؤال: حضرت عدی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے والد حاتم طائی کس وجہ سے مشہور تھے؟

سُؤال: حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت عدی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی بہن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

سُؤال: حضرت عدی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کون سی تین پیش گوئیاں ذکر فرمائیں؟

سُؤال: تیسری پیشین گوئی جس پر حضرت عدی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے قسم کھائی تھی وہ کب پوری ہوئی؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ وَلَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ مِنْ رَجُلٍ أَصْدَقَ مِنْ أَبِيْ ذَرٍّ." (محمد رسول اللّٰہ)

تَرْجَمَہ: "زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کوئی بھی آدمی ابوذر سے زیادہ سچا نہیں ہے۔"

تعارف

غِفار کا قبیلہ ودان کی وادی میں آباد تھا یہ وادی مکّہ مکرمہ کو باہر کی دنیا سے جوڑتی تھی۔

قبیلۂ غِفار کا گزر بسر اس تھوڑے سے مال پر ہوتی تھی جو شام کی طرف آتے جاتے قریش کے تجارتی قافلوں سے انہیں حاصل ہوتا تھا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر یہ قافلے ان کی مرضی کے مطابق انہیں مال نہ دیتے تو یہ انہیں لوٹ لیا کرتے تھے۔

ابوذر غفاری بتوں کی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے

جندب بن جنادۃ جو عام طور سے اپنی کنیت ابوذر کے ساتھ مشہور ہیں، اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر وہ اپنی شجاعت و سمجھ داری اور عقل مندی کی وجہ سے ان میں سب سے اونچے مقام پر تھے۔ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں میں اس لحاظ سے بھی ایک الگ ذہنیت کے مالک تھے کہ وہ ان بتوں سے تنگ آ چکے تھے جن کو ان کے قبیلے والے خدا کے مقابلے میں پوجتے تھے۔

عرب میں پایا جانے والا دینی بگاڑ اور غلط عقیدہ انہیں سخت ناپسند تھا۔ وہ کسی نئے نبی کے منتظر تھے جو لوگوں کی عقل و ذہن کو مطمئن کر دے اور انہیں گم راہی کی تاریکی سے نکال کر ایمان اور علم و ہدایت کی روشنی میں لے آئے۔

اپنے بھائی انیس کو مکّہ بھیجنا

ابوذر کے پاس، جب کہ وہ اپنی بستی میں تھے، مکّہ میں ظاہر ہونے والے نئے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں پہنچیں تو انہوں نے اپنے بھائی انیس کو بلا کر کہا:

"اِنْطَلِقْ. لَا أَبَا لَكَ. إِلٰى مَكَّةَ، وَقِفْ عَلٰى أَخْبَارِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَّهُ يَأْتِيْهِ وَحْيٌ مِنَ السَّمَاءِ، وَاسْمَعْ شَيْئًا مِنْ قَوْلِهٖ وَاحْمِلْهُ إِلَيَّ."

ترجمہ: "پیارے بھائی! تم مکہ چلے جاؤ اور اس شخص کے حالات معلوم کرو جو اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ اس کی باتیں سنو اور یہ ساری معلومات میرے پاس لاؤ۔"

انیس مکہ پہنچے۔ وہاں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے ان کی باتیں سنیں اور اپنے قبیلے میں واپس آ گئے۔ ابوذر جو بڑی بے چینی کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے، ان سے ملے، بڑی شفقت و محبت سے انہیں خوش آمدید کہا اور بڑے شوق سے نئے نبی کے حالات دریافت کیے۔ انیس نے انہیں بتایا:

"اللہ کی قسم! میں ایسے شخص سے ملا جو لوگوں کو اچھے اخلاق کی دعوت دیتا ہے اور ایسا کلام (قرآن مجید) سنتا اور سناتا ہے جو شعر و شاعری سے بہت بلند ہے۔"

ابوذر نے پوچھا:

"وَمَاذَا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيْهِ؟"

ترجمہ: "لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟"

انیس نے جواب دیا۔

"يَقُوْلُوْنَ: إِنَّهُ سَاحِرٌ، وَكَاهِنٌ، وَشَاعِرٌ."

ترجمہ: "لوگ کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے، کاہن اور شاعر ہے۔"

ابوذر نے کہا:

"وَاللّٰهِ مَا شَفَيْتَ لِيْ غَلِيْلاً، وَلَا قَضَيْتَ لِيْ حَاجَةً،
فَهَلْ أَنْتَ كَافٍ عِيَالِيْ حَتّٰى أَنْطَلِقَ فَأَنْظُرَ فِيْ أَمْرِهٖ."

ترجمہ: "اللہ کی قسم! تمہاری باتوں سے مجھے اطمینان نہیں ہوا، نہ میری وہ ضرورت پوری ہوئی جس کے لیے میں نے تم کو بھیجا تھا۔ (میں خود وہاں جا کر براہ راست ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں)۔ کیا تم میری غیر موجودگی میں میرے اہل و عیال کی ذمہ داری سنبھال سکتے ہو۔"

انیس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ میں یہ ذمہ داری بخوشی ادا کروں گا۔ آپ جایئے۔ مکّہ والوں سے احتیاط سے رہیے گا کہ وہ اس نبی کے مخالف ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو بھی تکلیف پہنچائیں۔''

مکّہ مکرّمہ کا سفر اور قبولِ اسلام

ابوذر نے سفر کے خرچ کا انتظام کیا۔ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا پانی کا برتن لیا اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات کے لیے مکّہ مکرمہ کی سمت چل پڑے۔

وہ مکّہ مکرّمہ پہنچ گئے۔ مگر دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں سخت غصے میں بھرے ہوئے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ ہر اس شخص کو سخت اور عبرت ناک سزائیں دیتے ہیں جو محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اتباع کا خیال بھی اپنے دل میں لاتا ہے۔

اس لیے انہوں نے کسی سے ان کے بارے میں پوچھنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جس شخص سے وہ پوچھیں گے وہ ان کو ماننے والوں میں سے ہوگا یا مخالفین میں سے۔

رات ہوئی تو وہیں مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ اتفاقاً ادھر سے حضرت علی رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا گزر ہوا تو ایک مسافر سمجھ کر انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ رات انہوں نے ان کے گھر گزاری اور صبح کو اپنے سامان کا تھیلا اٹھا کر مسجد میں واپس آ گئے۔ اس دوران ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ ابوذر نے دوسرا دن بھی اسی طرح گزار لیا اور انہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔

رات کو وہ پھر مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ حضرت علی رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے ان سے کہا ''کیا تمہیں ابھی تک اپنی منزل نہیں معلوم ہوئی؟'' وہ پھر ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے دوسری رات بھی ان کے یہاں بسر کی۔ آج بھی دونوں خاموش رہے، لیکن تیسری رات حضرت علی رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ان سے کہا:

''أَلَا تُحَدِّثُنِیْ عَمَّا أَقْدَمَكَ إِلٰی مَكَّةَ؟''

تَرْجَمَہ: ''کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم مکّہ مکرّمہ کیوں آئے ہو؟''

تو ابوذر نے کہا:

"إِنْ أَعْطَيْتَنِيْ مِيْثَاقًا أَنْ تُرْشِدَنِيْ إِلٰى مَا أَطْلُبُ، فَعَلْتُ."

ترجمہ: "اگر وعدہ کرو کہ مجھے میرے مقصد تک پہنچانے میں میری صحیح رہنمائی کرو گے تو میں اپنے آنے کی غرض بتا سکتا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وعدہ کرنے پر انہوں نے کہا:

"لَقَدْ قَصَدْتُ مَكَّةَ مِنْ أَمَاكِنَ بَعِيْدَةٍ أَبْتَغِيْ لِقَاءَ النَّبِيِّ الْجَدِيْدِ وَسِمَاعَ شَيْءٍ مِمَّا يَقُوْلُهُ."

ترجمہ: "میں دور دراز کا سفر طے کر کے نئے نبی سے ملنے اور ان کا پیغام معلوم کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرمایا:

"وَاللّٰهِ، إِنَّهُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا، وَ إِنَّهُ ...... وَ إِنَّهُ ...... فَإِذَا أَصْبَحْنَا فَاتْبَعْنِيْ حَيْثُمَا سِرْتُ، فَإِنْ رَأَيْتُ شَيْئًا أَخَافُهُ عَلَيْكَ وَقَفْتُ كَأَنِّيْ أُرِيْقُ الْمَاءَ، فَإِنْ مَضَيْتُ فَاتْبَعْنِيْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَدْخَلِيْ."

ترجمہ: "اللہ کی قسم! وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور وہ...... اور وہ (یعنی آپ ﷺ کے متعلق تفصیلی معلومات دیں) دیکھو، صبح کو میں جدھر جاؤں میرے پیچھے پیچھے چلے آنا۔ اگر میں تمہارے لیے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو اس طرح رک کر بیٹھ جاؤں گا جیسے میں قضائے حاجت کر رہا ہوں، اور جب چلنے لگوں تو میرے پیچھے لگ جانا، اور جہاں جاؤں چلے آنا۔"

"السلام علیکم" کا لفظ سب سے پہلے ابوذر نے کہا ہے

رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کے شوق میں اور ان پر نازل شدہ وحی کو سننے کی آرزو میں انہوں نے پوری رات بے قراری میں گزاری۔ صبح کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مہمان کو ساتھ لیے رسول اللہ ﷺ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو ابوذر نے کہا:

"السلام عليك يا رسول اللّٰه!."

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ "وَعَلَيْكَ سَلَامُ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهٗ وَبَرَكَاتُهٗ."

اس طرح ابوذر پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اسلامی طریقے سے سلام کیا اور بعد میں سلام کا

یہی طریقہ مسلمانوں میں عام ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا، اور انہوں نے فوراً کلمۂ حق کا اعلان کر دیا اور اپنی جگہ چھوڑنے سے پہلے نئے دین میں داخل ہو گئے۔ وہ مسلمان ہونے والے چوتھے یا پانچویں شخص تھے۔ اسلام قبول کرنے کی اس سنہری داستان کی بقیہ تفصیل انہی سے سنئے:

قریش کے سامنے کلمہ پڑھنا

اس کے بعد کچھ دنوں تک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہا۔ اس دوران آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی تعلیم دی اور قرآن پڑھنا سکھایا پھر فرمایا:

"لَا تُخْبِرْ بِإِسْلَامِكَ أَحَدًا فِيْ مَكَّةَ، فَإِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكَ أَنْ يَقْتُلُوْكَ."

تَرجَمۂ: "مکہ مکرمہ میں کسی شخص کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہونے دینا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم کو قتل کر دیں گے۔"

لیکن میں نے کہا:

"وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا أَبْرَحُ مَكَّةَ حَتّٰى آتِيَ الْمَسْجِدَ وَأَصْرُخَ بِدَعْوَةِ الْحَقِّ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ قُرَيْشٍ."

تَرجَمۂ: "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! جب تک مسجد حرام میں جا کر قریش کے سامنے حق کی دعوت کا کھلم کھلا اعلان نہ کر لوں، مکہ مکرمہ نہیں چھوڑ سکتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ جواب سن کر خاموشی اختیار فرمائی۔ اس کے بعد میں مسجد گیا۔ اس وقت قریش کے لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر باآواز بلند کہا:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إِنِّيْ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

تَرجَمۂ: "قریش کے لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

جوں ہی میری آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی وہ سب بری طرح بھڑک اٹھے تیزی سے اپنی جگہوں سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے میرے اوپر ٹوٹ پڑے:

"مارو اس بے دین کو۔" اور مجھے بری طرح مارنے لگے۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے محترم چچا

حضرت عباس بن عبدالمطلب رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کی نظر مجھ پر پڑی۔ انہوں نے مجھے پہچان لیا اور ان سے بچانے کے لیے میرے اوپر جھک گئے۔ پھر ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

''عقل کے اندھو، تمہارا برا ہو۔ تم قبیلۂ غفار کے ایک آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جب کہ تمہارے تجارتی قافلے ان کی طرف سے ہو کر گزرتے ہیں'' تب جا کر انہوں نے مجھے چھوڑا۔

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شفقت

جب میرے ہوش و حواس بحال ہوئے تو میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے میری یہ حالت دیکھ کر فرمایا:

''أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ إِعْلَانِ إِسْلَامِكَ؟ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَانَتْ حَاجَةً فِيْ نَفْسِيْ فَقَضَيْتُهَا.''

تَرْجَمَہ: ''کیا میں نے تم کو ابھی اپنے اسلام کے اعلان سے روکا نہیں تھا؟ میں نے عرض کیا یہ میری دلی تمنا تھی جو میں نے پوری کر لی۔''

پھر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجھے حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''اِلْحَقْ بِقَوْمِكَ، وَخَبِّرْهُمْ بِمَا رَأَيْتَ وَمَا سَمِعْتَ، وَادْعُهُمْ إِلَى اللّٰهِ، لَعَلَّ اللّٰهَ يَنْفَعُهُمْ بِكَ وَيُؤْجِرُكَ فِيْهِمْ ...... فَإِذَا بَلَغَكَ اِنِّيْ ظَهَرْتُ فَتَعَالَ اِلَيَّ.''

تَرْجَمَہ: ''اپنے قبیلے میں جاؤ۔ جو کچھ یہاں دیکھا اور سنا ہے انہیں بتاؤ اور ان کو اللہ کی طرف بلاؤ۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ان کو فائدہ پہنچائے اور تمہیں اس کا اجر و ثواب عنایت فرمائے، اور جب سن لینا کہ میں غالب آ گیا ہوں تو میرے پاس چلے آنا۔''

حضرت ابوذر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کا اپنے قبیلے کو دعوت دینا

جب میں اپنے قبیلے میں واپس آیا تو میرے بھائی انیس مجھ سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ میں نے ان کو بتایا کہ میں محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اللہ کے سچے رسول مان کر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو قبول اسلام کے لیے کھول دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے آپ کے دین سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ میں بھی اس میں داخل ہوتا اور اس کو سچا مانتا ہوں۔

اس کے بعد ہم اپنی ماں کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا:

"مَالِیْ رَغْبَةٌ عَنْ دِیْنِکُمَا، وَأَسْلَمْتُ أَیْضًا."

تَرْجَمَہ: "تم لوگوں کے دین پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ چناں چہ وہ بھی مسلمان ہوگئی۔

اور اسی روز سے اس مسلمان گھرانے نے قبیلۂ غفار میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیا۔ ان کی جدوجہد کے نتیجے میں بنو غفار قبیلے کے بہت سارے افراد اسلام میں داخل ہوگئے اور ان لوگوں نے اپنے علاقے میں نماز پڑھنا بھی شروع کر دی۔"

البتہ ان کے کچھ افراد نے کہا کہ ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مدینہ آئیں گے تو ہم اسلام قبول کریں گے۔

چناں چہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد وہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔ اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰہُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰہُ."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ قبیلۂ غفار کی مغفرت فرمائے اور قبیلۂ بنو اسلم کو سلامت رکھے۔"

مختلف جگہوں میں رہائش اختیار کرنا

حضرت ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے قبیلے میں رہے، یہاں تک کہ بدر، احد اور خندق کے غزوات گزر گئے۔ پھر وہ مدینہ منتقل ہوگئے اور ہر طرف سے یکسو ہو کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ رہنے لگے۔

چناں چہ وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ رہ کر دینی فائدہ اٹھاتے رہے، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت کی سعادت حاصل کرتے رہے، کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بھی ان کا لحاظ کرتے اور انہیں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی ان سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی مسرت وخوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے انتقال فرما جانے کے بعد حضرت ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہوگیا، چناں چہ وہ شام کے ایک گاؤں میں چلے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے زمانۂ خلافت تک وہیں مقیم رہے۔ حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دور خلافت میں وہاں سے منتقل ہو کر دمشق میں رہائش اختیار کر لی۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ مسلمان عام طور سے دنیا طلبی میں انتہائی مصروف اور عیش وعشرت میں بے حد مشغول ہوگئے۔ اس بدلی ہوئی صورت حال کو انہوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔

سختی سے اس کا نوٹس لیا اور بڑے سخت لہجے میں اس پر اعتراضات کرنے لگے۔ لوگ ان کے اس رویّے سے تنگ آ گئے۔ آخر یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی۔ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ بلا لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلانے پر وہ مدینہ منورہ چلے گئے۔ لیکن وہاں بھی وہ اسی صورت حال کا سامنا کرتے رہے جس سے دمشق میں ان کو واسطہ پڑا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کو دنیا کی طرف مائل دیکھ کر بہت جلد بددل ہو گئے اور لوگ بھی ان کی سخت گیری اور تنبیہ کی باتوں سے بیزار ہو گئے۔

آخر کار حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں ''ربذہ'' چلے جانے کا حکم دیا۔ ''ربذہ'' مدینہ منورہ کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ وہ وہاں منتقل ہو گئے اور لوگوں سے دور، دنیوی ساز و سامان سے بے نیاز اور رسول اللہ ﷺ اور شیخین (حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے اس طریقے پر چلتے ہوئے زندگی بسر کرنے لگے جو انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے اختیار کیا تھا۔

دنیا سے بے رغبتی

ایک مرتبہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ان کے گھر میں چاروں طرف اپنی نظریں دوڑاتا رہا، جب اس کو وہاں کوئی سامان نظر نہیں آیا تو ان سے پوچھا:

''يَا أَبَا ذَرٍّ، أَيْنَ مَتَاعُكُمْ؟

تَرجَمۂ: ''ابوذر! آپ کا سامان کہاں ہے؟''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''لَنَا بَيْتٌ هُنَاكَ (يَعْنِي الْآخِرَةَ) نُرْسِلُ إِلَيْهِ صَالِحَ مَتَاعِنَا.''

تَرجَمۂ: ''وہاں آخرت میں ہمارا ایک گھر ہے ہم اپنے اچھے اور قیمتی سامان وہیں بھیج دیتے ہیں۔''

اس آدمی نے ان کی بات سمجھتے ہوئے کہا:

''وَلٰكِنْ لَا بُدَّ لَكَ مِنْ مَّتَاعٍ مَا دُمْتَ فِي هٰذِهِ الدَّارِ (يَعْنِي الدُّنْيَا).''

تَرجَمۂ: ''پھر بھی، جب تک آپ اس دنیا میں رہیں، زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ سامان تو ضروری ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"وَلٰكِنَّ صَاحِبَ الْمَنْزِلِ لَا يَتْرُكُنَا فِيْهِ."

تَرْجَمَہ: "لیکن گھر کا اصل مالک ہم کو یہاں رہنے نہیں دے گا۔"

ایک مرتبہ شام کے گورنر نے اس ہدایت کے ساتھ ان کے پاس تین سو دینار بھیجے کہ "انہیں اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔" لیکن انہوں نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی:

"أَمَا وَجَدَ أَمِيْرُ الشَّامِ عَبْدًا لِلّٰهِ أَهْوَنُ عَلَيْهِ مِنِّيْ؟"

تَرْجَمَہ: "کیا شام کے گورنر کو مجھ سے زیادہ کم زور کوئی شخص نہیں ملا؟"

ہجرت نبوی کے بیسویں سال یہ عابد و زاہد صحابی انتقال کر گئے جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"مَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ وَلَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ مِنْ رَجُلٍ أَصْدَقُ مِنْ أَبِيْ ذَرٍّ."

تَرْجَمَہ: "زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کوئی شخص ابوذر سے زیادہ سچا نہیں ہے۔"

فوائد و نصائح

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دین کے داعی ہوتے تھے

تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں آپ ایک بات دیکھیں گے، اسلام میں داخل ہوتے ہی وہ اسلام کے داعی بن جاتے تھے، حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی دن سے ان کو داعی بنایا، اللہ کی طرف بلانے والا بنایا، مرد ہو یا عورت ہر ایک اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس فکر میں لگ جاتا کہ کسی طرح اور لوگ بھی اسلام میں داخل ہو کر کفر سے بچ جائیں، جہنم میں جانے سے بچ جائیں، اور جنت میں داخل ہو جائیں۔

اسلام میں داخل ہونے کے بعد زندگی کا مقصد ہی یہ بن جاتا تھا کہ اب اسلام کو پھیلانا، لوگوں کو اللہ "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کی عبادت کی طرف بلانا اور محمد ﷺ کی رسالت کی طرف دعوت دینا ہے۔

وہ اس مقصد میں اتنی محنت کرتے تھے کہ آخر اسی مقصد پر شہید ہو جاتے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون ہے۔

﴿اَنِّیْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى. الآية﴾[1]

---

[1] آل عمران: ۱۹۵

ترجمہ: ”کہ تم میں سے کسی بھی (نیک) عمل کرنے والے مرد یا عورت کا اجر وثواب ضائع نہیں کروں گا۔“

پھر اللہ تعالیٰ ہدایت بھی اسی طرح پھیلاتے رہے، اور قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہوتے رہے اور چند ہی سالوں میں اسلام مکہ اور مدینہ سے نکل کر ایران، عراق، ہند اور سندھ اور پھر یورپ تک پھیل گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھر جاتے ہوئے جو نصیحت فرمائی اس پر غور کریں۔ فرمایا:

”اِلْحَقْ بِقَوْمِكَ، وَخَبِّرْهُمْ بِمَا رَأَيْتَ وَمَا سَمِعْتَ، وَادْعُهُمْ إِلَى اللّٰهِ، لَعَلَّ اللّٰهَ يَنْفَعُهُمْ بِكَ يُؤْجِرُكَ فِيهِمْ ...... فَإِذَا بَلَغَكَ أَنِّي ظَهَرْتُ فَتَعَالَ إِلَيَّ.“

ترجمہ: ”اپنے قبیلے میں جاؤ۔ جو کچھ دیکھا اور سنا ہے انہیں بتاؤ اور ان کو اللہ کی طرف بلاؤ۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ان کو فائدہ پہنچائے اور تمہیں اس کا اجر وثواب عنایت فرمائے، اور جب سن لینا کہ میں غالب آ گیا ہوں تو میرے پاس چلے آنا۔“

اب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محنت اور دعوت سے ان کے بھائی انیس، ان کی والدہ اور پھر ان کے قبیلے کے اکثر افراد اسلام میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ جو قبیلہ پورا کافروں سے بھرا ہوا تھا وہاں ایمان اور نماز زندہ ہو گئی، یہ سب دعوت کے کرشمے ہیں۔ آپ بھی اس کو پڑھ کر دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ آج ہم سب مسلمان مردوں عورتوں کو داعی الی اللہ بنا دے۔ آمین۔

ضرورت سے زائد اشیاء ضرورت مند کو ہدیہ کر دیں

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر انسان کو چاہیے کہ اس کے گھر میں جو چیز ضرورت سے اس طرح زائد ہو کہ مستقبل قریب میں اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو موہوم امید پر کہ شاید ضرورت پڑ جائے گی نہ رکھیں، ہر ماہ اپنی الماری، اسٹور روم صاف کریں بہت سارے سوئیٹر، رومال، جوتے بچوں کے کھلونے ضرورت سے زائد ہوں تو اس کو کسی ضرورت مند کو ہدیہ کر دیں۔ اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خاصیت یہ تھی کہ اپنے گھر میں سامان جمع نہیں فرماتے تھے، آخرت کا گھر اصلی گھر سمجھا ہوا تھا، ہمیں بھی چاہئے کہ آخرت کے گھر کے لئے خوب خرچ کریں، لوگوں کے کام آئیں، کم از کم یہ کریں کہ جو چیز ضرورت سے زائد ہے وہ دوسروں کو دے دیں۔

مُذاکرہ

سُؤال: سب سے پہلے اسلام میں سلام کی ابتدا کرنے والے کون ہیں؟

سُؤال: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی انیس کو مکہ مکرمہ بھیجتے ہوئے کیا کہا؟

سُؤال: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد قریش کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھنے ک
واقعہ کیا ہے؟

سُؤال: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال کب ہوا؟

◆

حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ

"رَجُلٌ أَعْمَى أنْزَلَ اللّٰهُ فِى شَأْنِهِ سِتَّ عَشْرَةَ آيَةً تُلِيَتْ وَسَتَظَلُّ تُتْلٰى ماكَرَّ الْجَدِيْدَانِ."

(المفسرون)

ترجمہ: "ایک نابینا شخص جن کی شان میں اللہ نے سولہ آیتیں نازل فرمائیں، (یہ آیات جس دن سے نازل ہوئیں) آج تک تلاوت کی جارہی ہیں اور قیامت تک برابر پڑھی جائیں گی۔"

تعارف

وہ کون شخص ہیں جن کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ پر سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل کیا گیا؟ وہ کون ہیں جن کی شان میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے وحی لے کر جبریل امین عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آئے تھے؟

یہ عظیم المرتبت شخصیت حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ ہیں جنہیں مؤذن رسول ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ مکہ مکرمہ کے باشندے اور خاندان قریش کے ایک فرد تھے۔ قریبی رشتے کے ذریعے وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ وہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام قیس بن زائدہ اور والدہ کا اسم گرامی عاتکہ بنت عبداللہ تھا جو عام طور سے اپنی کنیت اُمّ مکتوم کے ساتھ پکاری جاتی تھیں کیوں کہ حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ پیدائشی طور پر نابینا تھے۔ اہل مدینہ ان کو عبداللہ کے نام سے یاد کرتے تھے اور اہل عراق ان کو عمر کے نام سے یاد کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ کی شان میں وحی کا نازل ہونا

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے جس وقت کلمے کی دعوت مکہ مکرمہ میں دینا شروع فرمائی اس وقت حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو ایمان کے لیے کھول دیا۔ وہ

مسلمانوں کی اس جماعت میں شامل ہوگئے جس نے شروع ہی سے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، اور انہوں نے ان مصائب اور تکلیفوں کا نہایت بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جن سے مسلمان دوچار ہوئے۔ انہوں نے اس راستے میں ہر قسم کی قربانی اور ہر چیز اسلام پر لٹا دینے کے لیے کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ قریش کی تکلیفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی زیادتیوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا۔

اس راہ میں نہ تو ان کی ثابت قدمی میں ذرہ برابر لغزش پیدا ہوئی نہ ان کا حوصلہ پست ہوا نہ ان کی قوتِ ایمانی میں کسی رخ سے کم زوری کے آثار ظاہر ہوئے، بل کہ ان مصائب نے ان کے اندر اللہ کے دین سے مزید مضبوطی، اور اللہ کی کتاب سے تعلق، اور شریعت کی سمجھ پیدا کر دی، اور اس کے ساتھ ساتھ ہجرت کا شوق پیدا کر دیا۔

ان کے اندر حضور ﷺ کی مجلس میں حاضری اور حفظِ قرآن کا شوق اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ ہر فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے اور ہر موقع کو قیمتی جان کر اس کی طرف تیزی سے لپکتے تھے، بل کہ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس شوق میں وہ رسول اللہ ﷺ سے دوسروں کے حصے کا وقت بھی لے لیتے تھے۔ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی طرف بڑی شدت کے ساتھ متوجہ تھے۔ آپ ﷺ کے دل میں یہ نیک تمنا ہر وقت ہوتی تھی کہ قریش کے سردار دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن آپ ﷺ عتبہ بن ربیعہ، اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ، عمرو بن ہشام (ابوجہل) امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ اور خالد سیف اللہ کے والد کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر کے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں یا کم از کم آپ ﷺ کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تکلیف نہ دیں۔ ابھی آپ ﷺ گفتگو فرما ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھنے کے لیے یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے:

”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، عَلِّمْنِيْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ.“

تَرجَمَہ: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اس علم میں سے کچھ سکھا دیجیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔“

لیکن آپ ﷺ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی، بل کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، دل میں یہی لگن تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے تو ان کا اسلام اللہ تعالیٰ کے دین کی قوت اور اس کے رسول کی دعوت کی تائید کا ذریعہ بنے گا، آپ بدستور ان قریش کے سرداروں کی طرف متوجہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات سے فارغ ہو کر ابھی گھر جانے کا ارادہ ہی فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ کے اوپر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ أَنْ جَآءَهُ الْأَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَأَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَأَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝﴾[1]

تَرجَمَہ: ”ترش رو ہوئے اور بے رخی برتی، اس بات پر کہ وہ اندھے ان کے پاس آگئے۔ آپ کو کیا خبر شاید وہ سدھر جائیں اور نصیحت پر دھیان دیں اور نصیحت کرنا ان کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو آپ توجہ کرتے ہیں، حالاں کہ اگر وہ نہ سدھرے تو آپ پر اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ اور جو خود آپ کے پاس دوڑے آتے ہیں اور ڈر رہے ہوتے ہیں ان سے آپ بے رخی برتتے ہیں، ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں، بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں، معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔“

یہ وہ سولہ آیتیں ہیں جنہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل فرمائی۔ یہ آیات جس دن سے نازل ہوئیں آج تک تلاوت کی جارہی ہیں اور قیامت تک برابر پڑھی جائیں گی۔

مدینے کی طرف ہجرت کرنا اور مسجد نبوی کا موذن بننا

اس روز کے بعد سے رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت خاص

---

[1] عبس: ۱ - ۱۶

خیال فرمانے لگے۔ وہ جب بھی آپ ﷺ کے یہاں قیام کرتے تو آپ ﷺ ان کی بڑی عزت فرماتے۔ وہ جب بھی آپ ﷺ کی مجلس میں آتے آپ ﷺ انہیں اپنے قریب بٹھاتے، ہمیشہ ان کی خیریت دریافت فرماتے اور ان کی ضروریات پوری فرماتے رہتے تھے۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تو تھے جن کے بارے میں سات آسمانوں کی بلندی سے رسول اللہ ﷺ پر فرمانِ الٰہی نازل ہوا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان پر قریش کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکلیفیں شدید ہوگئیں اور ان کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ اجازت ملتے ہی حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے وطن چھوڑنے میں بڑی پھرتی سے کام لیا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے وہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی اپنے دوست حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر لوگوں سے ملاقات کرنے، انہیں قرآن مجید پڑھانے سکھانے اور لوگوں میں دین کی دعوت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اور جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو موذن مقرر کیا، تاکہ وہ دن میں پانچ مرتبہ بلند آواز سے اذان دے کر کلمۂ توحید کا اعلان کریں، انہیں بہترین عمل (نماز) کے لیے بلائیں، اور خیر وفلاح پر ابھاریں۔ عام طور پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیتے اور حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لیے اقامت کہتے تھے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اذان حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیتے اور اقامت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں تو ان دونوں کی شان ہی نرالی ہوتی تھی۔ مدینے کے مسلمان ایک کی اذان پر سحری کھانے کی تیاری شروع کر دیتے کہ تہجد کا وقت شروع ہو گیا ہے اور دوسرے کی اذان پر سحری کھانے سے رک جاتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے پچھلے پہر اذان دے کر سوتے ہوئے لوگوں کو نیند سے بیدار کرتے

اور حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلوعِ فجر کا انتظار کرتے رہتے اور طلوعِ صبحِ صادق کے ساتھ ہی نماز کے لیے اذان دے دیتے۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت افزائی اور قدر دانی کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی غیر موجودگی کے مختلف مواقع پر کئی بار ان کو مدینہ منورہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ ان میں سے ایک موقع وہ بھی تھا جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ کو چھوڑا تھا۔

جہاد میں شرکت

غزوۂ بدر کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی شان میں کافی آیتیں نازل فرمائیں جس سے مقصود اللہ کے راستہ میں پھرنے والے مجاہدین کی حوصلہ افزائی، اور گھروں میں بیٹھنے والوں کی حوصلہ شکنی اور ان کو اللہ کے راستے میں نکلنے کی ترغیب دینا تھا تو حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا اور اس شرف سے محرومی ان کو اچھی نہیں لگی۔ چناں چہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَوِ أَسْتَطِيْعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُّ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میرے پاس استطاعت ہوتی (یعنی اگر میں معذور نہ ہوتا) تو میں جہاد میں ضرور شریک ہوتا۔"

پھر انہوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کی کہ وہ ان کے اور ان جیسے دوسرے معذور لوگوں کے بارے میں قرآن نازل فرمائے جو اپنی جسمانی معذوریوں کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ چناں چہ وہ اس طرح دعا مانگتے:

"اَللّٰهُمَّ أَنْزِلْ عُذْرِىْ ...... اَللّٰهُمَّ أَنْزِلْ عُذْرِىْ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میرے عذر کے متعلق اپنا حکم نازل فرمادے...... اے اللہ! میرے عذر کے متعلق اپنا حکم نازل فرمادے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دل سے نکلی ہوئی دعا کو فوراً قبول کر لیا۔"

کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ:

ایک روز میں نبی کریم ﷺ کے پہلو میں بیٹھا تھا کہ اچانک آپ ﷺ کے اوپر وحی نازل ہوگئی اور اسی حالت میں آپ ﷺ کے گھٹنے مبارک میرے گھٹنوں سے جا کر ٹک گئے، اس سے میرے گھٹنوں پر زبردست بوجھ پڑنے لگا، ایسا بوجھ کہ اس سے زیادہ وزن میں نے اب تک کسی چیز میں محسوس نہیں کیا تھا۔ جب

آپ ﷺ کے اوپر سے یہ کیفیت دور ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ ”زید! لکھو، اور میں نے لکھا:

﴿لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ.﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ”مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت برابر نہیں ہے۔“

تو حضرت عبداللہ ابن امّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! جو لوگ جہاد میں شریک ہونے کی طاقت نہیں رکھتے ان کا کیا ہوگا؟“ ان کی اس بات کے ختم ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ پر پھر وحی نازل ہوئی۔ اس بار بھی آپ ﷺ کے گھٹنے مبارک میرے گھٹنوں پر پڑے اور میں نے وہی وزن محسوس کیا جو پہلی بار کیا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ کے اوپر سے نزول وحی کی وہ کیفیت دور ہوئی تو فرمایا:

”؟زید! جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھو۔“ تو میں نے پڑھا ”لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو: ”غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ“ ”کسی معذوری کے بغیر۔“ اس طرح وہ استثناء (یعنی معذوروں کو الگ کرنا) نازل ہوا جس کی تمنا حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی تھی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے دوسرے معذور لوگوں کو جہاد میں شرکت نہ کرنے پر معافی دے دی تھی کہ ان پر کوئی حرج نہیں کہ وہ گھر پر ہی رہیں اس کے باوجود حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چاہت یہ تھی کہ میں معذوروں کے ساتھ نہ بیٹھوں۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہونے کا پکا فیصلہ کرلیا تھا۔ کیوں کہ بڑے لوگ اہم امور کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے کاموں پر قناعت نہیں کرتے۔ بلند ہمت کے مالک بڑی بڑی قربانیاں دیا کرتے ہیں۔ کہیں بھی ٹھہر کر وہ اس کو منزل نہیں سمجھتے۔ چناں چہ اسی روز انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ انہوں نے میدان جنگ میں اپنے لیے ذمہ داری بھی متعین فرمالی تھی وہ فرماتے تھے:

”اَقِيْمُوْنِىْ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ وَحَمِّلُوْنِىَ اللِّوَاءَ اَحْمِلُهٗ لَكَ وَاَحْفَظُهٗ ...... فَاَنَا اَعْمٰى لَا اَسْتَطِيْعُ الْفِرَارَ ......“

تَرْجَمَۃ: ”مجھے دو صفوں کے درمیان کھڑا کر کے جھنڈا میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں اسے بلند

---

[1] النسآء: ۹۵

رکھوں گا اور اس کی حفاظت کروں گا کیوں کہ نابینا ہونے کی وجہ سے میں بھاگ نہیں سکتا۔"

حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ۱۴ھ میں ایرانیوں کے ساتھ ایک ایسا فیصلہ کن جہاد کرنے کا پکا ارادہ فرمالیا کہ یہ لوگ خود بھی اسلام قبول نہیں کر رہے اور آگے اسلام کو پھیلانے بھی نہیں دیتے تو ان کے ساتھ اس طرح مقابلہ کیا جائے کہ ان کی حکومت کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے اپنے صوبائی گورنروں کو ہدایت بھیجی:

"لَا تَدَعُوْا أَحَدًا لَهٗ سَلَاحٌ أَوْ فَرَسٌ أَوْ نجدةٌ أَوْ رَأْیٌ إِلَّا وَجَّهْتُمُوْهُ إِلَیَّ، وَالْعَجَلَ! الْعَجَلَ."

تَرْجَمَہ: "ہر اس شخص کو جلد از جلد فوراً میرے پاس بھیج دو جس کے پاس اسلحہ یا گھوڑا یا قوت و شجاعت یا جنگی سوجھ بوجھ ہو۔"

اور مسلمانوں نے حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی اس پکار پر لبیک کہا اور وہ جوق در جوق (فوج در فوج) مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ان لبیک کہنے والوں میں نابینا مجاہد حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ بھی تھے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اس لشکر کا امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو بنایا اور انہیں ہدایات و نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔ جب اس لشکر نے قادسیہ کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور جنگ کا دن آیا تو حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ زرہ پہن کر پورے طور پر تیار ہو کر نکلے اور خود کو مسلمانوں کے جھنڈے کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دینے کے لیے پیش کیا۔

دونوں فوجوں میں تین دن تک بڑی شدت سے لڑائی جاری رہی دونوں فریق ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرائے کہ جنگوں کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آخر کار تیسرے روز مسلمانوں کی زبردست فتح کے ساتھ اس جنگ کا خاتمہ ہوا اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کا نام و نشان تک مٹ گیا، اور کفر و بت پرستی کی سرزمین پر توحید کا جھنڈا لہرانے لگا۔

اس جنگ میں ہزاروں لوگ شہید ہوئے تھے۔ ان عظیم المرتبت شہیدوں میں حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ بھی شامل تھے۔ وہ میدان جنگ میں اس حال میں شہید پائے گئے کہ اپنے خون میں لت پت، اسلام کے جھنڈے کو اپنے کندھے سے چمٹائے ہوئے تھے۔

فوائد ونصائح

عزم وہمت کا مظاہرہ کیجیے

حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم حق پر ہوں تو پھر کسی تکلیف اور مشقت سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیوں کہ مشقت جو بھی آئے گی اجر ضرور ملے گا اور پھر مشقت بھی عارضی چیز ہے جو بعد میں جاتی رہے گی، لیکن اس پر ملنے والا اجر دائمی ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ اور پھر ہم یہ بھی حوصلہ رکھیں کہ مشقت بسا اوقات انسان کی صلاحیت اور کمال میں ترقی اور اضافے کا سبب بنا کرتی ہے، چناں چہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى نے یہی بات اپنے ایک شعر میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

چناں چہ صحابہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُم پر ایمان لانے کے بعد جو مشقتیں آئیں وہ ان کے ایمان ویقین میں مزید ترقی کا سبب بنیں چناں چہ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کے بارے میں آپ نے پڑھا:

"اس راہ میں (مشقتوں کی وجہ سے) نہ تو ان کی ثابت قدمی میں ذرہ برابر لغزش پیدا ہوئی...... نہ ان کا حوصلہ پست ہوا...... نہ ان کی قوت ایمانی میں کوئی کم زوری آئی...... بل کہ ان مصائب (مشقتوں) نے ان کے اندر اللہ کے دین سے مضبوطی اور اللہ کی کتاب سے تعلق اور شریعت کی سمجھ پیدا کردی۔"

اس لئے ہم اللہ تعالیٰ سے خیر وعافیت مانگتے رہیں اور حق پر ثابت قدم رہیں اور مشقت ومصیبت سے نہ ہی مایوس ہوں اور نہ ہی حوصلہ ہاریں بل کہ عزم وہمت واستقلال کا مظاہرہ کریں۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت عبداللہ ابن امّ مکتوم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کا حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کیا رشتہ تھا؟

سُوال: حضرت عبداللہ ابن امّ مکتوم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی شان میں قرآن مجید کی کتنی آیات نازل ہوئیں؟

سُوال: نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنی غیر موجودگی میں اکثر کس کو اپنا نائب مقرر فرماتے تھے؟

سُوال: حضرت عبداللہ ابن امّ مکتوم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کون سی جنگ میں شہید ہوئے؟

حضرت مجزاۃ بن ثور السدوسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"مَجْزَاۃُ ابْنُ ثَوْرٍ کَمِیٌّ باسِلٌ قَتَلَ مائَۃً مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ مُبَارَزَۃً، فَمَا بَالُکَ بِمَنْ قَتَلَھُمْ فِیْ خِضَمِ الْمَعَارِکِ!"

(المؤرخون)

تَرْجَمَۃ: ''مجزاۃ بن ثور ایک بہادر فوجی تھے جنہوں نے ایک سو مشرکوں کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو قتل کر دیا تھا، سو آپ کا کیا خیال ہے ان کے بارے میں جو گھمسان کی جنگوں میں قتل ہوئے؟''

یہ ہیں اللہ کے نیک بہادر سپاہی جو آج جنگ قادسیہ سے کامیاب فتح مند ہو کر واپس لوٹے ہیں، جنگ کے گرد و غبار کو اپنے اوپر سے جھاڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر خوش ہو رہے ہیں، اپنے شہید ہونے والے بھائیوں کو ملنے والے زبردست اجر و ثواب پر خوش ہیں، اور اگلے کسی ایسے ہی سفر کے شوق و انتظار میں ہیں جو سفر قادسیہ کی طرح ہو۔ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ جہاد کے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے امیر المؤمنین کا حکم آ جائے تا کہ وہ (باطل حکومتیں جو اسلام پھیلانے میں رکاوٹ بن رہی ہیں یعنی) کسریٰ کی سلطنت اور ایرانی بادشاہت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔

ہرمزان سے جہاد کرنا

اور ان مبارک ہستیوں کو زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ وہ رہا امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قاصد (ایلچی) جو مدینے سے کوفہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ کوفہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے یہ پیغام ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آگے بڑھ کر بصرہ سے آنے والی اسلامی فوج کے ساتھ مل جائیں، اور دونوں فوجیں ساتھ ساتھ مل کر ہرمزان کی تلاش میں ''اہواز شہر'' کی طرف پیش قدمی کریں، ''ہرمزان'' مسلمانوں کے دشمن کو تلاش کر کے اس کو قتل کر دیں اور ''تستر'' شہر کو آزاد کرا لیں۔ جو کہ اس دور میں تاج کسریٰ کا ایک چمک دار موتی اور سرزمین فارس کا نگینہ تصور کیا جاتا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نام جو حکم نامہ آیا ہے اس میں اس بات کی تاکید ہے:

"أَنْ يَصْحَبَ مَعَهُ الْفَارِسَ الْبَاسِلَ مَجْزَأَةَ ابْنَ ثَوْرٍ السَّدُوْسِيَّ سَيِّدَ بَنِیْ بَكْرٍ وَأَمِيْرَهُمُ الْمُطَاعَ."

تَرجَمَہ: "کہ وہ قبیلہ بنو بکر کے سردار، اور بہادر شہ سوار حضرت مجزاۃ بن ثور سدوسی کو ضرور اپنے ساتھ لے لیں۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین کی بات پر عمل کرتے ہوئے اپنی فوج تیار کی اور اس کی کمان حضرت مجزاۃ بن ثور کے حوالے کر کے آگے بڑھے اور بصرہ سے آنے والے اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہوگئے، اور پھر دونوں فوجیں ایک ساتھ مل کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آگے روانہ ہوگئیں۔ یہ لوگ شہروں کو آزاد کراتے ہوئے، اور آبادیوں کو شرک کی گندگی سے پاک کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہرمزان تک پہنچ گئے، تو ہرمزان ان سے بھاگتا ہوا "تستر" شہر پہنچ گیا وہاں قلعے میں جا کر پناہ لی۔

تستر شہر کی فتح

تستر شہر میں ہرمزان نے پناہ لی تھی۔ ایران میں وہ سب سے بڑھ کر خوب صورت شہر تھا۔ اس کی آب و ہوا نہایت خوش گوار تھی اور اس کے حفاظتی انتظامات بہت سخت، اور قابل اعتماد تھے۔ اس وقت وہ نہایت ترقی یافتہ شہر تھا جس کے تذکرے تاریخ کے صفحات میں آج بھی محفوظ ہیں۔ وہ ایک ایسی زمین پر آباد تھا جس کی شکل گھوڑے کے مشابہ تھی۔ اس کو ایک بڑا لمبا چوڑا دریا، دریائے دجیل سیراب کرتا تھا۔ اس کے درمیان ایک جزیرہ میں شاہ سابور نے جھیل بنوائی، اور اس میں سُرنگوں کے ذریعے دریا سے پانی پہنچانے کا اہتمام کیا۔

تستر کا فوارہ (جھیل) اور اس کی سرنگیں دنیا کے تعمیری عجائبات میں شمار ہوتی تھیں۔ اسے بڑے بڑے مضبوط پتھروں سے اونچا کیا گیا تھا، اس کے ستون ٹھوس لوہے کے تھے، اس کے فوارے اور اس کی سُرنگوں کو سیسہ سے پلاسٹر کیا گیا تھا۔

شہر تستر کے اردگرد ایک عظیم الشان بلند و بالا دیوار ہے۔ جس نے پورے شہر کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

مؤرخین کہتے ہیں:

"إِنَّهُ أَوَّلُ وَأَعْظَمُ سُوْرٍ بُنِیَ عَلٰی ظَهْرِ الْأَرْضِ."

تَرجَمَہ: "کہ وہ دنیا کی سب سے پہلی اور بڑی دیوار ہے جو زمین پر تعمیر کی گئی ہے۔"

پھر ہرمزان نے شہر کی دیوار کے اردگرد ایک گہری اور ناقابل عبور خندق کھدوائی جس کی اندرونی جانب اس کی حفاظت کے لیے ایران کی بہترین فوج ہر وقت تیار رہتی تھی۔ مسلمانوں نے تستر پہنچ کر خندق کے چاروں طرف خیمے لگا کر ہرمزان کو گھیرے میں لے لیا۔ اس گھیرے کو پورے اٹھارہ مہینے گزر گئے مگر مسلمان اس مدت میں اس خندق کو پار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس لمبی مدت میں مسلمانوں، اور ایرانیوں کے درمیان اسّی (۸۰) مرتبہ مقابلہ ہوا جو دونوں طرف سے دو بہادروں کے درمیان شروع ہوتا اور بعد میں گھمسان کی جنگ میں بدل جاتا۔

"وَقَدْ أَبْلٰى مَجْزَأَةُ بنُ ثَوْرٍ فِيْ هٰذِهِ الْمُبَارَزَاتِ بَلَاءً أَذْهَلَ الْعُقُوْلَ وَأَدْهَشَ الْأَعْدَاءَ وَالْأَصْدِقَاءَ فِيْ وَقْتٍ مَعًا."

تَرْجَمَہ: "حضرت مجزاۃ بن ثور رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ان لڑائیوں میں ایسی شجاعت و بہادری دکھائی کہ اس کو دیکھ کر عقلیں حیران ہوجائیں اور دوست دشمن حیرانگی اور تعجب میں پڑ جائیں۔"

انہوں نے دشمن کے ایک سو بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور دشمنوں کے دلوں میں ایسا رعب بٹھا دیا کہ ایرانی سپاہی ان کا نام سن کر ہی خوف زدہ ہوجاتے تھے۔ اور ان کے کارناموں پر مسلمانوں کے سر شکر اور فخر سے اونچے ہوجاتے۔ ان کے ان کارناموں کو دیکھ کر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ لشکرِ مجاہدین میں ان کی شمولیت کے کیوں اتنا زیادہ خواہش مند تھے۔

آخری جنگ میں مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ایرانی اس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور خندق کے اوپر بنے ہوئے پلوں کو مسلمانوں کے لیے خالی چھوڑ کر خود شہر کے اندر جا کر پناہ لی اور اپنے پیچھے شہر کے مضبوط قلعے کے دروازے بند کرلیے۔

اتنی لمبی مدت صبر کرنے کے بعد مسلمان اب جن حالات کا سامنا کر رہے تھے وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت صبر آزما تھے۔ ایرانی کفار مسلمانوں کے اوپر قلعے کے برجوں سے تیروں کی بارش کر رہے تھے اور وہ قلعے کے دیواروں کے اوپر سے لوہے کی زنجیریں لٹکاتے جن کے سروں پر لوہے کے گرم کنڈے لگے ہوتے تھے جو آگ میں تپانے کی وجہ سے سرخ انگاروں کی طرح دہک رہے ہوتے۔ جب کوئی مسلمان دیوار کے قریب پہنچنے یا اس پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو ایرانی اسے انہیں دہکتے ہوئے کنڈوں میں پھنسا کر اوپر کھینچ لیتے اور اس کا جسم جل جاتا، بدن کا گوشت گر جاتا اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ جاتا۔

ایک شخص کا خفیہ راستے کی نشان دہی کرنا

مسلمان سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ وہ نہایت خشوع وخضوع اور انتہائی عاجزی کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پریشانیوں کو دور فرمائے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو سوچ رہے تھے کہ "تستر" کی اس عظیم الشان دیوار کو عبور کس طرح کیا جائے۔ وہ اس پریشانی میں مایوس ہو ہی چکے تھے کہ اچانک ان کے سامنے ایک تیر آکر گرا جو ان کی طرف دیوار کے اوپر سے پھینکا گیا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھا۔ اس میں ایک پرچی بندھی ہوئی تھی، جس میں یہ پیغام تھا:

"لَقَدْ وَثِقْتُ بِكُمْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَ إِنِّىْ أَسْتَأْمِنُكُمْ عَلٰى نَفْسِىْ وَمَالِىْ وَأَهْلِىْ وَمَنْ تَبِعَنِىْ، وَلَكُمْ عَلَىَّ أَنْ أَدُلَّكُمْ عَلٰى مَنْفَذٍ تَنْفُذُوْنَ مِنْهُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ."

تَرْجَمَۃ: "مسلمانو! میں تم لوگوں پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنے جان ومال، اپنے اہل وعیال اور اپنے بعض دوستوں کے لیے امان طلب کر رہا ہوں۔ اس کے بدلے میں تم لوگوں کو ایک چھپے ہوئے راستے کی نشان دہی کروں گا جس سے گزر کر تم لوگ شہر میں داخل ہو سکتے ہو۔"

جواب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کاغذ پر امان کی تحریر لکھی اور اسے تیر کے ذریعے واپس اس کے پاس پھینک دیا۔ اس شخص کو مسلمانوں کی طرف سے دیے ہوئے امان پر پورا اطمینان ہو گیا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ مسلمان اپنے وعدے کے کتنے سچے اور عہد کے کتنے پکے ہوتے ہیں۔ وہ اندھیرے میں بغیر کسی خطرے کے قلعے کی دیوار کے ساتھ سرکتا ہوا خاموشی سے ان کے پاس آیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پوری حقیقت کچھ اس طرح بتا دی۔

"نَحْنُ مِنْ سَادَاتِ الْقَوْمِ، وَقَدْ قَتَلَ الْهُرْمُزَانُ أَخِى الْأَكْبَرَ، وَعَدَا عَلَى مَالِهٖ وَأَهْلِهٖ، وَأَضْمَرَ لِىَ الشَّرَّفِىْ صَدْرِهٖ حَتَّى مَا عُدْتُ آمَنُهُ عَلٰى نَفْسِىْ وَأَوْلَادِىْ. فَآثَرْتُ عَدْلَكُمْ عَلٰى ظُلْمِهٖ، وَوَفَاءَكُمْ عَلٰى غَدْرِهٖ، وَعَزَمْتُ عَلٰى أَنْ أَدُلَّكُمْ عَلٰى مَنْفَذٍ خَفِيٍّ تَنْفُذُوْنَ مِنْهُ إِلٰى تُسْتَرَ."

تَرْجَمَۃ: "ہم اس قوم کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایرانی بادشاہ ہرمزان نے میرے

بڑے بھائی کو قتل کر کے ان کے مال و جائداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ان کے اہل و عیال پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ وہ میرے لیے بھی اپنے سینے میں بغض و دشمنی کے جذبات چھپائے ہوئے ہے۔ میں خود کو اور اپنے بال بچوں کو اس کے شر سے محفوظ نہیں سمجھتا۔ (میری جان و مال کو اس سے ہر وقت خطرہ ہے)، اس لیے میں نے آپ لوگوں کے عدل و انصاف کو اس کے ظلم و ستم پر اور آپ لوگوں کے ایفائے عہد کو اس کی بد عہدی و غداری پر ترجیح دی ہے۔ اس لیے اب میں پکا ارادہ کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں کو ایک ایسے چھپے راستے کی نشان دہی کروں گا جس سے گزر کر آپ لوگ شہر (تستر) تک پہنچ سکتے ہیں۔"

(آپ ایک ایسے آدمی کو میرے ساتھ کر دیجیے جو بہت زیادہ سمجھ دار اور بہادر ہو، اس کے ساتھ ساتھ وہ بہترین تیراک بھی ہوتا کہ میں اس جگہ کی نشان دہی کر دوں)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے حضرت مجزاۃ بن ثور رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کو اپنے پاس بلایا اور پوری بات ان کو بتا کر فرمایا:

"أَعِنِّىْ بِرَجُلٍ مِّنْ قَوْمِكَ لَهُ عَقْلٌ وَ حَزْمٌ وَقُدْرَةٌ عَلَى السِّبَاحَةِ."

تَرْجَمَہ: "آپ اپنے قبیلے سے ایک ایسا آدمی مجھے دیجیے جو عقل مند اور سمجھ دار ہونے کے علاوہ تیرنے کے فن میں بھی مہارت رکھتا ہو۔"

حضرت مجزاۃ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے کہا:

"اِجعَلْنِىْ ذٰلِكَ الرَّجُلَ أَيُّهَا الْأَمِيْرُ."

تَرْجَمَہ: "مجھے یہ خدمت سونپیں اس کے لیے میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔"

حضرت ابوموسیٰ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا۔

"اگر آپ اس خدمت کے لیے تیار ہیں تو پھر ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔" اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے ان کو نصیحت فرمائی:

"أَنْ يَحفَظَ الطَّرِيْقَ، وَأَنْ يَعْرِفَ مَوضِعَ الْبَابِ، وَأَنْ يَحدِّدَ مَكَانَ الْهُرمُزانِ، وَأَنْ يَتَثَبَّتَ مِنْ شَخْصِهِ، وَأَلَّا يُحْدِثَ أَمْرًا غَيرَ ذٰلِكَ"

تَرْجَمَہ: "راستے اور دروازے کی جگہ کو خوب پہچان لیں، ہرمزان کی قیام گاہ اور اس کی شخصیت کو ٹھیک سے ذہن نشین کر لیں اور اس کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی اور اقدام نہ کریں۔"

حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایرانی رہبر کے ساتھ رات کے اندھیرے میں روانہ ہوئے۔ اور دونوں اس زمین کے نیچے ایک ایسی سرنگ میں داخل ہوئے جو دریا اور شہر کے درمیان حفاظت کے لیے کھودی گئی تھی۔ سرنگ کہیں کہیں اتنی چوڑی تھی کہ پانی میں کھڑے ہوکر چلنا ممکن ہوتا، اور کہیں کہیں وہ اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے تیر کر گزرنا پڑتا، کہیں شاخ در شاخ، کہیں ٹیڑھی میڑھی اور کہیں بالکل سیدھی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے شہر میں داخل ہونے کا راستہ نکلتا تھا۔

ایرانی رہبر نے حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بھائی کا قاتل ہرمزان دکھایا اور اس کی جگہ کی بھی نشان دہی کی جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ جب حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرمزان کو دیکھا تو ان کے جی میں آیا کہ اس کے حلق میں ایک تیر مار کر اسے ہلاک کر دوں مگر فوراً ہی انہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت یاد آگئی کہ وہاں کوئی اور اقدام نہ کرنا۔ انہوں نے فوراً اپنی چاہت چھوڑ دی، اور فجر سے پہلے پہلے واپس لوٹ گئے اور وہاں پہنچ گئے جہاں سے آئے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو ایسے بہادروں کو تیار کیا جو شجاعت و ثابت قدمی میں مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ تیراکی میں بھی ماہر تھے۔ حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ اور انہیں رخصت کرتے وقت کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اور حملہ کرنے کے لیے ان کی تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کو ''شعار'' (علامت) قرار دیا۔

حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ ہلکے پھلکے کپڑے پہن لیں کہ پانی میں بھیگنے سے ان کا وزن زیادہ نہ ہو جائے۔ اور انہیں تاکید کر دی کہ اپنے ساتھ تلوار کے علاوہ دوسرا کوئی اسلحہ نہ رکھیں۔ انہوں نے یہ بھی تاکید کر دی کہ سب لوگ اپنی اپنی تلواروں کو اپنے کپڑوں کے نیچے جسم کے ساتھ باندھ لیں۔ پھر ایک تہائی رات گزرنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت مجزاۃ کی شہادت اور ہرمزان کی گرفتاری

حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی تقریبا دو گھنٹے تک اسی خطرناک سرنگ کے دشوار گزار مراحل سے گزرتے رہے۔ جب یہ لوگ سرنگ کے اس آخری سرے تک پہنچے جو شہر میں داخل ہونے والے راستے سے ملا ہوا تھا تو حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ سرنگ ان کے دو سو بیس (۲۲۰) مسلمانوں کو نگل گئی ہے اور ان میں سے صرف اسّی (۸۰) آدمی اسے پار کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ۷۹ ساتھیوں نے شہر کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اپنی تلواریں بے نیام کرلیں، قلعے کے پہرہ داروں پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہی لمحے میں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ لوگ دروازوں کی طرف جھپٹے اور انہیں کھولتے ہوئے زور سے تکبیر کی آواز بلند کی۔

دروازے کے باہر سے مسلمانوں نے ان کی تکبیروں کا جواب دیا۔ اور صبح ہوتے ہوئے انہوں نے شہر پر حملہ کردیا۔ پھر ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان ایک ایسی ہلاکت خیز اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم گزری ہوگی۔

دورانِ جنگ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ہرمزان پر پڑی۔ وہ میدان جنگ میں ایک جگہ کھڑے ہوکر اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور تلوار لے کر جھپٹ پڑے، لیکن پھر لڑنے والوں کی بھیڑ میں وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ نظر آیا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے اس کی طرف لپکے اور اس پر حملہ کردیا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہرمزان دونوں نے اپنی تلواروں سے ایک ساتھ ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ مگر اللہ کے حکم سے حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وار خطا ہوگیا اور ہرمزان کا وار نشانے پر پڑا۔

حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوکر زمین پر گر پڑے اور شہید ہوگئے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ان کی شہادت کے بعد بھی مسلمانوں نے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا اور ہرمزان گرفتار کرلیا گیا۔

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے مسلمانوں کی ایک جماعت اس شان سے روانہ ہوئی کہ ان کے آگے آگے ہرمزان تھا۔ اس وقت اس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر اس کا ہیروں سے سجا ہوا تاج تھا اور اس کے کندھے پر زری والی خوب صورت اور بیش قیمت چادر پڑی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ فتح کی خوش خبری سنانے والے لوگوں کے پاس ایک غم کی خبر بھی تھی وہ یہ کہ امیر المؤمنین کے جانباز اور بہادر سپاہی حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوگئے۔

فوائد و نصائح

مسلمان بہادر ہوتا ہے

اسلام میں بہادری، جرأت مندی، دلیری کی بڑی قدر ہے، اسلام بزدلی کو پسند نہیں کرتا، اس لیے ہم میں

سے ہر ایک کو چاہیے کہ بہ تکلفا بہادری اختیار کرنے کی کوشش کریں، بہادروں کے واقعات پڑھیں، صحابہ کرام رَضِوَاللهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ کے واقعات پڑھ کر خوب دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! جیسے آپ نے ان کو بہادر بنایا تھا مضبوط ایمان نصیب فرمایا تھا ہمیں بھی نصیب فرما۔

بزدلی سے پناہ مانگنے کے لیے حدیث میں ایک دعا سکھائی گئی ہے جو اکثر مانگتے رہنا چاہیے فجر اور عصر کی نماز کے بعد ایک مرتبہ ضرور مانگ لی جائے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ“[1]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں فکر سے، غم سے، اور عاجز ہونے سے (یعنی کسی کمال کے حاصل کرنے میں) اور کاہلی سے، اور تیری پناہ لیتا ہوں بزدلی سے اور بخل سے اور تیری پناہ لیتا ہوں قرض کے دباؤ سے اور لوگوں کے جور وستم سے۔“

اسی طرح اس آیت کا مضمون ذہن میں سوچا جائے تو بھی بہادری پیدا ہوتی ہے:

”وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ط.“[2]

تَرْجَمَہ: ”اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کا دفع کرنے والا (بھی) وہی اللہ ہے۔“

بہادری محبوب صفت ہے

اس واقعے میں غور کریں کہ حضرت عمر رَضِوَاللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رَضِوَاللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو خط میں حضرت مجزاۃ بن ثور رَضِوَاللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو ساتھ لے جانے کی تاکید فرمائی کہ اس بہادر صحابی کو ضرور لے جائیں۔

”أَنْ يَّصْحَبَ مَعَهُ الفَارِسَ الْبَاسِلَ مَجْزَأَةَ بْنَ ثَوْرٍ السَّدُوْسِیَّ سَیِّدَ بَنِیْ بَكْرٍ وَأَمِیْرَهُمُ الْمُطَاعَ.“

تَرْجَمَہ: ”کہ وہ قبیلہ بنو بکر کے سردار اور بہادر شہسوار مجزاۃ بن ثور سدوسی کو ضرور اپنے ساتھ لے لیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بہادری ایک اچھی صفت ہے اور بہادر انسان سے ہر ایک کو محبت ہوا کرتی ہے۔

---

[1] ابوداؤد: ۲۲٤/۱

[2] الانعام: ۱۷، یونس: ۱۰۷

مسلمان وعدہ خلاف نہیں ہوتا

اس واقعے میں آپ اس بات پر غور کریں کہ کافروں کو بھی مسلمانوں کے وعدوں پر یقین تھا کہ مسلمان وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم وعدوں کو پورا کریں۔ وعدہ خلافی سے بچیں۔

مُذاکرہ

سُوَال: حضرت مجزاۃ بن ثور رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تعلق کس قبیلے سے تھا؟

سُوَال: حضرت مجزاۃ بن ثور رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کیا فرمایا؟

سُوَال: ایرانی سلطنت کے بادشاہ کا کیا نام تھا؟

سُوَال: حضرت مجزاۃ بن ثور رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کس طرح شہید ہوئے؟

حضرت اسید بن الحضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ كَانَتْ تَسْتَمِعُ إِلَيْكَ يَا أُسَيْدُ ......" (محمد رسول الله)

ترجمہ: "اسید! وہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت سننے کے لیے آئے تھے۔"

حضرت مصعب بن عمیر کا لوگوں کو دین پر لانے کا جذبہ

سب سے پہلی جماعت جو مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ اسلام کی خوش خبری لے کر آئی، ان میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو قبیلۂ خزرج کے ایک امیر اور سردار شخص حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں رہنے لگے۔ انہوں نے ان کے مکان کو اپنی قیام گاہ، دعوت الی اللہ کے پھیلانے اور نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے کی خوش خبری سننے کے لیے مرکز کی حیثیت دے کر متعین کرلیا، مدینہ منورہ کے رہنے والے بڑے پیمانے پر اس نوجوان داعی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلسوں کی جانب متوجہ ہوئے:

> "ان کی نرم گفتگو، صاف گوئی اور خوش اخلاقی میں ایسا اثر اور چہرے میں ایسا نور تھا کہ جس کی وجہ سے لوگ بڑی تعداد میں ان کی مجالس میں شریک ہونے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے۔"

اور ان سب سے بڑھ کر جس خوبی نے لوگوں کو متاثر کیا وہ ان کا نہایت سریلی آواز اور میٹھے لہجے میں قرآن مجید پڑھنا تھا، جس سے سخت سے سخت دل بھی موم ہو جاتے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ان کی ہر مجلس میں کچھ نہ کچھ لوگ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شمولیت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیتے تھے۔

ایک دن اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مہمان، داعی اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے کچھ لوگوں سے ملاقات کرنے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے کے ارادے سے نکلے۔ وہ دونوں بنو عبدالاشہل کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور کھجوروں کے سائے میں میٹھے کنویں کے پاس بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد کچھ مسلمان اور بعض دوسرے لوگ بھی

جوان کی زبان سے قرآن کریم کی آیات اور اسلام کی دعوت سننا چاہتے تھے، جمع ہو گئے۔ وہ انہیں نہایت ہی پیارے انداز سے اسلام کی دعوت سمجھا رہے تھے اور اس کے اجر وثواب کی خوش خبری سنا رہے تھے اور لوگ ان کی گفتگو کو خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر سن رہے تھے۔ اسی دوران ایک شخص قبیلہ اوس کے سرداروں، اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ کے پاس پہنچا، اور ان کو بتایا کہ مکے سے آیا ہوا داعی ان کے مکان کے قریب ہی ٹھہرا ہوا ہے اور یہ جرأت اس کو اسعد بن زرارہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ یہ اطلاع پا کر سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

”لَا أَبَا لَكَ يَا أُسَيْدُ، اِنْطَلِقْ إِلٰى هٰذَا الْفَتَى الْمَكِّيِّ الَّذِيْ جَاءَ إِلٰى بُيُوْتِنَا لِيُغْرِيَ ضُعَفَاءَ نَا، وَ يُسَفِّهَ آلِهَتَنَا، وَازْجُرْهُ، وحَذِّرْهُ مِنْ أَنْ يَطَأَ دِيَارَنَا بَعْدَ الْيَوْمِ.“

ترجمہ: ”اسید! تیرا کچھ نہ رہے، فوراً جاؤ اس مکی نوجوان کے پاس جو یہاں آ کر ہمارے کم زوروں کو بہکاتا ہے اور ہمارے معبودوں (بتوں) کی برائیاں بیان کرتا ہے۔ اس سے ڈانٹ کر کہہ دو کہ خبردار آج کے بعد سے وہ آئندہ ہمارے قبیلے میں قدم نہ رکھے......“

تھوڑی دیر رک کر انہوں نے پھر کہا:

”وَلَوْ لَا أَنَّهُ فِيْ ضِيَافَةِ ابْنِ خَالَتِيْ أَسْعَدِ بْنِ زُرَارَةَ، وَأَنَّهُ يَمْشِيْ فِيْ حِمَايَتِهٖ لَكَفَيْتُكَ ذٰلِكَ.“

ترجمہ: ”اگر وہ میرے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کا مہمان اور اس کی پناہ میں نہ ہوتا تو میں خود ہی اس سے نمٹ لیتا۔ تم کو زحمت نہ دیتا۔“

اسید اپنا نیزہ اٹھا کر باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

”وَيْحَكَ يَا مُصْعَبُ، هٰذَا سَيِّدُ قَوْمِهٖ وَأَرْجَحُهُمْ عَقْلاً، وأَكْمَلُهُمْ كَمَالاً أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ. فَإِنْ يُسْلِمْ تبعَهُ فِيْ إِسْلَامِهٖ خَلْقٌ كَثِيْرٌ، فَاصْدُقِ اللّٰهَ فِيْهِ، وَأَحْسِنِ التَّأَتِّيَ لَهٗ.“

ترجمہ: ”مصعب! یہ اپنے قبیلے کے سردار، ان میں سب سے زیادہ عقل مند اور صاحب کمال شخص ”اسید بن حضیر“ ہیں۔ اگر یہ شخص اسلام قبول کر لیں تو انہیں اسلام کی حالت میں دیکھ کر بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ کے دین کی دعوت ان کے سامنے پورے اخلاص اور اچھے طریقے سے پیش کرنا۔ اللہ کرے یہ قبول کر لیں۔“

حضرت اسید بن حضیر کے قبولِ اسلام کا واقعہ

اسید بن حضیر ان لوگوں کے پاس پہنچ کر کھڑے ہوگئے۔ پھر اس نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دوست کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا:

"مَا جَاءَ بِكُمَا إِلٰى دِيَارِنَا، وَأَغْرَاكُمَا بِضُعَفَائِنَا؟ اِعْتَزِلَا هٰذَا الْحَيَّ إِنْ كَانَتْ لَكُمَا بِنَفْسَيْكُمَا حَاجَةٌ."

تَرْجَمَہ: "تم دونوں کو ہمارے محلے میں آنے اور ہمارے کم زور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس محلے سے نکل جاؤ، اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہو تو آئندہ اس محلے میں مت آنا۔"

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف چہرہ اٹھایا جو ایمان کے نور سے جگمگا رہا تھا۔ اور بڑے پرخلوص و دل کش لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"يَا سَيِّدَ قَوْمِهٖ، هَلْ لَكَ فِيْ خَيْرٍ مِنْ ذٰلِكَ؟

قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: تَجْلِسُ إِلَيْنَا وَتَسْمَعُ مِنَّا، فَإِنْ رَضِيْتَ مَا قُلْنَاهُ قَبِلْتَهُ، وَ إِنْ لَّمْ تَرْضَهُ تَحَوَّلْنَا عَنْكُمْ وَلَمْ نَعُدْ إِلَيْكُمْ."

تَرْجَمَہ: "اے سردار! کیا آپ پسند کریں گے کہ میں آپ کے سامنے اس سے بھی اچھی بات پیش کروں؟

اسید بن حضیر نے پوچھا۔ "وہ کون سی بات ہے؟"

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"آپ اطمینان سے یہاں تشریف رکھیں اور غور سے ہماری باتیں سنیں۔ اگر پسند آئیں تو انہیں قبول کر لیجیے گا اور ناپسند ہوں تو ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔"

یہ سن کر اسید بن حضیر کہنے لگا:

بات تو آپ نے ٹھیک کہی ہے۔

"یعنی تم نے انصاف کی بات کہی۔" چناں چہ یہ کہتے ہوئے اسید اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔

پھر جب حضرت مصعب بن عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انہیں اسلام کی حقیقت سمجھائی اور قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو ان کی پیشانی پر پڑی ہوئی شکنیں دور ہوگئیں، چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہا:

"مَا أَحْسَنَ هٰذَا الَّذِيْ تَقُوْلُ، وَمَا أَجَلَّ ذٰلِكَ الَّذِيْ تَتْلُوْا!! كَيْفَ تَصْنَعُوْنَ إِذَا أَرَدْتُمُ الدُّخُوْلَ فِي الْإِسْلَامِ؟"

تَرْجَمَۃ: "کتنی عمدہ ہیں یہ باتیں جو تم بتا رہے ہو اور کتنا جلیل القدر ہے یہ کلام جس کی تم تلاوت کر رہے ہو...... جب تم لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟"

حضرت مصعب بن عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے خوش ہو کر فرمایا:

"تَغْتَسِلُ تُطَهِّرُ ثِيَابَكَ وَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ.

تَرْجَمَۃ: "اس کے لیے آپ غسل کیجیے اور اپنے کپڑوں کو پاک کر کے اس بات کا اقرار اور اعلان کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور لائق عبادت نہیں اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اللہ کے رسول ہیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیے۔"

اسید بن حضیر اٹھ کر کنویں پر گئے، انہوں نے اس کے پانی سے طہارت حاصل کی اور اس بات کی گواہی دی کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور پھر انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی۔

اور اس طرح اس روز عرب کے ایک قابل رشک شہ سوار، اور قبیلہ اوس کے ایک مشہور سردار لشکرِ اسلام میں شامل ہوگئے۔

عقل و دانائی میں ان کی برتری اور حسب ونسب میں ان کے فضل وشرف کی وجہ سے ان کے قبیلے نے ان کو "کامل" کے لقب سے نوازا تھا۔ وہ تلوار و قلم دونوں کے ماہر تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ شہ سواری اور تیر اندازی میں کامل مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے معاشرے میں پڑھنا، لکھنا جانتے تھے جس میں ایسے افراد نہایت کم تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے ہوں۔

ان کا قبولِ اسلام حضرت سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قبول اسلام کا سبب بنا، اور ان دونوں کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا قبیلہ اوس کی ایک بڑی تعداد کے لیے مشرف بہ اسلام ہونے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لیے دارِ ہجرت، اسلام کی پناہ گاہ اور اس کی حکومت اور پوری دنیا میں دین پھیلانے کا مرکز بننے کا ذریعہ بن گیا۔

حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن سے خصوصی لگاؤ

حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن سنا تھا، وہ اس طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جیسے کوئی پیاسا سخت گرمی کے دن میں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے گھاٹ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

"فَكَانَ لَا يُرٰى إِلَّا مُجَاهِدًا غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. أَوْ عَاكِفًا يَتْلُوْ كِتَابَ اللّٰهِ"

ترجمہ: "انہوں نے قرآن عظیم کی تلاوت کو اپنا دن رات کا مشغلہ بنا لیا تھا۔ وہ یا تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے نظر آتے یا تنہائی میں کتابِ الٰہی کی تلاوت میں مشغول دکھائی دیتے تھے۔"

ان کی آواز بڑی پرسوز، ان کا لہجہ نہایت واضح اور ان کی ادائیگی بہت صاف تھی۔ عام طور سے قرآن کی تلاوت ان کو اس وقت بہت بھلی معلوم ہوتی تھی جب رات پر سکون ہوتی، ماحول پر مکمل اور گہرا سناٹا طاری ہوتا، لوگ سو چکے ہوتے اور دلی سکون و اطمینان ہوتا۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت کے اوقات کے منتظر رہتے، اور ان کی تلاوت کو سننے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

"فَيَا سَعْدَ مَنْ يُتَاحُ لَهٗ أَنْ يَسْمَعَ الْقُرْآنَ مِنْهُ رُطَبًا طَرِيًّا كَمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ.
وَقَدِ اسْتَعْذَبَ أَهْلُ السَّمَاءِ تِلَاوَتَهٗ كَمَا اسْتَعْذَبَهَا أَهْلُ الْأَرْضِ."

ترجمہ: "وہ شخص خود کو بڑا خوش قسمت تصور کرتا جس کو ان سے قران سننے کا موقع مل جاتا، جیسا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ان کی تلاوت قرآن کی مٹھاس سے آسمان والے بھی اسی طرح خوش ہوتے تھے جس طرح زمین والے اس سے لذت اندوز ہوتے تھے۔"

فرشتوں کا تلاوت سننے کے لئے آنا

ایک مرتبہ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آدھی رات کو اپنے مکان کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے صاحبزادے یحییٰ ان کی بغل میں سو رہے تھے اور ان کا گھوڑا، جس کو انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پال رکھا تھا، ان سے کچھ فاصلے پر بندھا ہوا تھا۔ رات خاموش اور تاریک تھی، آسمان صاف و شفاف اور خوب صورت تھا اور ستارے چمک رہے تھے۔ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جی میں آیا کہ اس خوب صورت رات میں قرآن شریف کی تلاوت کریں۔ چناں چہ انہوں نے اپنی بہترین اور دل کش آواز میں تلاوت شروع کی۔

﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝﴾[1]

تَرجَمَہ: ”الٓمّٓ ۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن مجید) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئیں (یعنی تورات، انجیل اور زبور) ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا گھوڑا اس طرح اچھل کود رہا ہے جیسے وہ اپنی رسی توڑ لے گا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے خاموش ہوتے ہی گھوڑا پرسکون ہو گیا۔ پھر جب انہوں نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا:

﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی جانب سے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

تو گھوڑا پہلے سے زیادہ اچھلنے کودنے لگا۔ وہ پھر خاموش ہو گئے۔ گھوڑا پرسکون ہو گیا۔ حضرت اسید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وقفے وقفے سے تلاوت کا عمل کئی بار دہرایا۔ وہ جب بھی تلاوت شروع کرتے تو گھوڑا اچھلنے لگتا، اور جب وہ رک جاتے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو جاتا۔ انہیں اپنے بیٹے یحییٰ کے متعلق یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں گھوڑا بدکتے ہوئے اسے کچل نہ دے۔ اس لیے وہ اس کو جگانے کے لیے اس کے پاس گئے۔ یکا یک ان کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر بادلوں کی چھتری سی تنی ہوئی ہے۔ وہ ایسا خوب صورت اور دل کش منظر تھا جو اس سے پہلے کبھی ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ان بادلوں کے ساتھ چراغوں کی طرح کچھ روشنیاں معلق (لٹکی ہوئی) ہیں یہاں تک کہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ صبح کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر جب انہوں نے رات کا یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کیا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے واقعہ سن کر ارشاد فرمایا:

”تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ كَانَتْ تَسْتَمِعُ لَكَ يَا أُسَيْدُ...... وَلَوْ أَنَّكَ مَضَيْتَ فِيْ قِرَاءَتِكَ لَرَآهَا النَّاسُ وَلَمْ تَسْتَتِرْ مِنْهُمْ.“

---

[1] البقرة: ۱ - ۴

[2] البقرة: ۵

ترجمہ: ”اسید! وہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت سننے کے لیے آئے تھے۔ اگر تم اپنی تلاوت کو مسلسل جاری رکھتے تو یہ بالکل قریب آجاتے اور لوگ انہیں کھلم کھلا دیکھ لیتے۔“

حضور اکرم ﷺ سے محبت

جس طرح حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب الٰہی سے غیر معمولی عشق تھا اسی طرح انہیں رسول اللہ ﷺ سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ چناں چہ ان کا بیان ہے کہ دو اوقات ایسے ہیں جن میں ان کے قلب کی صفائی اور ایمان کی چمک اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، ایک وقت وہ ہے کہ جب وہ قرآن پڑھ یا سن رہے ہوں، اور دوسرا وقت وہ ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے یا گفتگو کرتے دیکھ رہے ہوں۔

ان کے دل میں اکثر یہ تمنا رہتی تھی کہ ان کا جسم نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کو چھو جائے اور وہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کا بوسہ لے لیں، چناں چہ ایک بار ان کی یہ دلی تمنا پوری ہوگئی۔

ایک دن حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو اچھے اچھے لطیفے یا نصیحت والی کہانیاں سنا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اپنے ہاتھ سے چٹکی لی تو انہوں نے کہا:

”أَوْجَعْتَنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ.“

ترجمہ: ”یارسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔“

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اِقْتَصَّ مِنِّیْ یَا أُسَیْدُ.“

ترجمہ: ”اسید! تم مجھ سے اس کا بدلہ لے لو“

حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

”إِنَّ عَلَیْكَ قَمِیْصًا وَلَمْ یَكُنْ عَلَیَّ قَمِیْصٌ حِیْنَ غَمَزْتَنِیْ.“

ترجمہ: ”آپ کے جسم پر اس وقت قمیص ہے لیکن میرے بدن پر تو قمیص نہیں تھی۔“

یہ سن کر آپ ﷺ نے جسم مبارک سے کپڑا اٹھا دیا اور حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے ہوئے جسم مبارک سے لپٹ گئے اور آپ کی بغل اور کمر کے درمیانی حصہ جسم کو چومنے لگے:

”بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، إِنَّهَا لَبُغْیَةٌ كُنْتُ أَتَمَنَّاهَا مُنْذُ عَرَفْتُكَ، وَقَدْ بَلَغْتُهَا الْآنَ.“

ترجمہ: ''اے اللہ کے رسول! میرے والدین آپ پر قربان ہوں۔ یہ میری اس وقت سے ایک دلی تمنا تھی جب سے میں آپ پر ایمان لایا ہوں۔ آج میری وہ تمنا پوری ہوگئی۔''

حضور ﷺ کی حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت

رسول اللہ ﷺ بھی حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا جواب محبت سے دیتے تھے، اور اسلام قبول کرنے میں جو انہوں نے پہل کی تھی اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ نیز اس بات کا بھی آپ ﷺ بہت خیال کرتے تھے کہ انہوں نے غزوۂ احد میں اپنی جان پر کھیل کر آپ ﷺ کا دفاع کیا، یہاں تک کہ اس روز ان کو نیزے کے سات گہرے زخم آئے تھے۔ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے قبیلے میں جو قدر و منزلت حاصل تھی اس کا بھی آپ ﷺ کو پورا پورا احساس تھا، اسی لیے جب وہ کسی کی سفارش کرتے تو آپ ﷺ ان کی سفارش ضرور قبول فرماتے تھے۔

حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انصار کے ایک گھر کا ذکر کیا جو نہایت محتاج اور ضرورت مند تھا اور اس میں اکثریت خواتین کی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَقَدْ جِئْتَنَا يَا أُسَيْدُ بَعْدَ أَنْ أَنْفَقْنَا مَا بِأَيْدِيْنَا، فَإِذَا سَمِعْتَ بِشَيْءٍ قَدْ جَاءَ نَا فَاذْكُرْ لَنَا أَهْلَ ذٰلِكَ الْبَيْتِ."

ترجمہ: ''اسید! تم میرے پاس اس وقت آئے ہو جب میں وہ سارا مال تقسیم کر چکا ہوں جو میرے پاس تھا۔ جب تم سنو کہ میرے پاس مال آیا ہے تو ان لوگوں کا مجھ سے ذکر کرنا۔''

اس کے کچھ دنوں کے بعد جب آپ ﷺ کے پاس خیبر سے مال آیا تو آپ ﷺ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم فرمایا اور خاص طور سے انصار کو اور اس گھر والوں کو کافی مقدار میں مال دیا تو میں نے کہا:

"جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. يَا نَبِيَّ اللّٰهِ. خَيْرًا."

ترجمہ: ''اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی طرف سے بہترین جزا دے۔''

تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

"وَأَنْتُمْ مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ جَزَاكُمُ اللّٰهُ أَطْيَبَ الْجَزَاءِ، فَإِنَّكُمْ مَا عَلِمْتُ أَعِفَّةٌ صُبُرٌ، وَ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ أَثَرَةً بَعْدِيْ، فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ، وَمَوْعِدُكُمُ الْحَوْضُ."

ترجمہ: ”اے انصار کے لوگو! اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو بہترین جزا دے، جب سے میں آپ لوگوں کو جانتا ہوں تم لوگ پاک دامن صبر وقناعت اختیار کرنے والے لوگ ہو، لیکن میرے بعد تم لوگوں کے حقوق نظر انداز کیے جائیں گے اور دوسروں کو تمہارے اوپر ترجیح دی جائے گی۔ جب ایسا ہو تو تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے ملاقات ہو۔ ہماری ملاقات حوضِ کوثر پر ہوگی۔“

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے انصاف کی تصدیق

حضرت اسید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ جب خلافت کی ذمہ داری حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حوالے ہوئی تو انہوں نے ایک دن مسلمانوں میں مال اور سامان تقسیم کیا اور میرے پاس ایک جوڑا بھیجا جو میری نگاہ میں ایک معمولی سا تھا، اور ابھی میں مسجد ہی میں بیٹھا تھا کہ میری طرف سے ایک قریشی جوان کا گزر ہوا جس کے جسم پر انہی جوڑوں میں سے ایک لمبا چوڑا جوڑا تھا جسے وہ زمین پر گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ایک ساتھی سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اس حدیث کا ذکر کیا:

”إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ أُثْرَةً مِنْ بَعْدِيْ.“

ترجمہ: کہ میرے بعد تمہارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔“

اور اس آدمی نے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس جا کر میری بات ان کو بتا دی، وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے۔ میں اس وقت نماز میں مشغول تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسید! نماز پڑھ لو۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا؟

میں نے جو کچھ کہا اور دیکھا تھا ان کو بتا دیا تو انہوں نے فرمایا:

”عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ، تِلْكَ حُلَّةٌ بَعَثْتُ بِهَا إِلٰى فُلَانٍ، وَهُوَ أَنْصَارِيٌّ عَقَبِيٌّ بَدْرِيٌّ أُحُدِيٌّ، فَشَرَاهَا مِنْهُ هٰذَا الْفَتَى الْقُرَشِيُّ وَلَبِسَهَا. أَفَتَظُنُّ أَنَّ هٰذَا الَّذِيْ أَخْبَرَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ زَمَانِيْ؟ فَقَالَ أُسَيْدٌ: وَاللّٰهِ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَقَدْ ظَنَنْتُ أَنَّ ذٰلِكَ لَا يَكُوْنُ فِيْ زَمَانِكَ.“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے۔ وہ جوڑا میں نے فلاں کے پاس بھیجا تھا، وہ ایک انصاری ہیں جن کو بیعتِ عقبہ، غزوۂ بدر اور جنگ احد میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔ ان سے وہ جوڑا اس قریشی نوجوان نے خرید کر پہنا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جس بات کی خبر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تم کو

دی تھی وہ میرے زمانے میں پیش آئے گی؟"

تو حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"امیر المؤمنین! خدا کی قسم! میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ بات آپ کے زمانے میں پیش نہیں آئے گی۔"

وفات

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت ہی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے ذمے چار ہزار درہم قرض ہے۔ ان کے رشتہ داروں نے چاہا کہ قرض کی ادائیگی کے لیے ان کی زمین کو فروخت کر دیں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

میں اپنے بھائی اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال کو فقیر اور لوگوں کے لیے بوجھ نہیں بننے دوں گا۔

پھر انہوں نے قرض خواہوں سے گفتگو کر کے ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان کی اس زمین کی پیداوار چار سال تک ایک ہزار درہم سالانہ کے حساب سے خرید لیا کریں اور اس طرح اپنا قرض وصول کر لیں۔ اس طرح چار سال میں قرض بھی ادا ہو جائے گا اور زمین اولاد کی ملکیت بھی رہے گی۔

فوائد ونصائح

دین کے لئے سفر کرنا صحابہ کی سنت ہے

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی میں آپ یہ بات بکثرت پائیں گے کہ اسلام لانے کے بعد وہ فوراً دوسرے لوگوں کو اسلام میں لانے کی فکر فرماتے رہتے تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں جا کر اسلام پھیلانا شروع کر دیا، اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے گھروں پر گئے۔ اسی طرح آج ہم بھی لوگوں کے گھروں پر جا کر اگر وہ مسلمان ہیں تو ان کو اسلام پر چلنے کی دعوت دیں اور ان کو اس بات کی دعوت دیں کہ وہ دوسروں میں دین زندہ کرنے کی محنت کریں۔ اگر ہم نے یہ کام کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنت پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اس بات کا انتظار نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے پاس آئیں۔ بل کہ وہ خود لوگوں کے پاس جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے، یہ تو صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ تھے کہ وہ کافروں کے پاس جاتے تھے، اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اب آپ غور کریں کہ جو مسلمان ہوگئے ہیں اور مسجدوں میں نہیں آتے اسلام پر عمل نہیں کرتے یا اسلام کے پھیلانے کی محنت نہیں کرتے تو ان کے پاس ہمیں جانے کی ضرورت کتنی زیادہ ہوگی۔

تربیت نرمی سے کرنی چاہیے

ہمیں یہ سیکھنا چاہیے کہ داعی، معلم، والد، بڑے بھائی اور بڑی بہن کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنی چاہیے، آپ کسی کو کچھ سکھانا چاہتے ہیں، کسی کی تربیت کرنا چاہتے ہیں تو نرمی سے کرنی چاہیے۔ حضرت مصعب بن عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صفات میں سے ہے۔

"وَكَانَ يُغْرِيْهِمْ بِهٖ عُذُوْبَةُ حَدِيْثِهٖ، وَوُضُوْحُ حُجَّتِهٖ، وَرِقَّةُ شَمَائِلِهٖ، وَوَضَائَةُ الْاِيْمَانِ الَّتِيْ تُشْرِقُ مِنْ وَجْهِهِ الْقَسِيْمِ الْوَسِيْمِ."

تَرْجَمَۃ: "ان کی نرم گفتگو، ان کا بہترین انداز، ان کی نرم طبیعت اور ان کے چہرے سے پھوٹنے والی ایمان کی روشنی میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ لوگ بڑی تعداد میں ان کی مجالس میں شریک ہونے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے۔"

ایک دن جب حضرت مصعب بن عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت اسعد بن زرارہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہمراہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے لوگوں کو دعوت دینے کے لیے نکلے اور بنو عبدالاشہل کے ایک باغ میں جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے تو حضرت اسید بن حضیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آ کر بہت سختی سے ان دونوں کو ڈانٹا اور کہا:

"مَا جَاءَ بِكُمَا اِلٰى دِيَارِنَا، وَأَغْرَاكُمَا بِضُعَفَائِنَا؟ اِعْتَزِلَا هٰذَا الْحَيَّ إِنْ كَانَتْ لَكُمَا بِنَفْسَيْكُمَا حَاجَةٌ."

تَرْجَمَۃ: "تم دونوں کو ہمارے محلے میں آنے اور ہمارے کم زور لوگوں کو ورغلانے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس محلے سے نکل جاؤ اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہو تو آئندہ اس محلے میں مت آنا۔"

لیکن حضرت مصعب بن عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بڑے پرخلوص لہجے میں فرمایا:

"يَا سَيِّدَ قَوْمِهٖ، هَلْ لَكَ فِيْ خَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: تَجْلِسُ إِلَيْنَا

وَتَسْمَعُ مِنَّا، فَإِنْ رَضِيْتَ مَا قُلْنَاهُ قَبِلْتَهُ، وَ إِنْ لَّمْ تَرْضَهُ تَحَوَّلْنَا عَنْكُمْ وَلَمْ نَعُدْ إِلَيْكُمْ.''

تَرجَمۃ: ''اے سردار! کیا آپ پسند کریں گے کہ میں آپ کے سامنے اس سے بھی اچھی بات پیش کروں؟ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ ''وہ کون سی بات ہے؟''

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

آپ اطمینان سے یہاں تشریف رکھیں اور غور سے ہماری باتیں سنیں۔ اگر پسند آئیں تو انہیں قبول کر لیجیے گا اور اگر ناپسند ہوں تو ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔''

اس لیے ہمیں بھی سختی کا جواب سختی سے نہیں دینا چاہیے۔ غصے کا جواب غصے سے نہیں دینا چاہیے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۗ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾[1]

تَرجَمۃ: ''اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں، برائی کو اچھائی سے دفع کیجیے۔''

اگر ہم کسی کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ہمارے لیے محبت اور عظمت پیدا فرما دیں گے۔ لیکن اگر اس کی برائی کا بدلہ برائی سے دیا تو ممکن ہے وہ اس سے بڑھ کر بدلہ لے اور زیادہ برائی سے پیش آئے۔ اس لیے ہم ہمیشہ ہر ایک سے اچھے سلوک سے پیش آئیں۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سے قبیلے کے سردار تھے؟

سُؤال: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا؟

سُؤال: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کا کیا نام تھا؟

سُؤال: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال کون سے خلیفہ کے دور خلافت میں ہوا؟

◆

---

[1] حٰم السجدة: ٣٤

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

"إِنَّهُ فَتَى الْكُهُوْلِ، لَهُ لِسَانٌ سَؤُوْلٌ، وَقَلْبٌ عَقُوْلٌ." (عمر بن الخطاب)

ترجمہ: "اس نوجوان کے پاس بوڑھوں جیسا تجربہ، سوال کرنے والی زبان اور سمجھ دار دل ہے۔"

تعارف

ان جلیل القدر صحابیِ رسول نے شرافت اور بزرگی کو چاروں طرف سے سمیٹ رکھا تھا۔ ان کو حضور ﷺ کے ساتھ رہنے اور رشتہ داری کا بھی اعزاز حاصل تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے لڑکے تھے۔ وہ دن کو روزہ رکھتے، رات کو نماز میں مشغول رہتے۔ صبح تک توبہ واستغفار میں مشغول رہتے اور اللہ کے ڈر سے اتنا روتے کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ یہاں تک کہ رونے کی کثرت سے ان کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات نمایاں ہوگئے تھے۔

یہ صحابی ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ امت کے ربانی، (العارف باللہ) کتاب اللہ کے عالم، اس کے معانی سے آگاہ، اس کو اچھی طرح سمجھنے والے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی تھی، حضور ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۳ سال تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی کافی احادیث حفظ کی تھیں سولہ سو ساٹھ حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں جن میں سے کئی احادیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہیں۔

ولادت کے بعد ان کی والدہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کے حلق میں ڈالا۔ اس طرح سب سے پہلی چیز جو ان کے منہ میں گئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی حکمت و پرہیزگاری بھی ان کے رگ و ریشے کے اندر رچ بس گئی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت عطا فرمائی تھی اور یہی حکمت خیر کثیر ہے، جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا.﴾[1]

تَرجَمہ: ”اور جس کو حکمت عطا کی گئی، اس کو بہت زیادہ خیر مرحمت کی گئی۔“

آپ کے ادب کے صلے میں حضور ﷺ کی دعاءِ حکمت

ابھی بنی ہاشم کے یہ نونہال کچھ سمجھ دار ہوئے تو خود کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں پایا اور انہوں نے اس مبارک صحبت کو اس طرح لازم پکڑلیا جیسے انسان کی دونوں آنکھیں ہمیشہ ایک دوسری کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔

”فَكَانَ يُعِدُّ لَهُ مَاءَ وُضُوْئِهِ إِذَا هَمَّ أَنْ يَّتَوَضَّأَ وَيُصَلِّي خَلْفَهُ إِذَا وَقَفَ لِلصَّلَاةِ“

جب رسول اللہ ﷺ وضو کا ارادہ فرماتے تو یہ ان کے لیے وضو کا پانی لاتے۔

جب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے۔

اور جب آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو یہ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھتے، غرض سائے کی طرح ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو صاف ستھرا ذہن اور غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا، جس کے سامنے اس زمانے کے تمام ریکارڈ کرنے کے آلات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے وضو کا ارادہ فرمایا۔ میں نے فوراً پانی کا انتظام کر دیا۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ پھر جب آپ ﷺ نے نماز کا ارادہ فرمایا تو مجھے اپنے برابر میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ لیکن میں آپ ﷺ کے برابر میں کھڑے ہونے کے بجائے تھوڑا سا پیچھے کھڑا ہوا۔ نماز ختم کر کے آپ ﷺ نے میری طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا۔

”مَا مَنَعَكَ أَنْ تَكُوْنَ بِإِزَائِيْ يَا عَبْدَاللّٰهِ؟“

تَرجَمہ: ”عبداللہ! تم میرے برابر میں کیوں نہیں کھڑے ہوئے؟۔“

میں نے بڑے ادب سے جواب دیا:

”أَنْتَ أَجَلُّ فِيْ عَيْنِيْ وَأَعَزُّ مِنْ أَنْ أُوَازِيَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.“

تَرجَمہ: ”اے اللہ کے رسول ﷺ!“ آپ کی شخصیت میری نظر میں اس سے بہت بلند و برتر

---

[1] البقرة: ٢٦٩

ہے کہ میں آپ کے برابر میں کھڑا ہوتا۔"

میرا یہ جواب سن کر آپ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ آتِهِ الْحِكْمَةَ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! عبداللہ کو حکمت وبصیرت عطا فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایسی حکمت وبصیرت عطا فرمائی جس کے ذریعے وہ بڑے بڑے حکماء اور صاحب بصیرت لوگوں سے فوقیت حاصل کر گئے۔

حضرت ابنِ عباس کی حکمت کا ایک دل چسپ واقعہ

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ حامیوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور جب ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے کہا۔

"اِئْذَنْ لِّيْ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنْ آتِيَ الْقَوْمَ وَأُكَلِّمَهُمْ."

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان لوگوں کے پاس جا کر اس معاملے میں ان سے گفتگو کروں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

"مجھے خطرہ ہے، کہیں وہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔"

انہوں نے اطمینان سے کہا۔ "اللہ نے چاہا تو اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

پھر وہ ان کے پاس پہنچے۔ وہ لوگ بڑے عابد وزاہد اور نہایت عبادت گزار تھے۔ انہوں نے اس سے پہلے ان سے زیادہ عبادت وریاضت میں مشغول رہنے والے لوگ نہیں دیکھے تھے۔ خوارج نے ان کا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا اور تشریف لانے کا سبب دریافت کیا۔ اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ میں آپ لوگوں سے گفتگو کرنے آیا ہوں، تو ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ان سے گفتگو نہ کرو لیکن باقی لوگوں نے کہا کہ فرمائیے ہم آپ کی باتیں سننے کے لیے تیار ہیں۔ تب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔

"یہ بتائیے کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے، ان کے داماد اور سب سے پہلے ایمان

لانے والے شخص (حضرت) علی (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے کس بات پر ناراض ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"ہم کو ان کی چند باتیں ناپسند ہیں۔"

"وہ کون سی تین باتیں ہیں؟" حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے دریافت کیا۔

انہوں نے گناتے ہوئے کہا۔ "پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں انسانوں کو حکم تسلیم کر لیا یعنی انسانوں کو حاکم بنایا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لقب ہٹا دیا، حالاں کہ مسلمانوں نے ان سے بیعت کی تھی اور انہیں امیر منتخب کیا تھا۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ان سے دریافت کیا کہ:

"أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْمَعْتُكُمْ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، وَحَدَّثْتُكُمْ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَا لَا تُنْكِرُوْنَهُ، أَفَتَرْجِعُوْنَ عَمَّا أَنْتُمْ فِيْهِ؟"

ترجمہ: "اگر میں آپ لوگوں کی ان باتوں کا جواب کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دے دوں تو کیا آپ لوگ اپنے ان اعتراضات کو چھوڑ کر امیر المؤمنین کی مخالفت سے باز آ جاؤ گے؟"

انہوں نے کہا کہ "اگر ہم آپ کی باتوں سے مطمئن ہو گئے تو ان کی مخالفت چھوڑ کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا:

"آپ لوگوں کا پہلا اعتراض یہ ہے۔" "کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں انسانوں کو حکم مان لیا، تو سنیے اس سلسلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾[1]

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، احرام کی حالت میں شکار نہ کرو، اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے گا تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی طرح ایک جانور اسے مویشیوں میں سے صدقہ کرنا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔"

---

[1] المائدة: ۹۵

اب میں آپ لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ انسانوں کے خون اور ان کی جانوں کی حفاظت اور ان کے درمیان صلح صفائی کرانے کے لیے انسانوں کو حَکم مان لینا زیادہ بہتر ہے یا ایک خرگوش کی جان بچانے کے لیے انسان کو حاکم بنانا بہتر ہے، جس کی قیمت بہ مشکل چوتھائی درہم ہوتی ہے۔

انہوں نے کہا:

”بَلْ فِیْ حِقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ وَصَلَاحِ ذَاتِ بَیْنِهِمْ“

تَرْجَمَہ: ”مسلمانوں کے خون کی حفاظت اور ان کے درمیان صلح صفائی کرانے کے لیے حَکم مان لینا زیادہ بہتر ہے۔“

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ان سے دریافت کیا۔ ”تو گویا یہ مسئلہ حل ہو گیا؟“

انہوں نے جواب دیا۔ ”ہاں یہ مسئلہ حل ہو گیا۔“ ہمارا پہلا اعتراض ختم ہو گیا۔

”اب رہا آپ لوگوں کا یہ اعتراض۔“

کہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے نام سے ”امیر المؤمنین“ کا لقب حذف کر دیا تو ایسا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بھی اس وقت کیا تھا، جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب کراتے ہوئے فرمایا تھا کہ لکھو۔

”هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“

یہ وہ صلح نامہ ہے جسے محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے طے کیا، تو قریش کے نمائندے نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ ”اگر ہم کو یہ تسلیم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ میں داخلے سے روکتے نہ کبھی آپ سے قتال کرتے۔ آپ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوائیے۔“ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کا یہ ناجائز مطالبہ تسلیم کر لیا اور اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیے اور فرمایا:

”وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِنْ كَذَّبْتُمُوْنِیْ۔“

تَرْجَمَہ: ”اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگرچہ تم مجھے جھٹلاؤ۔“

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے جب حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے اس اعتراض کا بھی تسلی بخش جواب مل گیا ہے؟ تو انہوں نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا کہ ہاں، ہم کو پورے طور پر اطمینان حاصل ہو گیا۔“

حضرت ابن عباس کی عالمانہ گفتگو کا نتیجہ

اس ملاقات اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پرزور، دلائل اور حکمت وبصیرت سے بھرپور گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے بیس ہزار افراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت میں واپس شامل ہو گئے۔ البتہ چار ہزار آدمی حق وانصاف سے منہ پھیر کر اپنے پچھلے اعتراضات پر ڈٹے رہے۔

حصولِ علم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی کم عمری کے باوجود حصولِ علم کے ہر طریقے کو اختیار کیا اور اس راہ میں انتہائی کوشش اور ان تھک محنت سے کام لیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے پوری زندگی علم حاصل کرتے رہے۔

آپ ﷺ کے انتقال کے بعد وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بھرپور علم حاصل کیا۔ وہ اپنے شوقِ علم کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حَدَّثَ عَنْ نَفْسِهٖ قَالَ: كَانَ إِذَا بَلَغَنِیَ الْحَدِيْثُ عِنْدَ رَجُلٍ مِّنْ صَحَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَتَيْتُ بَابَ بَيْتِهٖ فِیْ وَقْتِ قَيْلُوْلَتِهٖ وَتَوَسَّدْتُ رِدَائِیْ عِنْدَ عَتَبَةِ دَارِهٖ، فَيَسْفِیْ عَلَیَّ الرِّيْحُ مِنَ التُّرَابِ مَا يَسْفِیْ، وَلَوْ شِئْتُ أَنْ أَسْتَأْذِنَ عَلَيْهِ لَأَذِنَ لِیْ. وَ إِنَّمَا كُنْتُ أَفْعَلُ ذٰلِكَ لِأُطَيِّبَ نَفْسَهٗ."

تَرجَمۂ: "جب کسی صحابی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث ہے تو میں قیلولہ کے وقت (دوپہر میں) ان کے دروازے پر پہنچ جاتا۔ اور اپنی چادر کو سرہانے رکھ کر ان کے گھر کی چوکھٹ کے پاس لیٹ جاتا۔ اس وقت دوپہر کی تیز اور گرم ہوائیں بہت سا گرد وغبار اڑا کر میرے اوپر ڈال دیتیں۔ حالاں کہ اگر میں ان کے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگتا تو مجھے اس کی اجازت مل جاتی۔ لیکن میں ایسا اس لیے کرتا تھا کہ استاد (کے احترام کا لحاظ رکھ سکوں اور کہیں ان کے آرام میں میں رکاوٹ نہ بن جاؤں اور ان) کی طبیعت مجھ سے خوش ہو جائے۔"

جب وہ صحابی گھر سے نکلتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو کہتے:

"يَا بْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ، مَاجَاءَ بِكَ؟ هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَیَّ فَاٰتِيَكَ؟

فَاَقُوْلُ: اَنَا اَحَقُّ بِالْمَجِیْءِ، اِلَیْکَ. فَالعِلْمُ یُؤْتٰی وَلَا یَاْتِیْ، ثُمَّ اَسْاَلُهُ عَنِ الْحَدِیْثِ."

ترجمہ: "اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے لڑکے! آپ نے کیوں اتنی تکلیف اٹھائی؟ آپ نے میرے یہاں اطلاع بھجوا دی ہوتی۔ میں خود حاضر ہو جاتا لیکن میں ان کو جواب دیتا۔ "میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا زیادہ حق دار ہوں۔ کیوں کہ حصول علم کے لیے صاحب علم کے پاس جایا جاتا ہے۔ صاحب علم خود طالب علم کے پاس نہیں جایا کرتے۔ پھر میں ان سے حدیث پوچھتا۔"

علماء کی قدر و عزت

وہ طلب علم میں جس طرح عاجزی و تواضع سے پیش آتے اسی طرح علماء کرام کی قدر و عزت بھی بہت کرتے تھے۔

کاتبِ وحی، فقہ، قرأت اور فرائض میں اہلِ مدینہ کے سب سے بڑے عالم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہی ہاشمی نوجوان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے سامنے ان کی رکاب تھام کر اور نہایت ہی ادب کے ساتھ ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر یوں کھڑے ہوتے ہیں جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کہتے ہیں:

"دَعْ عَنْكَ یَابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ."

ترجمہ: "اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے! رکاب اور لگام چھوڑ دیجیے۔"

اور ایسا نہ کریں مگر وہ جواب دیتے ہیں:

"هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا."

ترجمہ: "اسی طرح ہم کو اپنے علماء کا ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کہتے ہیں:

"اَرِنِیْ یَدَكَ."

ترجمہ: "کہ ذرا آپ مجھے اپنا ہاتھ دکھایئے۔"

اور جب حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اپنا ہاتھ ان کے سامنے کرتے ہیں تو اسے چومتے ہوئے کہتے ہیں۔

"هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا."

تَرْجَمَۃ: "اور ہمیں اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت (خاندان) کے ساتھ اسی طرح عزت و احترام کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

علم حاصل کر کے اونچے مقام پر پہنچنا

وہ علم حاصل کرنے کی کوشش میں مسلسل آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ علم کے بہت اونچے مقام پر پہنچ گئے جس نے بڑے بڑے اہلِ علم کو حیرت زدہ کر دیا۔ حضرت مسروق بن اجدع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جن کا شمار بڑے تابعین میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کے متعلق فرماتے ہیں:

"كُنْتُ إِذَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قُلْتُ: أَجْمَلُ النَّاسِ. فَإِذَا نَطَقَ قُلْتُ: أَفْصَحُ النَّاسِ. فَإِذَا تَحَدَّثَ قُلْتُ: أَعْلَمُ النَّاسِ."

تَرْجَمَۃ: "جب میں ابن عباس (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا) کو دیکھتا تو کہتا یہ سب سے زیادہ خوب صورت شخص ہیں۔ جب وہ بولتے تو کہتا یہ سب سے زیادہ صاف بولنے والے شخص ہیں۔ اور جب حدیث بیان کرتے تو آپ کی گفتگو سن کر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ آپ اس دور کے سب سے بڑے عالم ہیں۔"

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا جب ان تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے جنہیں وہ حاصل کرنا چاہتے تھے تو وہ لوگوں کو سکھانے میں لگ گئے اور ان کا مکان مسلمانوں کے لیے ایک یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جی ہاں! ان کا مکان ہر اس معنی میں یونیورسٹی بن گیا جس معنی میں آج یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ البتہ جامعہ ابن عباس اور ہماری ان جامعات میں یہ فرق ہے کہ آج کی یونیورسٹیوں میں دسیوں نہیں سینکڑوں اساتذہ ہوتے ہیں، جب کہ جامعہ ابن عباس کی ساری ذمہ داریاں تنہا ایک استاد کے کندھوں پر تھیں اور وہ خود حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا تھے۔

ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ:

"لَقَدْ رَأَيْتُ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَجْلِسًا لَوْ أَنَّ جَمِيعَ قُرَيْشٍ اِفْتَخَرَتْ بِهٖ لَكَانَ لَهَا مَفْخَرَةً."

ترجمہ: ”میں نے ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی ایک ایسی علمی مجلس دیکھی ہے یعنی وہ علم کے اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اس پر قریش کے تمام لوگ فخر کریں تو ان کا فخر کرنا بجا ہوگا۔“

میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے گھر کی طرف جانے والے سارے راستوں میں لوگوں کا اس قدر مجمع ہے کہ وہ راستے دوسرے آنے جانے والوں کے لیے تنگ ہو گئے ہیں۔ میں نے اندر جا کر ان سے لوگوں کے ان کے دروازے پر جمع ہونے کا حال بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کے لیے پانی رکھو۔ میں نے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ انہوں نے وضو کیا اور اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر لوگوں سے کہو:

”مَنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ وَحُرُوْفِهٖ فَلْيَدْخُلْ. فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ لَهُمْ، فَدَخَلُوْا حَتّٰى مَلَأُوا الْبَيْتَ وَالْحُجْرَةَ، فَمَا سَأَلُوْهُ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرَهُمْ بِهٖ، وَزَادَهُمْ مِثْلَ مَا سَأَلُوْا عَنْهُ وَأَكْثَرَ.“

ترجمہ: ”جو شخص قرآن اور اس کے الفاظ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہے وہ اندر آ جائے۔ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا۔ اور لوگ بڑی تعداد میں اندر آ گئے یہاں تک کہ پورا مکان اور کمرہ ان سے بھر گیا۔

ان میں سے جس نے جو بھی سوال کیا، انہوں نے اس کے سوال کا اطمینان بخش جواب دیا۔ بل کہ اس کے سوال کے علاوہ انہوں نے مزید بہت سی باتیں بھی بتائیں۔“

پھر ان سے کہا کہ اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے راستہ صاف کر دو۔ یہ سن کر وہ لوگ باہر نکل گئے۔

پھر انہوں نے مجھے حکم دیا کہ باہر جا کر لوگوں سے کہو:

”مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنْ تَفْسِيْرِ الْقُرْآنِ وَتَأْوِيْلِهٖ فَلْيَدْخُلْ.“

ترجمہ: ”جو شخص قرآن کی تفسیر اور اس کی تشریح سے متعلق کوئی سوال کرنا چاہتا ہے، وہ اندر آ جائے۔“

میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا اور لوگ بڑی تعداد میں اندر آ گئے اور پورا مکان اور کمرہ بھر گیا۔ پھر ان میں سے جس نے جو بھی سوال کیا، انہوں نے اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمایا بل کہ ان کے سوالات کے علاوہ مزید بہت سی باتیں اپنی طرف سے بھی بتائیں، اور پھر فرمایا کہ اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے جگہ خالی کر دو۔ چناں چہ وہ لوگ باہر چلے گئے۔

انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ باہر جا کر لوگوں سے کہہ دو:

"مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْفِقْهِ فَلْيَدْخُلْ."

تَرجَمَہ: "جو شخص حلال حرام اور فقہ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہے تو وہ اندر آ جائے۔"

میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا اور لوگ کافی تعداد میں کمرے کے اندر داخل ہو گئے پھر ان میں سے جس نے جو بھی سوال کیا انہوں نے اس کا تسلی بخش جواب دیا، اور اپنی طرف سے مزید تشریح بھی فرما دی پھر فرمایا کہ اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے جگہ خالی کر دو، تو وہ لوگ نکل گئے پھر مجھے کہا کہ یہ اعلان کر دو:

"مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْفَرَائِضِ وَمَا أَشْبَهَهَا فَلْيَدْخُلْ. فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ لَهُمْ، فَدَخَلُوْا حَتّٰى مَلَأُوا الْبَيْتَ وَالْحُجْرَةَ، فَمَا سَأَلُوْهُ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرَهُمْ بِهٖ وَزَادَهُمْ مِثْلَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ: أَفْسِحُوا الطَّرِيْقَ لِإِخْوَانِكُمْ، فَخَرَجُوْا."

تَرجَمَہ: "جو شخص فرائض (وراثت) وغیرہ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے، وہ اندر آ جائے۔ اعلان سن کر پھر لوگ بڑی تعداد میں اندر آ گئے۔ اور انہوں نے جو سوالات کیے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کے اطمینان بخش جوابات دیے بل کہ ان کے سوالات کے علاوہ مزید بہت سی باتیں بھی بتائیں۔ پھر انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا اور وہ سب چلے گئے۔"

پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جا کر اعلان کر دو:

"مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْعَرَبِيَّةِ وَالشِّعْرِ وَغَرِيْبِ كَلَامِ الْعَرَبِ فَلْيَدْخُلْ."

تَرجَمَہ: "جسے عربی زبان، شعر و ادب اور کلامِ عرب کے مشکل حصوں کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہو، وہ اندر آ جائے۔"

چناں چہ بہت سے لوگ اندر داخل ہوئے اور اندر مزید گنجائش نہ رہی۔ ان لوگوں نے جو کچھ بھی پوچھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا اطمینان بخش جواب دیا۔ اور ان سوالات کے علاوہ مزید بہت سی باتیں اپنی طرف سے بھی بتائیں۔

راوی کہتے ہیں:

"فَلَوْ أَنَّ قُرَيْشًا كُلَّهَا فَخَرَتْ بِذٰلِكَ لَكَانَ ذٰلِكَ لَهَا فَخْرًا."

تَرجَمَہ: "کہ اگر اس پر تمام اہلِ قریش فخر کریں تو ان کا فخر کرنا برحق ہوگا۔"

بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مختلف علوم کے لیے الگ الگ دن مقرر کر دیے تا کہ

ان کے دروازے پر اتنا ہجوم نہ ہو:

"يَوْمًا لَا يُذْكَرُ فِيهِ إِلَّا التَّفْسِيرُ. وَيَوْمًا لَا يُذْكَرُ فِيهِ إِلَّا الْفِقْهُ. وَيَوْمًا لَا تُذْكَرُ فِيهِ إِلَّا الْمَغَازِيْ. وَيَوْمًا لَا يُذْكَرُ فِيهِ إِلَّا الشِّعْرُ. وَيَوْمًا لَا تُذْكَرُ فِيهِ إِلَّا أَيَّامُ الْعَرَبِ. وَمَا جَلَسَ إِلَيْهِ عَالِمٌ قَطُّ إِلَّا خَضَعَ لَهُ. وَمَا سَأَلَهُ سَائِلٌ قَطُّ إِلَّا وَجَدَ عِنْدَهُ عِلْمًا."

ترجمہ: "چناں چہ انہوں نے ہفتے میں ایک دن صرف تفسیر قرآن کے لیے، ایک دن صرف فقہ کے لیے، ایک دن مغازی و سیر کے لیے (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کب کب ہوئے؟) ایک دن شعر و ادب اور ایک دن عرب کے گزشتہ حالات اور اس کی پچھلی جنگوں کے متعلق گفتگو اور سوال و جواب کے لیے مخصوص کر دیا۔ آپ کی مجلس میں اگر کوئی عالم آکر بیٹھتا تو آپ اس کے ساتھ انتہائی عاجزی و تواضع سے پیش آتے۔ اگر کوئی سائل سوال کرتا تو اسے تسلی بخش جواب دیتے۔"

علم و فقہ میں کامل ہونے کی وجہ سے خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کم عمری کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مشکل معاملات اور پیچیدہ مسائل میں مشورہ فرماتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی مشکل پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو وہ مشورے کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلاتے اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی دعوت دیتے۔ جب وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہوتے تو انہیں اونچی جگہ پر اپنے قریب بٹھاتے اور ان سے فرماتے:

"لَقَدْ أَعْضَلَ عَلَيْنَا أَمْرٌ أَنْتَ لَهُ وَلِأَمْثَالِهِ."

ترجمہ: "ہمیں اس وقت ایک پیچیدہ مسئلہ پیش آیا ہے۔ اس کو اور اس جیسے دوسرے مسائل کو تم ہی حل کر سکتے ہو۔"

ایک بار تو نوعمری کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آگے بڑھانے اور ان کو اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے برابر کرنے کے معاملے میں ان کے اوپر اعتراض بھی کیا گیا۔ مگر انہوں نے یہ جواب دے کر اعتراض کرنے والے کا منہ بند کر دیا:

"إِنَّهُ فَتَى الْكُهُوْلِ لَهُ لِسَانٌ سَئُوْلٌ وَقَلْبٌ عَقُوْلٌ."

ترجمہ: "اس نوجوان کے پاس بوڑھوں جیسا تجربہ ہے، اس کے پاس سوال کرنے والی زبان اور سمجھ دار دل ہے۔"

عوام کے لیے وعظ ونصیحت کی مجلسیں منعقد کرنا

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا خواص (اور طالبین) کی تعلیم میں مصروف ہونے کے باوجود عام (اور غیر طالبین) مسلمانوں کے حق سے غافل نہیں تھے۔ اور عوام کے لیے وعظ و نصیحت کی مجلسیں برابر منعقد کیا کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے اپنی ایک مجلس میں گناہ کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا صَاحِبَ الذَّنْبِ لَا تَأْمَنْ عَاقِبَةَ ذَنْبِكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ مَا يَتْبَعُ الذَّنْبَ أَعْظَمُ مِنَ الذَّنْبِ نَفْسِهٖ. فَإِنَّ عَدَمَ اسْتِحْيَائِكَ مِمَّنْ عَلٰى يَمِيْنِكَ وَعَلٰى شِمَالِكَ وَأَنْتَ تَقْتَرِفُ الذَّنْبَ لَا يَقِلُّ عَنِ الذَّنْبِ. وَ إِنَّ ضِحْكَكَ عِنْدَ الذَّنْبِ وَأَنْتَ لَا تَدْرِيْ مَا اللّٰهُ صَانِعٌ بِكَ أَعْظَمُ مِنَ الذَّنْبِ. وَ إِنَّ فَرَحَكَ بِالذَّنْبِ إِذَا ظَفِرْتَ بِهٖ أَعْظَمُ مِنَ الذَّنْبِ. وَ إِنَّ حُزْنَكَ عَلَى الذَّنْبِ إِذَا فَاتَكَ أَعْظَمُ مِنَ الذَّنْبِ. وَ إِنَّ خَوْفَكَ مِنَ الرِّيْحِ إِذَا حَرَّكَتْ سِتْرَكَ، وَأَنْتَ تَرْتَكِبُ الذَّنْبَ مَعَ كَوْنِكَ لَا يَضْطَرِبُ فُؤَادُكَ مِنْ نَظَرِ اللّٰهِ إِلَيْكَ أَعْظَمُ مِنَ الذَّنْبِ."

تَرجَمَہ: "اے گناہ کرنے والے! اپنے گناہوں کے انجام سے غافل نہ رہ۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ گناہ کا نتیجہ خود گناہ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اور یہ بھی سمجھ لے کہ گناہ کرتے وقت اپنے دائیں بائیں موجود فرشتوں سے تیرا شرم نہ کرنا گناہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اور گناہ کرتے وقت تیرا ہنسنا، گناہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ حالاں کہ تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ اسی طرح گناہ کرتے وقت گناہ میں کامیابی پر تیرا خوش ہونا، گناہ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور گناہ میں ناکام ہو جانے پر تیرا افسوس کرنا، گناہ سے زیادہ مہلک ہے۔ اور گناہ کرتے وقت (تو مخلوق سے تو اتنا ڈرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے)، اگر ہوا پردے کو ہلا دے تو تو گناہ چھوڑ دیتا ہے کہ شاید کوئی آیا لیکن تیرا یقین اتنا کم زور ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی ذات عالی کا تجھے تصور بھی نہ رہا کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ تیرے دل میں خوف و بے چینی کی ہلکی سی لہر کا پیدا نہ ہونا بھی گناہ سے بڑھ کر ہے۔"

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی عبادت کا حال

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ان لوگوں میں سے نہیں تھے کہ جو دوسروں کو تو بھلائیوں اور نیک باتوں

کا حکم دیں اور خود ان پر عمل نہ کریں۔ دوسروں کو گناہوں سے بچنے کی تلقین کریں اور خود ان کا ارتکاب کریں۔ بل کہ وہ دن کو بکثرت روزے رکھتے اور راتوں کو طویل قیام کرتے تھے۔

مشہور تابعی عبداللہ بن ملیکہ رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ساتھ مکّہ معظمہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ دوران سفر جب ہم کسی جگہ ٹھہرتے تو اور لوگ تو تھکاوٹ کی وجہ سے سو جاتے مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک رات کو وہ آیۂ کریمہ:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَالِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾[1]

ترجمہ: ''اور موت کی تکلیف سختی، حق کے ساتھ آ پہنچی، یہ وہی (موت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

کی تلاوت کر رہے ہیں، وہ مسلسل اسی آیت کو پڑھتے اور روتے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔

اس سب کے بعد ہمارے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہایت خوب صورت شخص تھے۔ لیکن خدا کے خوف کی وجہ سے آنسوؤں کی مسلسل روانی سے ان کے نرم و نازک رخساروں پر دو پتلی پتلی نالیاں سے بن گئی تھیں جن کو بعض لوگ جوتے کے تسموں سے تشبیہ دیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ علمی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علم و فضل کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سال خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ اسی سال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حج کے ارادے سے نکلے تھے۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کوئی حکومتی عہدہ نہیں تھا۔ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حکومت کا ایک وفد چل رہا تھا اور ایک مجمع حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ چل رہا تھا جو طالب علموں پر مشتمل تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ چلنے والی جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چلنے والی جماعت سے بڑی تھی اور یہ شان و عظمت آپ کو علمی مقام کی وجہ سے

---

[1] ق: ۱۹

حاصل ہوئی۔

وفات

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اکہتر (۷۱) سال کی عمر عطا فرمائی۔ اس مدت میں انہوں نے دنیا کو علم وحکمت سے بھر دیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی نمازِ جنازہ حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی اور اس میں اس وقت موجود صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے شرکت کی۔

جس وقت لوگ ان کی قبر پر مٹی ڈال رہے تھے، انہوں نے کسی پڑھنے والے کو یہ آیت پڑھتے سنا:

﴿يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝﴾[1]

ترجمہ: "اے نفسِ مطمئن، چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"

فوائد ونصائح

باادب بانصیب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ساری زندگی ہم سب مسلمانوں کے لیے بالعموم اور علماء کرام اور عزیز طلبہ کے لیے بالخصوص ایک مثالی اور قابلِ تقلید زندگی ہے۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ کی یہی شان ہے کہ ان کی مبارک زندگیاں ہم سب کے لیے نمونہ اور مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذکورہ واقعے سے بھی ہمیں بڑے قیمتی سبق ملتے ہیں چناں چہ ذیل میں ان میں سے چند ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلا سبق یہ کہ ہم اپنے بڑوں کا ادب کرنے والے ہوں اور اپنے اساتذہ کی قدر اور ان کا احترام بجالانے

---

[1] الفجر: ۲۷ - ۳۰

والے ہوں اور کامیاب انسان یا کامیاب طالب علم بننے کے لیے تو ادب کا ہونا بہت ہی زیادہ ضروری ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور قرآن کی تفسیر کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے یہاں تک کہ آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کو اِمَامُ الْمُفَسِّرِین یعنی مفسرین کا امام کہا گیا ہے۔

یہ بلند و بالا مقام آپ کو ادب کے صلے میں ملا۔

لہٰذا آج سے ہم بھی نیت کریں کہ ہم اپنے بڑوں کی قدر اور ان کا خوب ادب کریں گے۔

محنت اور لگن سے کام کیجیے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا کے واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہم محنت اور لگن سے کام کرنے والے ہوں اور حقیقت ہے کہ بدونِ محنت اور لگن کے کچھ بھی نہیں ہوتا، اور یہ عام سی بات ہے کہ ہر چیز میں محنت اور لگن کی بڑی سخت ضرورت ہوتی ہے اور پھر علم کی شان ہی الگ ہے کہ علم میں تو محنت ہی محنت اور لگن ہی لگن ہے۔ اس لیے ہم اپنی عادت ایسی بنا ڈالیں کہ ہم ہر کام محنت اور لگن سے کرنے والے بنیں۔

خاص کر اگر ہم طالب علم ہوں تو محنت ہی محنت کرتے رہیں۔ اور اپنی طبیعت کو محنت کا عادی بنانے کے لیے اوّل تو مطالعہ خوب کریں اپنے اکابر اور بڑوں کے حالات کو پڑھیں اس سے ان شاء اللّٰہ کافی جذبہ بیدار ہوگا، تابعین رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالیٰ ہمارے اکابر ہیں اس لیے ان کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ بڑی حد تک مفید ثابت ہوگا۔

ادارہ دارالہدیٰ نے تابعین رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالیٰ کے مبارک حالات پر مشتمل ایک انتہائی آسان اور دل چسپ کتاب بنام ”تابعین رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالیٰ کے واقعات“ شائع کی ہے، ہدایت کی نیت سے ضرور اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اپنی طبیعت کو محنت کا عادی بنانے کے لیے دوسرا کام یہ کریں کہ اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگیں عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ سے ہم مانگتے رہیں۔ اس لیے کہ جب اللہ کا فضل ہمارے شاملِ حال ہو جائے تو ان شاء اللّٰہ پھر سارے معاملات خود بخود درست ہوتے چلے جائیں۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیجیے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہم گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں

---

[1] ادارہ دارالہدیٰ نے ایک کتاب بنام ”کامیاب طالب علم“ شائع کی ہے جس میں ادب کے عنوان سے بہت ساری قیمتی باتیں جمع کی گئی ہیں۔ محترم قاری! اگر آپ طالب علم ہیں یا آپ کا کوئی عزیز طالب علم ہو تو یہ کتاب ضرور خرید کر ہدایت کی نیت سے پڑھیں اور پڑھوائیں۔

گناہ کے سارے کام اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ناراض کرنے والے کام ہیں جب کہ نیکیوں کے سارے کام اللہ تعالیٰ کو اور اللہ کے رسول ﷺ کو خوش کرنے والے کام ہیں، ہم سب الحمدللہ مسلمان ہیں اس لیے ہم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو خوش کرنے والے ہیں، اس لیے گناہوں سے بچنے میں ہمتِ مردانہ اور قوتِ شیرانہ سے کام لیجیے اور نیت کریں کہ ہم کسی حال میں گناہ کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔

گناہوں کی نفرت دل میں مزید بڑھانے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چند نصائح (جو ان کے حالات میں گزر چکے ہیں) بار بار پڑھیے اور گناہ والی زندگی کو چھوڑنے کا پختہ عزم کیجیے۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا بھی خوب اہتمام ہو کہ بغیر اللہ کے فضل و کرم کے کچھ بھی ممکن نہیں۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رات بھر ایک آیت کی تلاوت فرماتے رہے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے؟ اور وہ آیت کون سی سورت میں ہے؟ اور وہ سورت کون سے پارے میں ہے؟

سُؤال: جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض ہوا کہ ایک چھوٹی عمر کے جوان کو آپ بڑی عمر والوں پر ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے جو جواب دیا تھا وہ عربی میں سنائیے۔

سُؤال: آپ نے علم حاصل کرنے کے لیے جو کوشش فرمائی اس کا ایک واقعہ بتائیے۔

سُؤال: حضور اکرم ﷺ نے آپ کے لیے کن الفاظ میں دعا فرمائی؟

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"إِنَّ لِلْاِيْمَانِ بُيُوْتًا، وَلِلنِّفَاقِ بُيُوْتًا، وَ إِنَّ بَيْتَ بَنِيْ مُقَرِّنْ مِنْ بُيُوْتِ الْاِيْمَانِ" (عبداللہ بن مسعود)
ترجمہ: "کچھ گھر ایمان کے گہوارے ہوتے ہیں اور کچھ نفاق کے، بلاشبہ بنی مقرن کا گھر ایمان کا گہوارہ ہے۔"

قبولِ اسلام کا واقعہ

قبیلہ بنو مزنیہ کی بستیاں یثرب (مدینہ) کے قریب ہی اس راستے پر واقع تھیں جو مدینہ طیبہ اور مکّہ معظمہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔ اور مکّہ مکرّمہ سے مدینہ منورہ آنے جانے والوں کے ذریعے آپ ﷺ کے حالات برابر مزنیہ والوں تک پہنچتے رہتے تھے۔ اور ہر آنے جانے والے سے اسلام اور آپ ﷺ کے متعلق خیر ہی کی باتیں سنتے تھے۔

ایک شام رات کے وقت قبیلہ مزنیہ کے سردار حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مجلس میں اپنے بھائیوں اور قبیلے کے دوسرے بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے (نعمان کے گیارہ سگے بھائی تھے)۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا قَوْمِ، وَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَنْ مُحَمَّدٍ إِلَّا خَيْرًا، وَلَا سَمِعْنَا مِنْ دَعْوَتِهٖ إِلَّا مَرْحَمَةً وَ إِحْسَانًا وعَدْلاً، فَمَا بَالُنَا نُبْطِيءُ عَنْهُ، وَالنَّاسُ إِلَيْهِ يُسْرِعُوْنَ؟"

ترجمہ: "خدا کی قسم! اب تک محمد ﷺ کی شخصیت کے بارے میں صرف خیر اور بھلائی کی باتیں ہی ہمارے علم میں آئی ہیں اور ان کی دعوت کے متعلق ہم نے اب تک صرف رحمت اور احسان وعدل کی باتیں ہی سنی ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ ان کی دعوت کو قبول کرنے میں دیر کر رہے ہیں جب کہ دوسرے لوگ تیزی کے ساتھ اس دعوت کی طرف لپک رہے ہیں؟"

انہوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

"میں تو یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ صبح ہوتے ہی ان کے پاس چلا جاؤں گا۔ تم میں سے جو لوگ میرے ساتھ چلنا چاہیں وہ تیار ہو جائیں۔"

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں پورے قبیلے والوں کے دلوں میں گھر کر گئیں۔ انہوں نے صبح کو دیکھا کہ ان کے دسوں بھائی اور بنو مزنیہ کے چار سو افراد ان کے ساتھ مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اور اللہ کے دین میں داخل ہونے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

مگر حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنے بڑے وفد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے کوئی ہدیہ ساتھ لیے بغیر خالی ہاتھ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے میں شرم محسوس ہو رہی تھی، لیکن مشکل یہ تھی کہ پچھلے سال اللہ کے حکم سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی نے بنو مزنیہ قبیلے کی تمام فصلوں اور مویشیوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اپنے اور اپنے بھائیوں کے گھروں کے چکر لگائے اور ان تمام بکریوں کو اکٹھا کیا جو قحط سے بچ گئی تھیں۔

وہ انہیں اپنے آگے آگے لے جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے قبیلے والوں کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر مدینے میں مسلمانوں کے گھروں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس لیے کہ اب تک عرب کے کسی ایک گھر کے گیارہ سگے بھائی اور ان کے ساتھ چار سو افرادِ قبیلہ ایک ہی وقت میں اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے بے حد خوش ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے اس وفد کے تحائف کو بھی قبول فرمایا اور ان کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾[1]

ترجمہ: ”اور انہی دیہاتیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! وہ ضرور ان کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ ضرور ان

---

[1] التوبۃ: ۹۹

کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

یزدجرد کے سامنے تقریر کرنا

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دین پھیلانے کی محنت میں لگ گئے اور وہ کسی تاخیر اور کوتاہی کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام سفروں میں شریک ہوتے رہے۔ اور جب خلافت کی ذمہ داریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر آن پڑیں تو حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے قبیلہ مزنیہ نے خلوص و ایمان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا اور فتنہ ارتداد کے ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت سنبھالی تو ان کے دور میں بھی انہوں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے جن کو تاریخ کے صفحات ہمیشہ اچھائیوں اور بھلائیوں کے ساتھ یاد رکھیں گے۔

قادسیہ میں ایرانیوں کے ساتھ جنگ سے چند روز پہلے مسلمانوں کی جماعت کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک وفد کسریٰ (ایران) کے بادشاہ یزدجرد کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ وفد اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔ جب یہ وفد ایران کے دارالحکومت مدائن پہنچا تو اس نے شاہی دربار میں داخلے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ یزدجرد نے انہیں اجازت دی پھر اپنے ترجمان کو بلا کر اس سے کہا:

”سَلْهُمْ: مَا الَّذِيْ جَاءَ بِكُمْ إِلٰى دِيَارِنَا وَأَغْرَاكُمْ بِغَزْوِنَا؟ لَعَلَّكُمْ طَمِعْتُمْ بِنَا وَاجْتَرَأْتُمْ عَلَيْنَا لِأَنَّنَا تَشَاغَلْنَا عَنْكُمْ، وَلَمْ نَشَأْ أَنْ نَبْطِشَ بِكُمْ.“

تَرجَمَہ: ”ان سے دریافت کرو کہ تم ہمارے ملک میں کس غرض سے آئے ہو! اور کس چیز نے تمہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا ہے۔؟ شاید تم لوگوں کی ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی جرأت اور اس پر قبضہ کرنے کی لالچ اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ہم اپنی مصروفیات کے باعث تمہاری طرف سے غافل ہو گئے؟“

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

”إِنْ شِئْتُمْ أَجَبْتُهُ عَنْكُمْ، وَ إِنْ شَاءَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَتَكَلَّمَ آثَرْتُهُ بِالْكَلَامِ.“

تَرجَمَہ: ”اگر تم لوگ چاہو تو میں تمہاری طرف سے جواب دوں، اور اگر تم میں سے کوئی بولنا چاہتا ہو تو میں اسے اپنے آپ پر ترجیح دوں گا۔“

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

"بل تَكَلَّمْ، ثُمَّ الْتَفَتُوْا إِلٰى كِسْرٰى وَقَالُوْا: هٰذَا الرَّجُلُ يَتَكَلَّمُ بِلِسَانِنَا فَاسْتَمِعْ إِلٰى مَا يَقُوْلُ."

تَرْجَمَہ: "نہیں آپ ہی جواب دیں۔ اور پھر ان لوگوں نے کسریٰ (یزدجرد) کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا یہ ہم سب لوگوں کی طرف سے جواب دیں گے۔ تم ان کی باتیں بغور سنو۔"

حضرت نعمان بن مقرن رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجا اور پھر فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ رَحِمَنَا فَأَرْسَلَ إِلَيْنَا رَسُوْلاً يَدُلُّنَا عَلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُنَا بِهٖ، وَيُعَرِّفُنَا الشَّرَّ وَيَنْهَانَا عَنْهُ. وَوَعَدَنَا. إِنْ أَجَبْنَاهُ إِلٰى مَا دَعَانَا إِلَيْهِ. أَنْ يُّعْطِيَنَا اللّٰهُ خَيْرَى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. فَمَا هُوَ إِلَّا قَلِيْلٌ حَتّٰى بَدَّلَ اللّٰهُ ضِيْقَنَا سَعَةً، وَذِلَّتَنَا عِزَّةً. وَعَدَاوَاتِنَا إِخَاءً وَمَرْحَمَةً. وَقَدْ أَمَرَنَا أَنْ نَدْعُوَ النَّاسَ إِلٰى مَا فِيْهِ خَيْرُ هُمْ وَاَنْ نَّبْدَأَ بِمَنْ يُّجَاوِرُنَا. فَنَحْنُ نَدْعُوْكُمْ إِلَى الدُّخُوْلِ فِيْ دِيْنِنَا، وَهُوَ دِيْنٌ حَسَّنَ الْحَسَنَ كُلَّهُ وَحَضَّ عَلَيْهِ، وَقَبَّحَ الْقَبِيْحَ كُلَّهُ وَحَذَّرَ مِنْهُ. وَهُوَ يَنْقُلُ مُعْتَقِيْهِ مِنْ ظَلَامِ الْكُفْرِ وَجَوْرِهٖ إِلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ وَعَدْلِهٖ."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر رحم فرمایا۔ ہمارے پاس ایک رسول بھیجا جس نے بھلائی کے کاموں کی طرف (ہماری) رہنمائی کی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ہمیں بری باتوں کی برائی سے آگاہ کیا اور اس کے کرنے سے روکا۔ اور ہم سے اس بات کا وعدہ فرمایا کہ اگر ہم اس کی دعوت قبول کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرمائے گا۔ ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور زیادہ مدت نہیں گزری کہ تھوڑے ہی عرصے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری تنگی کو کشادگی سے، ہماری ذلت کو عزت سے اور ہماری آپس کی دشمنی کو بھائی چارگی اور محبت اور رحمت میں تبدیل کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اس بات کا بھی حکم دیا کہ ہم دوسرے لوگوں کو بھی اس دین کی دعوت دیں جس میں ان کی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے۔ انہوں نے ہم کو اس بات کا بھی حکم دیا کہ ہم اس دعوت کو اپنے پڑوس کے لوگوں سے شروع کریں۔ اس لیے ہم تم لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جس نے ساری بھلائی کی باتوں

کو بھلائی قرار دیا ہے اور ان کی قبولیت پر ابھارا ہے اور تمام برائیوں کو برائی قرار دیا ہے اور ان سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ وہ اپنے قبول کرنے والوں کو کفر اور ظلم و ستم کے اندھیروں سے نکال کر نور ایمان اور عدل و انصاف کی روشنی میں داخل کرتا ہے۔"

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فرمایا:

"اگر تم ہماری دعوت کو قبول کر لو گے تو ہم تمہارے سامنے اللہ کی کتاب کو پیش کریں گے اور تم کو اس پر قائم کریں گے تاکہ تم اس کے مطابق حکومت کرو اور پھر ہم تم کو تمہارے حال پر چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے خدا کے دین میں داخل ہونے سے انکار کیا تو ہم تم سے جزیہ (ٹیکس) وصول کریں گے اور اس کے بدلے میں تمہاری حفاظت اور حمایت کریں گے اور اگر تم نے جزیہ دینے سے انکار کیا تو پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدجرد کا غصے میں جواب دینا

یزدجرد حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تقریر سن کر غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور بولا:

"إِنِّيْ لَا أَعْلَمُ أُمَّةً فِي الْأَرْضِ كَانَتْ أَشْقٰى مِنْكُمْ وَلَا أَقَلَّ عَدَدًا، وَلَا أَشَدَّ فُرْقَةً، وَلَا أَسْوَأَ حَالاً."

تَرْجَمَہ: "میں روئے زمین پر کسی ایسی قوم کو نہیں جانتا جو تم سے زیادہ بدبخت، تم سے زیادہ تھوڑی تعداد والی اور بدحال ہو۔"

ہم تمہارے معاملے کو اپنے سرحدی حاکموں کے حوالے کر دیتے تھے جو تمہیں ہمارے حکم ماننے پر تیار کرتے تھے۔

پھر اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"فَإِنْ كَانَتِ الْحَاجَةُ هِيَ الَّتِيْ دَفَعَتْكُمْ إِلَى الْمَجِيْءِ إِلَيْنَا أَمَرْنَا لَكُمْ بِقُوْتٍ إِلٰى أَنْ تُخْصِبَ دِيَارُكُمْ، وَكَسَوْنَا سَادَتَكُمْ وَوُجُوهَ قَوْمِكُمْ، وَمَلَّكْنَا عَلَيْكُمْ مَلِكًا مِّنْ قِبَلِنَا يَرْفِقُ بِكُمْ."

تَرْجَمَہ: "اگر تم اپنی غربت اور فقیری کی وجہ سے مجبور ہو کر ادھر آئے ہو تو ہم تمہارے علاقے میں خوش حالی اور عیش و عشرت کے واپس آنے تک تمہاری ضروریات کا بندوبست کر دیں گے، تمہاری

قوم کے سرداروں کو اچھے اچھے انعامات اور تحفوں سے نوازیں گے اور تمہارے اوپر اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو حاکم مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ اچھائی اور نرمی سے پیش آئے گا۔“

جماعت کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اس کی اس بات کا ایسا سخت اور منہ توڑ جواب دیا کہ جس کو سن کر اس کے غصے کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی اس نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا:

”لَوْ لَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَقَتَلْتُكُمْ قُوْمُوْا فَلَيْسَ لَكُمْ شَيْءٌ عِنْدِيْ، وَأَخْبِرُوْا قَائِدَكُمْ أَنِّيْ مُرْسِلٌ إِلَيْهِ رُسْتُمَ حَتّٰى يَدْفِنَهٗ وَيَدْفِنَكُمْ مَعًا فِيْ خَنْدَقِ الْقَادِسِيَّةِ.“

تَرْجَمَۃ: ”اگر قاصدوں کا قتل غلط نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو قتل کرا دیتا۔ اٹھو اور چلے جاؤ یہاں سے۔ اب میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ اور جا کر اپنے سردار کو بتا دینا کہ میں اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے رستم کو بھیج رہا ہوں جو اسے اور تم سب کو ایک ساتھ قادسیہ کے خندق میں دفن کر دے گا۔“

پھر اس نے مٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری لانے کا حکم دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا:

”حَمِّلُوْهُ عَلٰى أَشْرَفِ هٰؤُلَاءِ، وَسُوْقُوْهُ أَمَامَكُمْ عَلٰى مَرْأًى مِّنَ النَّاسِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ أَبْوَابِ عَاصِمَةِ مُلْكِنَا.“

تَرْجَمَۃ: ”کہ یہ ٹوکری اس شخص کے سر پر رکھ دی جائے جو ان میں سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ اور انہیں لوگوں کی نظروں کے سامنے شہر کے دروازوں کے باہر نکال دیا جائے۔“

انہوں نے وفد سے پوچھا:

”مَنْ أَشْرَفُكُمْ؟“

تَرْجَمَۃ: ”تم میں سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟“

حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلدی سے کہا۔ ”میں۔“

یزدجرد کے آدمیوں نے مٹی سے بھری ہوئی وہ ٹوکری ان کے سر پر رکھ دی۔ اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ٹوکری لے کر مدائن سے نکل گئے۔ پھر اس ٹوکری کو اپنی اونٹنی پر رکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لائے، اور ان کو اس بات کی خوش خبری دی کہ اللہ تعالیٰ جلد مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا اور ایران کی زمین پر ان کو قبضہ دے گا۔

اس کے بعد قادسیہ کا وہ زبردست واقعہ پیش آیا جس نے مورچوں کو لاشوں سے بھر دیا۔ لیکن وہ لاشیں

مسلمان فوجیوں کی نہیں، کسریٰ کے فوجیوں کی تھیں۔

قادسیہ کی عبرت ناک شکست کے بعد بھی ایرانیوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ انہوں نے دوبارہ اپنی بکھری ہوئی فوج کو جمع کرنا شروع کر دیا اور نئے سرے سے ان کو ترتیب دیا، یہاں تک کہ منتخب اور تجربہ کار سپاہیوں پر مشتمل ایک بہترین فوج تیار ہوگئی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔

حضرت نعمان کی امارت میں ایرانیوں سے جنگ

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایرانیوں کی ان فوجی تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس عظیم خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان جنگ پر خود جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کسی قابل اعتماد شخص کو امیر بنا دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"أَشِيْرُوْا عَلَيَّ بِرَجُلٍ لِأُوَلِّيَهُ ذٰلِكَ الثَّغْرَ."

تَرْجَمَۃ: "تو پھر مجھے کسی ایسے آدمی کے متعلق مشورہ دو جس کو (پورے اعتماد کے ساتھ) یہ زبردست ذمہ داری حوالہ کی جاسکے۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا:

"أَنْتَ أَعْلَمُ بِجُنْدِكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرْجَمَۃ: "امیر المؤمنین! آپ اپنی فوج کو (ہم سے زیادہ) بہتر طور پر جانتے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ لَأُوَلِّيَنَّ عَلٰى جُنْدِ الْمُسْلِمِيْنَ رَجُلاً يَكُوْنُ إِذَا الْتَقَى الْجَمْعَانِ. أَسْبَقَ مِنَ الْأَسِنَّةِ، هُوَ النُّعْمَانُ بْنُ مُقَرِّنٍ الْمُزَنِيُّ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! میں مجاہدین کے لشکر پر ایک ایسے شخص کو امیر بنا دوں گا جو دو فوجوں میں گھمسان کی جنگ کے وقت نیزے کی نوک سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ لپکنے والا ہے۔ وہ نعمان بن مقرن مزنی ہیں۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا۔ "یقیناً وہ اس مہم کے لیے آپ کا مناسب ترین انتخاب ہیں۔" اس

کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا:

”مِنْ عَبْدِاللّٰهِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ. أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ جُمُوْعًا مِنَ الْأَعَاجِمِ كَثِيْرَةً قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ بِمَدِيْنَةِ (نَهَاوَنْد)، فَإِذَا أَتَاكَ كِتَابِي هٰذَا فَسِرْ بِأَمْرِاللّٰهِ، وَبِعَوْنِ اللّٰهِ، وَبِنَصْرِ اللّٰهِ بِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا تُوْطِئْهُمْ وَعْرًا فَتُؤْذِيَهُمْ ...... فَإِنَّ رَجُلًا وَاحِدًا مِنَ الْمُسْلِمِيْن أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ دِيْنَارٍ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.“

تَرجَمَہ: ”اللہ کے بندے عمر بن خطاب کی طرف سے نعمان بن مقرن کے نام۔

امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایرانیوں کا ایک زبردست فوجی دستہ تمہارے مقابلے کے لیے نہاوند میں جمع ہوا ہے۔ جب میرا یہ خط تم کو ملے تو لشکر مجاہدین کو اپنے ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی نصرت و مدد پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے ان کے مقابلے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

اور دیکھو! مسلمانوں کو لے کر کسی تکلیف دہ راستے سے ہرگز سفر نہ کرنا جس سے وہ تکلیف و اذیت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا ہر ہر فرد میرے نزدیک ایک ایک لاکھ دینار سے زیادہ قیمتی اور محبوب ہے۔ والسلام علیک۔“

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خط ملا تو وہ اپنے لشکر کو لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ انہوں نے مجاہدین کا ایک دستہ سب سے آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرتا جائے۔ جب مجاہدین کا یہ دستہ ”نہاوند“ کے قریب پہنچا تو ایک جگہ پہنچ کر ان کے گھوڑے رک گئے۔ مجاہدین نے انہیں آگے بڑھانے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ اسی جگہ جمے رہے اور ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ معاملے کی تحقیق کے لیے نیچے اترے۔ دیکھا تو گھوڑں کے پاؤں میں لوہے کے کانٹے چبھے ہوئے ہیں۔ جو کیلوں کے سروں سے مشابہ ہیں۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ ایرانیوں نے زمین پر ”نہاوند“ کی طرف جانے والے تمام راستوں میں لوہے کے یہ نوک دار کانٹے بکھیر رکھے ہیں۔ تاکہ سواروں اور پیدل چلنے والوں کو ”نہاوند“ تک پہنچنے سے باز رکھیں۔

حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگی حکمت عملی

مجاہدین نے یہ صورت حال حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھجوائی اور ان سے اس بات کی

خواہش ظاہر کی کہ وہ اس سلسلے میں انہیں اپنی رائے عنایت فرمائیں۔

حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حکم بھیجا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔ اور رات کے وقت آگ روشن کریں تاکہ دشمن انہیں دیکھ لیں، اس کے بعد بظاہر دشمن سے ڈرتے ہوئے پیچھے بھاگیں تاکہ دشمن ان پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھیں اور لوہے کے جو کانٹے انہوں نے بکھیر رکھے ہیں ان سے راستوں کو صاف کرادیں۔

حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حکمت والی بات کامیاب ثابت ہوئی۔ ایرانیوں نے جیسے ہی یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا یہ دستہ ان کے سامنے سے شکست کھا کر پسپا ہو رہا ہے تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو ان راستوں کی صفائی کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اور انہوں نے جھاڑو دے کر تمام راستوں کو ان کانٹوں سے صاف کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان تیزی سے مڑے اور تمام راستوں پر قابض ہو گئے۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوج کے ساتھ ''نہاوند'' کے بالائی حصے کی طرف اپنا خیمہ لگا لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ دشمن پر اس کی بے خبری کے عالم میں اچانک حملہ کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے اپنے فوجیوں سے فرمایا:

''إِنِّیْ مُكَبِّرٌ ثَلَاثًا، فَإِذَا كَبَّرْتُ الْأُوْلٰى فَلْيَتَهَيَّأْ مَنْ لَمْ يَكُنْ قَدْ تَهَيَّأَ، وَ إِذَا كَبَّرْتُ الثَّانِيَةَ فَلْيَشْدُدْ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ سِلَاحَهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ، فَإِذَا كَبَّرْتُ الثَّالِثَةَ، فَإِنِّیْ حَامِلٌ عَلٰى أَعْدَاءِ اللّٰهِ فَاحْمِلُوْا مَعِیْ.''

ترجمہ: ''میں تین تکبیریں کہوں گا۔ جب میں پہلی تکبیر کہوں تو جو شخص تیار نہ ہو تیار ہو جائے۔ جب دوسری تکبیر کہوں تو تم میں سے ہر شخص اپنی اپنی تلوار نیام (غلاف) سے نکال لے۔ اور تیسری تکبیر کہتے ہی میں ان دشمنانِ خدا پر حملہ کر دوں گا۔ اسی وقت تم لوگ بھی میرے ساتھ حملہ کر دینا۔''

ایرانیوں کی شکست اور حضرت نعمان کی شہادت

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پے در پے تین تکبیریں کہیں۔ اور آخری تکبیر کے ساتھ ہی وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر جھپٹ پڑے۔ ان کے پیچھے ہی مسلمانوں کا لشکر بھی سیلاب کی طرح تیزی کے ساتھ بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔ اور پھر دونوں فوجیں آپس میں ٹکرائیں، ان کے درمیان ایسی خون ریز اور ہلاکت خیز جنگ چھڑ گئی جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم گزری ہوگی۔ آخر کار ایرانیوں کا لشکر

بری طرح شکست کھا کر بھاگ گیا۔ میدانِ ''نہاوند'' کی ہر جگہ ان کے فوجیوں کی لاشوں سے بھر گئی اور ان کا خون تمام راستوں میں بہنے لگا۔

حضرت نعمان بن مقرن رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا گھوڑا اس میں پھسل کر گر پڑا جس سے حضرت نعمان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ گر کر شدید زخمی ہو گئے۔ اور آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن.''

ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور ان کی لاش کو ایک چادر سے چھپا دیا۔ اور ان کی شہادت کو مسلمانوں سے چھپائے رکھا۔ جب یہ فتح عظیم اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی جس کو مسلمانوں نے (فتح الفتوح) کا نام دیا تھا۔ تو کامیاب فوجیوں نے اپنے بہادر سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرن رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے متعلق دریافت کیا۔ تو ان کے بھائی نے ان کی لاش سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا:

''هٰذَا أَمِيْرُ كُمْ، قَدْ أَقَرَّ اللّٰهُ عَيْنَهٗ بِالْفَتْحِ، وَخَتَمَ لَهٗ بِالشَّهَادَةِ.''

تَرْجَمَۃ: ''یہ تمہارے امیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فتح سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی ہے اور آخر کار انہیں دولت شہادت سے نوازا ہے۔''

فوائد و نصائح

جہاد کا مقصد دعوت دینا ہے

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے نائب تھے، وہ جہاں بھی جاتے تھے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ خود نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿دَاعِيًا اِلَى اللّٰه.﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ''وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔''

اس لیے یہ بات ہمیں خوب سمجھ لینی چاہیے کہ ہم جہاں بھی جائیں اور جس کو بھی بھیجیں، اصل مقصد ہمارا دعوت الی اللہ ہو۔ صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ جب بھی جہاد میں جاتے تو پہلے کافروں کو دعوت دیتے تھے۔ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ایک جماعت بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس جماعت کا مقصد یوں بیان کیا:

''أَرْسَلَ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَائِدُ جُيُوْشِ الْمُسْلِمِيْنَ وَفْدًا إِلٰى كِسْرٰى يَزْدَ جُرْدَ

---

[1] الاحزاب: ٤٦

بِرِئَاسَةِ النُّعْمَانِ بنِ مُقَرِّنٍ لِيَدْعُوْهُ إِلَى الْإِسْلَامِ."

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں شاہِ ایران یزدجرد کی طرف ایک وفد بھیجا تا کہ وہ اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔''

پھر جب حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے بادشاہ یزدجرد سے بات کی تو فرمایا:

''وَقَدْ أَمَرَنَا أَنْ نَّدْعُو النَّاسَ إِلٰى مَا فِيْهِ خَيْرُهُمْ وأَنْ نَبْدأَ بِمَنْ يُجَاوِرُنَا فَنَحْنُ نَدْعُوْكُمْ إِلَى الدُّخُوْلِ فِيْ دِيْنِنَا."

ترجمہ: ''اور انہوں نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو خیر و برکت کی طرف دعوت دیں، اور اپنے ہم سائیوں سے اس کی ابتداء کریں، ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ تم ہمارے مذہب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

اخیر تک انہوں نے دعوت دی، گئے ہیں جہاد کے لیے لیکن جہاد کا بھی اصل مقصد دعوت دینا ہے۔ جہاد کے اندر جو حسن اور خوبی پائی جاتی ہے وہ دعوت ہی کی وجہ سے ہے اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو داعی بننا ہوگا۔ آج ہمارے جتنے دوست رشتہ دار امریکہ یورپ جاتے ہیں اگر یہ سب داعی بن کر جائیں اور وہاں دعوت کا کام کریں تو دین اسلام کتنا زیادہ پھیل جائے۔ ہمارا ایک ایک مسلمان اگر کم از کم چار کافروں کو دعوت دے کر مسلمان بنا لے تو دنیا میں کوئی کافر نہ رہے۔ اسی طرح جو کچے مسلمان ہو گئے یا جو نام کے صرف مسلمان ہیں ان کو پکا مسلمان بنانے کی محنت کرنے میں ہم لگ جائیں تو سو فیصد اسلام پورے معاشرے میں زندہ ہو سکتا ہے۔

مُذاکِرہ

سوال: حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کتنے لوگ مسلمان ہوئے اور ان کے حق میں کون سی آیت نازل ہوئی؟

سوال: حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مٹی کی ٹوکری لے کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا خوش خبری دی؟

سوال: مجاہدین کا فوجی دستہ جب نہاوند کے قریب پہنچا تو ان کے گھوڑے اچانک کیوں رک گئے؟

سوال: حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے شہید ہوئے؟

حضرت صہیب رومی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰ...... رَبِحَ الْبَيْعُ ......" (محمد رسول اللّٰه)
تَرْجَمَہ: "اے ابو یحییٰ! یہ بیع (سودا) تمہارے لیے بہت نفع بخش رہی۔"

تعارف

ہم میں سے کون ایسا ہوگا جو حضرت صہیب رومی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نہ پہچانتا ہو یا ان کی زندگی کے حالات سے واقف نہ ہو، بل کہ کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہوگا۔ البتہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو شاید اس بات کا علم نہ ہو کہ حضرت صہیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، رومی نہیں تھے بل کہ عربی تھے۔

ان کے والد کا تعلق قبیلہ بنو نمیر اور ان کی والدہ کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ اور دونوں قبیلے عرب کے تھے۔ والد کی جانب سے نمیری اور والدہ کی جانب سے تمیمی تھے۔ حضرت صہیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روم کی طرف کیسے منسوب ہوئے، یعنی انہیں رومی کیوں کہا جاتا ہے یہ ایک نہ بھولنے والا قصہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بعثت سے تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہے، کسریٰ (ایران) کے بادشاہ کی طرف سے سنان بن مالک النمیری "ابلہ شہر" کا گورنر تھا۔ وہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت اپنے پانچ سالہ بچے صہیب سے کرتا تھا جس کی عمر اس وقت پانچ سال سے زیادہ نہ تھی۔

صہیب کا چہرہ روشن اور بال سرخ تھے جو انتہائی خوب صورت دکھائی دیتے تھے۔ چہرے اور حلیے سے تازگی و خوشی ٹپکتی تھی اور ان کی روشن آنکھیں ان کی ذہانت، شرافت کو ظاہر کرتی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہی باپ کا دل باغ باغ ہو جاتا اور دفتر کی ساری پریشانیاں ان کے ساتھ پیار کرتے ہوئے دور ہو جاتی تھیں۔

رومی کہنے کی وجہ

ایک مرتبہ صہیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ماں اپنے بچے اور خدام و ملازمین کی ایک جماعت کے ساتھ آرام اور سیر و تفریح کے ارادے سے عراق کی ایک بستی ثنی کے لیے روانہ ہوئیں۔

اس بستی پر رومی فوج کے ایک دستے نے اچانک حملہ کر دیا۔ اس کے محافظوں کو قتل کر کے مال واسباب لوٹ لیا اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان گرفتار بچوں میں صہیب بھی تھا۔

صہیب کو روم میں غلاموں کی ایک منڈی میں لے جا کر فروخت کر دیا گیا۔ وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور ایک آقا کی خدمت سے دوسرے آقا کی خدمت میں منتقل ہوتے رہے۔ اس معاملے میں ان کی حالت ان ہزاروں نوکروں اور غلاموں سے مختلف نہ تھی جن سے سرزمین روم کے حکمرانوں اور اس کے وزیروں کے محلات بھرے ہوئے تھے۔

اس سے صہیب کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ رومی معاشرے کے اندر گھس کر اور اس کی تہہ میں اتر کر اس کے اندرونی حالات سے واقف ہوسکیں اور اس کے اندر پائی جانے والی برائیوں سے براہ راست معلومات حاصل کرسکیں۔ چناں چہ انہوں نے تمام برائیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو رومیوں کے محلات میں کی جاتی تھیں۔ اور انہوں نے اپنے کانوں سے ظلم وستم کی وہ ساری داستانیں سنیں جو وہاں دوہرائی جاتی تھیں۔

چناں چہ یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد صہیب کو اس معاشرے سے سخت نفرت پیدا ہوگئی۔ وہ اپنے دل میں سوچتے تھے:

"إِنَّ مُجْتَمَعًا كَهٰذَا لَا يُطَهِّرُهُ إِلَّا الطُّوفَانُ."

تَرجَمہ: "اس قسم کے گندے معاشرے کو زبردست طوفان ہی پاک کرسکتا۔"

اس کے باوجود کہ صہیب نے روم کے علاقے میں نشوونما پائی اور اس کے باشندوں کے درمیان پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ اور اس کے باوجود کہ وہ عربی زبان کو بھول چکے تھے، لیکن یہ بات ان کے دل سے ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں ہوئی تھی کہ وہ عربی النسل اور میدان اور دیہات کے رہنے والوں میں سے ہیں۔

وہ ہر وقت اس مبارک دن کے شوق وانتظار میں رہتے تھے جس روز وہ غلامی کی ان زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیں گے اور اپنے قبیلے سے جا ملیں گے۔ انہوں نے ایک نصرانی کاہن کو اپنے ایک آقا سے یہ کہتے ہوئے سنا:

"لَقَدْ أَطَلَّ زَمَانٌ يَخْرُجُ فِيهِ مِنْ مَكَّةَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ نَبِيٌّ يُصَدِّقُ رِسَالَةَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ، وَيُخْرِجُ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ."

تَرجَمہ: "وہ وقت اب قریب آگیا ہے جب جزیرہ عرب کے شہر مکہ مکرمہ سے "وہ نبی" ظاہر ہوگا جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرے گا اور لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے

نکال کر ہدایت وروشنی کی طرف نکال لائے گا۔"

اس بات نے ان کے شوق میں مزید اضافہ کیا کہ وہ اس بری زندگی سے نکل کر ملک عرب میں چلے جائیں، اور عرب کی طرف ان کا شوق بڑھ گیا۔

پھر خوش قسمتی سے صہیب کو ایک ایسا سنہری موقع ہاتھ آگیا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنے آقاؤں کی غلامی سے بھاگ نکلے، اور سیدھے مکّہ مکرّمہ کی طرف رخ کیا جو عربوں کا مرکز بھی تھا، اور جس نبی کے مبعوث ہونے کی خبر کاہن نے دی تھی ان کے مبعوث ہونے کی جگہ بھی تھی، وہاں پہنچ کر مستقل طور پر انہوں نے اپنا ٹھکانہ مکّہ کو بنالیا۔ ان کی زبان میں پائی جانی والی لکنت اور ان کے سرخ بالوں کی وجہ سے لوگ انہیں صہیب رومی کہنے لگے۔

قبولِ اسلام

وہ مکے کے ایک امیر اور سردار عبداللہ بن جدعان کے ساتھ شراکت میں تجارت وکاروبار میں مصروف ہو گئے۔ اور اس میں انہوں نے کافی دولت کمائی۔ صہیب اپنی کاروباری مصروفیات اور تجارتی سرگرمیوں کے باوجود اس نصرانی کاہن کی بات بھولے نہیں تھے۔ جب بھی انہیں اس کی بات کا خیال آتا، وہ بڑی حسرت کے ساتھ اپنے دل سے یہ سوال کرتے:

"مَتٰی یَكُوْنُ ذٰلِكَ؟"

تَرْجَمَہ: "وہ واقعہ کب پیش آئے گا؟"

اور پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد اس سوال کا زندہ جواب ان کے سامنے تھا۔

ایک روز صہیب تجارت کے سفر سے واپس مکّہ مکرّمہ تشریف لائے تو ان کو معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے اور وہ لوگوں کو ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت اور نیک اعمال کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اور ناجائز وگناہ کے کاموں سے منع کر رہے ہیں۔

صہیب نے دریافت کیا:

"أَلَيْسَ هُوَ الَّذِیْ يُلَقِّبُوْنَهٗ بِالْأَمِيْنِ؟"

تَرْجَمَہ: "یہ وہی تو نہیں ہیں جنہیں لوگ "امین" کے لقب سے پکارتے ہیں؟"

جواب دینے والے نے کہا:

"بَلٰی."

تَرْجَمَۃ: "ہاں وہی ہیں۔"

صہیب نے پر شوق لہجے میں سوال کیا۔

"وَأَیْنَ مَکَانُہٗ؟"

تَرْجَمَۃ: "(اس وقت وہ کہاں ملیں گے) ان کا مکان کہاں ہے؟"

ان کو بتایا گیا:

"فِیْ دَارِ الأَرْقَمِ بْنِ أَبِی الْأَرْقَمِ عِنْدَ الصَّفَا ...... وَلٰکِنْ حِذَارِ مِنْ أَنْ یَّرَاكَ أَحَدٌ مِّنْ قُرَیْشٍ، فَإِنْ رَأَوْكَ فَعَلُوْا بِكَ ...... وَفَعَلُوْا وَأَنْتَ رَجُلٌ غَرِیْبٌ لَا عَصَبِیَّةَ لَكَ تَحْمِیْكَ، وَلَا عَشِیْرَةَ عِنْدَكَ تَنْصُرُكَ."

تَرْجَمَۃ: "وہ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں ہوں گے جو صفا کے قریب ہے...... لیکن اگر تم کو ان سے ملنا ہے تو ذرا احتیاط سے کام لینا کہیں قریش کے کسی آدمی کی نظر تمہارے اوپر نہ پڑ جائے۔ اگر انہوں نے تم کو ان سے ملتے ہوئے دیکھ لیا تو تمہارے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے اور تم کو سخت اذیت پہنچائیں گے۔ یہاں مکے میں تم ایک مسافر کی طرح ہو۔ یہاں نہ تو تمہارا کوئی حامی و ناصر ہے جو تمہاری حمایت و مدد کرے گا، نہ تمہارا قبیلہ و خاندان ہے جو تمہاری نصرت کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا۔"

عمار آپ کا کیا ارادہ ہے؟

صہیب مکہ مکرمہ کے لوگوں سے نظریں چراتے ہوئے احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے دار ارقم کی سمت چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دروازے پر عمار بن یاسر کھڑے ہیں، صہیب انہیں پہلے سے جانتے تھے۔ پہلے تو تھوڑی دیر تک شک و شبے میں مبتلا رہے لیکن پھر ان کے قریب ہوتے ہوئے دریافت کیا:

"مَا تُرِیْدُ یَا عَمَّارُ"

تَرْجَمَۃ: "عمار! آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

عمار بن یاسر نے کوئی جواب دینے کے بجائے الٹا ان سے سوال کر دیا:

"بَلْ مَا تُرِیْدُ اَنْتَ؟"

ترجمہ: ''اور آپ کس مقصد سے آئے ہیں؟''

صہیب نے جواب دیا:

''اَرَدْتُ اَنْ اَدْخُلَ عَلٰی هٰذَا الرَّجُلِ، فَاَسْمَعَ مِنْهُ مَا يَقُوْلُ؟''

ترجمہ: ''میں اس شخص (نبی ﷺ) کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ اس کی باتیں سنوں۔''

عمار بن یاسر نے کہا:

''وَاَنَا اُرِيْدُ ذٰلِكَ اَيْضًا.''

ترجمہ: ''میں بھی اسی خیال سے آیا ہوں۔''

صہیب نے کہا:

''إِذَنْ نَدْخُلُ مَعًا عَلٰی بَرَكَةِ اللّٰهِ.''

ترجمہ: ''تب ٹھیک ہے۔ آؤ اللہ کا نام لے کر ایک ساتھ چلیں۔''

صہیب بن سنان رومی اور عمار بن یاسر دونوں ایک ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو بڑے غور اور توجہ سے سنا۔ پیارے رسول ﷺ کی پیاری باتیں کانوں کے راستے سیدھے ان کے دلوں میں اتر گئیں اور دونوں کے دل نورِ ایمان سے جگمگا اٹھے۔

انہوں نے فوراً اپنے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا دیے۔ اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور دن بھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر آپ ﷺ کے چشمۂ رحمت سے اچھی طرح سیراب اور آپ ﷺ کے اخلاق وسیرت سے بھرپور فائدہ حاصل کرتے رہے۔

جب رات کی تاریکی ہر طرف چھا گئی اور ہر طرف خاموشی ہو گئی تو دونوں تاریکی کے پردے میں آپ ﷺ کے پاس سے نکلے۔ اور اس وقت وہ دونوں اپنے سینوں میں وہ روشنی لیے ہوئے تھے جو ساری دنیا کو منور کرنے کے لیے کافی تھی۔

مدینہ کی طرف ہجرت کرنا

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت سمیہ اور حضرت خباب وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم دسیوں مسلمانوں کے ساتھ قریش کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کیں۔ انہوں نے اہل مکہ کی طرف سے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں کہ اگر وہ پہاڑ پر نازل ہو جاتیں تو اسے بھی پاش پاش اور ریزہ ریزہ کر

دیتیں۔ لیکن انہوں نے راہِ خدا میں پیش آنے والے ان تمام غموں اور مصائب کو نہایت خندہ پیشانی اور صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا۔ کیوں کہ انہیں معلوم تھا:

"أَنَّ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ مَحْفُوْفٌ بِالْمَكَارِهِ."

تَرجَمہ: "جنت کی راہیں آزمائشوں اور تکلیف دہ باتوں سے ڈھکی ہوئی ہیں (یعنی جنت تک پہنچنے کے لیے جو راستہ ہے اس راستے میں ناگواریاں و تکالیف آتی ہیں ان پر صبر کرنا پڑتا ہے، ان کو برداشت کرنا پڑتا ہے)۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ وہ ہجرت کا یہ سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کریں گے۔ لیکن قریش کو کسی طرح ان کے اس ارادے کی خبر مل گئی اور انہوں نے ان کو زبردستی روک دیا۔ اور ان کی نگرانی کا سخت انتظام کر دیا اور جاسوس متعین کر دیے۔ تاکہ وہ تجارت میں کمائی ہوئی دولت اپنے ساتھ لے کر ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت کے بعد حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی مناسب موقع کی تاک میں تھے جس سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کا ساتھ پکڑ لیں مگر انہیں اس میں کامیابی نہیں حاصل ہو سکی۔ کیوں کہ ان کی نگرانی کرنے والے جاسوس ہر وقت ان کی طرف سے ہوشیار اور چوکنے رہتے تھے۔ اس لیے اب ان کے پاس سوائے اس کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے کوئی بہانہ بنالیں۔

چناں چہ ایک سرد رات میں انہوں نے بیت الخلاء کے بہانے باہر آنا جانا شروع کر دیا۔ وہ بیت الخلاء سے آکر فوراً ہی اس کے لیے واپس لوٹ جاتے تھے۔ وہ نگرانی کرنے والوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ انہیں بار بار رفع حاجت کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر ان کی نگرانی کرنے والوں میں سے ایک نے کہا:

"طِيبُوْا نَفْسًا فَإِنَّ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى شَغَلَاهُ بِبَطْنِهِ ......"

تَرجَمہ: "خوش ہو جاؤ۔ لات و عزّٰی نے اس کو دست میں مبتلا کر دیا ہے۔"

پھر وہ مطمئن ہو کر اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے اور مزے سے میٹھی نیند سو گئے۔

سفرِ ہجرت میں رکاوٹ

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے درمیان سے آہستہ سے نکلے اور مدینے کی

طرف چل پڑے۔ لیکن ان کو روانہ ہوئے ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان کی نگرانی کرنے والوں کو ان کے نکل جانے کا پتہ چل گیا۔ وہ بڑبڑا کر اٹھے، اچھل کر اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ان کے پیچھے بھاگے تا کہ جلد از جلد ان کو پکڑ لیں۔

ہجرت کے خاطر مال کو قربان کر دینا

جب حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محسوس ہوا کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو وہ ایک اونچی جگہ ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر زمین پر پھیلا دیے اور کمان کی تانت چڑھاتے ہوئے فرمایا:

”يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، لَقَدْ عَلِمْتُمْ. وَاللّٰهِ. أَنِّيْ مِنْ أَرْمَى النَّاسِ وأَحْكَمِهِمْ إِصَابَةً ...... وَوَاللّٰهِ لَا تَصِلُوْنَ إِلَيَّ حَتّٰى أَقْتُلَ بِكُلِّ سَهْمٍ مَعِيْ رَجُلاً مِّنْكُمْ. ثُمَّ أَضْرِبُكُمْ بِسَيْفِيْ مَا بَقِيَ فِيْ يَدِيْ شَيْءٌ مِّنْهُ.“

تَرجَمہ: ”قریش کے لوگو! اللہ کی قسم! تم لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ایک بہترین تیر انداز اور بے مثل نشانہ باز ہوں اور میرا نشانہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ واللہ! تم لوگ اس وقت تک میرے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے جب تک میں ہر تیر سے تم میں سے ایک آدمی کو قتل نہ کر لوں۔ پھر میں اس وقت تک تلوار سے تمہارا مقابلہ کرتا رہوں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔“

یہ سن کر ان میں سے ایک نے کہا:

”واللّٰهِ لَا نَدَعُكَ تَفُوْزُ مِنَّا بِنَفْسِكَ وَبِمَالِكَ ......“

تَرجَمہ: ”اللہ کی قسم! ہم تم کو اپنی جان اور مال دونوں چیزیں بچا کر نہیں لے جانے دیں گے۔“
تم مکہ مکرمہ میں ایک مفلس کی حیثیت سے داخل ہوئے اور یہاں رہ کر تم نے کافی دولت جمع کر لی ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

”أَرَأَيْتُم إِنْ تَرَكْتُ لَكُمْ مَالِيْ، أَتُخَلُّوْنَ سَبِيْلِيْ؟“

تَرجَمہ: ”اگر میں اپنا مال تمہارے لیے چھوڑ دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟“

”قَالُوْا نَعَمْ.“

تَرجَمہ: ”انہوں نے کہا۔ ہاں!“

تب حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے گھر میں اس جگہ کی نشان دہی فرما دی جہاں انہوں نے مال رکھا تھا۔ اور انہوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور جا کر بتائی ہوئی جگہ سے مال لے لیا۔

اس کے بعد حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کی سمت چل پڑے۔ وہ اپنے دین کو کافروں سے بچا کر اللہ کی طرف بھاگے چلے جا رہے تھے۔ انہیں اپنے اس مال کے جانے کا کوئی افسوس نہیں تھا جس کے کمانے اور جمع کرنے میں انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں اور عمر کا بہترین حصہ خرچ کیا تھا۔

دوران سفر جب بھی ان کو تکان محسوس ہوتی، رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا شوق اور اس کا تصور ساری تھکاوٹ کو ختم کر دیتا، کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ کس سے ملنے جا رہا ہوں؟ اس سفر کے ختم ہوتے ہی اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات ہوگی یہ سوچتے ہی ان کی چستی اور توانائی دوبارہ لوٹ کر آ جاتی اور وہ لگاتار چلتے رہتے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں قرآن کا نزول

چلتے چلتے جب وہ قبا پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو آتے ہوئے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"رَبِحَ الْبَیْعُ یَا اَبَا یَحْیٰ، رِبحَ الْبَیْعُ."

تَرجَمَہ: "ابویحیٰ! یہ بیع (سودا) تمہارے لیے بہت نفع بخش رہی۔"

آپ ﷺ نے اس فقرے کو تین بار دہرایا۔

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ملنے والی اس خوش خبری کو سن کر ان کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا اور انہوں نے عرض کیا:

"وَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِیْ إِلَیْكَ أَحَدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. وَمَا أَخْبَرَكَ بِهٖ إِلَّا جِبْرِیْلُ."

تَرجَمَہ: "اللہ کے رسول ﷺ! مجھ سے پہلے آپ کی خدمت میں کسی کی رسائی نہیں ہوئی ہے جو آپ کو اس بات کی خبر دیتا۔ اللہ کی قسم! آپ کو یہ بات حضرت جبریل علیہ السلام کے سوا کسی نے نہیں بتائی۔"

یقیناً حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیع (سودا) کامیاب رہی۔

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی شہادت دی۔ جیسا کہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ.﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضاءِ الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔''

''فَطُوْبٰى لِصُهَيْبِ بْنِ سِنَانِ الرُّوْمِيِّ، وَحُسْنُ مَاٰبٍ.''

تَرْجَمَہ: ''خوش خبری ہو صہیب بن سنان رومی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے لیے اور بہترین ٹھکانہ ان کو نصیب ہو، اوران کا حسن انجام ان کو مبارک ہو۔''

فوائد ونصائح

اللہ کے لیے مال خرچ کرنے کا جذبہ

غور کیجیے! آج ہم اور آپ جو مسلمان ہوئے ہیں ان میں حضرت صہیب رومی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قربانیوں کا حصہ ضرور ہے۔ عمر بھر کی کمائی ہوئی پونجی خرچ کر ڈالی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ملاقات ہو جائے، ہجرت کا حکم پورا ہو جائے۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ نے دین کو ہر چیز پر مقدّم رکھا، انہیں ہر وقت اس بات کی فکر رہتی کہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہم سے راضی ہو جائیں، چاہے دنیا رہے یا نہ رہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو راضی کرنے کے لیے جان، مال اور عزت کسی قسم کی بھی قربانی دینی پڑے تو وہ اس میں پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔

اللہ کی محبت پیدا کرنے والی دعا

ہمیں بھی کوشش اور دعا کرنی چاہیے کہ آج بھی مسلمان مردوں وعورتوں میں دوبارہ یہ جذبہ پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت ایسی ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے کہ دنیا کی اس کے سامنے کوئی قیمت نہ رہے، اللہ اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی محبت سب پر غالب آجائے، اس کے لیے دوسروں کو دعوت بھی دیتے رہیں اور یہ دعا بھی مانگتے رہیں۔

---

[1] البقرة: ۲۰۷

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَآءِ عِنْدِيْ وَاقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَاءِ كَ وَ اِذَآ اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ تعالیٰ! مجھے تیری محبت سب سے زیادہ پیاری کر دے اور تیرا خوف ہر چیز کے خوف سے زیادہ بڑھا دے اور تیری ملاقات کی تڑپ عطاء فرما کر دنیا کی سب حاجتیں میرے دل سے نکال دے اور جب دنیا والوں کو دنیا دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کرنا۔"

حدیث میں آتا ہے:

"مَنْ تَرَكَ شَيْئًا لِلّٰهِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهَا."

تَرْجَمَہ: "جو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عوض اس کو عطا فرما دیتا ہے۔"

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا مال اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر بہت سارا مال دیا جو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب وصال ہونے لگا تو ان ہی کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت فرمائی تھی۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم کے نہیں تھے پھر ان کو رومی کیوں کہا جاتا ہے؟

سُوال: حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کون سے صحابی نے اسلام قبول کیا؟

سُوال: حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ قریش کی اذیتیں برداشت کیں؟

سُوال: حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کون سی بیع (خرید و فروخت) کی تھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا ابو یحییٰ! یہ بیع تمہارے لیے بہت نفع بخش رہی؟

---

[1] حلیۃ الاولیاء: ١/١٠٠

حضرت ابودرداء انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"كَانَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَدْفَعُ عَنْهُ الدُّنْيَا بِالرَّاحَتَيْنِ وَالصَّدرِ." (عبدالرحمٰن بن عوف)

تَرْجَمَۃ: "ابودرداء دنیا کی لذت اور مزوں کو محض آخرت کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں اور سینے سے پیچھے دھکیلتے تھے۔"

عویمر بن مالک خزرجی جو عموماً اپنی کنیت ابودرداء سے پہچانے جاتے تھے، صبح سویرے نیند سے بیدار ہوتے ہی اپنے بُت کے پاس پہنچے جس کو انہوں نے اپنے گھر کے اندر سب سے بلند جگہ پر لگا کر رکھا تھا۔ انہوں نے پہلے اس کے سامنے جھک کر سلام پیش کیا۔ اور اسے اپنی دکان میں موجود سب سے اعلیٰ درجے کی خوشبو سے معطر کیا، پھر ایک نہایت بیش قیمت اور نئے ریشمی کپڑے سے اس کو سجایا جو یمن کے ایک تاجر نے ان کو تحفہ میں دیا تھا۔

حضرت ابودرداء کے بُت کا ٹوٹ جانا

سورج نکلا اور دن شروع ہوا تو ابودرداء گھر سے دکان کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مدینہ کی سڑکیں مسلمان لوگوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس وقت وہ لوگ جنگ بدر سے واپس لوٹ رہے تھے اور ان کے آگے آگے قریش کے قیدیوں کی وہ جماعت تھی جو جنگ میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی۔

ابودرداء راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک خزرجی نوجوان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خیریت دریافت کی۔ نوجوان نے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے میدان جنگ میں خوب دادِ شجاعت دی ہے اور جرأت و مردانگی کے جوہر دکھا کر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" صحیح وسالم واپس آ گئے ہیں۔

ابودرداء کا حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خیریت دریافت کرنے پر اس نوجوان کو کوئی تعجب نہیں ہوا کیوں کہ بھائی چارگی اور دوستی کے جو تعلقات ان دونوں کے درمیان تھے، ان سے سب لوگ اچھی طرح واقف تھے۔

ابودرداء اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں بھائی چارے کا رشتہ قائم ہوا تھا اور دونوں گہرے دوست تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دین کی دعوت دینا شروع فرمائی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر اسلام کو قبول کر لیا تھا جب کہ ابودرداء نے اس سے دوری اختیار کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے دوستی اور بھائی چارگی کے مضبوط رشتے میں کسی قسم کی کمزوری نہیں واقع ہوئی۔ حالاں کہ دونوں کا مذہب الگ الگ تھا اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر ان سے دوستی رکھتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کو اسلام کی دعوت دیتے اور برابر انہیں اسلام کا شوق دلاتے رہتے۔ اور شرک کی حالت میں گزرنے والے ان کی زندگی کے ایک ایک دن پر افسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

ابودرداء دکان پر پہنچے اور اپنی اونچی نشست گاہ پر بیٹھ کر خرید وفروخت میں مشغول ہو گئے۔ اور اپنے ملازموں کو ہدایت دیتے رہے اور نگرانی کرتے رہے۔ اور وہ ان حالات سے بے خبر ہیں جو اس وقت ان کی غیر موجودگی میں ان کے گھر میں آنے والے ہیں۔

ٹھیک اسی وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دوست ابودرداء کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ اپنے دل میں ایک بات ٹھانے ہوئے تھے (فیصلہ کیے ہوئے تھے)۔ جب ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ انہوں نے اُمّ درداء کو صحن میں دیکھ کر کہا:

”اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أَمَةَ اللّٰهِ۔“

تَرجَمہ: ”اللہ کی بندی! تیرے اوپر رحمت وسلامتی ہو۔“

ام درداء نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

”وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَخَا أَبِي الدَّرْدَاءِ۔“

تَرجَمہ: ”اور تم پر بھی، اے ابودرداء بھائی۔“

حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

”أَيْنَ أَبُو الدَّرْدَاءِ؟“

تَرجَمہ: ”ابودرداء کہاں ہیں؟۔“

ام درداء نے جواب دیا۔

”ذَهَبَ إِلَى مَتْجَرِهٖ، وَلَا يَلْبَثُ أَنْ يَّعُوْدَ۔“

ترجمہ: ''دکان پر گئے ہیں۔ اور بس ابھی لوٹ کر ہی آرہے ہوں گے۔''

حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت مانگی:

''اندر آجاؤں، ابودرداء کے عبادت خانے میں جانا ہے؟''

ام درداء نے خوش ہوتے ہوئے کہا:

"عَلَى الرَّحْبِ والسَّعَةِ، وَأَفْسَحَتْ لَهُ الطَّرِيْقَ، ومَضَتْ إِلٰى حُجْرَتِهَا، وانْشَغَلَتْ عَنْهُ بِإِصْلَاحِ شَأْنِ بَيْتِهَا وَرِعَايَةِ أَطْفَالِهَا."

ترجمہ: ''ضرور جائیں خوش آمدید...... اور ان کے لیے راستہ چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور گھر کے کاموں اور بچوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہوگئیں۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے اس کمرے میں پہنچ گئے جس میں ابودرداء نے پوجا پاٹ کے لیے اپنا بُت رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک کلہاڑا نکالا (جس کو وہ اپنے ساتھ لائے تھے) اور بُت پر زور دار وار کیا اور یہ کہتے ہوئے اس کے دو ٹکڑے کرنے لگے:

"اَلَا كُلُّ مَا يُدْعٰى مَعَ اللّٰهِ بَاطِلٌ ...... اَلَا كُلُّ مَا يُدْعٰى مَعَ اللّٰهِ بَاطِلٌ."

ترجمہ: ''سنو یقین رکھو! وہ سارے معبود جو خدا کے ساتھ شریک کیے جارہے ہیں، جھوٹے ہیں، باطل ہیں۔''

اور بُت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کمرے سے نکل گئے۔

حضرت ابودرداء کا اسلام قبول کرلینا

ادھر جب اُمّ درداء بُت والے کمرے میں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ٹوٹا پڑا ہے اور اس کے ٹکڑے زمین پر اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ بُت کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں اور یہ کہتے ہوئے اپنا منہ پیٹنے لگیں:

"اَهْلَكْتَنِيْ يَا بْنَ رَوَاحَةَ ...... اَهْلَكْتَنِيْ يَابْنَ رَوَاحَةَ."

ترجمہ: ''اے ابن رواحہ! تم نے مجھے تباہ و برباد کردیا...... اے ابن رواحہ آہ! تم نے مجھے برباد کر دیا۔''

ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں ابودرداء بھی واپس آگئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی بُت والے کمرے کے دروازے پر بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے اور اس کے چہرے پر خوف و گھبراہٹ کے آثار

ظاہر ہو رہے ہیں۔ بیوی کو اس حال میں دیکھ کر ابودرداء نے اس سے پوچھا:

"مَا شَأْنُكِ؟"

تَرْجَمَۃ: "تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، کیا بات ہے؟۔"

بیوی نے بدستور روتے ہوئے کہا:

"أَخُوكَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ جَاءَ نَا فِیْ غِيْبَتِكَ، وَصَنَعَ بِصَنَمِكَ مَا تَرىٰ."

تَرْجَمَۃ: "آپ کے بھائی عبداللہ بن رواحہ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں آئے اور انہوں نے ہی آپ کے بُت کی وہ حالت بنائی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

جب انہوں نے بُت کی طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ بُت کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے اور اس کے ٹکڑے چاروں طرف زمین پر بکھرے ہوئے ہیں، تو پہلے تو غصے کے مارے بھڑک اٹھے اور اس کا انتقام لینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن کچھ دیر بعد فوراً جب ان کے غصے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تو انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا:

"لَوْ كَانَ فِیْ هٰذَا الصَّنَمِ خَيْرٌ لَدَفَعَ الْأَذىٰ عَنْ نَفْسِهٖ."

تَرْجَمَۃ: "اگر اس بُت میں ذرا بھی قوت وطاقت ہوتی تو یہ ضرور اپنا دفاع کرتا۔"

جو ہم سوچ رہے تھے، کہ ان بتوں پر کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا، یہ ہماری حفاظت کرتے ہیں آج تو معاملہ الٹا ہی ہو گیا، یہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے ہماری کیسے حفاظت کریں گے۔ اور جو عبداللہ بن رواحہ مجھے باتیں بتاتے ہیں وہ بالکل صحیح تھیں، مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اور اسی وقت وہ عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ وہ اپنے محلے میں اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے سب سے آخری خوش قسمت انسان تھے۔

اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اس طرح ایمان لائے کہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔

وہ اس خیر سے محرومی پر سخت پشیمان تھے جس میں اپنے دوستوں سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کو اس بات کا بھی شدید احساس تھا کہ ان کے دوست دین کی کتابوں کی سمجھ، اور کتاب اللہ کو یاد کرنے میں، ان سے آگے

بڑھ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے لیے عبادت وتقویٰ کا بڑا ذخیرہ جمع کرلیا ہے۔

چناں چہ انہوں نے پکا ارادہ کرلیا کہ وہ مسلسل کوشش اور سچی لگن کے ساتھ محنت کر کے، اپنے ساتھیوں تک پہنچنے یا ان سے بھی بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے دل میں اس بات کا اٹل فیصلہ کرلیا کہ رات دن ایک کر کے وہ اپنے آگے ہونے والے دوستوں کو جا ملیں گے بل کہ ان سے آگے نکل جانے کی کوشش کریں گے۔

چناں چہ وہ عبادت کی طرف مائل ہوئے تو اس طرح کہ دنیا سے اپنا تعلق توڑ کر پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ دین کے علم کو حاصل کرنے کے لیے اس طرح بڑھے جیسے کوئی پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ وہ کتاب اللہ کو یاد کرنے اور اس کی آیات پر غور وفکر کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اور جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ کاروباری مصروفیتوں کی وجہ سے ان کی عبادت کی لذت میں کمی آرہی ہے اور یہ مصروفیتیں علمی مجلسوں میں شرکت سے رکاوٹ بن رہی ہیں تو انہوں نے اپنی تمام تجارتی مصروفیات چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور اس فیصلے پر نہ تو انہیں کوئی صدمہ ہوا نہ انہوں نے اس پر کسی قسم کے افسوس کا اظہار کیا۔

ایک بار کسی نے اس فیصلے کے متعلق ان سے دریافت کیا تو انہوں نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"لَقَدْ كُنْتُ تَاجِرًا قَبْلَ عَهْدِيْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَسْلَمْتُ أَرَدْتُّ أَنْ أَجْمَعَ بَيْنَ التِّجَارَةِ وَالْعِبَادَةِ، فَلَمْ يَسْتَقِمْ لِيْ مَا أَرَدْتُّ، فَتَرَكْتُ التِّجَارَةَ وَأَقْبَلْتُ عَلَى الْعِبَادَةِ. وَالَّذِيْ نَفْسُ أَبِي الدَّرْدَاءِ بِيَدِهٖ، مَا أُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ لِيَ الْيَوْمَ حَانُوْتٌ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَلَا تَفُوْتُنِيْ صَلَاةٌ مَعَ الْجَمَاعَةِ، ثُمَّ أَبِيْعُ وَأَشْتَرِيْ فَأَرْبَحُ كُلَّ يَوْمٍ ثَلَاثَمِائَةَ دِيْنَارٍ."

تَرْجَمَہ: "رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے پہلے میں تجارت کر رہا تھا۔ اسلام لانے کے بعد میں نے چاہا کہ عبادت کے ساتھ ساتھ تجارت کا سلسلہ بھی جاری رکھوں، لیکن میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور آخر کار میں نے تجارت ترک کردی اور پوری یک سوئی کے ساتھ عبادت میں لگ گیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابودرداء کی جان ہے! مجھے تو یہ بات بھی پسند نہیں ہے کہ آج میری کوئی دکان مسجدِ نبوی کے دروازے کے سامنے ہو اور میری نماز باجماعت بھی فوت نہ ہو اور پھر خرید وفروخت کر کے میں روزانہ تین سو دینار نفع کماؤں۔"

پھر انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"إِنِّىْ لَا أَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ الْبَيْعَ وَلٰكِنِّىْ أُحِبُّ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ."

ترجمہ: "میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے کاروبار اور خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جن کو تجارت اور کاروباری مصروفیتیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتیں۔"

دنیا سے بے رغبتی

بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجارت چھوڑ دی، بل کہ وہ دنیا کی تمام زیب و زینت، عیش و عشرت کو بھی چھوڑ کر روکھی سوکھی سادی غذا اور سادے لباس پر مطمئن ہو گئے۔ جس سے وہ اپنی کمر سیدھی رکھ سکیں اور اپنا جسم ڈھانپ سکیں۔

ایک مرتبہ ان کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ وہ سردی کے موسم کی ایک نہایت ٹھنڈی رات تھی۔ انہوں نے مہمانوں کے لیے گرم گرم کھانا تو بھیج دیا لیکن اوڑھنے کے لیے لحاف نہیں بھیج سکے۔ جب انہوں نے سونے کا ارادہ کیا تو لحافوں کے متعلق آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ان سے اس سلسلے میں بات کرتا ہوں، دوسرے نے اسے منع کیا مگر وہ نہ مانا اور جا کر دیکھا تو خود ان کے بدن پر ایک ہلکا سا کپڑا ہے جو نہ تو دھوپ سے بچا سکتا ہے نہ ٹھنڈک سے حفاظت کر سکتا ہے۔

مہمان نے ان سے کہا:

"مَا أَرَاكَ بِتَّ إِلَّا كَمَا نَبِيْتُ نَحْنُ! أَيْنَ مَتَاعُكُمْ؟"

ترجمہ: "میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بھی ہماری ہی طرح رات گزار رہے ہیں۔ آخر آپ کا سارا سامان کہاں ہے؟"

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"لَنَا دَارٌ هُنَاكَ نُرْسِلُ إِلَيْهَا تِبَاعًا كلَّ مَا نَحْصُلُ عَلَيْهِ مِنْ مَتَاعٍ، وَلَوْ كُنَّا اسْتَبْقَيْنَا فِىْ هٰذِهِ الدَّارِ شَيْئًا مِّنْهُ لَبَعَثْنَا بِهٖ إِلَيْكُمْ. ثُمَّ إِنَّ فِىْ طَرِيْقِنَا الَّذِىْ سَنَسْلُكُهٗ إِلٰى تِلْكَ الدَّارِ عَقَبَةً كَؤُوْدًا اَلْمُخِفُّ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمُثْقِلِ، فَأَرَدْنَا أَنْ نَّتَخَفَّفَ مِنْ أَثْقَالِنَا عَلَّنَا نَجْتَازُ."

تَرْجَمَۃ: "وہاں آخرت میں ہمارا ایک گھر ہے۔ جب بھی کوئی سامان ہمارے ہاتھ آتا ہے، ہم اسے اپنے سے زیادہ ضرورت مندوں کو رشتہ داروں کو غریبوں کو دے کر وہیں (آخرت کے لیے) بھیجتے رہتے ہیں۔ اگر ہم نے اس گھر میں کچھ بچا کے رکھا ہوتا تو آپ لوگوں کے پاس ضرور بھیجا ہوتا۔ پھر جس راستے سے ہم کو اس گھر کی طرف جانا ہے، اس میں نہایت دشوار گزار گھاٹیاں ہیں جن کو سامان سے بوجھل شخص کے مقابلے میں ہلکا پھلکا آدمی زیادہ آسانی سے عبور کر سکے گا۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بوجھوں سے سبکدوش (ہلکے) ہو جائیں تا کہ بآسانی اس گھاٹی سے گزر سکیں۔"

پھر اس سے کہا:

"أَفَهِمْتَ؟"

"غالباً آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔؟"

اس نے کہا:

"فَهِمْتُ. وَجُزِيْتَ خَيْرًا."

تَرْجَمَۃ: "ہاں میں سمجھ گیا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔"

لوگوں کو دین کی دعوت دینا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو شام کی گورنری کا منصب عطا کرنا چاہا، مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصرار بہت زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے فرمایا:

"إِذَا رَضِيْتَ مِنِّيْ أَنْ أَذْهَبَ إِلَيْهِمْ لِأُعَلِّمَهُمْ كِتَابَ رَبِّهِمْ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ وأُصَلِّيَ بِهِمْ ذَهَبْتُ."

تَرْجَمَۃ: "کہ اگر آپ اس بات پر راضی ہوں کہ میں وہاں جا کر لوگوں کو ان کے رب کی کتاب قرآن مجید اور ان کے رسول ﷺ کی سنّت کی تعلیم دوں اور انہیں نمازیں پڑھایا کروں تو میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر راضی ہو گئے۔

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ دنیا کی دولت و ثروت میں مگن ہیں اور عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لوگوں کو اس حال میں دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ ان کو مسجد میں اکٹھا ہونے کے لیے کہا۔ جب سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دعوت دی اور فرمایا:

”يَا أَهْلَ دِمَشْقَ أَنْتُمْ لِإِخْوَانُ فِي الدِّيْنِ، وَالْجِيْرَانُ فِي الدَّارِ، وَالْأَنْصَارُ عَلَى الْأَعْدَاءِ. يَا أَهْلَ دِمَشْقَ، مَا الَّذِيْ يَمْنَعُكُمْ مِنْ مَوَدَّتِيْ وَالْاِسْتِجَابَةِ لِنَصِيْحَتِيْ وَأَنَا لَا أَبْتَغِيْ مِنْكُمْ شَيْئًا، فَنَصِيْحَتِيْ لَكُمْ، وَمُؤْنَتِيْ عَلٰى غَيْرِ كُمْ. مَا لِيَ أَرٰى عُلَمَاءَكُمْ يَذْهَبُوْنَ وَجُهَّالَكُمْ لَا يَتَعَلَّمُوْنَ؟ وَأَرَا كُمْ قَدْ أَقْبَلْتُمْ عَلٰى مَا تَكَفَّلَ لَكُمْ بِهِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، وَتَرَكْتُمْ مَا أُمِرْتُمْ بِهِ؟“

ترجمہ: ”دمشق کے رہنے والے بھائیو! ہم اور تم آپس میں دینی بھائی ہیں، ہمسائے اور دشمنوں کے خلاف ایک دوسرے کے کام آنے والے ہیں۔

لوگو! آخر وہ کون سی چیز ہے جو میرے ساتھ پیار و محبت کا تعلق قائم کرنے اور میری نصیحتوں کو قبول کرنے سے تم کو روک رہی ہے، حالاں کہ میں اس کے بدلے تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میری نصیحت و خیر خواہی تمہارے لیے ہے اور میرا خرچ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اہلِ علم ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں مگر بے علم لوگ علم حاصل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟۔“

”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دولت کمانے میں ایسی کوشش کرتے ہو کہ گویا یہ کمانا تمہارے ذمہ ہے حالاں کہ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے، اور جن باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے۔“

”مَالِيَ أَرَاكُمْ تَجْمَعُوْنَ مَالَا تَأْكُلُوْنَ!! وَتَبْنُوْنَ مَالَا تَسْكُنُوْنَ!! وَتُؤَمِّلُوْنَ مَالَا تَبْلُغُوْنَ!! لَقَدْ جَمَعَتِ الْأَقْوَامُ الَّتِيْ قَبْلَكُمْ وَأَمَّلَتْ. فَمَا هُوَ إِلَّا قَلِيْلٌ حَتّٰى أَصْبَحَ جَمْعُهُمْ بُوْرًا ...... وَأَمَلُهُمْ غُرُوْرًا ...... وَبُيُوْتُهُمْ قُبُوْرًا ......“

ترجمہ: ”کیا بات ہے کہ تم وہ مال و دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہو جسے تم کو کھانا نہیں ہے، وہ عمارتیں تعمیر کرنے میں مصروف ہو، جن میں تم کو رہنا نہیں ہے اور ان چیزوں کی خواہش کرتے

ہو جن تک تم پہنچ نہیں سکتے۔ تم سے پہلے کے لوگوں نے دولت کے انبار جمع کیے اور آرزؤں کے محل تعمیر کیے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ان کا اکٹھا کیا ہوا سرمایہ تباہ و برباد ہو گیا، اور ان کی آرزؤں کے عالی شان محل زمین بوس ہو گئے اور ان کے تعمیر کردہ مکانات قبروں میں تبدیل ہو گئے۔"

"هٰذِهٖ عَادٌ. يَا أَهْلَ دِمَشْقَ. قَدْ مَلأَتِ الأَرْضَ مَالاً وَوَلَدًا ...... فَمَنْ يَّشْتَرِيْ مِنِّيْ تَرِكَةَ عَادِ الْيَوْمَ بِدِرْهَمَيْنِ؟

تَرْجَمَۃ: "یہ ہے قوم عاد! اے دمشق کے رہنے والے بھائیو! جنہوں نے زمین کو مال اور اولاد سے بھر دیا تھا۔ تم میں سے کون ہے جو اس کو لینا چاہتا ہے؟ میں قوم عاد کا ترکہ آج دو درہم میں بیچ رہا ہوں۔" (آج اس قوم کا نام و نشان نہیں)۔

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تقریر سن کر لوگ دھاڑیں مار کر زار و قطار رو رہے تھے۔ اور ان کی آوازیں مسجد کے باہر سے سنائی دے رہی تھیں۔

لوگوں کو نصیحت کرنا

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روزمرہ کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ دمشق کی بیٹھکوں اور مجلسوں میں شریک ہوتے اور بازاروں میں گشت فرماتے۔ ان مواقع پر وہ پوچھنے والوں کو مسائل بتاتے، ان پڑھ لوگوں کو تعلیم دیتے اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو غفلت سے ہوشیار کرتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ فرصت کے ہر ہر لمحے کو غنیمت جانتے اور ہر مناسب موقع سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کا گزر ایک مجمع کی طرف سے ہوا جو ایک آدمی کے گرد اکٹھا تھا۔ لوگ اسے مار پیٹ رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ انہوں نے حقیقت حال دریافت کی۔

"مَا الْخَبَرُ ......؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا بات ہے؟"

تو لوگوں نے بتایا:

"رَجُلٌ وَقَعَ فِيْ ذَنْبٍ كَبِيْرٍ."

تَرْجَمَۃ: "ایک آدمی ہے جس نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ (ہم اس کی پٹائی کر رہے ہیں)۔"

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا:

“أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَقَعَ فِيْ بِئْرٍ أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَسْتَخْرِجُوْنَهُ مِنْهُ.”

تَرْجَمَۃ: “یہ بتاؤ اگر یہ شخص کسی کنویں میں گر جاتا تو کیا تم اسے وہاں سے نہ نکال لیتے؟۔”

سب نے کہا:

“بَلٰى.”

تَرْجَمَۃ: “کیوں نہیں۔”

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

“لَا تَسُبُّوْهُ وَلَا تَضْرِبُوْهُ وَ إِنَّمَا عِظُوْهُ وَبَصِّرُوْهُ، وَاحْمِدُوا اللّٰهَ الَّذِيْ عَافَاكُمْ مِنَ الْوُقُوْعِ فِيْ ذَنْبِهِ.”

تَرْجَمَۃ: “پھر تم اس کو نہ گالی دو، نا مارو پیٹو بل کہ صرف سمجھانے بجھانے اور وعظ ونصیحت کو کافی سمجھو اور اس بات پر خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔”

مجمع نے پوچھا:

“أَفَلَا تُبْغِضُهُ؟”

تَرْجَمَۃ: “تو کیا آپ اسے ناپسند نہیں کرتے؟”

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

“إِنَّمَا أُبْغِضُ فِعْلَهُ فَإِذَا تَرَكَهُ فَهُوَ أَخِيْ.”

تَرْجَمَۃ: “میں صرف اس کے گناہ کو ناپسند کرتا ہوں۔ اگر اس سے باز آجائے تو پھر یہ میرا دینی بھائی ہے۔”

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی یہ بات سنی تو وہ شخص پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اپنے گناہ سے توبہ کرنے لگا۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی چند مفید نصیحتیں

ایک نوجوان ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے درخواست کرتا ہے:

“أَوْصِنِيْ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.”

تَرْجَمَۃ: “رسول اللہ کے محترم ساتھی! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔”

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يَا بُنَيَّ، اذْكُرِ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ يَذْكُرْكَ فِي الضَّرَّاءِ. يَا بُنَيَّ، كُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْمُسْتَمِعًا وَلَا تَكُنِ الرَّابِعَ فَتَهْلَكَ. يَا بُنَيَّ، لِيَكُنِ الْمَسْجِدُ بَيْتَكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: (اَلْمَسَاجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ)، وَقَدْ ضَمِنَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ كَانَتِ الْمَسَاجِدُ بُيُوْتَهُمُ الرَّوْحَ وَالرَّحْمَةَ، وَالْجَوَازَ عَلَى الصِّرَاطِ إِلٰى رِضْوَانِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ"

تَرجَمۂ: "اے میرے بیٹے! خوش حالی کے زمانے میں خدا کو یاد کرتے رہا کرو، وہ تم کو تنگ دستی کے دنوں میں یاد رکھے گا۔

"اے میرے بیٹے! تم یا تو عالم بنو یا متعلم بنو یا علم کے سننے والے بنو۔ چوتھے (جاہل) نہ بنو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔"

"بیٹے مسجد کو تمہارا گھر ہونا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ "اَلْمَسَاجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ" "مسجدیں ہر متقی آدمی کا گھر ہیں۔"

"اور اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے لیے جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ مسجدوں میں گزارتے ہیں یعنی جو مسجد کو اپنا (دوسرا) گھر بنا لیتے ہیں راحت ورحمت اور پل صراط سے بآسانی گزر کر اللہ کی خوش نودی تک پہنچنے کی ضمانت لے رکھی ہے۔"

مسجد کو گھر بنا لینے کا مقصد کثرت سے مسجد آنا جانا ہے کہ دل مسجد میں اٹکا رہے

اور یہ چند نوجوان ہیں جو راستے پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور آتے جاتے لوگوں کو گھور رہے ہیں۔

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کے پاس جا کر دعوت دیتے ہیں۔

"يَا بَنِيَّ، صَوْمَعَةُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ بَيْتُهُ، يَكُفُّ فِيْهِ نَفْسَهُ وَبَصَرَهُ، وَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الْأَسْوَاقِ فَإِنَّهُ يُلْهِيْ وَيُلْغِيْ."

تَرجَمۂ: "میرے بیٹو! مسلمان کی نشست گاہ اس کا گھر ہے۔ اسی میں رہ کر وہ اپنے نفس اور اپنی نگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ بازاروں اور عام گزرگاہوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو، کیوں کہ ایسا کرنا آدمی کو غافل کر کے فضول اور بے مقصد مشاغل میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دمشق کے قیام کے زمانے میں، وہاں کے گورنر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بیٹی درداء سے اپنے لڑکے یزید کی شادی کا پیغام بھیجا۔ لیکن انہوں نے یہ پیغام نامنظور کر دیا اور اس کا نکاح عام مسلمانوں میں سے ایک ایسے نوجوان کے ساتھ کر دیا جس کی دینی اور اخلاقی حالت سے وہ مطمئن اور راضی تھے۔

اور جب یہ بات عوام میں پہنچی تو ایک شخص نے اس کے متعلق ان سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

”میں نے یہ قدم اپنی بیٹی درداء کے فائدے کے لیے اٹھایا ہے۔“

اس نے وضاحت چاہی۔ ”وہ کیسے؟“

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”تمہارا کیا خیال ہے میری بیٹی درداء کے متعلق؟

جب ہر وقت اس کی خدمت میں باندیوں اور غلاموں کی جماعت اس کا ہر حکم بجالانے کے لیے موجود ہوتی اور وہ خود کو ایسے شان دار محلوں میں پاتی جن کی جگمگاہٹ نگاہوں کو خیرہ کیے دے رہی ہو، تو اس کا دین کہاں ہوتا؟“ مقصد یہ کہ یہ چیزیں اکثر انسان کے دین سے غافل ہونے کا سبب بنتی ہیں۔

ان کے شام کے قیام کے زمانے میں ملکی حالات معلوم کرنے کے خیال سے خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا دورہ فرمایا۔

حضرت عمر اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایمان افروز گفتگو

اور ایک روز اپنے دوست حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ رات کا وقت تھا۔ انہوں نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ کیوں کہ وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہوگئے۔ اندر بہت اندھیرا تھا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آہٹ محسوس کی تو فوراً اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کو بٹھایا۔ پھر دونوں حضرات باتوں میں مصروف ہو گئے۔

اس وقت دونوں میں سے کوئی بھی اندھیرے کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تکیے کو ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ زین کے نیچے رکھا جانے والا کمبل ہے، بستر کو

ٹٹولا تو پتہ چلا کہ وہاں کنکریاں بچھی ہوئی ہیں، اور ان کے اوڑھنے کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا کہ وہ ایک پتلا سا کمبل ہے جو دمشق کی شدید سردی سے بچانے کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"رَحِمَكَ اللّٰهُ، أَلَمْ أُوَسِّعْ عَلَيْكَ؟ أَلَمْ أَبْعَثْ إِلَيْكَ؟"

تَرْجَمَہ: "اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا میں نے آپ کے لیے کشادگی و فراخی کا انتظام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے آپ کی ضروریات کے لیے رقم نہیں بھیجی تھی؟"

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"أَتَذْكُرُ يَا عُمَرُ حَدِيثًا حَدَّثَنَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: أَلَمْ يَقُلْ: (لِيَكُنْ بَلَاغُ أَحَدِكُمْ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ رَاكِبٍ)؟"

تَرْجَمَہ: "عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! آپ کو وہ حدیث یاد ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے ارشاد فرمائی تھی؟

انہوں نے دریافت کیا۔ "کون سی حدیث؟"

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ تمہارے پاس دنیا کا ساز و سامان مسافر کے زادراہ (سامان مسافر) کی طرح مختصر اور حسب ضرورت ہونا چاہیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"بَلٰى."

تَرْجَمَہ: "ہاں، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔"

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"فَمَاذَا فَعَلْنَا بَعْدَهُ يَا عُمَرُ؟"

تَرْجَمَہ: "تو اے عمر! پھر ہم لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا؟"

"اور پھر دونوں رونے لگے اور صبح تک برابر روتے رہے۔"

وفات

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کے آخری لحات تک اہل دمشق کو وعظ و نصیحت فرماتے رہے

اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ان کے دوست احباب ان کی عیادت کے لیے آئے اور ان سے پوچھا:

"مَا تَشْتَكِيْ؟"

تَرْجَمَۃ: "آپ کو کس بات کی شکایت ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"ذُنُوْبِيْ."

تَرْجَمَۃ: "اپنے گناہوں کی۔"

دوستوں نے دریافت کیا:

"وَمَا تَشْتَهِيْ؟"

تَرْجَمَۃ: "کوئی خواہش ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"عَفْوَ رَبِّيْ."

تَرْجَمَۃ: "اپنے رب سے معافی کا طالب ہوں۔"

پھر انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے جواباً ارشاد فرمایا:

"لَقِّنُوْنِيْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، فَمَا زَالَ يُرَدِّدُهَا حَتّٰى فَارَقَ الْحَيَاةَ"

تَرْجَمَۃ: "مجھے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کی تلقین کرو۔ اس کے بعد وہ برابر کلمۂ طیبہ کو دوہراتے رہے اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔" اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے متعلق ایک صحابی کا خواب

انتقال کے بعد حضرت عوف بن مالک اشجعی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے خواب دیکھا کہ "ایک نہایت ہی ہری بھری اور لمبی چوڑی چراگاہ ہے۔ اس میں چمڑے کا ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا ہے۔ اس خیمے کے اردگرد بکریاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ ایسا خوش نما اور خوب صورت اور دل کش منظر تھا کہ ویسا منظر کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا۔"

انہوں نے پوچھا:

"لِمَنْ هٰذَا؟"

تَرجَمہ: "یہ سب کس کا ہے؟"

تو ان کو بتایا گیا:

"لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ."

تَرجَمہ: "یہ سب کچھ عبدالرحمٰن بن عوف کا ہے۔"

پھر عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ خیمے سے نکلے اور ان سے کہا:

"یَابْنَ مَالِكٍ، هٰذَا مَا أَعْطَانَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِالْقُرْآنِ. وَلَوْ أَشْرَفْتَ عَلٰى هٰذِهِ الثَّنِيَّةِ لَرَأَيْتَ مَالَمْ تَرَعَيْنُكَ، وَسَمِعْتَ مَالَمْ تَسْمَعْ أُذُنُكَ، وَوَجَدْتَ مَا لَمْ يَخْطُرْ عَلٰى قَلْبِكَ."

تَرجَمہ: "مالک کے بیٹے! یہ وہ کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو قرآن کی بدولت عطا فرمایا ہے۔ اگر تم اس گھاٹی پر چڑھ کر نظر دوڑاؤ گے تو تم وہ کچھ دیکھو گے جو تمہاری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور تم وہ کچھ سنو گے جو تمہارے کانوں نے کبھی نہیں سنا ہوگا۔ اور ایسی ایسی چیزیں وہاں پاؤ گے جن کا تمہارے دل میں کبھی خیال تک نہیں آیا ہوگا۔"

حضرت عوف بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے پوچھا:

"وَلِمَنْ ذٰلِكَ كُلُّهُ يَا أَبَامُحَمَّدٍ؟"

تَرجَمہ: "اے ابومحمد! وہ سب کچھ کس کا ہے؟"

انہوں نے فرمایا۔

"وہ سب اللہ عزوجل نے ابوالدرداء کے لیے تیار کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ دنیا میں محض آخرت کے لیے ان راحتوں کو اپنے دونوں ہاتھوں اور سینے سے پیچھے دھکیلتے تھے۔"

فوائد ونصائح

صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کی محنت کا نتیجہ

حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْن اپنی دوستی اور محبت اور تعلق کو ذریعہ بنا کر کافر دوستوں کو بھی اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دیکھیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے بار بار

دعوت دے کر سمجھا کر دعا کر کے اتنی کوشش کی کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافروں کو مسلمان بنانے کے لیے کوشش فرماتے تھے تو ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ دنیا میں جتنے کافر ہیں ان کو ہم مسلمان بنانے کی کوشش کریں ان کے لیے دعا کریں ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دیں، اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اسی محنت کا نتیجہ تھا کہ ان کے زمانے میں اسلام خوب پھیلا، ہزاروں لاکھوں کافروں نے اسلام قبول کیا اور جنت کے راستے پر آ گئے، ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ گئے۔

دین کی دعوت صدقہ جاریہ ہے

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بھی عمل کریں گے اس کا ثواب حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے گا، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے:

"اِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ"[1]

نیکی کی طرف دلالت کرنے والا بھی ایسا ہے جیسے اس نے خود نیکی کی ہو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں پر جتنے لوگ مسلمان ہوئے ہوں گے ان سب کا ثواب بھی حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے گا۔ اسی طرح ہمیں سوچنا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو کافروں کو مسلمان بنانے کی اتنی کوشش کی اور ان کی کوشش کی برکت سے اکثر لوگ مسلمان بھی ہو گئے، لیکن ہمارے اس زمانے میں جو نام کے مسلمان ہیں ان کو کام کا مسلمان بنانے کے لیے ہمیں کتنی کوشش کرنی چاہیے، بہت سے ہمارے دوست نماز نہیں پڑھتے ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی فکر کریں ان کے لیے دعا کریں ان کو سمجھاتے رہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سب حکموں پر عمل کرنے والے بن جائیں، اس کے لیے ہمیں اپنے دوستوں، بھائیوں اور تمام انسانوں پر محنت کرنے کے لیے وقت فارغ کرنا چاہیے، اگر ہم نے یہ کام کر لیا تو آپ دیکھیں گے بہت جلد اسلام پھیل جائے گا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسا ایمان مطلوب ہے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے تو وہ ایمان اس طرح ہوتا کہ وہ ان کے دل کی گہرائیوں میں اترتا تھا، وہ اپنے سوا کسی کو نہ چھوڑتا تھا، اسی لیے قرآن کریم نے یہ اعلان کیا:

---

[1] ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ: ۲/۹۵

﴿اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ.﴾[1]

تَرجمۃ: ”ایمان لے آؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ (یعنی صحابہ)۔“

اور اسی سورت میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾[2]

تَرجمۃ: ”سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے تو ہدایت پائی انہوں نے۔“

ایمان و یقین کو مضبوط کرنے والی دعا

لہٰذا ہمیں بھی اپنے ایمان کو مضبوط بنانے کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں، یہ دعا بھی خاص طور پر مانگنا چاہیے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُنِیْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِیْ وَرِضًا بِمَا قَسَمْتَ لِیْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ.“[3]

تَرجمۃ: ”اے اللہ میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں رچ جائے اور وہ سچا یقین کہ میں خوب جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے بس وہی مجھ کو پیش آ سکتی ہے اور رضا مندی مانگتا ہوں اس زندگی پر جو تو نے میرے لیے تقسیم فرما دی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسا ذریعہ معاش بنا دے جس میں خود ان کو مشغول نہ ہونا پڑے، انہوں نے ایک سائل کو یہی فرمایا:

”إِنِّیْ لَا أَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ الْبَيْعَ وَلٰكِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.“

تَرجمۃ: ”میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے کاروبار اور خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جن کو تجارت اور کاروباری مصروفیتیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتیں۔“

---

[1] البقرۃ: ۱۳

[2] البقرۃ: ۱۳۷

[3] کنز العمال: ۱/۱۹٤

علماء اللہ سے ایسی روزی مانگیں

علماء کرام اور دین کی محنت کرنے والوں کو بھی خصوصاً یہ جذبہ اور دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ اللہ ہمارے لیے اس طرح روزی کا کوئی آسان ذریعہ بنادے جس میں ہمیں خود مشغول نہ ہونا پڑے۔

ہمیں تو اللہ تعالیٰ دین کے کاموں میں لگائے رکھے، ہمارا ہر لمحہ دین کو ساری دنیا میں پھیلانے اور چمکانے کی فکر میں استعمال ہو، کہیں کرائے کی صورت ہو جائے یا کہیں زراعت کے لیے زمین کسی کو دے دی جائے، جب اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے تو ان کے خزانوں میں سینکڑوں ذرائع معاش ہیں۔

علماء اور دین کے کام کرنے والوں کو روزی کی سہولت اور دین کی خدمت میں قبولت کے لیے یہ دعا اپنے لیے اور دوستوں اور رشتہ داروں کے لیے مانگتے رہنا چاہیے کہ جو دعا دوسرے بھائیوں اور دوستوں کے لیے مانگی جاتی ہے فرشتہ کہتا ہے "وَلَکَ بِمِثْلٍ" تمہارے لیے بھی اسی طرح ہو۔

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَكَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَنَا فِيْ اَنْفُسِنَا وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِيْمَا عِنْدَكَ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! ہم کو اپنے فضل سے رزق عطا فرما اور اپنا رزق ہم سے مت روک اور جو رزق تو نے ہم کو عطا فرما دیا ہے اس میں ہمیں برکت دے اور ہم کو دل کی تونگری عطا فرما اور ہمارے دل میں ان نعمتوں کی رغبت ڈال دے جو تیرے ہاں ہیں۔"

اصلاح کا مناسب طریقہ

اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملا کہ کسی مسلمان بھائی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو سمجھانا چاہیے مارنے، ڈانٹنے، پیٹنے سے اکثر اصلاح نہیں ہوتی، بل کہ مزید نقصان ہوتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی بہترین مثال دی ہے یہ مثال ہر استاد، معلم، مربی اور ہر بڑے کو یاد رکھنی چاہیے:

"أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَقَعَ فِيْ بِئْرٍ أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَسْتَخْرِجُوْنَهٗ مِنْهُ؟"

ترجمہ: "اگر تمہارا بھائی خدانہ کرے کنویں میں گر جائے تو تم اس کو نکالنے کی فکر کرو گے یا اس کو ڈانٹو گے پیٹو گے۔"

نہیں ہر گز نہیں اس وقت تم دل سے دعا کرو گے کہ اے اللہ! اس کو نکال دے اور کوشش کرو گے کہ عافیت

---

[1] کنز العمال ۲/ ۲۱۰، ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۲۸۳

کے ساتھ نکل جائے، اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ہمارے چھوٹے بھائی، بہن نے نماز نہیں پڑھی۔

یا سبق یاد نہیں کیا۔

یا کسی چیز کو توڑ دیا تو بجائے بے وقوف اور جنگلی وغیرہ کہنے کے اچھے انداز سے نرمی کے لہجے میں محبت و شفقت کے ساتھ سمجھایا جائے، اور پھر اس کی اصلاح کے لیے دعا کی جائے، اس کے لیے اساتذہ کو چاہیے کہ خصوصاً تمام والدین اور بڑے بھائی بڑی بہن کو چاہیے کہ عموماً کتاب ''مثالی استاذ'' (شائع کردہ بیت العلم ٹرسٹ) کا ضرور مطالعہ کریں کہ اس سے اپنے چھوٹوں کی تربیت کا طریقہ آئے گا اور ہر والد کو ''مثالی باپ'' شائع کردہ بیت العلم ٹرسٹ کا ہدایت کی نیت سے ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، اس سے بچوں کی تربیت کرنے میں رہنمائی ملے گی۔ اور ہر والدہ کو چاہیے کہ وہ ''مثالی ماں'' کا ہدایت کی نیت سے مطالعہ کرے اس سے بچوں کی تربیت کا ڈھنگ اور اسلامی دینی طریقے سمجھ آئیں گے کہ تعلیم وتربیت بچوں کی کس طرح کرنی چاہیے، الغرض یہ کتابیں بہت سارے قیمتی اصولوں کا نادر مجموعہ ہے۔ ان کتابوں کے مطالعے اور ان میں بیان کردہ اصولوں پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ صالح انسانی معاشرہ وجود میں آئے گا۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اصل نام کیا تھا؟

سُؤال: حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سب سے اچھے اور گہرے دوست کون تھے؟

سُؤال: حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسلام کس طرح قبول کیا؟

سُؤال: حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی کون سی حدیث بیان کی؟

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"وَأَيْمُ اللّٰهِ لَقَدْ كَانَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ خَلِيْقًا بِالْإِمْرَةِ، وَلَقَدْ كَانَ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ" (محمد رسول اللّٰہ)

ترجمہ: ''اللہ کی قسم! زید بن حارثہ خلیفہ بنانے کے لائق تھے، اور وہ مجھے تمام لوگوں میں زیادہ محبوب تھے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیش قیمت تحفہ پیش کرنا

سعدی بنت ثعلبہ اپنے بچے زید بن حارثہ کعبی کو ساتھ لیے ہوئے اپنے رشتے دار قبیلے بنو معن سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئی۔

لیکن ابھی وہ اپنی برادری کے ایک گھر میں اتری ہی تھی کہ بنوقین کے چوروں نے اچانک حملہ کر کے ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا، ان کے اونٹ ہانک کر لے گئے اور بال بچوں کو گرفتار کر لیا۔ جن بچوں کو وہ پکڑ کر لے گئے تھے ان میں سے اس کا بچہ زید بن حارثہ بھی تھا۔

زید ایک کم سن بچہ تھا۔ اس وقت اس کی عمر آٹھ سال تھی۔ ڈاکو اسے فروخت کرنے کی غرض سے ''عکاظ'' کے بازار میں لے گئے، جہاں سے قریش کے ایک دولت مند سردار حکیم بن حزام بن خویلد نے اسے چار سو درہم میں خرید لیا۔

حکیم بن حزام نے اس کے علاوہ بھی بہت سے غلام خریدے اور ان کو لے کر مکہ مکرمہ واپس آگیا۔ جب اس کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی اور وہ اس سے ملنے اور اس کو خوش آمدید کہنے گئیں تو اس نے کہا:

"یَا عَمَّةُ، لَقَدِ ابْتَعْتُ مِنْ سُوْقِ عُكَاظٍ طَائِفَةً مِّنَ الْغِلْمَانِ فَاخْتَارِيْ اَيَّاً مِّنْهُمْ تَشَائِيْنَهُ، فَهُوَ هَدِيَّةٌ لَّكِ."

ترجمہ: ''یہ چند غلام میں ''عکاظ'' کے بازار سے خرید کر لایا ہوں۔ آپ ان میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں، میں اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں۔''

سیدہ خدیجہ نے ایک ایک کر کے سب غلاموں کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ ان کی نگاہیں زید کے چہرے

پر جا کر ٹک گئیں۔ وہ اسے دیر تک دیکھتی رہیں اور اس پر ظاہر ہونے والی ذہانت کی علامات کی وجہ سے اس کو پسند کر لیا اور لے کر گھر واپس آ گئیں۔

کچھ دنوں بعد سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گیا۔ اس موقع پر وہ ان کی خدمت میں کوئی بیش قیمت تحفہ پیش کرنا چاہتی تھیں۔ اور اس کے لیے انہیں اپنے عزیز غلام زید بن حارثہ سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ملی، چناں چہ اس کو ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت زید کے گم ہونے کے غم میں والد کا اشعار کہنا

ادھر یہ خوش نصیب بچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں رہ کر ان کی بہترین صحبت اور بہترین سیرت سے متاثر ہوتے ہوئے خوشی اور آزادی کے دن گزار رہا تھا۔

اور ادھر اس کی پریشان حال اور ممتا کی ماری ہوئی ماں اس کی گم شدگی کے صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی۔ نہ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو رک رہے تھے نہ اس کے غم میں کوئی کمی واقع ہو رہی تھی اور نہ ہی اسے کسی لمحے سکون و قرار نصیب ہو رہا تھا۔

اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آیا اس کا بیٹا زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید رکھے یا وہ مر چکا ہے کہ اس سے مایوس ہو کر صبر کر لے۔ اور یہ بات اس کے غم کی شدت میں مزید اضافے کا سبب تھی۔ زید کا باپ ملک کے گوشے گوشے میں اسے ڈھونڈتا اور ہر گزرنے والے قافلے سے اس کا پتہ پوچھتا پھر رہا تھا۔ اور بے چینی اور بے قراری میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

① بَكَيْتُ عَلٰى زَيْدٍ وَلَمْ اَدْرِ مَا فَعَلْ
أَحَيٌّ فَيُرْجٰى اَمْ اَتٰى دُوْنَهُ الْاَجَلْ

تَرْجَمَہ: ”میں زید کے غم میں روتا پھر رہا ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ آیا وہ زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید ہو یا موت کے بے رحم پنجے نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔“

② فَوَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ وَ إِنِّيْ لَسَائِلٌ
أَغَالَكَ بَعْدِيَ السَّهْلُ اَمْ غَالَكَ الْجَبَلُ

تَرْجَمَہ: ”خدا کی قسم! مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم میں تو ہر راہ گزر سے پوچھتا ہوں اور میں حیران و پریشان پھر رہا ہوں کہ میرے پیچھے تجھے میدان نے چرا لیا یا پہاڑ نے اچک لیا؟“

③ فَيَالَيْتَ شِعْرِيْ! هَلْ لَكَ الدَّهْرُ أَوْبَةٌ
فَحَسْبِيْ مِنَ الدُّنْيَا رُجُوْعُكَ لِيْ بَجَلْ

تَرْجَمَہ: "کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے۔

④ تُذَكِّرُ نِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا
وَتَعْوِضُ ذِكْرَاهُ إِذَا غَرْبُهَا اَفَلْ

تَرْجَمَہ: "سورج اپنے طلوع ہونے کے ساتھ مجھے اس بیٹے کی یاد دلاتا ہے۔ اور ڈوبتے ہوئے بھی اس کی یاد تازہ کر جاتا ہے۔"

⑤ وَاِنْ هَبَّتِ الرِّيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهُ
فَيَاطُوْلُ مَا حُزْنِيْ عَلَيْهِ وَمَا وَجَلْ

تَرْجَمَہ: "اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا۔"

⑥ سَأَعْمَلُ نَصَّ الْعِيْسِ فِي الْاَرْضِ جَاهِدًا
وَلَا أَسْأَمُ التَّطْوَافَ اَوْ تَسْأَمَ الْاِبِلْ

تَرْجَمَہ: "میں اپنے اونٹ کو تیزی سے دوڑا کر زمین میں اس کی تلاش کرتا رہوں گا۔ اور اس پھرنے سے میں نہیں اکتاؤں گا اس وقت تک کہ میرا اونٹ تھک کر نڈھال ہو جائے۔"

⑦ حَيَاتِيْ اَوْ تَأْتِيْ عَلَيَّ مَنِيَّتِيْ!!!
فَكُلُّ امْرِئٍ فَانٍ وَاِنْ غَرَّهُ الْاَمَلْ

تَرْجَمَہ: "یا مجھے موت آ جائے کیوں کہ ہر شخص فانی ہے اگرچہ امیدیں اسے دھوکے میں رکھیں۔"

ایک بار حج کے موسم میں زید کے قبیلے کے کچھ لوگ حج کے ارادے سے مکّہ مکرّمہ آئے ہوئے تھے، طواف کے دوران اچانک زید سے ان کا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے زید کو اور زید نے ان کو پہچان لیا۔ اور آپس میں بات چیت بھی ہوئی۔ جب وہ لوگ حج سے فارغ ہو کر اپنے قبیلے میں واپس پہنچے تو انہوں نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کی تفصیل زید کے والد حارثہ کے سامنے رکھ دی۔ کہ زید اس وقت مکّہ مکرّمہ میں ہے۔

حضرت زید کا مل جانا اور اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کرنا

زید کا سراغ ملتے ہی اس نے جھٹ پٹ اپنی سواری کو تیار کیا، اپنے پیارے بیٹے کا فدیہ ادا کرنے کے لیے کافی مقدار میں مال اونٹ پر لادا اور اپنے ہمراہ اپنے بھائی کعب کو بھی لے لیا۔ پھر تیز رفتاری کے ساتھ راستہ طے کرتے ہوئے دونوں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچ کر سیدھے نبی کریم ﷺ کے گھر پہنچے اور ان سے کہا:

"یَابْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، أَنْتُمْ جِيرَانُ اللّٰهِ، تَفُكُّوْنَ الْعَانِيَ، وَتُطْعِمُوْنَ الْجَائِعَ، وَتُغِيثُوْنَ الْمَلْهُوْفَ. وَقَدْ جِئْنَاكَ فِي ابْنِنَا الَّذِيْ عِنْدَكَ، وَحَمَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْمَالِ مَا يَكْفِيْ بِهٖ. فَامْنُنْ عَلَيْنَا، وَفَادِهِ لَنَا بِمَا تَشَاءُ"

ترجمہ: "اے ابن عبدالمطلب! آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمسائے ہیں مانگنے والوں کی جھولیاں بھر دیتے ہیں۔ قیدیوں کو رہائی بخشتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور مظلوموں کی فریادرسی کرتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہم آپ کے پاس اتنا مال لائے ہیں جو اس کے فدیے کے لیے کافی ہوگا۔ آپ ہمارے اوپر احسان فرمائیں اور فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیں۔"

حضور ﷺ نے پوچھا:

"(وَمَنْ اِبْنُكُمَا الَّذِيْ تَعْنِيَانِ؟)."

ترجمہ: "کون ہے تمہارا وہ بیٹا؟"

وہ دونوں ایک ساتھ بولے:

"غُلَامُكَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ."

ترجمہ: "آپ کا غلام، زید بن حارثہ۔"

حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا:

"(وَهَلْ لَكُمَا فِيمَا هُوَ خَيْرٌ مِّنَ الْفِدَاءِ؟)"

ترجمہ: "کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے سامنے ایک تجویز رکھوں جو فدیے سے بہت بہتر ہے؟"

انہوں نے جاننا چاہا:

"وَمَا هُوَ؟"

تَرجَمہ: "وہ کون سی تجویز ہے؟"

حضور ﷺ نے تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"أَدْعُوْهُ لَكُمْ، فَخَيِّرُوْهُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ، فَإِنِ اخْتَارَ كُمْ فَهُوَ لَكُمْ بِغَيْرِ مَالٍ، وَ إِنِ اخْتَارَنِيْ فَمَا أَنَا. وَاللّٰهِ. بِالَّذِيْ يَرْغَبُ عَمَّنْ يَّخْتَارُهُ."

تَرجَمہ: "میں اسے تمہارے سامنے بلاتا ہوں۔ تم اس کو یہ اختیار دے دو کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان جس کو چاہے منتخب کر لے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کو ترجیح دیتا ہے تو تم اسے کسی مال اور فدیے کے بغیر اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ کی قسم! میں اس کی پسند کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔"

دونوں نے متفق ہوتے ہوئے کہا: یقیناً "آپ نے یہ بڑے انصاف کی بات کہی ہے۔"

زید کی خوش نصیبی

اس کے بعد حضور ﷺ نے زید کو بلا کر پوچھا۔

"(مَنْ هٰذَانِ)"

تَرجَمہ: "ان دونوں کو پہچانتے ہو کون ہیں یہ؟"

زید نے دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"نَعَمْ، هٰذَا أَبِيْ حَارِثَةُ بْنُ شُرَاحِيْلَ، وَهٰذَا عَمِّيْ كَعْبٌ."

تَرجَمہ: "جی ہاں، یہ میرے والد حارثہ بن شراحیل اور یہ میرے چچا کعب ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے زید کو مخاطب کر کے فرمایا:

"(يَا زَيْدُ! قَدْ خَيَّرْتُكَ، إِنْ شِئْتَ مَضَيْتَ مَعَهُمَا، وَ إِنْ شِئْتَ أَقَمْتَ مَعِيْ."

تَرجَمہ: "زید! میں تم کو اس بات کا اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس رہ جاؤ۔"

زید نے کسی تاخیر اور سوچے بغیر کہا:

"بَلْ أُقِيمُ مَعَكَ."

تَرجَمہ: "میں آپ کے پاس رہوں گا۔"

یہ سب سن کر باپ نے کہا:

"وَيْحَكَ يَا زَيْدُ، أَتَخْتَارُ الْعُبُوْدِيَّةَ عَلٰى أَبِيْكَ وَأُمِّكَ؟"

تَرجَمہ: "ارے نادان، بڑے افسوس کی بات ہے کیا تو غلامی کو اپنے والدین پر ترجیح دے رہا ہے؟"

زید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا:

"إِنِّيْ رَأَيْتُ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ شَيْئًا، وَمَا أَنَا بِالَّذِيْ يُفَارِقُهُ أَبَدًا."

تَرجَمہ: "میں نے ان کی ایسی صفات دیکھی ہیں کہ میں ان سے کبھی بھی جدا نہیں ہو سکتا۔"

حضور ﷺ کا زید کو اپنا بیٹا قرار دینا

حضور ﷺ نے جب اپنے ساتھ زید کے اتنے زیادہ تعلق کو دیکھا تو اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑا، اسے لیے ہوئے بیت اللہ میں پہنچے اور حجر اسود کے مقام پر قریش کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، اِشْهَدُوْا أَنَّ هٰذَا ابْنِيْ يَرِثُنِيْ وَأَرِثُهٗ ......"

تَرجَمہ: "قریش کے لوگو! گواہ رہنا آج سے یہ میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔"

یہ دیکھ کر زید کے باپ اور چچا کا جی خوش ہو گیا اور وہ اسے حضور ﷺ کے پاس چھوڑ کر اپنے قبیلے کی طرف واپس لوٹ گئے۔ لوٹتے ہوئے وہ دونوں اس کی طرف سے پورے طور پر مطمئن تھے۔

اور پھر اس روز سے زید بن حارثہ، زید بن محمد (ﷺ) کے نام سے پکارے جانے لگے اور وہ برابر اسی نام سے پکارے جاتے رہے، یہاں تک کہ حضور ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں وحی آئی اور آپ نبی بنا دیے گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾[۱]

تَرجَمہ: "منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔"

---

[۱] الاحزاب: ۵

اس آیت کے نازل ہونے پر منہ بولا بیٹا بنانے کی رسم ختم کر دی گئی۔ اور وہ زید بن محمد سے پھر زید بن حارثہ ہو گئے۔

زید کس قدر خوش نصیب ہیں

زید کو کیا معلوم تھا کہ جس وقت انہوں نے اپنے ماں باپ کے مقابلے میں حضور ﷺ کو اپنایا تھا۔ کتنی بڑی نعمت ان کے حصے میں آئی تھی۔

”وَلَمْ يَكُنْ يَدْرِىْ أَنَّ سَيِّدَهُ الَّذِىْ آثَرَهُ عَلٰى أَهْلِهِ وَعَشِيْرَتِهِ هُوَ سَيِّدُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ إِلٰى خَلْقِهٖ أَجْمَعِيْنَ.“

ترجمہ: ”وہ یہ بھی کہاں جانتے تھے کہ جس آقا کی غلامی کو انہوں نے اپنے خاندان اور قبیلے پر ترجیح دی ہے، وہ اولین و آخرین کے سردار اور ساری مخلوق کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔“

ان کے دل میں تو خیال بھی نہیں آیا تھا کہ حضور ﷺ دینِ اسلام کی ایسی محنت فرمائیں گے جس سے پوری دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو جائے گا، اور خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ دین کے پھیلانے میں بنیادی حیثیت عطا فرمائیں گے۔ یہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔ وہ تو فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

اور وہ فضلِ عظیم یہ تھا کہ زید کے اس فیصلے اور اس واقعے کے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا اور زید مردوں میں سب سے پہلے ان کے اوپر ایمان لائے۔

تو کیا اس سے بڑھ کر بھی فضیلت کوئی ہو سکتی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے پہل کی جائے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم ﷺ کے رازدار تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو آپ ﷺ وفد کی قیادت کے لیے مقرر فرماتے اور اپنی غیر موجودگی میں مدینہ پر اپنا قائم مقام امیر مقرر کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی حضرت زید سے محبت

جس طرح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی بے حد محبت اور تعلق کا اظہار کیا اور اپنے ماں باپ پر ان کو ترجیح دی، اسی طرح آپ ﷺ نے بھی ان سے محبت کا اظہار فرمایا اور ان کو

اپنے اہل وعیال کے ساتھ شامل کر کے اپنے خاندان کا ایک فرد بنالیا۔

آپ کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب وہ کسی کام کے لیے گئے ہوئے ہوتے تو آپ ﷺ ہر وقت ان کے لیے بے قرار رہتے، اور جب واپس آتے تو بہت خوش ہوتے اور ان سے ملتے وقت بے پناہ خوشی کا اظہار فرماتے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا حضرت زید رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے ساتھ ملاقات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خوشی ومسرت کے بارے میں فرماتی ہیں۔

''ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ زید سفر سے واپس لوٹے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ زید نے جب دروازے پر دستک دی تو آپ جلدی سے اٹھ کر ان کی طرف لپکے۔ اس وقت آپ کے جسمِ اطہر پر صرف اتنا ہی کپڑا تھا جس نے آپ کے گھٹنے اور ناف کے درمیانی حصۂ جسم کو چھپا رکھا تھا۔ آپ ﷺ اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھے، ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کپڑے کے بغیر کبھی نہیں دیکھا، نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔''[1]

یہ بات تمام مسلمانوں میں شہرت کی حد تک عام تھی کہ رسول اکرم ﷺ حضرت زید رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو ''زَیْدُ الْحُبّ'' (چہیتے زید) کہہ کر بلاتے اور صحابہ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ انہیں ''حب رسول اللہ'' (رسول اللہ کے محبوب) کے لقب سے پکارتے تھے۔

اور بعد میں لوگوں نے ان کے بیٹے حضرت اسامہ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کا لقب ''حب رسول اللہ'' اور ''ابن حب رسول اللہ'' رکھ دیا تھا۔

واقعۂ شہادت

۸ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے حبیب (رسول اللہ ﷺ) کو ان کے محبوب (حضرت زید رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ) کی جدائی کے ذریعے آزمائے۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر ازدی کو ایک خط جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی دے کر بصرہ کے حکمران کے پاس بھیجا۔ جب حضرت حارث بن عمیر رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ مشرقی اردن میں واقع ''موتہ'' کے مقام پر پہنچے تو ایک غسانی حاکم شرحبیل بن عمرو نے ان کا راستہ روک لیا اور ان کو گرفتار کر کے زنجیر میں جکڑ لیا اور بعد میں ان کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ

---

[1] جامع الاصول: ۱۰/۲۵

ﷺ کو ان کے قتل کا بے حد صدمہ ہوا کیوں کہ اس سے پہلے آپ ﷺ کے کسی قاصد کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے جنگ موتہ کے لیے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک جماعت تیار کی جس کی قیادت اپنے محبوب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی:

"إِنْ أُصِيْبَ زَيْدٌ فَتَكُوْنُ الْقِيَادَةُ لِجَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ فَإِنْ أُصِيْبَ جَعْفَرُ كَانَتْ إِلٰى عَبدِاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ، فَإِنْ أُصِيْبَ عَبدُاللّٰهِ فَلْيَخْتَرِ الْمُسْلِمُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ رَجُلاً مِّنْهُمْ."

ترجمہ: "اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب سالارِ لشکر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ سالارِ لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کریں گے۔"

مسلمانوں کا یہ لشکر مدینہ سے چل کر مشرقی اردن کے ایک مقام "معان" پر ٹھہر گیا۔

اور ہرقل (روم کا بادشاہ) ایک لاکھ فوجیوں کے ساتھ غسانیوں کی مدد کے لیے چل پڑا۔ بعد میں عرب کے مشرک قبائل میں سے ایک لاکھ مزید لوگ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے اور اس لشکر نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کے خیموں کے نزدیک اپنے خیمے لگائے۔

مسلمان معان میں رک کر دو دن تک آئندہ کے لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے غور و مشورہ کرتے رہے۔ ان میں سے کسی نے رائے دی:

"نَكْتُبُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَنُخْبِرُهُ بِعَدَدِ عَدُوِّنَا وَنَنْتَظِرُ أَمْرَهُ."

ترجمہ: "ہمیں موجودہ صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھ کر مطلع کرنا چاہیے اور دشمن کی بھاری تعداد سے آگاہ کر کے آپ ﷺ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔"

لیکن دوسرے نے کہا:

"وَاللّٰهِ. يَا قَوْمِ. إِنَّنَا لَا نُقَاتِلُ بِعَدَدٍ وَلَا قُوَّةٍ وَلَا كَثْرَةٍ وَ إِنَّمَا نُقَاتِلُ بِهٰذَا الدِّيْنِ. فَانْطَلِقُوْا إِلٰى مَاخَرَجْتُمْ لَهُ. وَقَدْ ضَمِنَ اللّٰهُ لَكُمُ الْفَوْزَ بِإِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ: إِمَّا الظَّفَرُ ...... وَ إِمَّا الشَّهَادَةُ."

تَرجَمَۃ: ”لوگو! اللہ کی قسم! ہم جو دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہیں وہ اپنی زیادہ تعداد اور قوت واسلحہ کے بھروسے سے نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مقابلہ کرتے ہیں ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا ہے، چلو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھو جس کے لیے نکلے ہو۔ تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو انعامات میں سے ایک کامیابی کی ضمانت دے رکھی ہے، یا تو وہ تمہیں فتح وکامرانی عطا فرمائے گا یا دولت شہادت سے مالا مال کرے گا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، اگر وہ دعوت قبول نہیں کریں گے اور ہمارے راستے میں رکاوٹ بنیں گے تو اللہ تعالیٰ خود ہی ان کے شر سے ہماری حفاظت فرمائیں گے۔

آخر کار موتہ کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ اور مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ رومی ان کی ہمت وشجاعت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دشمنوں کے دلوں میں ان تین ہزار جاں بازوں کی ہیبت طاری ہوگئی جو دو لاکھ کا سامنا کرتے ہوئے چٹان کی مضبوطی کی طرح ڈٹ گئے تھے۔ (شرحبیل کا بھائی بھی مارا گیا، اور اس کے ساتھی بھی بھاگ گئے خود شرحبیل بھی بھاگ کر ایک قلعے میں چھپ گیا)۔

حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایسی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑے جس کی نظیر اور مثال بہادری کی داستانوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملتی۔

وہ لڑتے رہے اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک سیکڑوں نیزوں نے ان کے جسم کو چھلنی نہیں کر دیا، یہاں تک کہ وہ خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر گئے۔

ان کے گرتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لپک کر جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دی اور زبردست شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھی (حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے جا ملے۔

جب حضرت جعفر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جھنڈا لیا تھا اس وقت اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ دیے تھے تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے، اور چند اشعار پڑھے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اے لوگو! کیا ہی اچھی چیز ہے جنت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا، کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی۔ اور ملک روم پر عذاب کا وقت آگیا۔ مجھ پر بھی لازم ہے کہ ان کو ماروں۔

یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے،

اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈے کو اپنے قبضے میں تھام لیا اور دشمنوں سے لڑتے ہوئے اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے (یعنی شہید ہوگئے)۔

ان کے بعد مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنالیا۔ ان کو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ وہ فوج کو لے کر پیچھے ہٹ آئے اور اسے مکمل تباہی سے بچالیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگ کے حالات اور اپنے تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا اور ان کے اہل وعیال کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پہنچے تو ان کی چھوٹی بیٹی روتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں آگئی۔ اسے روتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

یہ دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے:

"مَا هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟"

ترجمہ: "یہ کیا ہے آپ بھی ساتھ رو رہے ہیں؟ اے اللہ کے رسول!"

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(هٰذَا بُكَاءُ الْحَبِيْبِ عَلٰى حَبِيْبِهٖ)."

ترجمہ: "یہ حبیب کا اپنے حبیب پر رونا ہے۔"

فوائد ونصائح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی دین ودنیا کی سربلندی ہے

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک اور باسعادت زندگی سے ہم سب مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی دین ودنیا کی سربلندی ہے اور باعث افتخار ہے۔ چناں چہ جس شخص نے بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی ہے وہ دین ودنیا کی تمام سعادتوں کو اور ترقیوں کو پاگیا ہے۔ کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی وہ بابرکت ذات وہستی ہے کہ جس کی غلامی سے انسان بجائے چھوٹا بننے کے بڑا بل کہ بہت بڑا بن جاتا ہے، ذلیل ہونے کے بجائے معزز ترین انسان بن جاتا ہے، محروم ہونے کے بجائے سیاہ وسفید کا مالک اور صاحبِ نصیب بن جاتا ہے، پستیوں میں جانے کی بجائے بلندیوں اور رفعتوں کے اس

مقام تک پہنچ جاتا ہے جس پر آسمان بھی رشک کرے، گمنام ہونے کے بجائے مرجع خاص و عام بن جاتا ہے شہرۂ آفاق بن جاتا ہے اور چار دانگ عالم میں اس کی محبوبیت کی ہوائیں عام ہو جاتی ہیں۔ الغرض دین و دنیا کی ساری کامیابیوں کو پالیتا ہے۔

لہٰذا آج سے ہم بھی یہ عہد کریں، نیت کریں کہ ہم سچے دل سے حضور ﷺ کی مبارک سنتوں کا اتباع کریں گے اور زندگی کے تمام شعبوں میں سرکار دو عالم ﷺ کی سچی غلامی اختیار کریں گے، آقا کی غلامی کے کیا کہنے! کہ اس غلامی کی تمنا تو خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے اور یہ وہ غلامی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی قربان کی جاسکتی ہے۔ قربان جایئے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت کے، کیا کھویا اور کیا پایا!!

سرکار ﷺ کی غلامی کی نعمت ہم کو بھی میسر آسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہم شب و روز کی تمام سنتوں پر عمل کرنے والے ہوں اور ہر موقع ہر حال کی چھوٹی چھوٹی مسنون دعائیں جو وارد ہوئی ہیں انہیں یاد کرکے پڑھنا شروع کردیں، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ایسا کرنے سے دین و دنیا کی ترقیات، خوشیاں اور سعادتیں نصیب ہوں گی۔

۲۴ گھنٹے کی زندگی کی تمام سنتوں کو جاننے کے لیے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ’’اسوۂ رسول اکرم ﷺ‘‘ کا مطالعہ ہدایت کی نیت سے ضرور کیجیے، یہ کتاب اب نئی تحقیق و تزئین کے ساتھ بیت العلم ٹرسٹ، کراچی سے بھی عن قریب شائع ہو رہی ہے۔

مُذاکرہ

سُؤال: اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو نکاح کرنے کے بعد کیا تحفہ پیش کیا؟

سُؤال: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے جو اشعار کہے ہیں ان میں سے کوئی دو اشعار ترجمے کے ساتھ زبانی سنائیں؟

سُؤال: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کو چھوڑ کر حضور ﷺ کے ساتھ رہنے کو کیوں پسند کیا؟

سُؤال: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی جنگ میں شہید ہوئے جنگ کی وجہ کیا تھی؟ پورا واقعہ تفصیل سے بتائیں؟

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"إِنَّ أَبَا أُسَامَةَ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ أَبِيْكَ، وَكَانَ هُوَ أَحَبَّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْكَ."

(من کلام فاروق لابنه)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسامہ کے والد تیرے والد سے زیادہ محبوب تھے، اور اسامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھے۔"

ولادت

ہجرت سے ۷ سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سخت تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتے تھے جو قریش کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پہنچتی تھیں۔ ان تکالیف کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سارے انسانوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر تھی۔

اسی صبر و فکر والی زندگی میں ایک خوشی کی لہر دوڑتی ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ خوش خبری سنانے والے نے خوش خبری سنائی کہ اُمّ ایمن کے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا ہے۔ یہ خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور پیشانی کی لکیریں روشن ہوگئیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے یہ خوش قسمت بچہ کون ہے؟

وہ نیک بخت بچہ، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی خوشی ہوئی تھی؟ وہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

اس بچے کی پیدائش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کے لیے تعجب والی بات نہیں تھی، کیوں کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس بچے کے والدین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ ہے۔

بچے کی ماں "برکہ حبشیہ" تھیں جو اپنی کنیت اُمّ ایمن کے ساتھ مشہور تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی باندی (خادمہ) بھی تھیں۔

ان کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ انہوں نے آپ کی والدہ کی زندگی میں آپ کی پرورش کی اور ان کے

انتقال کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں لے لیا۔ آپ ﷺ نے انہی کی گود میں نشو ونما پائی۔ چناں چہ آپ ﷺ جب بڑے ہوئے تو ان کے سوا کسی کو ”ماں“ نہیں جانتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ ان کے ساتھ بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے:

”هِيَ أُمِّيْ بَعْدَ أُمِّيْ وَبَقِيَّةُ أَهْلِ بَيْتِيْ.“

تَرجَمہ: ”یہ میری ماں ہیں، میری ماں کے بعد اور میرے گھر والوں میں شامل ہیں۔“

تو یہ اس سعادت مند بچے کی ماں ہیں۔ رہے اس کے والد تو وہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے محبوب، اسلام سے پہلے آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے، آپ ﷺ کے صحابی و راز دار، آپ ﷺ کے خاندان کے ایک فرد اور اسلام کے بعد لوگوں میں آپ کے نزدیک محبوب ترین شخص، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

> ”حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش کے موقع پر جیسی خوشی مسلمانوں کو حاصل ہوئی ویسی ان کے علاوہ کسی دوسرے بچے کی پیدائش پر نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ ہر وہ چیز جو نبی کریم ﷺ کے لیے خوشی کا سبب ہوئی وہ مسلمانوں کے لیے بھی خوشی کا سبب ہوئی تھی۔“

اس لیے مسلمانوں نے اس خوش بخت بچے کا لقب، ”اَلْحِبُّ وَابْنُ الْحِبِّ.“ رکھ دیا تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ ﷺ کے نواسے (حضرت حسن بن فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے تقریباً ہم عمر تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورے، نورانی چہرے، نہایت خوب صورت اور اپنے نانا جان رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ (ملتے) تھے۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ سانولا اور ان کی ناک چپٹی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ محبت میں ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ایک ران پر اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسرے ران پر بٹھاتے، پھر ان دونوں کو ایک ساتھ اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے فرماتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا.“

تَرجَمہ: ”اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان سے محبت کر۔“

حضور ﷺ کی حضرت اسامہ سے محبت

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار جب وہ

دروازے کی دہلیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے، ان کی پیشانی زخمی ہوگئی اور زخم سے خون جاری ہوگیا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اشارہ فرمایا کہ اٹھ کر ان کا خون بند کریں۔ لیکن جب ان کو دیر لگی تو آپ ﷺ خود ہی اٹھے اور خون کو بند کرنے کے لیے ان کے زخم کو چوسنے لگے۔ آپ ﷺ خون چوستے جاتے اور تھوکتے جاتے اور ایسے الفاظ میں ان کو تسلی دیتے جا رہے تھے جن سے شفقت و رحم دلی کے جذبات ظاہر ہو رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جس طرح بچپن میں ان سے محبت فرماتے تھے، جوانی میں بھی اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ قریش کے ایک سربراہ حکیم بن حزام نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک نہایت قیمتی جوڑا ہدیہ کیا جو انہوں نے یمن سے پچاس سونے کے دینار میں خریدا تھا۔ وہ جوڑا یمن کے مشہور بادشاہ ”ذی یزن“ کا تھا۔ چوں کہ اس وقت حکیم بن حزام مشرک تھے اس لیے آپ نے ان کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا بل کہ ان کو اس کی قیمت ادا کر دی۔ آپ نے اس کو صرف ایک مرتبہ جمعہ کے دن پہنا اور پھر اتار کر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا، جسے پہن کر وہ صبح و شام اپنے ہم عمر مہاجر اور انصاری نوجوانوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لیے نکلتے تھے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بالغ ہوئے تو ان کی شخصیت سے ایسے شریفانہ اخلاق ظاہر ہونے لگے جو ان کو رسول اللہ ﷺ کی محبت ثابت کرنے کے لیے کافی تھے۔

وہ نہایت ذہین اور بہت بہادر تھے۔ وہ عقل مند ایسے تھے کہ ہر معاملے کو موقع و محل دیکھ کر نمٹاتے تھے۔ وہ نہایت پاکباز تھے، نمائشی اور بناوٹی قسم کے اعمال و حرکات سے کوسوں دور رہتے، بے تکلف اور نرم مزاج شخصیت کے مالک تھے، لوگ ان سے محبت کرتے، نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔

غزوات میں شرکت

غزوۂ احد کے موقع پر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند نوعمر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے جن کو لینا تھا، لے لیا۔ باقی نوجوانوں کو ان کی چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے واپس فرما دیا۔ واپس کیے جانے والوں میں خود حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرنے کا موقع نہیں ملا تو وہ اس سعادت سے محرومی پر بہت غم گین ہوئے۔ واپس لوٹتے ہوئے ان کی ننھی

ننھی آنکھوں سے بے حساب آنسو بہہ رہے تھے۔

غزوۂ خندق

غزوۂ خندق کے موقع پر بھی وہ دوسرے نوجوان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوق جہاد کا یہ عالم تھا کہ پنجوں کے بل کھڑے ہوکر وہ اپنے قد کو اونچا کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد میں حصہ لینے کی اجازت دے دیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترس کھا کر ان کو اجازت دے دی۔ چناں چہ جس وقت انہوں نے پہلے پہل جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تلوار اٹھائی اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔

غزوۂ حنین

غزوۂ حنین میں، جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد حضرت ابوسفیان بن حارث اور چھ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بات ممکن ہوئی کہ مسلمانوں کے اسی مختصر سی جماعت اور بہادر ساتھیوں کے ذریعے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شکست کو فتح سے تبدیل کرسکیں اور بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاسکیں۔

غزوۂ موتہ

غزوۂ موتہ میں وہ اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر قیادت اٹھارہ سال کی عمر میں شریک ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد کو اپنی آنکھوں کے سامنے میدان جنگ میں شہید ہوکر گرتے دیکھا، لیکن نہ تو اس سے ان کے حوصلے کم ہوئے نہ ان کی ہمت و بہادری میں کسی قسم کی کوئی کمی پیدا ہوئی۔ اور وہ اپنے والد کی شہادت کے باوجود نہ گھبرائے اور نہ ہی میدان چھوڑا، بل کہ وہ لڑتے رہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا پکڑ لیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا پکڑ لیا یہاں تک کہ وہ بھی اپنے دونوں ساتھیوں کی طرح شہید ہوگئے۔

اور پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لے کر لشکر کی قیادت کی یہاں تک کہ انہوں نے حکمت عملی سے اس مختصر لشکر کو رومیوں کے مضبوط پنجے سے چھڑا لیا۔

پھر وہ اپنے والد کی شہادت پر اللہ تعالیٰ سے بہترین اجر و ثواب کی امید لیے ہوئے اور ان کی نعش مبارک کو شام کی سرحد پر دفن کر کے مدینے واپس لوٹے۔ لوٹتے وقت وہ اسی گھوڑے پر سوار تھے جس پر ان کے والد نے شہادت پائی تھی۔

کم عمری میں رومیوں سے جنگ کرنے والی فوج کی قیادت سنبھالنا

۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کے لیے ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا اور اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر بڑے بڑے صحابہ کرام کو شامل کیا۔

اور اس پوری فوج کی قیادت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے کی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ لشکر کو لے کر حدود ''بلقاء'' اور قلعہ ''داروم'' تک ان سارے علاقوں کو روند ڈالیں جو روم کے شہر ''غزوہ'' سے متصل واقع ہیں۔

یہ لشکر ابھی روانہ ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور جب آپ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو فوج نے اس وقت تک اپنی روانگی روک دی جب تک آپ ﷺ کے مرض کی کوئی واضح صورت حال سامنے نہیں آ جاتی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔

''جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری نے تشویش ناک صورت اختیار کر لی تو میں اور میرے ساتھ دوسرے لوگ واپس آ گئے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ مرض کی شدت کے سبب گفتگو نہیں فرما سکتے تھے۔

آپ ﷺ اپنے ہاتھ مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور میرے اوپر رکھتے۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔''

جب آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر کیے گئے تو انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی روانگی کا حکم صادر فرمایا، لیکن انصار میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ابھی اسامہ کے لشکر کو روک لیا جائے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ وہ اس معاملے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات کریں۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا:

"فَإِنْ أَبٰى إِلَّا الْمُضِيَّ، فَأَبْلِغْهُ عَنَّا أَنْ يُوَلِّيَ أَمْرَنَا رَجُلاً أَقْدَمَ سِنًّا مِنْ أُسَامَةَ."

تَرْجَمَہ: ''اگر وہ نہ مانیں اور فوج کی روانگی پر اصرار کریں تو ان کی خدمت میں ہماری طرف سے یہ درخواست پہنچا دیجیے کہ وہ فوج کی قیادت کسی ایسے شخص کے حوالے کر دیں جو اسامہ سے بڑی عمر کے ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی زبان سے انصار کا یہ پیغام سنتے ہی اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ اس وقت وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کی داڑھی پکڑ کر نہایت غصے میں بولے:

"ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ وَعَدِمَتْكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَأْمُرُنِيْ اَنْ اَنْزِعَهُ؟ وَاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ ذَالِك."

تَرْجَمَہ: ''خطاب کے بیٹے! تمہاری ماں تمہیں گم کرے، رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کو مقرر فرمایا ہے اور تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اسے ہٹا دوں۔ اللہ کی قسم! یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔''

چناں چہ حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لوٹ کر لشکر والوں کے پاس پہنچے اور ان کو حضرت ابوبکر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کا جواب سنا کر خفا ہوتے ہوئے بولے:

"إِمْضُوْ ثَكِلَتْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ. لَقَدْ لَقِيْتُ فِيْ سَبِيْلِكُمْ مِنْ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَقِيْتُ."

تَرْجَمَہ: ''ہٹو، تمہاری مائیں تمہیں گم کریں۔ جلدی سے اپنے کام پر روانہ ہو جاؤ۔ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے خلیفۂ رسول (ابوبکر صدیق) سے سخت ڈانٹ سننی پڑی ہے۔''

مجاہدین کا یہ لشکر جب اپنے نوجوان امیر کی قیادت میں روانہ ہوا تو خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اس کو رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور پیدل اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت اسامہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے جو اپنے گھوڑے پر سوار تھے ان سے کہا:

"وَاللّٰهِ لَتَرْكَبَنَّ أَوْلَأَنْزِلَنَّ. فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: وَاللّٰهِ لَا تَنْزِلُ، وَوَاللّٰهِ لَا أَرْكَبُ ...... وَمَا عَلَيَّ أَنْ أُغَبِّرَ قَدَمَيَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سَاعَةً؟"

تَرْجَمَہ: ''خلیفۂ رسول! اللہ کی قسم! یا تو آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی نیچے اترتا ہوں۔'' لیکن حضرت ابوبکر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے سوار ہونے کے بجائے ان سے کہا۔ ''اللہ کی قسم! نہ تم نیچے اترو گے، نہ میں سوار ہوں گا...... کیا یہ میرے لیے اعزاز کی بات نہیں ہے کہ میرے پاؤں بھی تھوڑی

دیر اللہ کی راہ میں گرد آلود ہو جائیں؟"

پھر ان کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تمہیں خدا کے حوالے کرتا ہوں اور تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں نصیحت کرتا ہوں۔ جو انہوں نے تم کو دیا تھا۔"

پھر ان کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر مناسب سمجھو تو عمر کے ذریعے میری مدد کرو اور انہیں میرے پاس رک جانے کی اجازت دے دو۔"

اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دے دی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فوج لے کر روانہ ہوئے اور انہوں نے ہر اس حکم کی تعمیل کی جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا تھا۔ انہوں نے مسلمان شہ سواروں کو لے کر بلقاء کے سرحدی حدود اور سرزمین فلسطین کے قریب قلعۂ داروم تک تمام رومی علاقوں کو فتح کیا۔ انہوں نے رومیوں کا رعب اور دبدبہ مسلمانوں کے دلوں سے نکال پھینکا اور ان کے سامنے شام، مصر اور شمالی افریقہ میں بحر ظلمات تک فتح کی راہیں ہموار کر دیں۔ اور پھر وہ اسی گھوڑے پر سوار مدینہ واپس لوٹے جس پر ان کے والد شہید ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اس قدر مال غنیمت لے کر لوٹے تھے جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا یہاں تک کہا گیا:

"إِنَّهُ مَا رُئِيَ جَيْشٌ أَسْلَمُ وَأَغْنَمُ مِنْ جَيْشِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ."

ترجمہ: "آج تک ایسا کوئی لشکر دیکھنے میں نہیں آیا جو لشکر اسامہ سے زیادہ محفوظ ہو اور اس سے زیادہ مال غنیمت لے کر لوٹا ہو۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب تک زندہ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کی وجہ سے مسلمان ان کی بہت عزت و احترام کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے جو وظیفہ ان کے لیے مقرر کیا وہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے زیادہ تھا۔ اس پر انہوں نے اپنے والد سے کہا:

"يَا أَبَتِ، فَرَضْتَ لِأُسَامَةَ أَرْبَعَةَ آلَافٍ وَفَرَضْتَ لِي ثَلَاثَةَ آلَافٍ، وَمَا كَانَ لِأَبِيهِ مِنَ الْفَضْلِ أَكْثَرُ مِمَّا كَانَ لَكَ، وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الْفَضْلِ أَكْثَرُ مِمَّا لِي."

ترجمہ: "ابا جان! آپ نے اسامہ کے لیے چار ہزار اور میرے لیے صرف تین ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا ہے، حالاں کہ نہ ان کے والد آپ سے افضل تھے نہ اسامہ کو مجھ پر کوئی فضیلت حاصل

ہے۔"

حضرت عمر رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ان کو جواب دیا کہ افسوس! تمہیں معلوم نہیں کہ "تمہاری یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے...... اس لیے کہ اسامہ کا باپ تمہارے باپ سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کو زیادہ محبوب تھے۔ اور خود اسامہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔" حضرت عبداللہ رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

میرے امیر! خوش آمدید

حضرت عمر رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ جب حضرت اسامہ رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے ملتے تو خوشی سے پکار اٹھتے:

"مَرْحَبًا بِاَمِیْرِیْ."

تَرْجَمَہ: "میرے امیر! خوش آمدید۔"

اور جب کسی کو اس پر تعجب ہوتا تو فرماتے:

"لَقَدْ اَمَّرَہٗ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ."

تَرْجَمَہ: "رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے ان کو میرا امیر مقرر فرمایا تھا۔"

"رَحِمَ اللّٰہُ ھٰذِہِ النُّفُوْسَ الْکَبِیْرَۃَ، فَمَا عَرَفَ التَّارِیْخُ أَعْظَمَ وَلَا أَکْمَلَ وَلَا أَنْبَلَ مِنْ صَحَابَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ ان عظیم ہستیوں پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پوری تاریخ ایسے افراد سے ناآشنا ہے جو اصحاب رسول رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ سے زیادہ عظیم، کامل اور شریف ہو۔"

بلاشبہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کے صحابہ کرام رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ انسانیت کے اعلیٰ واکمل اور افضل مقام پر فائز تھے۔ تاریخ نے کبھی ان جیسے عظیم انسانوں کو نہیں دیکھا۔ رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

فوائد ونصائح

چھوٹی عمر میں دین کی خدمت کا جذبہ

حضرت اسامہ بن زید رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے مبارک حالات میں آپ نے یہ بات پڑھی ہوگی کہ وہ غزوۂ احد

سے واپس کیے گئے تھے کم عمری کی وجہ سے، پھر آپ نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ سب سے پہلے دینِ اسلام کی خاطر جب انہوں نے تلوار اٹھائی تو اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ غور کیجیے کہ اتنی کم عمر میں اتنا بڑا جذبہ کیسے پیدا ہوا اور کیوں کر ہوا، پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اکثر بچوں کا یہی حال تھا۔ آخر یہ سب کچھ کیسے ہوا؟

بالکل آسان سی بات ہے کہ والدین کی تربیت کا اثر ہے کہ جیسی تربیت دی جائے گی ویسے ہی ثمرات ظاہر ہوں گے۔ اب یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ کس قسم کی تربیت سے اپنی اولاد کو مزین کرتے ہیں۔ اور یہ بھی واضح سی بات ہے کہ والدین جیسے خود ہوں گے ویسے ہی اثرات بچوں پر بھی پڑیں گے۔ بہرحال بچوں کی تربیت کے حوالے سے ماں باپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لیے ہر والدین[1] کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی مناسب تربیت کے اصول کو جاننے والے ہوں۔

بہرحال! ہم سب کا فرض ہے کہ ہمارے بچوں کی دینی حوالے سے مضبوط تربیت ہو تا کہ یہ بچے کل دینِ اسلام کے کام آسکیں اور ہمارے حق میں صدقہ جاریہ بن سکے۔

مذاکرہ

سوال: غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کیوں واپس کر دیا؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کے لیے ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا تھا اس فوج کے قائد کون تھے؟

سوال: غزوۂ موتہ میں شرکت کے وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کتنی تھی؟

سوال: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتے تو کیا کہتے؟

* * *

---

[1] والدین کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا۔

① مثالی باپ ② مثالی ماں

نوٹ: دونوں کتابوں کا انگریزی میں The Ideal Father اور The Ideal Mother کے نام سے ترجمہ ہو کر دارالہدیٰ سے شائع ہو چکا ہے۔ اور مثالی ماں کا کامیاب ماء کے نام سے سندھی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"اَللّٰھُمَّ وَ إِنْ كُنْتَ حَرَمْتَنِیْ مِنْ هٰذَا الْخَیْرِ فَلَا تَحْرِمْ مِنْهُ ابْنِیْ سَعِیْدًا." (زید والد سعید)

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! اگرچہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ کرنا۔"

حضرت زید بن عمرو کا قریش کو توحید کی دعوت دینا

زید بن عمرو بن نفیل لوگوں کے ہجوم سے دور الگ تھلگ کھڑے ہو کر قریش کو عید کی خوشیاں مناتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے مردوں کو دیکھا جو قیمتی ریشمی عمامے اپنے سروں پر باندھے، قیمتی یمنی چادروں میں لپٹے بڑے فخر و غرور کے ساتھ اتراتے پھر رہے تھے۔

ان کی نظریں ان عورتوں اور بچوں پر پڑیں جو خوب صورت قیمتی لباس پہنے ہوئے اور عجیب قسم کے زیورات سے آراستہ میلے کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔ ان کی نظریں ان جانوروں کی طرف بھی گئیں جنہیں مکے کے خوشحال لوگ قسم قسم کی زینتوں سے آراستہ کر کے بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے لیے کھینچے چلے جا رہے تھے۔

وہ خانۂ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ: الشَّاةُ خَلَقَهَا اللّٰهُ، وَهُوَالَّذِیْ أَنْزَلَ لَهَا الْمَطَرَ مِنَ السَّمَاءِ فَرَوِیَتْ، وأَنْبَتَ لَهَا الْعُشْبَ مِنَ الْأَرْضِ فَشَبِعَتْ، ثُمَّ تَذْبَحُوْنَهَا عَلٰی غَیْرِ اسْمِهٖ، إِنِّیْ أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ."

تَرْجَمَہ: "قریش کے لوگو! بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اسی اللہ نے آسمان سے پانی برسایا جس کو پی کر وہ بکری سیراب ہوئی۔ اسی اللہ نے زمین سے گھاس اگائی، جس کو کھا کر اس بکری نے اپنا پیٹ بھرا، اور تم ہو کہ اسے غیر اللہ (بتوں) کے نام پر ذبح کرنے کے لیے کھینچے چلے جا رہے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑے ناسمجھ اور جاہل لوگ ہو۔"

یہ سن کر ان کے چچا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب غصے میں بھرے ہوئے ان کے

پاس پہنچے اور انہیں تھپڑ مارتے ہوئے بولے۔

''تیرا ناس ہو، تیری یہ بکواس ہم مسلسل سنتے اور اسے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں، مگر اب ہم اور برداشت نہیں کر سکتے۔''

اور پھر انہوں نے اپنے قبیلے کے بدمعاشوں اور لفنگوں کو ان کے خلاف اکسایا دیا جو ان کے پیچھے پڑ گئے اور ان کو اتنا ستایا کہ انہیں مجبوراً مکہ مکرمہ چھوڑ کر حرا کے پہاڑ کی طرف نکل جانا پڑا۔ چناں چہ اس کے بعد وہ صرف کبھی کبھی چھپ کر مکے میں داخل ہو پاتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ قریش کی لاعلمی میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حارث اور رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب سے جا ملے۔ ان کی اس مجلس میں وہی کفر و شرک کی باتیں ہو رہی تھیں جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے۔ آخر زید نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''إِنَّكُمْ. وَاللّٰهِ. لَتَعْلَمُوْنَ أَنَّ قَوْمَكُمْ لَيْسُوْا عَلٰى شَيْءٍ، وَأَنَّهُمْ أَخْطَأُوْا دِيْنَ إِبْرَاهِيْمَ وَخَالَفُوْهُ، فَابْتَغُوْا لِأَنْفُسِكُمْ دِينًا تُدِيْنُوْنَ بِهِ، إِن كُنْتُمْ تَرُوْمُونَ النَّجَاةَ.''

تَرجَمَہ: ''اللہ کی قسم! تم لوگوں کو یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ ہدایت پر نہیں ہیں۔ انہوں نے دین ابراہیمی کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کی مخالفت پر اتر گئے ہیں۔ لہٰذا اگر نجات چاہتے ہو تو اپنے لیے کوئی دین تلاش کرو اور اسی کے مطابق زندگی گزارو۔''

دین ابراہیمی کی تلاش

چناں چہ ان میں سے چاروں مرد، حنیفیت (دین ابراہیمی) کی تلاش میں یہودی اور نصرانی عالموں اور دیگر مذاہب کے اصحابِ علم کے پاس پہنچے۔ ان میں سے ورقہ بن نوفل نے تو نصرانیت اختیار کر لی، لیکن عبداللہ بن جحش اور عثمان بن حارث کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ رہے زید بن عمرو بن نفیل تو ان کی تلاشِ حق کی ان کوششوں کی کہانی بڑی دل چسپ ہے جو ہم انہیں کی زبانی آپ کو سناتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

''میں نے یہودیت اور نصرانیت پر غور کیا مگر مجھے ان دونوں مذاہب میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے مجھے ان کے دینِ حق ہونے پر اطمینان حاصل ہوتا، چناں چہ میں نے ان دونوں میں سے کسی پر توجہ نہیں دی اور دین ابراہیمی کی تلاش میں مختلف علاقوں میں پھرتا رہا۔ اسی سلسلے میں جب میں شام پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ یہاں ایک عیسائیوں کا عالم ہے جس کے پاس کتاب اللہ کا علم ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا اور اپنے مقصد سے اس کو

باخبر کیا۔ میری باتیں سن کر اس نے کہا:

"أَرَاكَ تُرِيْدُ دِيْنَ إِبْرَاهِيْمَ يَا أَخَامَكَّةَ."

ترجمہ: "مکی بھائی! میرا خیال ہے کہ تم دینِ ابراہیمی کی تلاش میں ہو۔"

میں نے کہا۔ "ہاں" "مجھے اسی کی جست جو ہے۔"

تب اس نے مجھ کو بتایا۔

"إِنَّكَ تَطْلُبُ دِيْنًا لَا يُوْجَدُ الْيَوْمَ، وَلٰكِنْ إِلْحَقْ بِبَلَدِكَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مِنْ قَوْمِكَ مَنْ يُجَدِّدُ دِيْنَ إِبْرَاهِيْمَ، فَإِذَا أَدْرَكْتَهُ فَالْتَزِمْهُ."

ترجمہ: "تم وہ دین ڈھونڈ رہے ہو جس کا آج کہیں وجود نہیں ہے۔ تم اپنے شہر واپس جاؤ اللہ تعالیٰ جلد وہاں سے ایک نبی کو بھیجنے والا ہے، جو دینِ ابراہیم کی تجدید کرے گا (یعنی پیروی کرے گا)۔ اگر تم اس کو پا جاؤ تو اسے لازم پکڑ لینا۔"

زید نبی موعود کی طلب میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹے۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا۔ لیکن زید آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے کیوں کہ دورانِ سفر بدؤں (دیہاتیوں) کی ایک ٹولی نے حملہ کر کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو قتل کر ڈالا اور اسی طرح ان کو موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کر سکیں۔ جس وقت وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، انہوں نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

"اَللّٰهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ حَرَمْتَنِيْ مِنْ هٰذَا لْخَيْرِ فَلَا تَحْرِمْ مِنْهُ ابْنِيْ سَعِيْدًا."

ترجمہ: "اے اللہ! اگرچہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ کرنا۔"

اللہ تعالیٰ نے زید کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نواز دیا۔ چناں چہ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو زید کے بیٹے سعید ان لوگوں میں تھے جو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کے نبی ﷺ کی تصدیق کی۔

اور اس میں کسی حیرت و تعجب کی بات اس لیے نہیں ہے کہ ان کی نشوونما اور تربیت ایک ایسے گھر میں ہوئی تھی جو ان گم راہیوں سے سخت نفرت کرتا تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے، اور ان کی پرورش ایک ایسے

باپ نے کی تھی جو زندگی بھر حق کی تلاش میں پھرتے رہے اور انہیں موت آئی تو اس حال میں کہ حق کو پالینے کی آرزو ان کے دل میں تھی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا اکیلے ہی مسلمان نہیں ہوئے بل کہ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مسلمان ہوئیں۔

اس قریشی نوجوان نے دین کی خاطر اپنی قوم کے ہاتھوں سخت سے سخت اور صبر آزما اذیتوں اور تکلیفوں کا سامنا کیا۔ لیکن قریش اس کو دین اسلام سے پھیر لینے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ بل کہ اس کے برعکس وہ اور اس کی بیوی دونوں مل کر کفر کی ایک نہایت اہم شخصیت کو اسلام کی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ یعنی وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کا سبب بنے۔

غزوات میں شرکت

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، اس وقت ان کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی پوری جوانی اور ساری صلاحیتیں خدمتِ اسلام کی راہ میں کھپا دیں۔ وہ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

غزوۂ بدر میں غیر حاضر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک دوسری اہم ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی۔

انہوں نے ایران کے بادشاہ کسریٰ، کو تخت وتاج سے محروم کرنے اور روم کے بادشاہ قیصر کو اس کے ملک سے نکالنے میں مسلمانوں کے ساتھ بھر پور حصہ لیا اور مسلمانوں کو جب بھی کسی خطرناک جنگ کا سامنا کرنا پڑا، حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں بے مثال جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کیا اور قابل قدر و قابل تعریف کارنامے انجام دیے۔

جنگِ یرموک

ان کی دلیری وجاں بازی کا حیرت ناک کارنامہ وہ ہے جو جنگِ یرموک میں انہوں نے انجام دیا تھا اور جو اس جنگ کی تاریخ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس کی ایک ہلکی سی جھلک ان کے اس بیان سے ہمارے سامنے آتی ہے جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ چناں چہ وہ بیان فرماتے ہیں:

”جنگِ یرموک کے موقع پر ہماری تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی اس کے مقابلے میں رومی فوج ایک لاکھ بیس

ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ وہ اس طرح بھاری قدموں کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہے تھے جیسے پہاڑ ہوں، جنہیں خفیہ ہاتھ حرکت دے رہے ہوں۔

ان کے راہب اور بزرگ مذہبی پیشوا اپنے ہاتھوں میں صلیبیں اٹھائے ان کے آگے آگے چل رہے تھے۔ وہ بلند آواز سے اپنی فوج کی فتح و کامرانی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور ان کے پیچھے ان کی پوری فوج ان کے الفاظ کو اس طرح بلند آواز کے ساتھ دوہرا رہی تھی جیسے بجلی گرج رہی ہو۔

جب مسلمانوں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو ان کی کثرت تعداد اور جاہ و جلال کی وجہ سے ان کے اوپر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور ان کے دلوں میں اپنے دشمن کا خوف بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو فوج کے سپہ سالار تھے کھڑے ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کو جہاد و قتال اور جاں بازی پر ابھارتے ہوئے فرمایا:

”عِبَادَ اللّٰهِ، اُنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُم وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ. عِبَادَا اللّٰهِ، اِصْبِرُوْا فَإِنَّ الصَّبْرَ مَنْجَاةٌ مِنَ الْكُفْرِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ، وَمَدْحَضَةٌ لِلْعَارِ، وأَشْرِعُوا الرِّمَاحَ، وَاسْتَتِرُوْا بِالتُّرُوْسِ، وَالْزَمُوا الصَّمْتَ إلاَّ مِنْ ذِكْرِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ أَنْفُسِكُمْ، حَتّٰى آمُرَكُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.“

تَرْجَمَہ: ”اللہ کے بندو! اللہ کی مدد کرو، وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اللہ کے بندو! اللہ کی راہ میں ڈٹ جاؤ اور صبر سے کام لو۔ صبر، یقیناً کفر سے نجات کا، رضاء الٰہی کے حصول کا اور ذلت و برائی کو دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔

اپنے نیزے کو درست کرلو، اپنی ڈھالوں کو آڑ بنالو اور جب تک میں تمہیں حملہ کرنے کا اشارہ نہ کروں، خاموشی اختیار کیے رہو اور دلوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو۔“

حضرت سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے آگے فرماتے ہیں۔

”اسی وقت مسلمانوں کی صف میں سے ایک شخص باہر نکلا اور آگے بڑھ کر اس نے حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا:

”إِنِّيْ أَزْمَعْتُ عَلٰى أَنْ أَقْضِيَ أَمْرِي السَّاعَةَ، فَهَلْ لَكَ مِنْ رِسَالَةٍ تَبْعَثُ بِهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟“

تَرْجَمَہ: ”میں نے عزم کیا ہے کہ میں ابھی اسی وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کروں۔ تو کیا

آپ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں؟"

"نَعَمْ، تَقْرِئُهُ مِنِّيْ وَمِنَ الْمُسْلِمِيْنَ السَّلَامَ، تَقُوْلُ لَهُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّا وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا."

تَرجَمہ: "انہوں نے کہا۔ ہاں" "تم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں میری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے سلام پہنچانے کے بعد عرض کر دینا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے رب نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ سب ایک ایک کر کے پورے ہو گئے۔"

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے اس کی باتیں سنیں اور اسے میان سے تلوار کھینچ کر دشمن کے مقابلے میں جاتے دیکھا، اس نے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا نیزہ سیدھا کر لیا اور لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اور دشمن کی طرف سے سب سے پہلا سوار جو ہماری طرف بڑھا اسے اپنے نیزے میں پرو لیا۔ پھر دشمن پر جھپٹ پڑا۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ میرے دل سے ہر قسم کے خوف و ہراس کو دور کر چکا تھا۔ اور پھر سارے مسلمان رومیوں پر اچانک ٹوٹ پڑے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نصرت اور کامیابی سے نہیں نوازا، برابر ان سے لڑائی میں مصروف رہے۔"

اس کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کی فتح میں شریک ہوئے۔ جب اہل دمشق نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کے سب سے پہلے مسلمان گورنر تھے۔

اروٰی بنت اویس کا نابینا ہو جانا

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس کو مدینے کے لوگ بہت دنوں تک بیان کرتے رہے۔

ہوا یہ کہ اروٰی بنت اُویس نامی ایک عورت نے یہ الزام عائد کیا کہ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی زمین کا ایک حصہ چھین کر اپنی زمین میں شامل کر لیا ہے۔ پہلے تو وہ اس بات کو مسلمانوں میں اِدھر اُدھر بیان کر کے حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرتی رہی، پھر اسے ایک مقدمے کی شکل میں مروان کی عدالت میں پیش کر دیا جو اس وقت مدینے کا گورنر تھا۔ جب مروان نے اس معاملے میں گفتگو کرنے کے لیے چند آدمیوں کو ان کے پاس بھیجا تو یہ بات رسول اللہ ﷺ کے اس معزز صحابی کو بہت بری محسوس ہوئی اور

انہوں نے فرمایا:

"يَرَوْنَنِيْ أَظْلِمُهَا!! كَيْفَ أَظْلِمُهَا؟ وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ."

تَرْجَمَۃ: "لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس کی زمین دبالی ہے!! میں یہ ظالمانہ حرکت کیسے کرسکتا ہوں؟ جب کہ میں نے خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین پر ناجائز قبضہ کرے گا، قیامت کے روز ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔"

پھر انہوں نے اس کے حق میں بددعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّهَا قَدْ زَعَمَتْ أَنِّيْ ظَلَمْتُهَا، فَإِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً، فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَأَلْقِهَا فِيْ بِئْرِهَا الَّذِيْ تُنَازِعُنِيْ فِيْهِ، وَأَظْهِرْ مِنْ حَقِّيْ نُوْرًا يُبَيِّنُ لِلْمُسْلِمِيْنَ أَنِّيْ لَمْ أَظْلِمْهَا."

تَرْجَمَۃ: "خدایا! وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے۔ اگر وہ جھوٹی ہے تو اسے نابینا کر کے اسی (زمین کے) کنویں میں گرادے جس کے بارے میں وہ مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔ اور میرے حق کو روشن کردے تاکہ مسلمانوں کے لیے یہ بات واضح ہو کر سامنے آئے کہ میں نے اس پر ظلم نہیں کیا تھا۔"

اس کے چند ہی دنوں کے بعد وادیٔ عقیق میں ایسا زبردست سیلاب آیا کہ اس سے پہلے ایسا سیلاب نہیں آیا تھا۔ اس سیلاب نے دونوں زمینوں کے درمیان واقع فاصلہ قائم کردیا جس کے متعلق دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی کھل کر سب کے سامنے آگئی کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملے میں حق پر تھے۔ اور ایک مہینے کے اندر ہی وہ عورت اندھی ہوگئی، اور ایک دن جب وہ اپنی اسی زمین میں گھوم رہی تھی۔ کنویں میں گر پڑی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں۔

ہم لوگ اس وقت، اپنے لڑکپن میں لوگوں کو غصہ میں ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سنتے تھے۔

"اَعْمَاكَ اللّٰهُ كَمَا اَعْمَى الْاَرْوٰى."

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ تجھے اندھا کردے جیسا کہ اروی کو کیا ہے۔"

اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ."

ترجمہ: "مظلوم کی بددعا سے بچو، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔"

خصوصاً اس وقت اللہ اور اس کے مظلوم بندے کے درمیان کیسے کوئی پردہ ہوتا جب مظلوم حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ان دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے جنہیں نبی کریم ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے رکھی تھی۔

فوائد و نصائح

والدین کی دعائیں مقبول ہیں

والدین کی دعا کتنی قیمتی ہوتی ہے کہ زید نے اپنے بیٹے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہدایت اور دینِ اسلام کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شرف قبولیت بخشا۔ اس واقعے سے ہمیں اندازہ لگانا چاہیے کہ والدین کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں والدین سے دعائیں لینے کی فکر کرتے رہنا چاہیے۔

ایک تو یہ کہ انسان اپنے والدین سے دعا کی درخواست کرے آپ میرے لیے دعا کرو۔ اور ایک یہ ہے کہ والدین کی ایسی اطاعت اور فرماں برداری کی جائے، اور اس طرح ان کی خدمت کی جائے کہ وہ دل سے دعائیں دیں۔ جب وہ اولاد کی خدمت و اطاعت سے خوش ہوں گے تو ان کے دل سے دعائیں نکلیں گی۔ جو اولاد کے لیے بہتر اور مفید سرمایہ ہوں گی، یہ دعائیں دنیا میں بھی کام دیں گی اور آخرت میں بھی فائدہ پہنچائیں گی۔ اس لیے کہ والدین کے خوش ہونے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔

والدین کے لئے یہ دعائیں مانگیں

اولاد کو چاہیے کہ اپنے والدین کے لیے یہ دعائیں کرے۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ."[1]

ترجمہ: "اے ہمارے رب! مجھ کو بخش دے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو اس دن جب کہ حساب ہو۔"

"رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا."[2]

---

[1] ابراہیم: ٤٠ [2] بنی اسرائیل: ٢٤

تَرْجَمَہ: ”اے رب! ان (والدین) پر رحم فرما جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔“

”اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِیْ وَبِهِمْ عَاجِلاً وَّاٰجِلاً فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مَا اَنْتَ لَهٗ اَهْلٌ، وَلَا تَفْعَلْ بِنَا یَامَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَهٗ اَهْلٌ، اِنَّكَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ جَوَادٌ كَرِیْمٌ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔“[1]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! میرے ساتھ اور میرے والدین کے ساتھ جلدی ہو یا دیر سے دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ فرما جو آپ کی شایانِ شان ہو (اور میرے اور میرے والدین کے ساتھ جلدی ہو یا دیر سے دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں) وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم اہل ہیں۔ اے میرے آقا! بے شک تو بخشنے والا، بردبار، بہت سخی، کرم کرنے والا، درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (یعنی اے اللہ! ہمارے ساتھ اپنے خاص فضل و کرم والا معاملہ فرما)۔“

مظلوم کی آہ سے بچیے

حضرت سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اس واقعے میں ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہم ظلم کرنے سے بچیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی مدد نہیں فرماتے اور مظلوم کی بددعا کو فوراً سنتے ہیں، ہمیں مظلوم کی مدد کرنی چاہیے اور ہر طرح کے ظلم سے بچنا چاہیے یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں اور کیڑوں پر بھی ظلم نہیں کرنا چاہیے۔

مظلوم کی آہ سے بچنے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ”مظلوم کی آہ سے بچیے“ کا بھی ہدایت کی نیت سے ضرور مطالعہ کریں۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے والد زید نے انتقال کے وقت کیا الفاظ کہے؟

سُؤال: حضرت سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی کا کیا نام تھا اور وہ کون سے خلیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بہن تھیں؟

سُؤال: دمشق کے فتح ہونے کے بعد سب سے پہلے مسلمان گورنر کون مقرر ہوئے اور کس نے مقرر کیا؟

سُؤال: حضرت سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے الزام لگانے والی عورت کو کیا بددعا دی؟

---

[1] ارشاد الساری: صفحہ ۸، طبع بیروت

حضرت عمیر بن سعد انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"عُمَیْرُ بْنُ سَعْدٍ نسِیجُ وَحْدِہٖ." (عمر بن الخطاب)
تَرْجَمَۃٌ: "عمیر بن سعد علم و ہنر میں ایک منفرد حیثیت رکھتے تھے۔"

آپ کا بچپن اور قبولِ اسلام

ننھے عمیر نے ابھی مکمل ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا اور وہ چھوٹی عمر کے بچے ہی تھے کہ ان کے والد سعد کا انتقال ہوگیا اور یہ بہت چھوٹی عمر میں ہی یتیم ہوگئے۔ باپ نے مرتے وقت نہ مال و دولت چھوڑی تھی، نہ کوئی سرپرست، جس کی وجہ سے عمیر بے سہارا رہ گئے۔

لیکن بیوہ ہونے کے کچھ دنوں بعد ہی ان کی ماں نے قبیلہ بنی اوس کے ایک مال دار شخص جلاس بن سوید سے نکاح کرلیا، جس نے عمیر بن سعد کو اپنی سرپرستی میں لے کر ان کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جلاس نے عمیر کو بہت پیار دیا، ان سے ایسی شفقت و محبت اور حسنِ سلوک سے پیش آیا کہ وہ اپنا یتیم ہونا بھول گئے۔

عمیر کو نشو و نما پاتے اور پروان چڑھتے دیکھ کر جلاس پھولے نہ سماتا، کیوں کہ عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے تمام اعمال اور ان کی ساری حرکات و سکنات میں ذہانت و عقل مندی کے آثار واضح طور پر محسوس ہو رہے تھے۔

عمیر بن سعد کی عمر ابھی دس سال سے کچھ ہی زیادہ تھی کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور وہ اسلام کے ٹھنڈے اور نرم سائے میں آگئے۔ ایمان ان کے سادہ پاک اور معصوم دل میں اچھی طرح رچ بس گیا۔

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی کم عمری کے باوجود ہر نماز رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ باجماعت ادا کرتے۔ اور جب ان کی ماں کبھی انہیں اکیلے اور کبھی اپنے شوہر کے ساتھ مسجد جاتے یا مسجد سے واپس آتے دیکھتی تو ان کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا۔

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زندگی کے دن اور رات اسی طرح عیش و آرام اور مسرت و خوشیوں کے ساتھ گزر رہے تھے کہ انہیں ایسی ایک سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا کہ شاید ہی اس عمر کا کوئی بچہ

اس سے دوچار رہا ہو۔

جلاس کا آپ کو جھوٹا قرار دینا

ہوا یہ کہ ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کے لیے تبوک جانے کا اعلان فرمایا، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے تیاریاں مکمل کرلیں۔ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی غزوے کا ارادہ کرتے تو اسے صاف صاف بیان نہیں فرماتے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالکل صحیح طور پر یہ نہیں سمجھ پاتے کہ کہاں اور کس سے جنگ ہوگی۔

مگر خلافِ معمول غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے وضاحت کے ساتھ یہ بات بتا دی کہ رومیوں سے جنگ کے لیے تبوک چلنا ہے۔ کیوں کہ تبوک کی یہ جنگ طویل فاصلے ...... مشکل سفر ...... اور دشمن کی طاقت وقوت کے اعتبار سے بہت اہم تھی، اور مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے موقع کے مطابق مناسب اور اطمینان بخش تیاری کرلیں۔

اس وقت موسم گرما شروع ہو چکا تھا ...... دھوپ میں کافی شدت آگئی تھی ...... باغوں میں پھل پک کر تیار ہو چکے تھے ...... سائے گھنے اور خوش گوار ہو گئے تھے ...... اور اس وقت کسی جنگی مہم پر جانا اور ایسا طویل ودشوار سفر کرنا آسان نہ تھا۔ مگر ان سب چیزوں کے باوجود اسلام کو دل سے ماننے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کو بہت خوش دلی کے ساتھ قبول کیا اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

البتہ منافقین کی ایک ٹولی اس دینی سفر کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ ایسی باتیں کرتے جن سے مخلص مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں ...... حوصلے ٹوٹ جائیں ...... اور ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں۔ وہ حضور ﷺ پر آوازیں کستے اور اپنی مجلسوں میں بلاخوف ایسی باتیں اپنی زبانوں پر لاتے جو ان کے کفر کی واضح دلیلیں ہوتیں۔

لشکر کی روانگی سے چند روز پہلے کی بات ہے، ایک دن حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آئے، وہاں انہوں نے مسلمانوں کے ایثار وقربانی اور اللہ کے راستے میں نکلنے کے جو حسین ودل کش مناظر دیکھے اور ایمان ویقین اور عزم وحوصلے سے بھرپور جو باتیں سنیں، ان سے ان کا دل جوش ومسرت سے بھر رہا تھا۔

انہوں نے مہاجرین و انصار کی عورتوں کے جذبے کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے زیورات اتار کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیے، تاکہ آپ ﷺ مجاہدین کے لیے سامانِ جہاد فراہم کر سکیں۔

انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو دیکھا کہ وہ چمڑے کی تھیلی جس میں ایک ہزار دینار تھے، لائے اور اسے بارگاہِ نبوت میں پیش کر دیا۔ ان کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے کندھے پر سو سو اوقیہ سونا لادے چلے آرہے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں، بل کہ انہوں نے تو یہ منظر بھی دیکھا کہ ایک شخص اپنا بستر فروخت کے لیے پیش کر رہا ہے، تاکہ اس کی قیمت سے وہ اپنے لیے ایک تلوار خرید کر جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو سکے۔

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی آنکھوں کے سامنے جوش...... ولولے...... اور جذبۂ جہاد کے مناظر بار بار آتے تو آپ کی دلی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ لیکن وہ اس بات پر تعجب کرتے کہ جلاس بن سوید چپکے سے گھر بیٹھا ہوا ہے۔

انہوں نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ وہ جلاس کو اس کی طرف توجہ دلائیں گے اور اس کی ہمت کو ابھاریں گے۔ انہوں نے جلاس کے سامنے وہ ساری حوصلہ افزا اور ایمان افروز باتیں بیان کرنی شروع کیں جنہیں وہ سن کر آئے تھے، اور وہ تمام مناظر بتانے لگے جنہیں ان کی آنکھیں دیکھ کر آئی تھیں۔

خاص کر انہوں نے اُن مفلس مسلمانوں کے شوقِ جہاد کی باتیں اسے بتائیں جو حضور ﷺ کے پاس آئے، اور بڑی عاجزی کے ساتھ یہ درخواست پیش کی کہ انہیں بھی مجاہدین کی صف میں شامل کر لیا جائے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی درخواست اس وجہ سے رد کر دی کہ آپ ﷺ کے پاس ان کے لیے سواریوں کا انتظام نہ تھا۔

اور وہ اپنی اس محرومی پر آنسو بہاتے ہوئے واپس چلے گئے کہ ان کو وہ ساز و سامان میسر نہیں جن کو لے کر وہ جہاد میں شریک ہوں اور اپنی آرزو پوری کریں، لیکن حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہ باتیں سنتے ہی جلاس کے منہ سے ایک ایسی بات نکلی جس نے اس کم سن مومن کے ہوش اڑا دیے۔ اس نے کہا:

"إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ صَادِقًا فِيمَا يَدَّعِيهِ مِنَ النُّبُوَّةِ فَنَحْنُ شَرٌّ مِّنَ الْحَمِيرِ."

تَرجَمہ: "اگر محمد (ﷺ) نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تب پھر ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہیں۔"

"نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ"

تَرجَمَہ: ”ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس سے۔“

جلاس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سن کر حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حیرت و تعجب میں ڈوب گئے۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ جلاس جیسے تجربہ کار اور سمجھ دار شخص کے منہ سے ایسی بات نکلے گی جو اسے اچانک دائرہ ایمان سے نکال کر حلقۂ کفر میں داخل کر دے گی۔

حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایمانی غیرت

نوعمر اور کم سن حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس صورتِ حال سے سخت پریشان تھے، وہ اِس سوچ و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اس وقت وہ اپنی ذمہ داری کس طرح ادا کریں۔ انہوں نے سوچا کہ جلاس کی طرف سے خاموشی اختیار کر کے اس کی پردہ پوشی کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت ہے اور اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ اور جو کچھ سنا ہے اسے ظاہر کر دینے میں ایک ایسے شخص کی احسان فراموشی ہے جس نے اسے باپ کا پیار دیا، اور یتیمی و تنگ دستی کی حالت میں پناہ دی۔

نوجوان حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس پریشانی میں تھوڑی دیر کھڑے رہے، مگر جلد ہی وہ ایک قطعی اور آخری فیصلے پر پہنچ گئے۔ وہ جلاس کی طرف متوجہ ہو کر بولے:

> ”وَاللّٰہِ یَا جُلَاسُ! مَا کَانَ عَلٰی ظَھْرِ الأَرْض أَحَدٌ بَعْدَ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ أَحَبَّ إِلَیَّ مِنْكَ. فَأَنْتَ آثَرُ النَّاسِ عِنْدِیْ، وَأَجَلُّھُمْ یَدًا عَلَیَّ، وَلَقَدْ قُلْتَ مَقَالَةً إِنْ ذَکَرْتُھَا فَضَحْتُكَ، وَ إِنْ أَخْفَیْتُھَا خُنْتُ أَمَانَتِیْ وَأَھْلَكْتُ نَفْسِیْ وَدِیْنِیْ، وَقَدْ عَزَمْتُ عَلٰی أَنْ أَمْضِیَ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَأُخْبِرَہٗ بِمَا قُلْتَ، فَکُنْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِنْ أَمْرِكَ.“

تَرجَمَہ: ”اللہ کی قسم اے جلاس! محمد ﷺ کے بعد روئے زمین پر کوئی دوسرا شخص مجھے آپ سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ مگر آپ نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اس کا ذکر کروں تو آپ کو ذلیل و رسوا کر دوں۔ اور اگر خاموشی اختیار کر لوں تو خیانت کرنے کا مجرم ٹھہروں اور اپنے دین و ایمان کو اپنے ہاتھوں تباہ و برباد کر لوں۔ میں اس بات کا عزم کر چکا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی کہی ہوئی بات بتا دوں گا۔ آپ اپنے لیے بچاؤ کا جو طریقہ چاہیں سوچ لیں۔“

اس کے بعد حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد پہنچ کر وہ سب کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا جو انہوں نے جلاس سے سنا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس ہی روک لیا اور ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ جلاس کو بلا لائیں۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ جلاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور سلام کر کے آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔

جلاس! یہ کیسی بات ہے جو عمیر نے تم سے سنی ہے۔؟

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات اسے بتائی۔ جلاس نے جواب دیا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے سراسر جھوٹ بولا ہے میں نے یہ بات نہیں کہی ہے۔''

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم باری باری جلاس اور حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنے لگے، تاکہ وہ ان کے چہروں سے ان کے دلوں کی باتوں کا اندازہ لگا سکیں۔ اور وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں بھی کرنے لگے۔ ایک منافق شخص بولا:

''فَتًى عَاقٌّ أَبىٰ إِلَّا أَنْ يُسِيْءَ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْهِ.''

تَرجَمہ: ''یہ لڑکا بڑا نافرمان اور احسان فراموش ہے۔ اپنے محسن کے ساتھ بدی کرنے پر تلا ہوا ہے۔''

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''نہیں یہ ایک لائق و قابل اور سعادت مند بچہ ہے، اس کے چہرے سے اس کی سچائی ثابت ہو رہی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رخ کیا تو دیکھا، ان کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہہ کر ان کے چہرے پر گر رہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں:

"اللّٰهُمَّ أَنْزِلْ عَلٰى نَبِيِّكَ بَيَانَ مَا تَكَلَّمْتُ بِهٖ ...... اللّٰهُمَّ أَنْزِلْ عَلٰى نَبِيِّكَ بَيَانَ مَا تَكَلَّمْتُ بِهٖ ......"

تَرجَمہ: ''اے اللہ!! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر میرے بیان کی تصدیق نازل فرما دے، اے اللہ! ......''

آپ کی دعا پر قرآن کا نزول

جلاس نے اپنی سچائی پیش کرتے ہوئے کہا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست اور حق ہے، آپ چاہیں تو ہم دنوں سے حلف لے لیں اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں:

''میں نے وہ بات نہیں کہی جو عمیر نے آپ سے بیان کی ہے۔''

جیسے ہی وہ قسم سے فارغ ہوا اور لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف سے ہٹ کر حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف گئیں، تو رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کے آثار طاری ہو گئے۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے، سب اپنی اپنی جگہوں پر خاموش اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئے اور ان کی نگاہیں حضور ﷺ پر جم گئیں۔ اس وقت جلاس کے چہرے پر خوف طاری ہو گیا، اور حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اوپر اطمینان اور انتظار کی کیفیت طاری تھی۔

تھوڑی دیر میں جب آپ ﷺ کے اوپر سے نزولِ وحی کے آثار زائل ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمانِ الٰہی کی تلاوت فرمائی:

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ [1]

تَرْجَمَہ: ''یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا، حالاں کہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔ یہ صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے دولت مند کر دیا، اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے، اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہو گا۔''

اس آیت کو سنتے ہی جلاس خوف سے کانپنے لگا اور اس کی زبان اس کے تالو سے چپک گئی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور بڑی مشکل سے بولا:

''بَلْ أَتُوْبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. بَلْ أَتُوْبُ ......''

---

[1] اَلتَّوْبَة: ۷۴

"صَدَقَ عُمَيْرٌ. يَا رَسُوْلَ اللّٰه. وَكُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ.
إِسْأَلِ اللّٰهِ أَنْ يَقْبَلَ تَوْبَتِيْ، جُعِلْتُ فِدَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ."

تَرجَمَۃ: "عمیر نے سچ کہا ہے اور میں جھوٹا ہوں۔ یا رسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف توجہ فرمائی تو دیکھا کہ خوشی کے آنسوان کے منور چہرے کو تر کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک بڑھا کر نرمی سے ان کا کان پکڑا اور فرمایا:

"وَفَتْ أُذُنُكَ يَا غُلَامُ مَا سَمِعَتْ، وَصَدَّقَكَ رَبُّكَ"

تَرجَمَۃ: "اے بچے! تیرے کانوں نے جو کچھ سنا، صحیح سنا۔ تیرے رب نے تیری بات کی تصدیق کر دی۔"

اس کے بعد جلاس مکمل طور پر دائرہ اسلام میں واپس آ گئے اور زندگی بھر اس پر ثابت قدم رہے۔ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ان کے بہترین طرزِ عمل کو دیکھا، کیوں کہ انہوں نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پہلے جیسے برتاؤ میں کوئی کمی نہیں کی، بل کہ پہلے سے زیادہ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتے رہے۔ جب بھی ان کے سامنے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چھڑتا تو وہ کہتے:

"جَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّيْ خَيْرًا، فَقَدْ أَنْقَذَنِيْ مِنَ الْكُفْرِ، وَأَعْتَقَ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ."

تَرجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ اسے جزاءِ خیر (بہترین بدلہ) عطا فرمائے، اس نے مجھے کفر سے نجات دلائی اور میری گردن کو جہنم کے عذاب سے چھڑا لیا۔"

یہ نوعمر صحابی حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات ہیں جو انتہائی پسندیدہ اور خوب صورت ہیں۔ ان کے کچھ مزید دل نشین و دل چسپ حالات ہم اگلے صفحات میں ذکر کریں گے۔

فوائد ونصائح

بچوں کو نماز کا پابند بنائیے

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم خود بھی پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام کرنے والے ہوں اور اپنے بچوں پر بھی نماز کی محنت کرنے والے ہوں، حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے حالات میں یہ بات بھی تھی:

''حضرت عمر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کم عمری کے باوجود ہر نماز رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ باجماعت ادا کرتے۔''

بچوں میں اس طرح کے جذبات والدین کی محنت سے پیدا ہوتے ہیں اور والدین جیسی بھی تربیت کریں گے بچہ ویسی ہی نشو ونما پائے گا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ تربیت کا زمانہ ابتدائی عمر ہی کا زمانہ ہے ورنہ بعد میں حسرت اور پچھتاوا ہی رہ جاتا ہے۔

اس لیے بچوں کی ابتدائی عمر کو غنیمت جان کر بھرپور فائدہ اٹھایئے اور معاشرے میں قدم رکھنے والے اس انسان کو حسنِ ادب اور زیورِ اخلاق سے خوب آراستہ و پیراستہ کیجیے کہ یہ سب کچھ چھوٹی عمر میں ممکن ہے۔

شیخ الحدیث صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی کتاب فضائل اعمال میں ایک حدیث کے فائدے میں تحریر فرماتے ہیں:

''آج کل اولاد کو شروع میں تو محبت کے جوش میں تنبیہ نہیں کی جاتی جب وہ بری عادتوں میں پختہ ہو جاتے ہیں تو روتے پھرتے ہیں حالاں کہ یہ اولاد کے ساتھ محبت نہیں سخت دشمنی ہے۔ کہ اس کو بری باتوں سے روکا نہ جائے اور مار پیٹ کو محبت کے خلاف سمجھا جائے کون سمجھ دار اس کو گوارا کر سکتا ہے کہ اولاد کے پھوڑے پھنسی کو بڑھایا جائے اور اس وجہ سے کہ نشتر لگانے سے زخم اور تکلیف ہوگی عمل جراحی نہ کرایا جائے بل کہ لاکھ بچہ روئے منہ بنائے بھاگے بہرحال نشتر لگانا ہی پڑتا ہے۔''

اس لئے ہمیں چاہیے کہ اولاد کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیں ان شاء اللّٰہ آگے چل کر یہی بچے ہمارے لیے صدقہ جاریہ اور آنکھ کی ٹھنڈک اور نیک نامی کا ذریعہ بنیں گے۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب اسلام قبول کیا تو اس وقت ان کی عمر کتنی تھی؟

سُوال: جلاس کے منہ سے ایک کفریہ بات نکلنے پر حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس سے کیا کہا؟

سُوال: حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سچائی میں اللہ تعالیٰ نے کون سی آیت نازل فرمائی؟

سُوال: غزوۂ تبوک کون سے سال ہوا تھا اور اس موقع پر کس کس صحابی نے کتنا کتنا مال حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا؟

حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''لَكَمْ وَدِدْتُ أَنَّ لِيْ رِجَالاً مِثْلَ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ لَأَسْتَعِيْنَ بِهِمْ فِيْ أَعْمَالِ الْمُسْلِمِيْنَ۔'' (عمر بن الخطاب)
ترجمہ: ''کاش! میرے پاس عمیر بن سعد جیسے کچھ اور ساتھی ہوتے جن سے میں مسلمانوں کے کاموں میں مدد لیتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کو حمص کا گورنر مقرر کرنا

حمص کے باشندے اپنے گورنروں کو پریشان اوران کے خلاف شکایت کرنے میں مشہور تھے۔ جب بھی ان کے یہاں کوئی گورنر آتا اس کے اندر ضرور کوئی نہ کوئی عیب ڈھونڈ نکالتے، اس کی شکایت دربارِ خلافت میں پہنچاتے اور خلیفہ سے مطالبہ کرتے کہ اسے فوری طور پر تبدیل کر دیا جائے اور اس کی جگہ پر اس سے بہتر حاکم مقرر کیا جائے۔

یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طے کر لیا تھا کہ ان کے اوپر کسی ایسے شخص کو گورنر بناؤں گا جس کی سیرت و کردار پر انہیں کسی طرح سے اعتراض اور نکتہ چینی کا موقع نہ مل سکے۔

انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے تمام قابلِ اعتماد افسروں پر نظر ڈالی۔ آخر کار انہوں نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب کیا۔ ان کی نظر میں اس عہدہ کے لیے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مناسب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔

اس کے باوجود کہ انہوں نے شام کے علاقے ''الجزیرہ'' میں مسلمانوں کی ایک جماعت کی قیادت کرتے ہوئے بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا تھا اور تمام علاقوں میں مساجد بناتے ہوئے بڑی تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے، بہت سے قبائل کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ اچانک امیر المؤمنین نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کے علاقے سے واپس بلا کر حمص کی گورنری کا عہدہ ان کے سپرد کیا اور انہیں وہاں جانے کا حکم دیا۔

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلے میں کوئی چیز قابلِ ترجیح نہ تھی، مگر انہوں نے امیر المؤمنین کے حکم کو خوشی سے قبول کر لیا۔ جب وہ حمص پہنچے تو سب سے پہلے لوگوں کو مسجد

میں نماز کے لیے جمع کیا، نماز ختم ہوئی تو تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ الإِسْلَامَ حِصْنٌ مَنِيعٌ وَبَابٌ وَثِيقٌ، وَحِصْنُ الْإِسْلَامِ الْعَدْلُ وَبَابُهُ الْحَقُّ. فَإِذَا دُكَّ الْحِصْنُ وَحُطِمَ الْبَابُ اسْتُبِيحَ حِمَى هٰذَا الدِّيْنِ. وَ إِنَّ الْإِسْلَامَ مَا يَزَالُ مَنِيعًا مَا اشْتَدَّ السُّلْطَانُ. وَلَيْسَتْ شِدَّةُ السُّلْطَانِ ضَرْبًا بِالسَّوْطِ وَلَا قَتْلاً بِالسَّيْفِ وَلٰكِنْ قَضَاءً بِالْعَدْلِ وَأَخْذًا بِالْحَقِّ."

تَرجَمَۃ: "لوگو! اسلام ایک محفوظ قلعہ اور مضبوط دروازے کی طرح ہے، حقیقۃً اسلام کا قلعہ عدل و انصاف اور اس کا دروازہ حق وصداقت ہے۔

اگر قلعہ ٹوٹ جائے اور دروازہ اکھڑ جائے تو اس دین کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ حکومت لوگوں کو کوڑے سے پیٹنے اور تلوار سے قتل کرنے سے مضبوط نہیں ہوتی بل کہ اس کی مضبوطی حق کو اختیار کرنے اور عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں ہے۔"

اس کے بعد وہ اس منصوبے پر عمل کرنے یعنی حق کو اختیار کرنے اور عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گئے جس کا اعلان انہوں نے اپنی اس مختصر سی تقریر میں کیا تھا۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حمص میں مکمل ایک سال گزارا مگر اس مدت میں نہ تو انہوں نے امیر المؤمنین کو کوئی خط لکھا نہ مسلمانوں کے بیت المال کے لیے خراج وغیرہ کی کوئی رقم بھیجی۔

تو امیر المؤمنین کے دل میں ان کے بارے میں شک ہونے لگا، کیوں کہ وہ اپنے گورنروں کے متعلق کسی عہدے کے فتنے سے ہمیشہ چوکنے اور ہوشیار رہتے تھے۔ ان کے نزدیک رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سوا کوئی معصوم نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا:

"اُكْتُبْ إِلٰى عُمَيْرِ بنِ سَعْدٍ وَقُلْ لَهُ: إِذَا جَاءَ كَ كِتَابُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَدَعْ حِمْصَ وَأَقْبِلْ عَلَيْهِ، وَاحْمِلْ مَعَكَ مَاجَمَعْتَ مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ."

تَرجَمَۃ: "عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو لکھو کہ امیر المؤمنین کا خط پاتے ہی حمص کو چھوڑ دو، سیدھے مدینہ منورہ آجاؤ اور اپنے خراج کی وہ پوری رقم لے کر آؤ جو تم نے اب تک جمع کی ہے۔"

خط پڑھ کر انہوں نے سامانِ سفر کی تھیلی اٹھائی، کندھے پر پیالہ اور پانی کا برتن رکھا، ہاتھ میں نیزہ تھاما اور حمص اور اس کی گورنری کو پیچھے چھوڑ کر پیدل ہی مدینہ پہنچے۔ بھوک اور فاقے کی وجہ سے ان کا رنگ بدل گیا تھا ...... جسم کم زور و لاغر ہو گیا تھا ...... سر اور داڑھی کے بال بڑھ گئے تھے ...... اور سفر کی مشکلات کے آثار آپ کے چہرے اور جسم کے اوپر پورے طور سے ظاہر تھے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور ان سے پوچھا:

"مَا بِكَ يَا عُمَيْرُ؟"

تَرْجَمَہ: "عمیر! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جواب دیا:

"مَا بِيْ مِنْ شَيْءٍ. يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَأَنَا صَحِيْحٌ مُعَافًى. بِحَمْدِ اللّٰهِ. أَحْمِلُ مَعِيَ الدُّنْيَا كُلَّهَا وَأَجُرُّهَا مِنْ قَرْنَيْهَا."

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین! مجھے کچھ نہیں ہوا ہے، خدا کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں اپنے ساتھ اپنی پوری دنیا اپنے دونوں کندھوں پر اٹھا لایا ہوں۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے پوچھا:

"وَمَا مَعَكَ مِنَ الدُّنْيَا؟"

تَرْجَمَہ: "تمہارے ساتھ دنیا میں سے کیا ہے؟" (انہوں نے سمجھا کہ بیت المال کے لیے خراج کی رقم لائے ہیں)۔

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے کہا:

"مَعِيْ جِرَابِيْ وَقَدْ وَضَعْتُ فِيْهِ زَادِيْ. وَمَعِيْ قَصْعَتِيْ اٰكُلُ فِيْهَا وَأَغْسِلُ عَلَيْهَا رَأْسِيْ وَثِيَابِيْ. وَمَعِيْ قِرْبَةٌ لِوُضُوْئِيْ وَشَرَابِيْ. ثُمَّ إِنَّ الدُّنْيَا كُلَّهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. تَبَعٌ لِمَتَاعِيْ هٰذَا، وَفُضْلَةٌ لَا حَاجَةَ لِيْ وَلَا لِأَحَدٍ غَيْرِيْ فِيْهَا."

تَرْجَمَہ: "میرے ساتھ میری تھیلی ہے جس میں سامانِ سفر رکھتا ہوں۔
میرا پیالہ ہے جس میں کھاتا ہوں، جس سے اپنا سر اور اپنے کپڑے دھوتا ہوں۔
میرے ساتھ میرا مشکیزہ ہے جس میں وضو اور پینے کا پانی رکھتا ہوں۔
ایک لمحے خاموشی کے بعد پھر بولے:

''امیر المؤمنین! میرے اس سامان کے علاوہ باقی دنیا کی نہ میرے لیے ضرورت ہے اور نہ ہی میں اس کا محتاج ہوں۔''

حضرت عمر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے پوچھا:

''وَهَلْ جِئْتَ مَاشِيًا؟''

تَرْجَمَۃ: ''کیا تم پیدل ہی آئے ہو؟''

حضرت عمیر بن سعد رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے کہا:

''نَعَمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ.''

تَرْجَمَۃ: ''جی ہاں اے امیر المؤمنین۔''

حضرت عمر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے پوچھا:

''بیت المال سے سواری کے لیے تمہیں گھوڑا نہیں ملا؟''

حضرت عمیر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے کہا:

''نہ انہوں نے دیا، نہ میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔''

حضرت عمر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے پوچھا:

''تم بیت المال کے لیے جو رقم لائے ہو، وہ کہاں ہے؟''

حضرت عمیر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے کہا:

''میں بیت المال کے لیے کچھ نہیں لایا ہوں۔''

حضرت عمر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے پوچھا:

''وہ کیوں؟''

حضرت عمیر بن سعد رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے وجہ بتاتے ہوئے کہا:

''میں جب حمص پہنچا تو میں نے وہاں کے نیک لوگوں کو جمع کر کے خراج کی وصولی اور اس کی فراہمی کی ذمے داری ان کو سونپ دی تھی، وہ جو کچھ بھی وصول کر کے لاتے میں ان کے مشورے سے وہ پوری رقم مستحقین (غریبوں اور فقیروں) میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رَضِوَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے اپنے کاتب سے فرمایا:

''جَدِّدْ عَهْدًا لِعُمَيْرٍ عَلٰى وِلَايَةِ حِمْصَ.''

تَرجَمۃ: ''عمیر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے لیے حمص کی گورنری کا معاہدہ دوبارہ تحریر کر دو۔ یعنی دوبارہ ان کو حمص شہر کا گورنر بنا دیا جائے۔''

حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا:

''نہیں امیر المؤمنین! میں اب یہ ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا، نہ آپ کے لیے نہ آپ کے بعد کسی دوسرے کے لیے۔''

پھر وہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جہاں ان کے اہل و عیال رہتے تھے۔

ایک آزمائش اور اس میں کامیابی

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اپنی بستی میں آئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کی آزمائش کا فیصلہ کیا۔ اور اپنے ایک قابل اعتماد شخص حارث کو بلا کر کہا:

''اِنْطَلِقْ یَا حَارِثُ إِلٰی عُمَیْرِ بنِ سَعْدٍ، وَانْزِلْ بِهِ کَأَنَّكَ ضَیْفٌ، فَإِنْ رَأَیْتَ عَلَیْهِ آثَارَ نِعْمَةٍ، فَعُدْ کَمَا أَتَیْتَ. وَ إِنْ وَجَدْتَ حَالًا شَدِیْدَةً فَأَعْطِهِ هٰذِهِ الدَّنَانِیْرَ. وناوَلَهُ صُرَّةً فِیْهَا مِائَةُ دِیْنَارٍ.''

تَرجَمۃ: ''عمیر کے یہاں جاؤ اور ان کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرو، اگر تمہیں ان کے یہاں خوش حالی اور کشادگی کے آثار نظر آئیں تو فوراً واپس آ کر مجھے بتلانا۔ اور اگر غربت، فقیری اور تنگ دستی کے حالات دیکھو، تو یہ سو دینار ان کے حوالے کر دینا۔''

یہ کہہ کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دیناروں کی تھیلی ان کو تھما دی۔

حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بستی میں آئے اور پتہ پوچھتے ہوئے ان کے گھر پہنچے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں کو سلام کیا۔ حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''مِنْ أَیْنَ قَدِمْتَ؟''

تَرجَمۃ: ''کہاں سے آئے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا:

''مِنَ الْمَدِيْنَةِ.''

تَرْجَمَۃ: ''مدینہ سے۔''

حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا:

''كَيْفَ تَرَكْتَ الْمُسْلِمِيْنَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''مدینے کے مسلمان کیسے ہیں؟۔''

حضرت حارث نے جواب دیا:

''بِخَيْرٍ.''

تَرْجَمَۃ: ''خیریت وعافیت سے ہیں۔''

حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا:

''كَيْفَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''امیر المؤمنین کیسے ہیں؟۔''

انہوں نے جواب دیا:

''صَحِيْحٌ صَالِحٌ.''

تَرْجَمَۃ: ''وہ بھی خیریت سے ہیں۔''

حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا:

''أَلَيْسَ يُقِيْمُ الحُدُوْدَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''کیا وہ حدود کا نفاذ نہیں کر رہے ہیں؟۔''

حضرت حارث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

''کیوں نہیں! ابھی انہوں نے اپنے لڑکے پر حدِ زنا کا نفاذ کیا ہے جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی ہے۔''

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہوئے کہا:

''اَللّٰهُمَّ أَعِنْ عُمَرَ، فَإِنِّىْ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا شَدِيْدَ الْحُبِّ لَكَ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مدد فرما۔ بے شک میں جانتا ہوں وہ تجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔''

''حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے یہاں مہمان کی حیثیت سے تین رات ٹھہرے رہے۔ حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہر رات ان کو جو کی ایک روٹی پیش کرتے۔ تیسرے دن حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قبیلے کے ایک شخص نے حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا:

تم نے عمیر اور ان کے گھر والوں کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے پاس ایک ہی روٹی ہوتی ہے، یہ لوگ خود بھوک اور فاقے کے ہاتھوں پریشان ہونے کے باوجود تم کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، اگر مناسب سمجھو تو تم میرے یہاں منتقل ہو جاؤ۔''

یہ سن کر حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دیناروں کی تھیلی نکالی اور لے جا کر حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے رکھ دی، حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

''اس میں امیر المؤمنین نے آپ کے لیے رقم بھیجی ہے۔''

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

''رُدَّهَا إِلَيْهِ، وَاقْرَأْ عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَقُلْ لَهُ: لَا حَاجَةَ لِعُمَيْرٍ بِهَا. فَصَاحَتْ اِمْرَأَتُهُ. وَكَانَتْ تَسْمَعُ مَا يَدُوْرُ بَيْنَ زَوْجِهَا وَضَيْفِهِ. وَقَالَتْ: خُذْهَا. يَا عُمَيْرُ. فَإِنِ احْتَجْتَ إِلَيْهَا أَنْفَقْتَهَا، وَ إِلَّا وَضَعْتَهَا فِيْ مَوَاضِعِهَا، فالْمُحْتَاجُونَ هُنَا كَثِيْرٌ.''

تَرجَمَہ: ''اس کو واپس لے جاؤ اور امیر المؤمنین کی خدمت میں میرا اسلام پیش کرنے کے بعد کہنا کہ عمیر کو اس رقم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی اہلیہ دروازے کے پیچھے کھڑی اپنے شوہر اور مہمان کی باتیں سن کر بول پڑیں۔ ''عمیر! اسے لے لیجیے، آپ کو ضرورت ہو تو خرچ کیجیے ورنہ مستحقین میں تقسیم کر دیجیے۔ یہاں ضرورت مندوں اور محتاجوں کی کمی نہیں ہے۔''

حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ بات سنی تو دیناروں کی تھیلی وہیں حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے چھوڑ کر واپس مڑ گئے۔ حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وہ تمام دینار بہت سی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں ڈال کر راتوں رات ضرورت مندوں خصوصاً شہداء کی اولاد میں تقسیم کر دیے۔ ادھر حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب مدینہ پہنچے تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے پوچھا:

"حارث! تم نے کیا دیکھا؟"

حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"امیر المؤمنین! عمیر اور ان کے اہل وعیال بڑے سخت حالات سے دوچار ہیں۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا:

"أَدَفَعْتَ إِلَيْهِ الدَّنَانِيْرَ؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا تم نے دینار ان کو دے دیئے؟"

حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"نَعَمْ، يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرْجَمَۃ: "جی ہاں اے امیر المؤمنین۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پھر پوچھا:

"وَمَا صَنَعَ بِهَا؟"

تَرْجَمَۃ: "انہوں نے ان دیناروں کا کیا کیا؟"

حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"لَا أَدْرِيْ، وَمَا أَظُنُّهُ يُبْقِيْ لِنَفْسِهِ مِنْهَا دِرْهَمًا وَاحِدًا."

تَرْجَمَۃ: "مجھے نہیں معلوم۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس میں سے ایک دینار بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کریں گے۔"

تب حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو لکھا۔

"إِذَا جَاءَكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَلَا تَضَعْهُ مِنْ يَدِكَ حَتّٰى تُقْبِلَ عَلَيَّ."

تَرْجَمَۃ: "میرا یہ خط تم کو ملے تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے مدینے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔"

حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مدینے کا رخ کیا اور دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کا استقبال کیا اور نہایت احترام سے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا:

"مَا صَنَعْتَ بِالدَّنَانِيْرِ يَا عُمَيْرُ؟"

تَرْجَمَۃ: "عمیر! تم نے ان دیناروں کا کیا کیا؟"

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"وَمَا عَلَيْكَ مِنْهَا يَا عُمَرُ بَعْدَ أَنْ خَرَجْتَ لِيْ عَنْهَا؟"

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین! جب وہ دینار آپ مجھے دے چکے ہیں تو اب آپ کو ان سے کیا غرض ہے، وہ تو میری ملکیت میں آ گئے اب میں جہاں بھی خرچ کروں۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"عَزَمْتُ عَلَيْكَ أَنْ تُخْبِرَنِيْ بِمَا صَنَعْتَ بِهَا."

تَرْجَمَہ: "میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ان کو کہاں خرچ کیا؟"

حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"اِدَّخَرْتُهَا لِنَفْسِي لِأَنْتَفِعَ بِهَا فِيْ يَوْمٍ لَّا يَنْفَعُ فِيْهِ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ......"

تَرْجَمَہ: "میں نے انہیں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ اس روز میرے کام آئیں جس روز مال اور اولاد کوئی چیز کام نہ آئے گی۔"

یہ سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"عمیر! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو تنگ دستی کے باوجود اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔"

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انہیں ایک وسق غلہ اور دو کپڑے دینے کا حکم دیا۔

حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"امیر المؤمنین! مجھے غلے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دو صاع جو گھر پر چھوڑ آیا ہوں جب تک ہم انہیں کھائیں گے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے رزق کا بندوبست کر دے گا۔ البتہ کپڑے میں بیوی کے لیے رکھ لیتا ہوں، اس کے کپڑے بالکل پرانے ہو چکے ہیں اور کافی جگہ سے پھٹ چکے ہیں۔"

وفات

اس ملاقات کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے انتقال کا

وقت آ پہنچا۔

وہ سفرِ آخرت پر اس شان سے روانہ ہوئے کہ ان کے کندھے پر دنیا کا کوئی بوجھ نہ تھا۔ اس سفر میں ان کے ساتھ اگر کوئی چیز تھی تو وہ ان کا ایمان اور ان کا زہد و تقویٰ تھا۔

حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کا آپ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی وفات پر رنجیدہ ہونا

حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے پاس جب ان کے انتقال کی اطلاع پہنچی تو ان کا دل غم و پریشانی سے بھر گیا، اور چہرے پر رنج و غم کے آثار نمایاں ہوگئے جو ان کے اندرونی دکھ کا پتہ دے رہے تھے۔

انہوں نے حضرت عمیر بن سعد رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی وفات پر غم گین حالت میں فرمایا:

"وَدِدْتُ أَنَّ لِيْ رِجَالًا مِثْل عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ لِأَسْتَعِيْنَ بِهِمْ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "کاش! میرے پاس عمیر بن سعد جیسے کچھ اور ساتھی ہوتے جن سے میں مسلمانوں کے کاموں میں مدد لیتا۔"

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ وَأَرْضَاهُ...... فَقَدْ كَانَ نِمْطاً فَرِيْدًا بَيْنَ الرِّجَالِ ...... وَتَلْمِيْذًا مُتَفَوِّقًا فِيْ مَدْرِسَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ......"

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ حضرت عمیر بن سعد سے خوش ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوں، بے شک وہ اپنے ساتھیوں میں اپنے تقویٰ و زہد کی بنا پر یکتا اور بے مثال تھے، اور نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ہونہار اور اونچے درجے کے لائق اور فائق شاگرد تھے۔"

فوائد و نصائح

قناعت اختیار کیجیے

حضرت عمیر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے واقعے سے ہمیں قناعت پسندی کا سبق ملتا ہے۔ قناعت کہتے ہیں بقدرِ ضرورت مال پر مطمئن ہو جانا اور اس سے زائد کی نہ فکر کرنا اور نہ ہی حرص کرنا۔ مشہور مثال ہے کہ قناعت انسان کو بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور قناعت وہ صفت ہے جس میں انسانی زندگی کے سکون کا راز پوشیدہ ہے۔ حضرت عمیر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی زندگی سے ہمیں کئی سارے سبق ملتے ہیں جن میں سے ایک قناعت پسندی ہے، بالفاظِ دیگر زہد، استغناء اور دنیا سے بے رغبتی ہے، چناں چہ ان کا ایک جملہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''امیر المؤمنین! مجھے غلے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دو صاع جو کھجور گھر پر چھوڑ آیا ہوں جب تک ہم اسے کھائیں گے اللہ تعالیٰ ہمارے لئے رزق کا بندوبست کردے گا۔''

غور کیجیے! کس قدر بے نیازی اور استغناء ہے اس جملے میں کہ دو صاع کی معمولی مقدار غلے پر دل اس قدر مطمئن ہے کہ اور غلے کی ضرورت ہی نہیں، حقیقت ہے کہ قناعت بہت بڑی نعمت ہے۔ کاش! کہ ہمیں نصیب ہو۔ بہرحال اس صفت کے حصول کے لئے خوب خوب اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کی جائیں کہ سب کچھ مولیٰ کے چاہنے سے ہوتا ہے۔

نیز قناعت کے حصول کے لیے فرض نمازوں کے بعد اس دعا کو مانگنے کا بھی معمول بنائیے۔

''اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ''[1]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرما اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما۔''

مُذاکرہ

سُوَال: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کتنے دینار بھیجے اور انہوں نے ان دیناروں کا کیا کیا؟

سُوَال: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کس علاقے کا گورنر بنایا؟

سُوَال: حضرت عمیر بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے انتقال پر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے غم گین حالت میں کیا فرمایا؟

◆

---

[1] مستدرك حاكم، كتاب الدعا: ١/٦٩٧، رقم: ١٩٣٠

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَمْسَكْتَ" (من دعاء الرسول له)

ترجمہ: "جو مال تم نے راہِ خدا میں خرچ کیا اس میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے، اور جو اپنے پاس رکھا اس میں بھی برکت عطا فرمائے۔"

تعارف

وہ ان آٹھ خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے ...... وہ ان دس خوش قسمت اشخاص میں سے ایک تھے جنہیں دنیا میں جنت کی بشارت سے نوازا گیا...... وہ ان چھ اصحابِ شوریٰ میں سے ایک تھے جنہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا...... اور وہ ان مخصوص بڑے علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بھی ایک تھے جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتویٰ دینے کا اختیار دیا گیا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبدِ عمرو تھا، مگر اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔

"ذٰلِكُمْ هُوَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَأَرْضَاهُ."

ترجمہ: "یہ ہیں عبدالرحمٰن بن عوف اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے۔"

اسلام میں پہل اور کافروں کی تکالیف پر صبر

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کے صرف دو دن بعد اسلام قبول کرلیا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مصیبتوں...... آزمائشوں اور تکلیفوں کے ان سارے مراحل سے گزرے جن سے "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" (صفِ اوّل کے مسلمان) کو گزرنا پڑا تھا، لیکن ان تکلیفوں پر جو کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچائی جا رہی تھیں انہوں نے صبر کیا اور سارے مسلمانوں نے صبر کیا۔

وہ نہایت خلوص کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے اور دوسرے بہت سے اہل ایمان کی طرح وہ بھی اپنے دین کو کفارِ قریش سے بچانے، اور آزادی کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

مدینے کی طرف ہجرت اور آپ کی خودداری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عالی مقام مہاجر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سرفہرست تھے جو مدینہ منورہ کی طرف دیوانہ وار چلے۔ وہ مسلمانوں کے اس پہلے قافلے میں شامل تھے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہجرت کا ارادہ کیا تھا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان "مُواخاۃ" (بھائی چارگی) کا رشتہ قائم کیا، اور اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رشتۂ اخوت (بھائی چارگی) میں منسلک کیا۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا:

> "أَیْ أُخَیَّ. أَنَا أَکْثَرُ أَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَالاً، وَعِنْدِیْ بُسْتَانَانِ، وَلِیَ اِمْرَأَتَانِ، فَانْظُرْ أَیُّ بُسْتَانَیَّ أَحَبُّ إِلَیْكَ حَتّٰی أَخْرُجَ لَكَ عَنْهُ، وَأَیُّ امْرَأَتَیَّ أَرْضٰی عِنْدَكَ حَتّٰی أُطَلِّقَهَا لَكَ."

تَرجَمہ: "میرے بھائی! میں مدینے کا سب سے مال دار شخص ہوں، میرے پاس اس وقت دو باغ اور دو بیویاں ہیں۔ تم دیکھ لو دونوں میں سے کون سا باغ تمہیں پسند ہے، تاکہ میں وہ آپ کو ہدیہ دے دوں، اور دونوں بیویوں میں سے جس عورت کو تم پسند کرو، اس کو میں طلاق دے دوں اور تم اس سے نکاح کر کے اپنا گھر بسا لو۔"

جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انصاری بھائی سے کہا:

> "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ ...... وَلٰكِنْ دُلَّنِیْ عَلَی السُّوقِ."

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ آپ کے مال و دولت اور اہل وعیال میں برکت دے...... آپ صرف مدینے کے بازار تک میری راہ نمائی فرما دیں...... وہاں میں محنت کر کے اپنی روزی کما لوں گا۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کا نکاح

چناں چہ حضرت سعد بن ربیع رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے ان کو بازار کا راستہ دکھا دیا اور انہوں نے وہیں سے اپنی تجارت کرنا شروع کر دی۔ وہ ضرورت کی چیزیں خریدتے اور بیچتے رہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرما دی، انہیں نفع حاصل ہوتا رہا اور وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ جمع کرتے رہے۔

اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے پاس اتنی رقم جمع ہو چکی تھی جس کو وہ مہر کے طور پر ادا کر کے کسی عورت سے نکاح کر سکیں۔ اور پھر انہوں نے نکاح بھی کر لیا۔

نکاح کے بعد جب وہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے کپڑوں پر شادی کے موقع پر استعمال کی ہوئی خوشبو کے اثرات اور اس کے داغ دھبوں کو دیکھ کر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"مَهْيَمْ يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ؟"

تَرجَمَۃ: "عبدالرحمٰن! یہ کیا ہے؟"

"مَهْيَمْ" یہ یمن والوں کی اصطلاح ہے جس کو وہ تعجب و خوشی کے موقع پر استعمال کرتے ہیں۔

انہوں نے عرض کیا:

"تَزَوَّجْتُ ......"

تَرجَمَۃ: "اے اللہ کے رسول! (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) میں نے شادی کر لی ہے۔"

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دریافت فرمایا:

"وَمَا أَعْطَيْتَ زَوْجَتَكَ مِنَ الْمَهْرِ؟"

تَرجَمَۃ: "بیوی کو مہر کیا دیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا:

"وَزْنَ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ ......"

تَرجَمَۃ: "کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔ (پانچ درہم کے برابر وزن)۔"

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ، بَارَكَ اللّٰهُ فِي مَالِكَ."

تَرْجَمَۃ: "ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے مال میں برکت دے۔"

مال میں برکت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"اس کے بعد دنیا اپنی پوری برکات وفوائد کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوگئی اور میری تجارتی کامیابیوں کا حال یہ ہوگیا، کہ اگر میں کسی پتھر کو اٹھاتا تو مجھے اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ اس کے نیچے مجھے سونے یا چاندی کا کوئی ٹکڑا ملے گا۔"

غزوۂ بدر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے اللہ کے دشمن عمیر بن عثمان کعبی کو قتل کیا اور غزوۂ اُحد کے موقع پر جب بہت سے لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور کچھ لوگ میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے تو اس وقت بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جگہ جمے رہے۔ اور جب وہ غزوۂ اُحد سے واپس لوٹے تو ان کے جسم پر بیس سے زیادہ گہرے زخم تھے، جن میں سے بعض اتنے گہرے تھے کہ ان میں آدمی کا ہاتھ چلا جاتا تھا۔

اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح جانی جہاد میں پیچھے نہ رہے اسی طرح انہوں نے مالی جہاد میں بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ایک فوجی دستہ تیار کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مالی تعاون کی اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تَصَدَّقُوْا فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَبْعَثَ بَعْثًا."

تَرْجَمَۃ: "میں ایک فوجی دستہ بھیجنا چاہتا ہوں، تم لوگ اس کے لیے مالی تعاون پیش کرو۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر فوراً اپنے گھر جاتے ہیں اور جلدی واپس آکر حضور ﷺ سے عرض کرتے ہیں:

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عِنْدِیْ أَرْبَعَۃُ آلافٍ: اَلْفَانِ مِنْہا أَقْرَضْتُہُمَا رَبِّیْ وأَلْفَانِ تَرَکْتُہُمَا لِعِیَالِیْ."

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس چار ہزار کی رقم ہے، میں اس میں سے دو

ہزار اپنے رب کو قرض دے رہا ہوں اور باقی دو ہزار میں نے اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ دیا ہے۔"

یہ سن کر رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

"بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَعْطَيْتَ ...... وَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَمْسَكْتَ ......"

تَرْجَمَہ: "جو کچھ تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں تم کو برکت دے اور جو کچھ تم نے بچوں کے لیے چھوڑا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ تم کو برکت سے نوازے۔"

اور جب رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا، تو اس وقت جس طرح جانی قوت کی ضرورت تھی، مالی وسائل کی ضرورت بھی اس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

کیوں کہ ایک طرف رومی فوج کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور وہ ہر قسم کے جنگی ساز وسامان سے لیس تھی۔ اور دوسری طرف مدینے میں قحط کا زمانہ تھا، راستہ طویل اور سامانِ سفر تھوڑا تھا، خصوصاً سواریوں کی تو اتنی کمی تھی کہ بہت سے مسلمان جو غزوے میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر ان کے پاس سواریاں نہیں تھیں۔

جب انہوں نے رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھرپور جذبے اور بڑی حسرت کے ساتھ سواری کے لیے درخواست کی اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ لے لیں، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کو صرف اس وجہ سے واپس کر دیا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس زائد سواریاں نہیں تھیں جو ان کو دیتے، چناں چہ مجبوراً وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر جہاد میں شریک نہیں ہو سکے۔

اور ان لوگوں کا نام "بَكَّائِين" یعنی رونے والے اور اس لشکر کا نام "جَيْشُ الْعُسْرَة" یعنی تنگی والا لشکر پڑ گیا۔

اس اہم ترین موقع پر رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابۂ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے اجر و ثواب پانے کی نیت سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں، مسلمان نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اس دعوت پر لبیک کہنے کے لیے لپکے۔ خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ خرچ کرنے والوں کی صفِ اول میں شامل تھے۔

انہوں نے دو سو اوقیہ کی مقدار میں بڑی رقم دین کے لیے پیش کی۔ اس پر حضرت عمر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے کہا:

"إِنِّي لَا أَرَى عَبْدَالرَّحْمٰنِ إِلَّا مُرْتَكِبًا إِثْمًا، فَمَا تَرَكَ لِأَهْلِهِ شَيْئًا"

تَرْجَمَہ: "میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ ایسا کر کے ایک گناہ کے مرتکب

ہوئے ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔"

اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

"هَلْ تَرَكْتَ شَيْئًا لِاَهْلِكَ يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ؟"

ترجمہ: "عبدالرحمٰن! کیا تم نے گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے؟۔"

توانہوں نے عرض کیا:

"نَعَمْ، تَرَكْتُ لَهُمْ اَكْثَرَ مِمَّا اَنْفَقْتُ وَاَطْيَبَ."

ترجمہ: "ہاں، میں نے ان کے لیے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو میں نے خرچ کیا ہے۔"

آپ ﷺ نے دوبارہ سوال کیا: "كَمْ" "کتنا؟"

توانہوں نے جواب دیا۔

"مَا وَعَدَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنَ الرِّزْقِ وَ الْخَيْرِ وَالْاَجْرِ."

ترجمہ: "گھر پر وہ چھوڑا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے خیر، اجر وثواب اور رزق کا وعدہ کیا ہے۔"

خصوصی شرف

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ تبوک میں قیام کے دوران اللہ جل جلالہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ایسے شرف سے نوازا، جو تمام مسلمانوں میں سے صرف انہیں کے لیے مخصوص تھا اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔

ہوا یہ کہ نماز کا وقت ہوگیا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ اس وقت موجود نہیں تھے۔ آخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں نماز کھڑی ہوگئی۔ ابھی پہلی رکعت ختم نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور نمازیوں کے ساتھ شامل ہوگئے، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں نماز ادا فرمائی۔

یہ کتنی بڑی خوش نصیبی اور کتنا بڑا شرف ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی فضل وشرف کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کو سرورِ عالم، امام الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔

امہات رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کی خدمت اور ان سے حسن سلوک

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے انتقال کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ امہات المؤمنین ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کے گھریلو اخراجات کا خیال رکھتے، جب وہ سفر میں نکلتیں تو یہ ان کے ہم سفر ہوتے، جب وہ سفرِ حج کا ارادہ کرتیں تو آپ ان کے لیے سواری کا انتظام کرتے۔ ان کے کجاؤں اور پر قیمتی سبز رنگ کے پردوں کا انتظام کرتے اور ان کی پسندیدہ جگہوں پر ان کے قیام کا بندوبست کرتے تھے۔

امہات المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کی دل و جاں سے خدمت کرنا اور ان کے نزدیک پورے طور پر ان کا قابلِ اعتماد ہونا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی وہ خصوصیت ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ بلاشبہ یہ بہت بڑا شرف ہے جو ان کو حاصل ہوا۔

عام مسلمانوں اور امہات المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حسنِ سلوک اور نیکی واحسان کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کی، اور وہ ساری رقم انہوں نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی والدہ ماجدہ کے خاندان بنوزہرہ اور ضرورت مند مسلمانوں...... مہاجرین...... اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ازواجِ مطہرات میں تقسیم کردی۔

جب حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے حصے کی رقم ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ رقم کس نے بھیجی ہے؟

جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے، تو انہوں نے کہا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا تھا:

"لَا يَحْنُوْ عَلَيْكُنَّ مِنْ بَعْدِيْ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ."

تَرْجَمَۃ: "میرے پیچھے تم لوگوں کی نگہداشت نہیں کریں گے مگر صابرین۔"

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دعا کا اثر

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی جو دعا مانگی تھی وہ زندگی بھر ان کے لیے کافی رہی۔ یہاں تک کہ وہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سب سے زیادہ مال دار آدمی ہوگئے اور ان کا تجارتی کاروبار برابر ترقی کرتا رہا۔

ان کے تجارتی قافلوں کی آمدورفت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا، جو دوسرے شہروں سے اہل مدینہ کے لیے گیہوں...... آٹا...... کپڑے...... برتن...... خوش بو اور دوسری ضرورت کی چیزیں لے کر مدینے پہنچتے، اور وہاں کی پیداوار کا وہ زائد حصہ دوسرے علاقوں میں لے جاتے تھے جو ان کی ضرورت سے بچ جاتا۔

ایک بار ان کا ایک تجارتی قافلہ جو سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا مدینہ طیبہ پہنچا۔ ان کی پیٹھوں پر خوراک کے ذخیرے، ضروریاتِ زندگی کے سامان اور وہ تمام چیزیں لدی ہوئی تھیں جن کی ضرورت لوگوں کو اکثر پڑتی ہے۔ جیسے ہی وہ قافلہ مدینے میں داخل ہوا پوری زمین دہل گئی، گلیاں گونج اٹھیں اور ہر طرف چیخ و پکار اور شور و غل سنائی دینے لگا۔

شور سن کر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے پوچھا:

”مَا هٰذِهِ الرَّجَّةُ؟“

تَرْجَمَۃ: ”یہ کیسا ہنگامہ ہے؟۔“

جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سات سو اونٹوں پر مشتمل ایک تجارتی قافلہ گندم، آٹا اور سامانِ خوراک لے کر پہنچا ہے تو انہوں نے فرمایا:

”بَارَكَ اللّٰهُ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَاهُ فِي الدُّنْيَا، وَلَثَوَابُ الْآخِرَةِ اَعْظَمُ. فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ. يَدْخُلُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَلْجَنَّةَ حَبْوًا.“

تَرْجَمَۃ: ”اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو کچھ دیا ہے اس میں برکت دے۔ یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خوشی سے) گھسٹتے ہوئے جنت میں جائیں گے۔“

اونٹوں کے بیٹھنے سے پہلے کسی نے اُمّ المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تک پہنچاتے ہوئے ان کو جنت کی خوش خبری سنا دی۔

یہ خوش خبری سنتے ہی وہ فوراً حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دریافت کیا:

”يَا أُمَّهْ، أَأَنْتِ سَمِعْتِ ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟“

تَرْجَمَۃ: ”اماں جان! کیا خود آپ نے میرے لیے جنت کی بشارت کے کلمات رسول اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زبان مبارک سے سنے ہیں۔“

تو انہوں نے فرمایا:

"نعم."

تَرجَمہ: "ہاں۔"

یہ سن کر وہ بے حد خوش ہوئے اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو مخاطب کر کے بولے:

"اماجان! اگر ہو سکا تو میں کھڑا ہو کر جنت میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ پورا قافلہ اس کے اوپر لدے ہوئے سامانوں، اس کے کجاؤں اور ٹاٹوں سمیت اللہ کی راہ میں دے رہا ہوں۔"

اس روشن اور مبارک دن سے جس دن سے ان کو جنت میں داخل ہونے کی خوش خبری دی گئی تھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مال کمانے اور اسے اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی طرف بہت زیادہ شوق اور جذبے کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔

چناں چہ اب وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے دائیں اور بائیں ہر طرف مال خرچ کرنے لگے۔ انہوں نے چالیس ہزار درہم صدقے کے طور پر دیئے، پھر دو سو اوقیہ سونا خیرات کیا۔ پھر مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے پانچ سو گھوڑے اور دوسرے مجاہدین کے لیے ڈیڑھ ہزار عربی نسل کے اونٹ فراہم کیے۔

اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے غلاموں اور کنیزوں کی ایک بڑی تعداد کو غلامی کے بندھن سے آزاد کر دیا۔ اور اس وقت اصحابِ بدر میں سے جتنے صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ زندہ تھے ان میں سے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار کی وصیت کی۔

چناں چہ ان حضرات نے وصیت کے مطابق وہ رقم لے لی، اس وقت ان کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ اور انہوں نے امہات المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ میں سے ہر ایک کے لیے بہت بڑی رقم کی وصیت کی۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اکثر ان کے لیے دعا کرتے ہوئے فرماتی تھیں:

"سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ مَاءِ السَّلْسَبِيلِ."

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ ان کو چشمۂ سلسبیل سے سیراب کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے ٹھنڈے میٹھے چشمے سے پانی پلائے۔"

انہوں نے اپنے ورثاء کے لیے ایک ہزار اونٹ...... سو گھوڑے...... اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ وفات کے وقت موجود ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو کل ترکے کا بتیسواں ملا جس کی مالیت اسی (۸۰) ہزار تھی۔ انہوں نے سونے اور چاندی کے جو ڈھیر ترکے میں چھوڑے انہیں وارثوں کے درمیان تقسیم کرنے کے

لیے کلہاڑیوں سے کاٹنا پڑا جس کی وجہ سے کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا اثر تھا جو آپ ﷺ نے ان کے مال میں برکت کے لیے کی تھی۔

لیکن یہ مال نہ تو ان کو کسی قسم کے مالی فتنے میں مبتلا کر سکا نہ ان کی ظاہری حالت میں کسی تبدیلی کا سبب بن سکا۔ لوگ جب ان کو ان کے غلاموں کے درمیان دیکھتے تو ان کے اور غلاموں کے درمیان کوئی فرق نہیں کر پاتے تھے۔ ایک دن ان کے سامنے کھانا لایا گیا اور اس روز وہ روزے سے تھے، چناں چہ انہوں نے کھانے کو دیکھ کر بڑی حسرت کے ساتھ کہا:

”لَقَدْ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ. وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ. فَمَا وَجَدْنَا لَهُ إِلَّا كَفَنًا إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، و إِنْ غُطِّيَ رِجْلَيْهِ بَدَأَ رَأْسُهُ. ثُمَّ بَسَطَ اللّٰهُ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بَسَطَ ...... وَ إِنِّيْ لَأَخْشَى أَنْ يَكُوْنَ ثَوَابُنَا قَدْ عُجِّلَ لَنَا ...... ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ وَيَنْشِجُ حَتّٰى عَافَ الطَّعَامَ.“

تَرجَمَہ: ”جب مصعب بن عمیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید کیے گئے اور وہ مجھ سے بہت بہتر تھے تو ان کو کفن دینے کے لیے ہم لوگوں کو صرف اتنا کپڑا میسر آ سکا کہ جب اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، اور جب پاؤں کو چھپایا جاتا تو سر کھلا رہ جاتا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو بہت زیادہ خوش حالی اور فراخی سے نوازا۔ مجھے تو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔“

یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی خصوصیات

”طُوْبٰى لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَأَلْفُ غِبْطَة ...... فَقَدْ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ. وَحَمَلَ جَنَازَتَهُ إِلٰى مَثْوَاهُ الْأَخِيْرِ خَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ.“

تَرجَمَہ: ”خوش خبری ہو عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے، اور ہزاروں مرتبہ ان پر رشک کیا جائے کہ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی خیر و سعادت والی اور انتہائی قابل رشک تھی۔

صادق ومصدوق حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ نے ان کو زندگی میں جنت کی بشارت دی۔

اور دفن کے لیے لے جاتے ہوئے ان کے جنازے کو رسول اللہ ﷺ کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کندھا دیا۔"

ان کی نمازِ جنازہ ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

اوران کے جنازے کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساتھ گئے اوران الفاظ میں ان سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا:

"لَقَدْ اَدْرَكْتَ صَفْوَهَا، وَسَبَقْتَ زَيْفَهَا، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ."

تَرجَمَہ: "اے عبدالرحمٰن! آپ نے دنیا میں سے اس کے عمدہ حصے کو اپنایا اوراس کے خراب حصے کو چھوڑ کر گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔"

فوائد ونصائح

شادی سنت کے مطابق کیجیے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی سے ایک سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم شادیوں کو تکلف سے پاک کریں اور سنت کے مطابق کریں، جس میں مشقت کی کمی کے ساتھ ساتھ بہت سی خرافات اور محرمات سے بھی بچیں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب بھی ملے گا۔

دینِ اسلام میں شادی کی ضروریات نہایت آسان اور بہت ہی مختصر ہیں مثلاً نکاح، رخصتی، مہراور ولیمہ بس یہ چار اجزائے ترکیبی ہیں باقی ان چار اجزاء کے علاوہ کی ساری چیزیں بالکل غیر ضروری ہیں جب کہ بعض تو غیر اسلامی چیزیں بھی شامل کر لی گئی ہیں مثلاً: منگنی، مہندی، رسمِ حنا، رسمِ مایوں وغیرہ اور سیج وغیرہ کی سجاوٹ اور مایوں میں گیندے یا کسی بھی قسم کے زرد پھولوں کا استعمال اور کرسی کی سجاوٹ وغیرہ وغیرہ یہ سب وہ امور ہیں جن کا کسی مسلمان شخص کی شادی کا دور سے بھی واسطہ نہیں ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ تقریباً سبھی لوگ ان رسومات وخرافات سے یکسر عاجز اور ناخوش ہیں لیکن پھر بھی کرتے ہیں۔ علاوہ ان قبیح اور فضول رسومات کے چند اور بھی بے معنی چیزیں شادیوں میں داخل کر لی گئی ہیں مثلاً نت نئے قسم کے کارڈز چھپوانا اور لڑکی والوں کا نکاح والے دن پر تکلف دعوت کا اہتمام کرنا (ضروری سمجھ

کر) یہ سب وہ باتیں ہیں جن کی قطعی طور پر کوئی ضرورت نہیں جب کہ اکثر نام ونمود اور شہرت اور دکھلاوے کے لیے ان خرافات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ الغرض شادی جو کہ بذاتِ خود ایک سنت عمل ہے سینکڑوں محرمات کی زد میں لاکھڑی کردی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلم امت کو اس خواب عصیاں سے بیداری، طاعت نصیب کرے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حالات میں ان کی شادی کا بھی تذکرہ گزرا، کس قدر آسان اور سہل شادی تھی اور کس قدر تکلفات سے پاک تھی کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بھی ان کی شادی کا علم نہیں تھا۔

اندازہ کیجیے ہم کس قدر دور جا چکے ہیں آج اگر کسی کو شادی میں مدعو نہیں کیا جاتا تو وہ سو قسم کے شکوے اور شکایات لے کر حاضر خدمت ہوجاتے ہیں کہ:

آپ نے ہمیں نہیں بلایا کوئی بات نہیں یا یہ کہ فلاں صاحب نے ہمیں اپنی شادی پر بھی نہیں بلایا، غور کیجیے کیا شادی پر سب تعارف والوں کو بلانا فرض ہے اور کیا اگر ہمیں نہ بلایا جائے تو ہم اس قسم کے گلے شکوے کرنے کے حق دار ہوں گے؟ یقیناً ہرگز نہیں!

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی رسموں میں آخرت کا تو نقصان ہے ہی لیکن جس دنیا دکھاوے کے لیے یہ رسمیں نبھائی جارہی ہیں وہ بھی حاصل نہیں ہوتا اور لوگ پھر بھی باتیں بناتے ہیں، اس وقت آدمی کے پاس افسوس وحسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو ایسی جگہوں پر خرچ کرے جن سے اس کو آخرت میں بھی فائدہ پہنچتا رہے اور دنیا کے اندر بھی وہ مال صحیح جگہ استعمال ہوجائے اور فضولیات میں ضائع ہونے سے بچ جائے اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دنیا کی محبت دِل سے نکال دیجیے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہم اپنے دل کو دنیا کی محبت سے پاک رکھیں یعنی دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہ دیں۔ حضرات صحابہ کرام کی مبارک زندگیاں اس کی مثال ہیں۔ دنیا کی محبت اور مال کی محبت دل سے نکال باہر کرنے کے لیے اکثر مشائخ صدقہ دینے کی تلقین فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنی آمدنی کے ایک حصے کو ہمیشہ صدقے کی نیت سے علیحدہ کرلے مثلاً دس فی صد یا بیس فی صد یا اس سے کم یا زیادہ بہرحال ہر شخص کی توفیق کا حال دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے اپنی وسعت

کے مطابق مناسب مقدار طے فرما لیجیے۔

حقیقت ہے کہ صدقے کی بے شمار برکات وانوارات میں سے جہاں بہت ساری دنیوی اور اخروی برکات وفوائد کا ذکر ہے وہاں یہ بھی ایک آزمودہ حقیقت ہے کہ مال کی محبت ختم کرنے میں بھی صدقہ بے پناہ تاثیر کا حامل عمل ہے۔

اس لیے ہم بھی مال کی محبت دل سے ختم کرنے کے لیے اور حصولِ ثواب ورضا الٰہی کے لیے صدقہ دینا شروع کردیں۔

نیز صدقہ کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا بھی خوب اہتمام ہو اور آخرت کی محبت کے حصول اور دنیا سے بے رغبتی کے لئے اس طرح دعا مانگیں۔

اے اللہ! اس دنیا کی جو حقیقت تو نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کھولی اور جو حقیقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کھولی جس کے نتیجے میں وہ اس کی محبت سے محفوظ ومعصوم رہے اے اللہ اس دنیا کی ایسی ہی حقیقت ہم پر منکشف فرما دے اور آخرت کی جو حقیقت تو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر واضح فرمائی تھی جس کے نتیجے میں وہ مکمل آخرت ہی کی طرف راغب اور ساعی تھے اے اللہ آخرت کی ایسی حقیقت ہم پر بھی ظاہر فرما دے۔ آمین

مُذاکرہ

سُوَال: اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا نام تھا؟

سُوَال: ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنا دیا؟

سُوَال: کس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی؟

سُوَال: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"لَقَدْ رَأَيْتُ جَعْفَرًا فِي الْجَنَّةِ لَهُ جَنَاحَانِ مُضَرَّجَانِ بِالدِّمَاءِ وَهُوَ مَصْبُوْغُ الْقَوَادِمِ." (حدیث شریف)

تَرْجَمَہ: ''میں نے جعفر کو جنت میں یوں دیکھا کہ اس کے دونوں بازو اور پاؤں خون میں لت پت تھے۔''

آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

بنی عبد مناف میں سے پانچ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی زیادہ مشابہت رکھتے تھے کہ کم زور نگاہ والوں کو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اکثر شبہ اور مغالطہ ہو جایا کرتا تھا۔

یقیناً آپ ان پانچوں حضرات کا تعارف حاصل کرنا چاہتے ہوں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی مشابہت رکھتے ہوں۔ تو آیئے ہم ان کا تعارف حاصل کریں۔

① حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور رضاعی بھائی۔

② حضرت قثم بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی۔

③ حضرت سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم۔
امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے دادا۔

④ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے۔

⑤ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھائی۔

اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چاروں میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

ذیل کی سطروں میں ہم حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، آئیں دھیان سے یہ قصہ پڑھیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی کفالت میں لینا

ابو طالب قریش اور خاندانِ بنی ہاشم میں اپنی بلند شان اور اونچے درجے کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ اولاد والے اور تنگ دست تھے۔ اور اُس قحط نے ان کی تنگ دستی میں مزید اضافہ کر دیا تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے، جس کی لپیٹ میں آکر جانور ہلاک اور فصلیں تباہ و برباد ہو رہی تھیں، جس نے لوگوں کو بوسیدہ ہڈیاں تک کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب بنو ہاشم کے خوش حال ترین افراد تھے۔ ایک روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے کہا:

"يا عَمِّ، إِنَّ أَخاكَ أَبا طَالِبٍ كَثِيْرُ الْعِيَالِ، وَقَدْ أَصَابَ النَّاسَ مَا تَرَى مِنْ شِدَّةِ القَحْطِ وَمَضَضِ الْجُوْعِ، فانْطَلِقْ بِنا إِلَيْهِ حَتَّى نَحْمِلَ عَنْهُ بَعْضَ عِيَالِه، فَآخُذَ أَنا فَتًى مِنْ بَنِيْهِ، وتأْخُذَ أَنْتَ فَتًى آخرَ فَنَكْفِيَهُمَا عَنْهُ."

تَرْجَمَہ: "چچا جان! آپ کے بھائی ابو طالب بڑے کنبے والے آدمی ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ کس بری طرح سے قحط کی شدت اور فاقہ کشی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کے پاس چلیں اور ان کے بچوں میں سے کچھ کی کفالت اپنے ذمے لے کر ان کے بوجھ کو کچھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔"

عباس نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

"لَقَدْ دَعَوْتَ إِلٰى خَيْرٍ وَحَضَضْتَ عَلٰى بِرٍّ."

تَرْجَمَہ: "بے شک آپ نے ایک کارِ خیر کی طرف دعوت دی ہے اور حسنِ سلوک کی بات کی ہے۔"

پھر دونوں نے جا کر ابو طالب سے کہا:

"إِنَّا نُرِيْدُ أَنْ نُخَفِّفَ عَنْكَ بَعْضَ ما تَحْمِلُهُ مِنْ عِبْءِ عِيَالِكَ حَتّٰى يَنْكَشِفَ هٰذَا الضُّرُّ الَّذِيْ مَسَّ النَّاسَ."

ترجمہ: ''جب تک لوگوں سے یہ مصیبت ہٹ نہیں جاتی، ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کی پرورش کا جو بھاری بوجھ تنہا آپ کے کندھوں پر ہے، اس میں آپ کا ہاتھ بٹائیں اور آپ کے اس بوجھ کو کچھ ہلکا کریں۔''

ابو طالب نے بھائی اور بھتیجے کی اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے کہا:

''تم لوگ عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو باقی بچوں کے متعلق جو چاہو فیصلہ کر سکتے ہو۔''

چناں چہ رسول اکرم ﷺ نے علی کو اور عباس نے جعفر کو لے کر اپنے بچوں کے ساتھ شامل کر لیا۔

اس کے بعد علی برابر رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبی بنایا اور دینِ حق اور ہدایت دے کر مبعوث فرمایا۔

اسی طرح جعفر بھی برابر اپنے چچا عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مبارک و سعادت مند جماعت میں شریک تھے جنہوں نے شروع ہی سے اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔

یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے ''دار ارقم'' میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مبارک پر ایمان لا چکے تھے۔ اور ان دونوں نے قریش کے ہاتھوں وہ ساری بلائیں اور مصیبتیں برداشت کیں جن سے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کو واسطہ پڑا تھا۔

انہوں نے ہر اذیت پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا کیوں کہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کے لیے ان کانٹے دار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ضروری ہے۔ یعنی جنت کا راستہ تکلیفوں سے گھرا ہوا ہے۔

لیکن یہ چیز ان کے اور ان کے دوسرے دینی بھائیوں کے لیے انتہائی مصیبت اور پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی کہ قریش کے لوگ ان کے اور اسلامی فرائض و احکام کی ادائیگی کے درمیان حائل ہو کر انہیں عبادت کے لطف سے محروم کر رہے تھے۔ وہ ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھے رہتے اور ہر وقت ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

حبشہ کی ہجرت

اس صورتِ حال سے تنگ آکر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت طلب کی، وہ اپنی بیوی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت تو دے دی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر دلی صدمہ ہوا۔ کیوں کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مستقل تکلیف کا باعث تھی کہ ان پاکیزہ اور نیک ہستیوں کو، صرف اس جرم میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعلان کیا ہے، ناحق اور ظالمانہ طور پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنا پیارا وطن جس کی گلیوں اور میدانوں میں انہوں نے اپنے بچپن اور جوانی کے بہترین ایام گزارے ہیں چھوڑ کر چلے جائیں۔ لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ قریش کے ان مظالم کو روک سکتے۔

مہاجرین کا یہ پہلا قافلہ اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں سرزمینِ حبشہ کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں پہنچ کر اس کے نیک دل اور انصاف پسند حکمران نجاشی کی پناہ میں رہنے لگا۔

قبولِ اسلام کے بعد پہلی بار انہوں نے سکون واطمینان کا سانس لے کر عبادتِ الٰہی کی لذت اور لطف حاصل کیا۔ وہاں نہ ان کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ کوئی ان کی عبادت کا مزہ خراب کرے گا...... نہ وہ اس اندیشے میں مبتلا تھے کہ کوئی ان کے پرسکون لمحات کو بے چینی اور بے اطمینانی سے بدل دے گا۔

ادھر جب قریش کو ان مسلمانوں کے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا علم ہوا، اور ان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شاہِ حبشہ کی حمایت اور اس کی پناہ میں اپنے دین وعقیدے کے مطابق اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، تو وہ ان کے خلاف سازش اور صلاح ومشورے میں مصروف ہو گئے، تاکہ یا تو وہ انہیں قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا واپس لا کر قید خانے میں ڈال دیں۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"لَمَّا نَزَلْنَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ لَقِيْنَا فِيهَا خَيْرَ جِوَارٍ، فَأَمِنَّا عَلٰى دِيْنِنَا، وَعَبَدْنَا اللّٰهَ تَعَالٰى رَبَّنَا مِنْ غَيْرِ أَنْ نُؤْذٰى أَوْ نَسْمَعَ شَيْئًا نَكْرَهُهٗ."

ترجمہ: "جب ہم لوگ حبشہ کی سر زمین میں جا کر ٹھہرے تو وہاں ہم کو بہترین لوگوں کا پڑوس ملا۔ وہاں ہم اپنے دین کے متعلق ہر طرح بے خوف ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ وہاں نہ تو ہم کو کسی اذیت سے دوچار ہونا پڑا نہ کوئی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ بات سننی پڑی۔"

قریش کا اپنے دو آدمیوں کو حبشہ بھیجنا

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا آگے مزید فرماتی ہیں:

جب قریش کو ہمارے اطمینان اور خوش حالی کا علم ہوا تو وہ آگ بگولہ ہو گئے، اور انہوں نے ہمارے خلاف سازش کر کے اپنے دو مضبوط آدمیوں، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔

اور ان کے ہاتھ نجاشی...... اس کے درباریوں...... پادریوں...... اور فوجی سرداروں کے لیے سرزمینِ حجاز کی وہ نادر اور بیش قیمت چیزیں تحفہ کے طور پر بھیجیں جنہیں وہ پسند کرتے تھے۔ ساتھ ہی ان کو اس بات کی تاکید بھی کر دی کہ ہمارے (مسلمانوں کے) مسئلہ پر بادشاہ سے گفتگو کرنے سے پہلے شاہ نجاشی کے وزیروں اور سرداروں سے مل لینا اور ہر سردار کو اس کا تحفہ دے دینا۔

جب وہ دونوں حبشہ پہنچے تو سب سے پہلے وہ نجاشی کے درباریوں سے ملے اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے ہدیہ پیش کرنے کے بعد اس سے کہا:

"إِنَّهُ قَدْ حَلَّ فِيْ أَرْضِ الْمَلِكِ غِلْمَانٌ مِنْ سُفَهَائِنَا، صَبَوْا عَنْ دِيْنِ آبَائِهِمْ وَأَجْدَادِهِمْ، وَفَرَّقُوْا كَلِمَةَ قَوْمِهِمْ، فَإِذَا كَلَّمْنَا الْمَلِكَ فِيْ أَمْرِهِمْ فَأَشِيْرُوْا عَلَيْهِ بِأَنْ يُسَلِّمَهُمْ إِلَيْنَا دُوْنَ أَنْ يَسْأَلَهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ، فَإِنَّ أَشْرَافَ قَوْمِهِمْ أَبْصَرُ بِهِمْ، وَأَعْلَمُ بِمَا يَعْتَقِدُوْنَ."

ترجمہ: "ہمارے یہاں سے کچھ ناسمجھ لڑکے دیوانے جنہوں نے اپنے باپ دادا کا پرانا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اپنا لیا اور اپنی قوم کے اندر پھوٹ ڈال دی ہے۔ بھاگ کر بادشاہ کے ملک میں آگئے ہیں۔ جب ہم بادشاہ سے ان کے معاملے میں گفتگو کریں تو آپ لوگ ہماری طرف داری کریں اور اس کو یہ مشورہ دیں کہ، وہ ان سے ان کے دین کے بارے میں کوئی سوال و جواب کیے بغیر انہیں ہمارے حوالے کر دے، کیوں کہ ان کے قبیلوں کے سربراہ ان کو اور ان کے عقائد کو زیادہ بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں۔"

تو درباریوں نے کہا۔

"نَعَمْ ......"

ترجمہ: "جی ہاں۔" (ہم ضرور بادشاہ کو یہ مشورہ دیں گے)۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو اگر کوئی بات سب سے زیادہ ناگوار تھی، تو وہ یہ کہ نجاشی ہم لوگوں میں سے کسی کو اپنے پاس بلا کر ہماری بات سنے۔"

بادشاہ کے دربار میں وفدِ قریش کی حاضری اور سازش

ان دونوں نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی خدمت میں ہدیئے پیش کیے جن کو اس نے بہت پسند کیا، پھر اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

"أَيُّهَا الْمَلِكُ إِنَّه قَدْ أَوَىٰ إِلَى مَمْلَكَتِكَ طَائِفَةٌ مِنْ أَشْرَارِ غِلْمَانِنَا، وَقَدْ جَاؤُوْا بِدِيْنٍ لَا نَعْرِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتُمْ، فَفَارَقُوْا دِيْنَنَا وَلَمْ يَدْخُلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ."

ترجمہ: "اے بادشاہ! ہمارے کچھ بدترین قسم کے نوجوان ہیں جنہوں نے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے۔ انہوں نے ایک ایسا دین اختیار کر رکھا ہے جس سے نہ ہم لوگ واقف ہیں اور نہ ہی آپ اس دین کے بارے میں جانتے ہیں یہ بالکل نیا دین ہے، انہوں نے ہمارا دین تو چھوڑ دیا ہے مگر وہ آپ کے دین میں بھی نہیں داخل ہوئے ہیں۔"

اس لیے ان کی قوم کے سرداروں ...... ان کے والدین ...... رشتہ دار ...... اور ان کے خاندان کے سربراہوں نے اس درخواست کے ساتھ ہم کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس بھیج دیں، کیوں کہ جو فتنہ ان لوگوں نے پھیلا رکھا ہے اس کو ان کے خاندان کے لوگ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے اپنے وزیروں اور سرداروں کی طرف نظر اٹھائی، انہوں نے قریشی سفیروں کی تائید کرتے ہوئے کہا:

عالی جاہ! یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں، کیوں کہ انہوں نے جو غلط رویہ اپنایا ہے اس کے متعلق وہی لوگ بہتر جانتے ہیں۔ اس لیے ان کو واپس بھیج دیں تاکہ وہ لوگ ان کے بارے میں جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔

نجاشی کی عقل مندی

بادشاہ کو درباریوں کی یہ بات پسند نہیں آئی، اس نے سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"لَا وَاللّٰهِ، لَا أُسَلِّمُهُمْ لِأَحَدٍ حَتّٰى أَدْعُوهُمْ، وَأَسْأَلَهُمْ عَمَّا نُسِبَ إِلَيْهِمْ، فَإِنْ كَانُوْا كَمَا يَقُوْلُ هٰذَانِ الرَّجُلَانِ أَسْلَمْتُهُمْ لَهُمَا، وَ إِنْ كَانُوْا عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ حَمَيْتُهُمْ وأَحْسَنْتُ جِوَارَهُمْ مَا جَاوَرُوْنِیْ."

تَرْجَمَہ: "نہیں، اللہ کی قسم! جب تک میں ان کو بلا کر ان باتوں کے متعلق پوچھ نہیں لیتا جن پر وہ عمل کرتے ہیں، انہیں کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اگر وہ باتیں جو یہ دونوں ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں درست ہوئیں تو میں انہیں ان کے سپرد کر دوں گا۔ لیکن اگر معاملہ اس کے الٹ ہوا تو میں اس وقت تک ان کی حمایت و حفاظت سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک وہ یہاں رہیں گے۔ اور جب تک وہ یہاں رہنا چاہیں گے انہیں مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ اور میری طرف سے ہر قسم کی سہولت مہیا کی جائے گی۔"

صحابہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی بادشاہ کے دربار میں حاضری

حضرت اُمّ سلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا اپنے بیان کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے فرماتی ہیں:

"پھر نجاشی نے ہم لوگوں کو ملاقات کے لیے بلایا۔ اس کے یہاں جانے سے پہلے ہم لوگ ایک جگہ جمع وئے اور ہم نے آپس میں کہا:

"بادشاہ ہم سے ہمارے دین کے بارے میں ضرور پوچھے گا، اس موقع پر ہمیں اپنے ایمان کے مطابق بالکل واضح طور پر وہ باتیں اس کے سامنے رکھ دینی چاہئیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور بادشاہ کے سامنے ہم سب لوگوں کی نمائندگی صرف جعفر بن ابی طالب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کریں گے۔ ان کے سوا دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔"

جب ہم لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس نے اپنے درباریوں کو بلا رکھا ہے، جو اپنی اپنی جگہوں پر...... اپنے مخصوص درباری لباس پہنے...... سروں پر ٹوپیاں رکھے...... سامنے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ جب سب وگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو نجاشی نے ہماری طرف رخ کرتے ہوئے پوچھا:

"مَا هٰذَا الدِّيْنُ الَّذِى اسْتَحْدَثْتُمُوْهُ لِأَنْفُسِكُمْ وَفَارَقْتُمْ بِسَبَبِهٖ دِيْنَ قَوْمِكُمْ، وَلَمْ تَدْخُلُوْا فِىْ دِيْنِىْ، وَلَا فِىْ دِيْنِ أَيٍّ مِنْ هٰذِهِ الْمِلَلِ؟"

تَرجَمہ: "وہ کون سا نیا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے، جس کے لیے تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا مگر تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے نہ دیگر ادیان مذاہب میں سے کسی کو اپنایا؟"

حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بادشاہ سے ہم کلامی

بادشاہ کا سوال سن کر حضرت جعفر بن ابی طالب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"أَيُّهَا الْمَلِكُ، كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ ونَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِى الْفَوَاحِشَ ونَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، ونُسِيْءُ الْجِوَارَ وَيَأْكُلُ الْقَوِىُّ مِنَّا الضَّعِيْفَ وبَقِيْنَا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُوْلاً مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهٗ وَصِدْقَهٗ وأَمَانَتَهٗ وعَفَافَهٗ ...... فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ، لِنُوَحِّدَهٗ ونَعْبُدَهٗ وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ ......"

تَرجَمہ: "اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پرستی کرتے تھے، کوئی جانور مر جاتا اس کو بھی کھا لیتے تھے، بے حیائی کے کاموں کو کرتے تھے، قطع رحمی کرتے اور پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ ہم میں سے ہر طاقت ور اپنے کم زوروں پر ظلم ڈھاتا تھا۔ ایک زمانے تک ہماری زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے رہے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جس کے حسب ونسب اور صداقت و امانت کو ہم جانتے تھے۔ جو خود ہم ہی میں سے تھے۔ جن کی خاندانی شرافت، ذاتی صداقت و امانت اور فطری پرہیزگاری سے ہم سب اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے ہم کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف دعوت دی۔ اس لیے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک مانیں، صرف اسی کی عبادت کریں اور پتھر سے تراشے ہوئے ان بے جان بتوں کی عبادت کرنا چھوڑ دیں جن کی پوجا ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے چلے آرہے تھے۔"

انہوں نے ہم کو سچائی ...... امانت داری ...... صلہ رحمی ...... پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک ...... گناہوں

سے بچنے اور کسی کو قتل کرنے سے بچنے کی تلقین کی۔ نیز بے حیائی...... جھوٹ بولنے...... یتیم کا مال کھانے...... اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔

"وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ نُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَنُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَنَصُوْمَ رَمَضَانَ ......"

تَرْجَمَۃ: "انہوں نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور ماہ رمضان کے روزے رکھیں......"

ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور ان کے ان تمام احکامات و ہدایات کی اتباع کی جن کو وہ اللہ کے یہاں سے لائے تھے۔ انہوں نے جن چیزوں کو ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے ان کو حلال جانا اور جن چیزوں کو ہمارے اوپر حرام قرار دیا، ہم نے ان کو حرام مان لیا۔

"فَمَا كَانَ مِنْ قومِنَا أَيُّهَا الْمَلِكُ إِلَّا أَنْ عَدَوْا عَلَيْنَا فَعَذَّبُوْنَا أَشَدَّ الْعَذَابِ لِيَفْتِنُوْنَا عَنْ دِيْنِنَا وَيَرُدُّوْنَا إِلٰى عِبَادَةِ الأَوْثَانِ ...... فَلَمَّا ظَلَمُوْنَا وَقَهَرُوْنَا، وَضَيَّقُوْا عَلَيْنَا، وَحَالُوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِيْنِنَا خَرَجْنَا إِلٰى بِلَادِكَ، وَاخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ، وَرَغِبْنَا فِيْ جِوَارِكَ، وَرَجَوْنَا أَلَّا نُظْلَمَ عِنْدَكَ."

تَرْجَمَۃ: "اے بادشاہ! یہی ہمارے وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے ہماری قوم ہماری مخالف ہوگئی۔ وہ ہمارے اوپر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہم کو سخت ترین عذاب سے دوچار کیا تاکہ وہ ہم کو ہمارے دین سے پھیر کر دوبارہ بت پرستی میں مبتلا کر دے۔

جب انہوں نے ہمارے اوپر ظلم و ستم کی حد کر دی، ہمیں بے حد تنگ و پریشان کرنا شروع کر دیا، ہم کو مغلوب کر لیا اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روک دیا تو ہم مجبوراً اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے ملک میں عافیت کی تلاش میں چلے آئے۔ ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ کے پڑوس کو پسند کیا کیوں کہ ہم کو اس بات کی پوری امید تھی کہ آپ کے یہاں ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کامیابی

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

اس موقع پر نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دریافت کیا:

"هَلْ مَعَكَ شَیْءٌ مِمَّا جَاءَ بِهٖ نَبِيُّكُمْ عنِ اللّٰهِ؟"

تَرجَمہ: "کیا تمہارے نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"نَعَمْ"

"جی ہاں۔"

نجاشی نے کہا:

"فَاقْرَأْهُ عَلَيَّ"

تَرجَمہ: "وہ مجھے سناؤ۔"

چناں چہ جعفر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے پڑھنا شروع کیا:

﴿كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا.﴾[1]

تَرجَمہ: "'كٓهٰيٰعٓصٓ' یہ ذکر ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی، جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے عرض کیا اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئیں ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے چمک اٹھا ہے، اور اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا۔"

یہاں تک کہ انہوں نے سورت کا ابتدائی حصہ مکمل کرلیا۔

نجاشی کا قرآن سے متاثر ہونا

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتی ہیں:

"فَبَكَى النَّجَاشِيُّ حَتّٰى اخْضَلَّتْ لِحْيَتُهٗ بِالدُّمُوْعِ، وَبَكٰى أَسَاقِفَتُهٗ حَتّٰى بَلَّلُوْا

---

[1] مَرْيَم: ۱ - ٤

كُتُبَهُمْ، لِمَا سَمِعُوْهُ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ ...... وَهُنَا قَالَ لَنَا النَّجَاشِيُّ: إِنَّ هٰذَا الَّذِيْ جَاءَ نَبِيُّكُمْ وَالَّذِيْ جَاءَ بِهٖ عِيْسٰى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكَاةٍ وَّاحِدَةٍ۔"

تَرْجَمَۃ: "کلام الٰہی کو سن کر نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ زار و قطار رونے لگا، یہاں تک کہ روتے روتے اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی رو رہے تھے۔ وہ بھی اتنا روئے کہ ان کی کتابیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ہم سے کہا کہ یہ کلام جو تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اترا ہے اور وہ کلام جو عیسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے، وہ اس روشنی کی طرح ہیں جو ایک طاقچے (چراغ) سے پھوٹ رہی ہوں دونوں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں اور دونوں ایک ہی جگہ سے آئے ہیں۔"

پھر اس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا:

"تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں انہیں کبھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔"

عمرو بن عاص کی دوبارہ بادشاہ کے دربار میں حاضری

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب ہم لوگ نجاشی کے دربار سے کامیاب ہو کر نکلے تو عمرو بن عاص نے ہم لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا:

"واللّٰهِ لَاٰتِيَنَّ الْمَلِكَ غدًا، وَلَاُذْكُرَنَّ لَهٗ مِنْ أَمْرِهِمْ مَّا يَمْلَأُ صَدْرَهٗ غيظًا مِنْهُمْ وَيَشْحَنُ فُؤَادَهٗ كُرْهًا لَهُمْ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! میں کل پھر بادشاہ کے پاس آؤں گا اور اس کو ان لوگوں کے متعلق ایک ایسی بات بتاؤں گا جو اس کے دل کو ان کے خلاف غضب و غصے سے بھر دے گی۔ میں اس کو اس بات پر آمادہ کر کے چھوڑوں گا کہ وہ مکمل طور پر ان کو ختم کر دے گا اور ان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے گا۔"

اس پر عبداللہ بن ربیعہ نے کہا:

"لَا تَفْعَلْ يَا عَمْرُو، فَإِنَّهُمْ مِنْ ذَوِيْ قُرْبَانَا، وَ إِنْ كَانُوْا قَدْ خَالَفُوْنَ."

تَرْجَمَۃ: "عمرو! اللہ کے لیے ایسا نہ کرنا۔ یہ سب اگرچہ ہمارے مخالف ہیں مگر ہیں تو ہمارے قریبی عزیز ہی۔

مگر عمرو بن عاص نے انکار کرتے ہوئے کہا:

”دَعْ عَنْكَ هٰذَا ...... وَاللّٰهِ لَأُخْبِرَنَّهُ بِمَا يُزَلْزِلُ أَقْدَامَهُمْ ...... وَاللّٰهِ لَأَقُوْلَنَّ لَهُ: إِنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ أَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَبْدٌ ......“

تَرجَمَہ: ”چھوڑو اس بات کو، رہنے دو ان سے اتنی ہم دردی کو...... میں بادشاہ کو ایسی بات بتاؤں گا جس کی وجہ سے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جائے گی ...... اللہ کی قسم! میں اس سے کہوں گا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں اس کے بندے ہیں۔“

اور اگلے روز عمرو بن عاص نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر کہا:

عالی جاہ! یہ لوگ جن کو آپ نے اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے، یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق بہت سخت اور نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں۔ آپ انہیں بلوایئے اور اس بات پر باز پرس کیجیے۔ جو وہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں کہتے ہیں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلۂ بیان آگے بڑھتا ہے۔

ہم لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو ہمیں اس کی بڑی فکر ہوئی اور ہم لوگ غم سے نڈھال ہو گئے۔ پھر ہم نے اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے باہم مشورہ کی ایک مجلس منعقد کی کہ اگر بادشاہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں پوچھا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیے۔

آخر کار یہ بات طے ہوئی کہ ہم ان کے متعلق وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے۔ اس معاملے میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم سے ذرہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوں گے، چاہے اس کے نتیجے میں ہمارا جو بھی حشر ہو۔

ہم نے یہ بات بھی متفقہ طور پر طے کی کہ بادشاہ کے سامنے اس مرتبہ بھی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہماری نمائندگی کریں گے۔

دوسری مرتبہ کامیابی

پھر جب بادشاہ کے طلب کرنے پر ہم اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کے درباری آج بھی حسبِ معمول اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو بھی بادشاہ کے پاس موجود

پایا۔

جب ہم بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے تو اس نے کہا:

"مَا ذَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ؟"

تَرْجَمَہ: "تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"إِنَّمَا نَقُوْلُ فِیْهِ مَا جَاءَ بِهٖ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ."

"ان کے بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتائی ہے۔"

نجاشی نے پوچھا:

"وَمَا الَّذِیْ یَقُوْلُ فِیْهِ؟"

تَرْجَمَہ: "وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"إِنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ، وَرُوْحُهٗ وکَلِمَتُهُ الَّتِیْ أَلْقَاهَا إِلٰی مَرْیَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ."

تَرْجَمَہ: "وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول ہیں، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے پاک دامن کنواری مریم بتول کی طرف القا کیا تھا۔"

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارتے ہوئے کہا:

"وَاللّٰهِ، مَا خَرَجَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَمَّا جَاءَ بِهٖ نَبِیُّکُمْ مِقْدَارَ شَعْرَةٍ"

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بتائی ہے، ان کی حیثیت ایک بال کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہے۔"

نجاشی کے منہ سے یہ باتیں سن کر اس کے پاس بیٹھے ہوئے درباری غصے سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے اور پریشانی کے عالم میں ناک کھجلانے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر نجاشی نے پھر کہا:

چاہے تم لاکھ ناک کھجلاؤ مگر حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

"اِذْهَبُوْا فَأَنْتُمْ آمِنُوْنَ ......

مَنْ سَبَّکُمْ غَرِمَ، وَمَنْ تَعَرَّضَ لَکُمْ عُوْقِبَ ......"

جاؤ، تم لوگ بے خوف وخطر اور اطمینان کے ساتھ رہو۔ جو شخص بھی تم کو گالی دے گا یا برا بھلا کہے گا، اس کو تاوان ادا کرنا پڑے گا، اور جو تم سے کسی قسم کی سختی کرے گا، اسے سزا بھگتنی پڑے گی۔

"وَوَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ لِيْ جَبَلٌ مِنْ ذَهَبٍ، وَأَنْ يُصَابَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ بِسُوْءٍ."

تَرجَمہ: "اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی منظور نہیں ہے کہ تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور اس کے بدلے میں مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔"

پھر اس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا:

"رُدُّوْا عَلٰى هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ هَدَايَا هُمَا، فَلَا حَاجَةَ لِيْ."

تَرجَمہ: "(جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ) ان کے ہدیے انہیں واپس لوٹا دو۔ مجھے ان کے تحائف کی ضرورت نہیں۔"

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ وہاں سے ناکام خائب وخاسر واپس لوٹ گئے اور ہم لوگ عزت اور آرام کے ساتھ نجاشی کے یہاں رہنے لگے۔

مدینہ منورہ کی طرف روانگی

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت امن واطمینان کے ساتھ نجاشی کے یہاں دس سال گزارنے کے بعد ۷ھ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ چھوڑ کر مدینے کا رخ کیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ خیبر کی فتح سے فارغ ہو کر مدینے واپس پہنچے ہی تھے کہ مہاجرینِ حبشہ کا یہ قافلہ بھی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا:

"مَا أَدْرِيْ بِأَيِّهِمَا أَنَا أَشَدُّ فَرَحًا بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرَ؟"

تَرجَمہ: "مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں سے کس بات کی مجھے زیادہ خوشی ہے، آیا خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی؟"

اور ان کی واپسی پر تمام مسلمانوں، خصوصاً فقراء ومساکین کی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خوشی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیوں کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمزوروں...... ضعیفوں...... اور حاجت مندوں کے ساتھ

نہایت مہربانی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے لوگ ان کو "اَبُو الْمَسَاکِیْن" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ان کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

"ہم مساکین کے حق میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا ہم کو کھلاتے۔ یہاں تک کہ اگر کھانے کی چیز ختم ہو جاتی تو وہ گھی رکھنے کا خالی شدہ مشکیزہ لاکر ہمارے آگے رکھ دیتے جس کو پھاڑ کر ہم گھی کی وہ معمولی مقدار بھی جو اس کے اندرونی حصے پر لگی ہوتی چاٹ لیا کرتے تھے۔"

غزوۂ موتہ میں بہادری اور شہادت

مدینہ منورہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ قیام بہت مختصر رہا، کیوں کہ ۸ ھ کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے ملکِ شام میں رومیوں کے ساتھ جنگ کے لیے ایک فوج تیار کی اور اس فوج کی قیادت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنْ قُتِلَ زيدٌ او أُصِيبَ فَالْأَمِيْرُ جَعْفَرُ بنُ أَبِيْ طَالِبٍ، فَاِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ او أُصِيبَ فَالْأَمِيْرُ عَبْدُاللّٰه بنُ رَوَاحَةَ، فَإِنْ قُتِلَ عَبْدُاللّٰهِ بنُ رَوَاحَةَ أَوْ أُصِيبَ فَلْيَخْتَرِ الْمُسْلِمُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ أَمِيْرًا مِنْهُمْ."

تَرْجَمَۃ: "اگر زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید یا زخمی ہو جائیں تو فوج کی امارت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ذمے ہوگی۔ اگر جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی شہید یا زخمی ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) امیر ہوں گے۔ لیکن اگر عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی شہید یا زخمی ہو جائیں تو مسلمان خود اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر بنالیں۔"

جب مسلمان "موتہ" نامی بستی میں پہنچے جو شام کے بالائی حصے "اُردن" میں واقع ہے، تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے مقابلے کے لیے ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل زبردست رومی فوج تیار کھڑی ہے۔

اور اس کی مدد کے لیے نصرانی عربوں نے مزید ایک لاکھ کی بھاری فوج بھیج دی ہے۔ جس میں عیسائی قبائل لخم...... جذام...... اور قضاعہ...... وغیرہ کے جنگجو شامل ہیں۔ اس دو لاکھ کے عظیم لشکر کا مقابلہ کرنے والی مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔

آخرکار جب دونوں فوجوں میں مقابلہ شروع ہوا اور جنگ کی چکی اپنی پوری رفتار سے چلنے لگی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

ان کے شہید ہوتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی گھوڑی ''شَقْرَاءْ'' سے کود پڑے۔ پھر انہوں نے تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تاکہ ان کے بعد دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھاسکیں اور جھنڈا لے کر یہ رجز[1] پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے۔

؎ یَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا
طَيِّبَةٌ وَبَارِدُ شَرَابُهَا
وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْ دَنَا عَذَابُهَا
كَافِرَةٌ بَعِيْدَةٌ أَنْسَابُهَا
عَلَيَّ إِذْ لَاقَيْتُهَا ضِرَابُهَا

تَرجَمہ: ''واہ واہ، کتنی عمدہ ہے جنت، کتنا اچھا ہے اس کے قریب ہونا اور کیسا ٹھنڈا ہے اس کا پانی۔ رومیوں کا عذاب قریب آگیا ہے۔ یہ سب کافر اور برے لوگ ہیں۔ جب ان سے ملوں تو مجھ پر لازم ہے کہ میں ان کی گردنیں اڑاتا جاؤں۔''

وہ دشمن کی صفوں میں ہر طرف چکر لگاتے اور اپنی تیز دھار تلوار کے جوہر دکھاتے پھر رہے تھے کہ دشمن کی ایک ضرب نے ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر الگ کردیا۔

انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا مگر دشمن نے تلوار کا دوسرا وار کیا اور ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ کر جدا ہوگیا، اب انہوں نے جھنڈے کو اپنے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے چمٹالیا۔ مگر جلد ہی تیسری ضرب نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کردیئے۔

اب جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ اپنے دونوں ساتھیوں سے جا ملے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تینوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہید ہوجانے کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنج اور صدمے سے نڈھال ہوگئے، اور تعزیت کے لیے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

---

[1] میدانِ جنگ میں لڑائی کا شوق دلانے والے اشعار۔

آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاوند کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ روٹی کے لیے آٹا گوندھ کر رکھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر تیل وغیرہ لگا کر، صاف ستھرے کپڑے پہنا کر تیار کر چکی تھیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم رَأَيْتُ غُلَالَةً مِنَ الْحُزْنِ تُوَشِّحُ وَجْهَهُ الْكَرِيْمَ، فَسَرَتِ الْمَخَاوِفُ فِيْ نَفْسِيْ، غَيْرَ أَنِّيْ لَمْ أَشَأْ أَنْ أَسْأَلَهُ عَنْ جَعْفَرٍ مَخَافَةَ أَنْ أَسْمَعَ مِنْهُ مَا أَكْرَهُ."

تَرجَمۃ: "جب رسول اللہ ﷺ میرے یہاں تشریف لائے تو میں نے رنج و غم کے وہ اثرات آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر پھیلے ہوئے دیکھ لیے تھے جو آپ کے اندرونی دکھ کا اظہار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اس طرح رنجیدہ دیکھ کر میرے دل میں مختلف اندیشے اور وسوسے پیدا ہو رہے تھے مگر اس وقت میں جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی سوال اس لیے نہیں کرنا چاہتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو مجھے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے کوئی ناپسندیدہ بات سننی پڑ جائے۔

آپ ﷺ نے سلام کے بعد مجھ سے فرمایا:

"اِئْتِنِىْ بِأَوْلَادِ جَعْفَرٍ."

تَرجَمۃ: "جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔"

میں نے انہیں آواز دی تو وہ خوشی سے چہکتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکے دے رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ ﷺ کے پاس پہنچ جائے۔

آپ ﷺ نے ان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا، ان کے اوپر جھک گئے اور انہیں چومنے لگے۔ اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے حساب آنسو جاری تھے۔ جب میں نے پوچھا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. بِأَبِىْ أَنْتَ وَأُمِّىْ. مَا يُبْكِيْكَ؟ أَبَلَغَكَ عَنْ جَعْفَرٍ وَصَاحِبَيْهِ شَىْءٌ؟"

تَرجَمۃ: "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں۔

آپ کیوں رو رہے ہیں۔ کیا آپ کے پاس جعفر اور ان کے دونوں ساتھیوں کے متعلق کوئی ناخوش گوار اطلاع آئی ہے؟"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! وہ سب شہید ہو گئے۔"

اس وقت جب چھوٹے بچوں نے اپنی ماں کو روتے دیکھا تو ان کے معصوم چہروں سے بھی خوشی کے اثرات ختم ہو گئے اور وہ سب اپنی جگہ پر اس طرح بے حس و حرکت کھڑے رہ گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنے آنسو پونچھتے اور یہ فرماتے ہوئے واپس تشریف لے گئے:

"اَللّٰهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِيْ وَلَدِهٖ، اَللّٰهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِيْ أَهْلِهٖ."

تَرجَمہ: "اے اللہ! جعفر کی اولاد کی مدد فرما، اے اللہ! جعفر کے پیچھے اس کے بچوں کی کفالت فرما۔"

پھر فرمایا:

"لَقَدْ رَأَيْتُ جَعْفَرًا فِي الْجَنَّةِ، لَهٗ جَنَاحَانِ مُضَرَّجَانِ بِالدِّمَاءِ، وَهُوَ مَصْبُوْغُ الْقَوَادِمِ."

تَرجَمہ: "میں نے جعفر کو جنت میں اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے دو بازو ہیں جو خون سے رنگین ہیں۔"

فوائد و نصائح

دین کی خاطر ہجرت کرنا

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک زندگی سے ایک سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم اپنا مقصودِ زندگی دین پر عمل کرنے کو بنائیں اور اگر کبھی دین پر عمل کرنے میں دشواری پیش آ رہی ہو تو ہم دین کو نہ چھوڑیں بل کہ اس زمین اور علاقے کو چھوڑ دیں جہاں پر ہمارے دین پر چلنے میں رکاوٹ پیش آ رہی ہو۔ دین کی خاطر اپنے ملک و قوم و گھر بار کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو "ہجرت" کہا جاتا ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک زندگیوں میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

حضور ﷺ کی زندگی میں دو مرتبہ بڑے پیمانے پر ہجرت ہوئی ہے اس میں سے پہلی ہجرت کو ''ہجرتِ حبشہ'' جب کہ دوسری ہجرت کو ''ہجرتِ مدینہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پہلی مرتبہ صحابہ نے جو ہجرت کی ہے وہ ہجرت حبشہ ہے اور وہی ہجرت کی ابتدا ہے اور اس ہجرت میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات آپ نے پیچھے پڑھ ہی لیے ہیں۔ اُن حالات و واقعات میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ ہم بھی دین کے معاملے میں ایک دوسرے کے مددگار بنیں اور جہاں تک ہوسکے خود بھی ہم دین کی خاطر قربانی دیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اور اس کے لیے ہر ممکن جانی مالی اور وقت کی قربانی بھی دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور سربلند ہوجائے اور ہماری زندگیاں اس مقصد کے لئے استعمال ہوکر سعادت والی زندگیاں بن جائیں اور ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہوجائے۔ آمین

سچ بولنے میں ہی نجات ہے

دوسرا سبق اس واقعے سے ہمیں یہ ملا کہ ہم ہمیشہ سچ ہی بولیں اور جھوٹی بات بالکل بھی نہ بولیں اس لیے کہ جھوٹ میں ہلاکت و بربادی ہے جب کہ سچ میں نجات ہی نجات ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے:

''تَحَرُّوا الصِّدْقَ وَ إِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ فِيْهِ الْهَلَكَةَ فَإِنَّ فِيْهِ النَّجَاةُ وَاجْتَنِبُوا الْكِذْبَ وَ إِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ فِيْهِ النَّجَاةَ فَإِنَّ فِيْهِ الْهَلَكَةُ.''[1]

تَرْجَمَہ: ''تم سچ ہی کی نیت و ارادہ کرو اگرچہ تمہیں اس میں (بظاہر) ہلاکت نظر آئے، بے شک اسی میں کامیابی ہے۔ اور تم جھوٹ سے ہر حال میں بچو اگرچہ (بظاہر) اس میں کامیابی نظر آئے، بے شک اس میں ہلاکت ہے۔''

ہمارے بزرگوں نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ دیکھو بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا ورنہ ایک جھوٹ کے لئے دس اور جھوٹ بولنے پڑ جائیں گے اور فائدہ پھر بھی کچھ نہیں ہوگا جب کہ گناہ الگ سے رہا۔

اس لیے ہمیشہ سچی بات کہنے کی عادت ڈالیں اور یقین رکھیں کہ ان شاء اللّٰہ پھنسیں گے نہیں بل کہ نجات پا جائیں گے اگرچہ بظاہر ایسا نظر آ رہا ہو کہ سچ بولنے میں تو پھنس جائیں گے، لہٰذا ہر وقت اور ہر جگہ سچ بولیں اور جھوٹ سے بچیں کیوں کہ سچ میں ہی نجات ہے جب کہ جھوٹ میں صرف ہلاکت ہے۔

---

[1] كنز العمال، كتاب الاخلاق، صدق الحديث: ٣/١٣٩، رقم: ٦٨٥٣

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں ہم غور کریں کہ انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے بالکل سچی بات کہی اور اللہ نے اس سچ کی برکت سے اور زیادہ عزت دی، حالاں کہ بظاہر یہ تھا کہ اگر ہم سچی بات کہیں تو ایسا نہ ہو کہ بادشاہ بہت زیادہ ناراض ہو جائے اور ہمیں سزا دے، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا اس لیے کہ یہ سچی بات کی برکت تھی۔ اس لیے آج سے ہم بھی یہ عہد کرلیں کہ ان شاء اللّٰہ سچ بولیں گے اور جھوٹ سے ہر حال میں بچیں گے۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مُذاکرہ

سُؤال: بنی عبد مناف میں پانچ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے ان کے نام بتائیں؟

سُؤال: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ کی طرف کیوں ہجرت کی؟

سُؤال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حبشہ سے واپسی پر کیا فرمایا؟

سُؤال: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے کہنے پر قرآن مجید کی کون سی آیتیں سنائیں؟

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"إِنَّهُ ابْنُ عَمِّیْ أَبُوْسُفْيَانَ ابْنُ الْحَارِثِ أُنْظُرِیْ إِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَآخِرُ مَنْ يَّخْرُجُ مِنْهُ" (كَلَامُ الرَّسُوْلِ لِعَائِشَةَ)

ترجمہ: "یہ میرے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث ہیں دیکھو! یہ سب سے پہلے مسجد میں آتے ہیں، اور سب سے آخر میں نکلتے ہیں۔"

تعارف

دو شخصوں کے درمیان شاید ہی کبھی ایسی گہری اور سچی پکی دوستی ہوگی جیسی حضور ﷺ اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان تھی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ہم عمر تھے دونوں ایک زمانے میں پیدا ہوئے اور ایک ہی خاندان میں ان کی نشوونما ہوئی۔ وہ نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا کے لڑکے تھے۔ ان کے والد حارث اور رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اور یہ آپ ﷺ کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی بھی تھے۔ وہ اس طرح کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان دونوں کو ایک ہی وقت میں دودھ پلایا تھا۔

ان تعلقات کے علاوہ وہ نبوت ملنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے نہایت گہرے دوست تھے، شکل و صورت بھی حضور ﷺ سے ملتی جلتی تھی۔ آپ نے ایسی رشتہ داری نہ دیکھی اور نہ سنی ہوگی جو حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول اقدس ﷺ کے درمیان تھی، اس وجہ سے ابوسفیان کی ذات سے اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے میں پہل کریں گے، اور آپ ﷺ کی پیروی میں سب سے آگے نکل جائیں گے، لیکن اس توقع کے خلاف ان کا عمل سامنے آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جیسے ہی دین کی دعوت دینی شروع فرمائی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا شروع کیا، اچانک ابوسفیان کے سینے میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کینے اور دشمنی کی

آگ بھڑک اٹھی، اور ان کی دوستی دشمنی میں...... صلہ رحمی قطع رحمی میں...... اور بھائی چارگی نفرت میں بدل گئی۔

ابوسفیان بن حارث کا شمار اس وقت قریش کے مشہور شہ سواروں اور اونچے درجے کے شعراء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور ان کے دین کی دعوت کو روکنے میں اپنی تلوار اور زبان دونوں کا بھرپور استعمال کیا۔ اور اسلام کو نقصان پہنچانے ...... مسلمانوں کو تکلیف دینے میں ...... اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

قریش نے نبی کریم ﷺ کے خلاف جتنی بھی جنگیں لڑیں، ان سب جنگوں میں موقع کو غنیمت جانتے ہوئے لڑائی کی آگ بھڑکانے والے یہی ابوسفیان تھے، اور مسلمانوں کو جتنی بھی اذیتیں اور تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان سب میں ان کا زبردست ہاتھ تھا۔

انہوں نے اپنی شاعری اور اپنی زبان کو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنے میں استعمال کیا اور آپ ﷺ کی شانِ مبارک میں نہایت گھٹیا اور تکلیف دہ قسم کے اشعار کہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی دشمنی کا زمانہ بیس سال کی لمبی مدت تک پھیلتا چلا گیا۔ اس دوران میں انہوں نے رسولِ اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے اور تکلیف پہنچانے کے تمام طریقے استعمال کر ڈالے، اور انہیں ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ فتحِ مکہ سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ابوسفیان کی طرف خط لکھا گیا اور اس میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔

قبولِ اسلام کا قصہ

ابوسفیان بن حارث فتحِ مکہ سے کچھ دنوں پہلے ایمان لے آئے۔ ان کے اسلام میں داخل ہونے کا قصہ عجیب وغریب ہے، جس کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں، وہ قصہ ان ہی کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے۔

”اسلام کا معاملہ جب پورے طور پر مضبوط ہوگیا، اس نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی، اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کے لیے تشریف لا رہے ہیں، تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود میرے لیے تنگ ہوگئی۔“

میں نے اپنے دل میں سوچا:

”إِلَى أَيْنَ أَذْهَبُ؟ وَمَنْ أُصْحِبُ؟ وَمَعَ مَنْ أَكُوْنُ؟“

ترجمہ: "اب میں کہاں جاؤں گا، کس کی صحبت اختیار کروں گا اور کس کے ساتھ رہوں گا۔"

پھر میں اپنے بیوی بچوں کے پاس آیا اور ان سے کہا:

"تم لوگ مکہ سے نکل چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ، کیوں کہ محمد (ﷺ) بہت جلد یہاں پہنچنے والے ہیں، اور اگر مسلمانوں نے مجھے پکڑ لیا تو یقیناً میں قتل کر دیا جاؤں گا۔"

تو میری بیوی نے مجھ سے کہا:

"أَمَا آنَ لَكَ أَنْ تُبْصِرَ أَنَّ الْعَرَبَ وَالْعَجَمَ قَدْ دَانَتْ لِمُحَمَّدٍ بِالطَّاعَةِ، وَاعْتَنَقَتْ دِينَهُ، وَأَنْتَ مَا تَزَالُ مُصِرًّا عَلٰى عَدَاوَتِهٖ، وَكُنْتَ أَوْلَى النَّاسِ بتأْيِيْدِهٖ وَنَصْرِهٖ؟"

ترجمہ: "کیا آپ کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ تقریباً عرب وعجم نے محمد (ﷺ) کی اطاعت قبول کر لی ہے، اور ان کے دین کو قبول کر لیا ہے، ایک آپ ہی ہیں کہ اپنی دشمنی، ضد اور ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے ہیں حالاں کہ آپ ان کی مدد کرنے کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔"

اور وہ لوگ برابر مجھے رسول اللہ ﷺ کے دین کی طرف مائل کرتے، اور مسلسل مجھے اسلام کی طرف رغبت دلاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیا۔ میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا اور اٹھ کر اپنے غلام سے کہا:

"ہماری سواریاں سفر کے لیے تیار کر دو۔"

پھر میں نے اپنے بیٹے جعفر کو ساتھ لیا اور ہم دونوں تیز رفتاری کے ساتھ "ابوا"[1] کی طرف چل پڑے، ہمیں خبر ملی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اسی بستی میں ٹھہرے ہیں۔ جب میں بستی کے قریب پہنچا تو میں نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا لیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی کوئی مجھے پہچان کر قتل کر دے۔

"ابوا" بستی ابھی ایک میل دور تھی کہ میں نے پیدل چلنا شروع کر دیا، میں ایک میل تک پیدل چلتا رہا۔ مسلمانوں کے قافلے مکہ مکرمہ کی سمت بڑھتے رہے میں نے ان سے ڈرتے ہوئے راستہ بدل لیا اور ان کے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی مجھے دیکھ کر پہچان نہ لے۔

---

[1] مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔

میں اسی حالت میں تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سامنے سے اپنی سواری پر تشریف لا رہے ہیں تو میں فوراً آپ ﷺ کی طرف دوڑا اور چہرے سے نقاب ہٹا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

آپ ﷺ نے مجھے نظر بھر کر دیکھا اور مجھے پہچانتے ہی اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔ میں گھوم کر دوبارہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ ﷺ نے پھر میری طرف سے چہرہ پھیر لیا، میں پھر سامنے آ گیا۔ جب بھی میں آپ کے سامنے آتا آپ ﷺ اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیتے۔

جب میں نبی کریم ﷺ سے ملنے کے ارادے سے چلا تھا تو اس وقت مجھے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی میرے اسلام قبول کرنے سے ضرور خوش ہوں گے، لیکن جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کا مجھ سے چہرہ پھیرنے کا انداز دیکھا تو ان کے چہروں پر بھی نفرت کے آثار ظاہر ہو گئے۔

میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملا تو انہوں نے بھی میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ میں نے عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ایسی معصوم نظر سے دیکھا جو ان کے دل میں نرمی اور ہمدردی کے جذبات بیدار کر دے، مگر ان کی نظروں میں بھی میرے لیے غصہ...... نفرت...... اور غضب کے سوا کچھ نہ تھا۔ بل کہ انہوں نے تو یہاں تک کیا کہ ایک انصاری کو میرے خلاف اکسا دیا۔ اور انہوں نے مجھے لعنت ملامت کرنا شروع کر دیا:

''اے اللہ کے دشمن! تو ہی وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تھا، تو نے آپ ﷺ کی دشمنی میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔''

وہ انصاری مسلسل مجھے برا بھلا کہتے رہے، دوسرے مسلمان بھی مجھے ترچھی نظروں سے دیکھتے اور میری پریشانی سے خوش ہو رہے تھے۔ اس وقت اچانک میری نظر اپنے چچا (حضرت) عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر پڑی۔ میں فوراً ان کے پاس پہنچا اور بولا:

''چچا جان! خاندان میں اپنے مقام و مرتبہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے قریبی رشتے کی بنا پر میں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے اسلام قبول کرنے سے خوش ہوں گے، لیکن ان کا جو رویہ ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ تو اب آپ ہی میرے متعلق ان سے سفارش کر کے انہیں مجھ سے راضی کر دیجیے۔''

مگر انہوں نے کہا:

''نہیں! اللہ کی قسم میں تو کسی مناسب وقت پر ہی رسول اللہ ﷺ سے بات کر سکوں گا، کیوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور ﷺ تم سے اپنا چہرہ مبارک پھیر چکے ہیں۔

سچی بات ہے میرے دل میں ان کا بہت زیادہ رعب و دبدبہ ہے۔“

میں نے کہا:

”چچا جان! آپ نے بھی میری مدد نہ کی تو میرا کیا بنے گا؟“

انہوں نے جواب دیا:

”جو کچھ تم مجھ سے سن چکے ہو، اس کے علاوہ میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔“

ان کا یہ روکھا سا جواب سن کر میرے اوپر شدید غم و پریشانی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اپنے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھا۔ چناں چہ میں نے ان سے کہا:

آپ ہی اس مشکل وقت میں میرا ساتھ دیں...... میری مدد کریں...... یہاں کوئی بھی میری سننے والا نہیں۔

مگر انہوں نے بھی وہی کہا جو میرے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا تھا۔ تب میں پھر اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس واپس آیا اور ان سے کہا:

> ”چچا جان! اگر آپ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کر کے میرے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتے تو کم از کم مجھے ان سے بچا لیجیے جو برابر مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں، اور دوسروں کو بھی اس پر اُکسا رہے ہیں۔“

انہوں نے پوچھا۔ وہ کون ہیں ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو؟

جب میں نے ان کا حلیہ بیان کیا تو انہوں نے کہا:

”وہ نعیمان بن حارث نجاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔“

پھر چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ایک شخص کو بھیج کر انہیں بلوایا اور ان سے کہا:

”نعیمان! یہ ابوسفیان، رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد بھائی ہے اور میرا بھتیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اگر چہ آج اس سے خفا ہیں لیکن جلد آپ ﷺ اس سے راضی ہو جائیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اس کو ستانے سے باز آجاؤ۔“

چچا جان کی بات سن کر وہ مجھے برا بھلا کہنے سے باز آگئے، اور کہنے لگے کہ اب میں اِن کو تنگ نہیں کروں گا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے جُحفہ[1] میں قیام فرمایا تو میں آپ ﷺ کی قیام گاہ کے دروازے پر جا

---

[1] مکہ اور مدینے کے درمیان ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ سے ۱۸۷ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

بیٹھا اور اپنے لڑکے جعفر کو اپنے پاس کھڑا کر لیا۔ خیمے سے نکلتے ہوئے جب آپ ﷺ کی نظریں میرے پر پڑیں تو آپ ﷺ نے میری طرف سے نظریں پھیر لیں، لیکن میں پھر بھی آپ ﷺ کی رضا مندی سے ناامید نہیں ہوا۔

میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ جب بھی کسی منزل پر آپ ﷺ کا قیام ہوتا، میں آپ ﷺ کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتا اور اپنے لڑکے جعفر کو اپنے پاس کھڑا کر لیتا، لیکن آپ ﷺ جب بھی مجھے دیکھتے منہ پھیر لیتے، یہ سلسلہ کافی عرصے تک جاری رہا۔

آخرکار جب یہ پریشانی میرے لیے برداشت سے باہر ہوگئی تو ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا:

"وَاللّٰهِ لَيَرْضَيَنَّ عَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ لَاٰخُذَنَّ بِيَدَیْ اِبْنِیْ هٰذَا، ثُمَّ لَنَذْهَبَنَّ هَائِمَيْنِ عَلٰى وَجْهِنَا فِى الْأَرْضِ حَتّٰى نَمُوْتَ جُوْعًا وَعَطَشًا."

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! اب میرے سامنے دو ہی راستے باقی رہ گئے ہیں۔ یا تو رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی ہو جائیں، ورنہ میں اپنے اس لڑکے کو ساتھ لے کر نکل جاؤں گا اور زمین میں حیران و پریشان پھرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں بھوک پیاس سے مرجائیں۔"

کاش! آپ ﷺ مسکرادیں

جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ کے دل میں میرے لیے ہمدردی اور رحمت و شفقت کے جذبات بیدار ہوگئے۔ اور جب خیمہ سے باہر تشریف لائے تو پہلی بار میری طرف محبت کی نظر سے دیکھا، میرے جی میں آیا کہ کاش! آپ مسکرادیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ مسجدِ حرام کی طرف روانہ ہوئے میں دوڑتا ہوا آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہا تھا اور میں کسی حال میں بھی آپ ﷺ سے جدا نہ ہوتا تھا۔

غزوۂ حنین میں شرکت

حنین کی وادی میں جب بنو ہوازن نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے زبردست فوج اکٹھی کر لی، اور پوری تیاری و جذبے کے ساتھ آپ ﷺ کا مقابلہ کرنے، اسلام اور مسلمانوں کو شکست دینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا لشکر

لے کر روانہ ہوئے چناں چہ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اور جب میں نے مشرکین کی زبردست فوج کو دیکھا تو اپنے دل میں کہا:

”وَاللّٰهِ لَأُكَفِّرَنَّ الْيَوْمَ عَنْ كُلِّ مَا سَلَفَ مِنِّىْ مِنْ عَدَاوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَيَرَيَنَّ النَّبِىُّ مِنْ أَثَرِىْ مَا يُرْضِى اللّٰهُ وَيُرْضِيْهِ“

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! آج میں ان تمام محرومیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر دوں گا جو نبی کریم ﷺ کی مخالفت کے نتیجے میں مجھ سے ہوئی ہیں۔ آج میں ایسی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کروں گا جو میرے تمام پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ مجھ سے راضی ہوجائیں گے۔“

جب دونوں فوجوں میں لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مرحلے میں مشرکین کا دباؤ مسلمانوں پر بڑھنے لگا تو قریب تھا کہ ہم شکست کھاجائیں، اس مشکل وقت میں رسول اللہ ﷺ کی جرأت و بہادری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ ﷺ میدانِ جنگ کے بیچوں بیچ اپنی سواری ”شہباء“ پر مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے تھے، اور ایک بپھرے ہوئے شیر کی مانند تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے اپنی اور اپنے آس پاس کے لوگوں کی طرف سے دفاع کر رہے تھے۔

اس وقت میں اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور اپنی تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی۔ اللہ جانتا ہے کہ اس وقت میرا ارادہ یہی تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں لڑتا ہوا آپ ﷺ کے سامنے ہی شہید ہوجاؤں۔

میرے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے خچر کی لگام تھامے سیدھے ہاتھ کی طرف کھڑے تھے، میں نے دوسری طرف اپنی جگہ سنبھال لی۔ میرا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور بائیں ہاتھ سے حضور ﷺ کی رکاب تھامے دشمنوں کو آپ ﷺ سے دور ہٹا رہا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس طرح بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تو بڑے اچھے اور پیارے انداز میں چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا:

”مَنْ هٰذَا؟“

ترجمہ: ”یہ کون ہے؟“ (جو اس طرح بہادری سے لڑ رہا ہے)۔

چچا نے جواب دیا:

”هٰذَا أَخُوْكَ وَابْنُ عَمِّكَ أَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ، فَارْضَ عَنْهُ أَىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ.“

ترجمہ: ''یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھائی، آپ کا چچازاد ابوسفیان بن حارث ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ اس سے راضی ہو جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوسفیان سے راضی ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قَدْ فَعَلْتُ وَغَفَرَاللّٰهُ لَهٗ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيْهَا''

''آج میں اس سے راضی ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ دعا کی، اللہ تعالیٰ اس کی ہر اس دشمنی کو معاف فرمائے جو اس نے اب تک میرے ساتھ کی ہے۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو گئے تو اس سے مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی اور میرا دل خوشی کے مارے اچھلنے لگا۔ میں نے رکاب ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

''أَخِيْ لَعَمْرِيْ، تَقَدَّمْ فَضَارِبْ''

ترجمہ: ''میرے بھائی! آگے بڑھو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے لیے یہ کلمات سن کر میرے اندر نہایت جرأت و بہادری پیدا ہوئی اور میں نے مشرکین پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ اس حملے میں بہت سے مسلمان بھی میرے ساتھ شریک ہو گئے، ہم نے ان کو ایک فرسخ (تقریباً تین میل) تک پیچھے دھکیل دیا اور وہ مختلف اطراف میں بھاگ نکلے۔

عبادت میں مشغولیت

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غزوۂ حنین کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی سعادت بھی نصیب ہو گئی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کے ان دنوں پر بے حد پشیمانی محسوس کرتے جو دورِ جاہلیت کی نذر ہو گئے جن میں وہ قرآن کریم سے محروم رہے، لیکن اب وہ دن رات قرآن کریم کی آیات کی تلاوت اور اس کے احکام پر غور و فکر میں مشغول رہتے، اور اس کی نصیحتوں سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

انہوں نے دنیا اور اس کے عیش و عشرت سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی اور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف

متوجہ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"أَتَدْرِيْنَ مَنْ هٰذَا يَا عَائِشَةُ؟!"

ترجمہ: "اے عائشہ! جانتی ہو یہ کون ہے؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه"

ترجمہ: "نہیں اے اللہ کے رسول! (ﷺ)۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّهُ ابْنُ عَمِّيْ أَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ اُنْظُرِيْ إِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَآخِرُ مَنْ يَّخْرُجُ مِنْهُ، وَلَا يُفَارِقُ بَصَرُهُ شِرَاكَ نَعْلِهِ"

ترجمہ: "یہ میرے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث ہیں۔ دیکھو! یہ سب سے پہلے مسجد میں آتے ہیں اور سب سے آخر میں نکلتے ہیں۔ اور جب تک مسجد میں ہوتے ہیں نماز میں مشغول رہتے ہیں، اپنی نظروں کو نیچے رکھتے ہیں۔"

اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا روئے، جیسے کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات پر روتی ہے، اور آپ ﷺ کی یاد میں ایسے غم ناک اور درد بھرے اشعار کہے جن سے سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اور یہ اشعار اِن کی آپ ﷺ سے سچی محبت کی علامت ہیں۔

وفات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے، تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے قبر کھودی، اس پر ابھی تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا، جیسے انہیں پہلے سے ہی بتا دیا گیا ہو۔ اس وقت انہوں نے اپنے گھر والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"لَا تَبْكُوْا عَلَيَّ فَوَاللّٰهِ مَا تَعَلَّقْتُ بِخَطِيْئَةٍ مُنْذُ اَسْلَمْتُ ......"

تَرْجَمَۃ: ”خبردار! میری موت پر آنسو نہ بہانا۔ اللہ گواہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔“

پھر وہ انتقال کرگئے۔ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“۔

اور حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمر اور دوسرے تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ کو ان کی وفات پر بڑا افسوس ہوا۔

فَوائِدُ ونَصَائِح

دینی دعوت کے ثمرات

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ اسلام کی دعوت میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی طاقت رکھی ہے۔ دعوت جب حضور اقدس ﷺ کے طریقے پر دی جاتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ سخت سے سخت کافر اور سخت سے سخت اسلام کا دشمن یا تو دوست بن جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے انتقام لے لیتے ہیں۔ چوں کہ داعی (اللہ کی طرف بلانے والا) اللہ کا خلیفہ اور اللہ کا سفیر ہوتا ہے تو داعی جس کی طرف دعوت دے رہا ہے وہ ذات ”جَلَّ جَلَالُہٗ“ خود اس کی حفاظت فرماتی ہے اور نہ ماننے والوں سے خود ہی انتقام لے لیتی ہے۔

اس واقعہ میں ہم دیکھیں کہ جب آپ ﷺ نے دعوت کا کام شروع فرمایا، تو اس وقت سے لے کر ۲۰ سال تک حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دشمنی اختیار کی اور خود ان کے گھر میں اسلام پہنچ گیا۔ فرماتے ہیں:

”وَمَا زَالُوْابِیْ یَعْطِفُوْنَنِیْ عَلٰی دِیْنِ مُحَمَّدٍ وَیُرَغِّبُوْنَنِیْ فِیْہِ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرِیْ لِلْاِسْلَامِ......“

گھر والے مجھے رسول اللہ ﷺ کے دین کی طرف مائل کرتے رہے اور رغبت دلاتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے میرا سینہ کھول دیا۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ۲۴ گھنٹے میں جتنے مسلمان ہمیں ملیں ان کو اسلام کا داعی بنانے کی کوشش کریں، ان کو سمجھائیں کہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ہر ایک کو دین کی دعوت دیں۔ ہم میں سے ہر ایک دین کو پھیلانے والا بنے اور کسی کافر سے ملاقات ہو تو اس کو بھی اسلام کی طرف دعوت دیں اور جب وہ مسلمان ہو جائے تو اس کو بھی آگے داعی بنائیں۔ آپ ﷺ کے زمانے میں اسی طرح کا رواج تھا، جو مسلمان ہو جاتا وہ دوسروں کو دعوت

دیتا اسی طرح یہ اسلام پھیلتے پھیلتے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا۔

اللہ کو معاف کرنا پسند ہے

اسی طرح ہم معاف کرنا بھی سیکھیں۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو معاف کر دیا، حالاں کہ ۲۰ سال تک انہوں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچائیں۔ آپ ﷺ نے انہیں دعا دی:

''غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيْهَا.''

''اللہ تعالیٰ اس کی ہر وہ دشمنی معاف فرمائے جو اس نے اب تک میرے ساتھ کی ہے۔''

لہٰذا آپ بھی ہر ایک کو معاف کرنا سیکھیں۔ دل میں کینہ نہ رکھیں، اگر کسی سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو کسی مناسب وقت میں جا کر اس سے کہہ دیں یا خط لکھ دیں اور دل صاف رکھیں۔ اسی طرح کوئی معذرت طلب کرے تو فوراً معاف کر دیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے گناہوں کی بھی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں اور یوں دعا مانگا کریں:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ''[1]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف فرما۔''

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت ابوسفیان بن حارث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا رسول اللہ ﷺ سے کیا رشتہ تھا؟

سُؤال: حضرت ابوسفیان بن حارث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب اپنے بیوی بچوں سے کہا: ''تم لوگ مکہ سے چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ'' تو بیوی نے جواب میں کیا کہا؟

سُؤال: حضرت ابوسفیان بن حارث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے غزوۂ حنین کے موقع پر مشرکین کی زبردست فوج کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہا؟

سُؤال: رسول اللہ ﷺ نے جب ایک روز حضرت ابوسفیان بن حارث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مسجد آتے ہوئے دیکھا تو کیا فرمایا؟

---

[1] ترمذی، کتاب الدعوات، باب: ۱۹۱/۲

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"اِرْمِ سَعْدٌ اِرْمِ ...... فِدَاكَ أَبِیْ وَ أُمِّیْ" (محمد رسول الله يحرض سعدا يوم أحد)

ترجمہ: "تیر چلاؤ سعد! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں (غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر چلانے پر ابھار رہے ہیں)۔"

آپ کا قبولِ اسلام، ایک عجیب واقعہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾[1]

ترجمہ: "اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے، اس کی ماں نے سستی اور کم زوری پر کم زوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے (تاکید یہ ہے کہ اے انسان) تو میرا اور اپنے ماں باپ کا حق مانا کر، کیوں کہ آخر مجھ ہی تک واپس آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے معبود ہونے کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو ان دونوں کا کہنا نہ مان، ہاں دنیاوی معاملات میں بھلی طرح ان کا رفیق اور ہم صحبت رہ اور اسی شخص کی راہ چل جو میری طرف رجوع ہوا، پھر تم سب کو میری طرف واپس آنا ہے سو میں تم کو ان تمام اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے۔"

---

[1] لُقمان: ١٤، ١٥

ان آیاتِ کریمہ کا شانِ نزول ایک کم عمر نوجوان کا انوکھا اور عجیب واقعہ ہے۔ جس نوجوان کا یہ واقعہ بیان کیا جارہا ہے وہ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ نسب اور شریف نوجوان تھے، اُنہیں معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، یہ نوجوان حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے۔

جس وقت اسلام مکہ مکرمہ میں پھیلنے لگا اس وقت سعد بن ابی وقاص ایک کم عمر نوجوان تھے، وہ بڑے نرم اور نازک احساسات کے مالک ...... والدین کے انتہائی فرماں بردار ...... اور خاص طور سے اپنی والدہ محترمہ سے بہت زیادہ محبت رکھنے والے تھے۔

سعد بن ابی وقاص کی عمر اُس وقت سترہ برس تھی، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی عمر کے لوگوں جیسی عقل مندی اور سمجھ داری عطا فرما رکھی تھی۔ اُن کو اُن بچکانہ کھیلوں سے کوئی رغبت نہیں تھی جن میں ان کے ہم عمر نوجوان بہت دل چسپی کا اظہار کرتے اور بڑے شوق سے حصہ لیتے تھے۔

وہ کھیلوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی کوششیں صرف تیروں کی تیاری ...... کمانوں کی درستگی ...... اور تیراندازی کی مشق میں صرف کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ محنت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید وہ خود کو مستقبل میں کسی عظیم الشان کارنامے کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ اُن کا دل اپنی قوم کی برائیاں اور غلط عقائد کو دیکھ کر ہمیشہ بے چین رہتا تھا جس میں وہ مبتلا تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے منتظر ہیں جو لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی طرف لے آئیں۔

اِن حالات میں اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس دعوت کو فوراً قبول کرلیا۔ اسلام میں داخل ہونے والے مردوں میں ان کا تیسرا نمبر تھا، اکثر اوقات وہ بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہا کرتے تھے:

"لَقَدْ مَکَثْتُ سَبْعَةَ اَیَّامٍ وَ اِنِّی لَثُلُثُ الْاِسْلَامِ."

تَرجَمہ: "سات روز تک میں اسلام کا تیسرا حصہ تھا۔"

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ماموں تھے

حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اسلام لانے سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بے حد خوشی ہوئی، اس لیے کہ وہ بہت شریف ...... فرماں بردار ...... اور ہمت والے تھے۔ ان کی صفات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جلد دین کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیں گے۔

اور حسب ونسب کے لحاظ سے ان کو معاشرے میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا، وہ مکہ کے نوجوانوں کو اس بات پر ابھار رہا تھا کہ وہ بھی ان کے راستے کو اپنائیں۔ اور ان ساری باتوں کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ رشتے میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ماموں تھے۔ کیوں کہ ان کا تعلق بنوزہرہ سے تھا اور بنوزہرہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی والدہ آمنہ بنتِ وہب کا قبیلہ تھا۔ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان کے ساتھ اپنے اس رشتے کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ چند صحابہ کرام رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سامنے سے حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

"هٰذَا خَالِیْ فَلْیُرِنِیْ اِمْرُءٌ خَالَهٗ"[1]

تَرْجَمَۃ: "یہ میرے ماموں آ رہے ہیں۔ کوئی ان جیسا اپنا ماموں تو دکھلائے۔"

آزمائش

لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قبولِ اسلام کا معاملہ اتنی آسانی اور سہولت کے ساتھ نہیں گزرا، بل کہ اس کی وجہ سے انہیں سخت آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا۔ ان کی آزمائش کی سختی کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آیات نازل فرمائیں۔ چناں چہ حضرت سعد رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:

> میرے قبولِ اسلام سے تین دن پہلے کی بات ہے۔ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میں اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہوں اور ان اندھیروں سے باہر آنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں، اچانک ایک چاند میرے سامنے ظاہر ہوا میں اس کی طرف چل پڑا میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مجھ سے پہلے چند لوگ اس چاند تک پہنچ گئے ہیں۔ میں نے دیکھا وہ زید بن حارثہ، علی بن ابی طالب اور ابوبکر صدیق رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔
>
> "مُنْذُ مَتٰی اَنْتُمْ هَاهُنَا؟"
>
> تَرْجَمَۃ: "آپ لوگ یہاں کب سے ہیں؟"
>
> انہوں نے کہا:

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب، مناقب سعد بن ابی وقاص: ۲/۲۱۶

"اَلسَّاعَۃَ"

ترجمہ: "ہم ابھی آئے ہیں۔"

"جب صبح ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ کر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں، تو میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کے ذریعے مجھے کفر کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف لائیں۔

"میں فوراً ان کی تلاش میں نکل پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے محلہ "جیاد" کی گھاٹی میں ملے وہ اس وقت عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے۔ چناں چہ میں مسلمان ہوگیا۔ اور اس وقت تک اُن تین آدمیوں کے علاوہ جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا کوئی اور مجھ سے پہلے اسلام نہیں لایا تھا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میرے قبول اسلام کی خبر سنتے ہیں میری والدہ سخت ناراض ہوئیں۔ میں ایک فرماں بردار اور خدمت گزار لڑکا تھا...... مجھے اپنی والدہ سے بے پناہ محبت تھی...... انہوں نے اپنے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"یَا سَعْدُ مَا ھٰذَا الدِّیْنُ الَّذِیْ اَعْتَنَقْتَہٗ فَصَرَفَکَ عَنْ دِیْنِ اُمِّکَ وَأَبِیْکَ ...... وَاللّٰہِ لَتَدَعَنَّ دِیْنَکَ الْجَدِیْدَ اَوْلَا آکُلُ وَلَا أَشْرَبُ حَتّٰی أَمُوْتَ ......"

ترجمہ: "اے سعد! یہ کیسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ جس نے تم کو تمہارے ماں باپ کے دین سے دور کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اپنے اس نئے دین کو چھوڑ دو، ورنہ میں مرتے دم تک کھانا پینا چھوڑ کر خود کو ہلاک کرلوں گی۔"

اس وقت تمہارا سینہ غم کی وجہ سے پھٹ جائے گا، ندامت وشرمندگی کے مارے ہمیشہ پریشان رہو گے اور لوگ تم کو ہمیشہ اس پر طعنے دیتے رہیں گے۔"

چناں چہ میں نے ان سے کہا:

"لَا تَفْعَلِیْ یَا اُمَّاہُ، فَأَنَا لَا أَدَعُ دِیْنِیْ لِاَیِّ شَیْءٍ."

ترجمہ: "ماں! ایسا نہ کرو کیوں کہ میں کسی بھی قیمت پر اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

لیکن وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر جم گئیں۔ انہوں نے کھانا، پینا سب چھوڑ دیا۔ آخر کئی روز کی مسلسل فاقہ کشی کی وجہ سے ان کا جسم دبلا ہوگیا...... ہڈیاں کم زور ہوگئیں...... اور اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔

میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان کے پاس جا کر کہتا تھا کہ کچھ کھا لو، مگر وہ سختی سے انکار کر دیتی تھیں اور قسم کھا کر کہتی تھیں:

”یا تو تم اپنا دین چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ کر جان دے دوں گی۔“

اس وقت میں نے ان سے کہا:

”میری والدہ محترمہ! بے شک میں آپ کے ساتھ شدید محبت رکھتا ہوں، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت مجھے آپ کی محبت سے زیادہ ہے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ کی ہزار جانیں ہوں اور وہ سب جانیں ایک ایک کر کے نکل جائیں، تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔“

جب والدہ نے میرا یہ اٹل فیصلہ سنا اور میری ثابت قدمی کو دیکھا اور ان کو یقین ہو گیا کہ میں اپنے دین کو کسی حال میں چھوڑنے والا نہیں ہوں، تو آخر وہ اپنی قسم سے باز آگئیں اور کھانے پینے پر مجبور ہو گئیں۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔“

غزوۂ بدر میں شرکت اور بھائی کی شہادت

جس روز حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسلام قبول کیا، وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے انتہائی خیر و برکت کا دن تھا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جو بہادری دکھلائی وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس وقت ایک کم عمر نوجوان تھے، جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کی جماعت کا معائنہ فرمایا تو حضرت عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ چھپ گئے، انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ اگر آپ کی نگاہ پڑ گئی تو مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس لوٹا دیا جائے گا۔

---

[1] لُقْمَان: ۱۵

آپ ﷺ نے ان کو دیکھ لیا اور چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے واپس فرما دیا۔ واپسی کا حکم سن کر وہ رونے لگے۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ترس کھا کر ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

اجازت مل گئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش خوش ان کے پاس گئے اور اپنے ہاتھ سے ان کے کندھے پر تلوار لٹکائی، پھر دونوں بھائی جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔

اور جب لڑائی ختم ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ان کے بھائی حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو چکے ہیں چناں چہ وہ انہیں میدانِ بدر میں دفن کر کے اللہ سے ان کے اجر کی امید لیے تنہا مدینہ واپس لوٹے۔

غزوۂ احد میں شرکت

غزوۂ احد میں جب مسلمان منتشر ہو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رہ گئے جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈٹ کر اپنی کمان سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے۔ اس وقت ان کی کمان سے نکلا ہوا ہر تیر اپنے صحیح نشانے پر لگتا، اور جیسے ہی کسی مشرک کو تیر لگتا تو وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا، اس میدان میں ان کا کوئی نشانہ بھی خطا نہ ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس شان سے تیر اندازی کرتے دیکھا تو یہ کہہ کر ان کو مزید حوصلہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِرْمِ سَعْدُ اِرْمِ، فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ"

ترجمہ: "تیر چلاؤ سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے اسی جملے پر فخر کرتے رہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں فرماتے تھے۔

"مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْدِیْ أَحَدًا بِاَبَوَيْهِ اِلَّا لِسَعْدٍ فَاِنِّیْ سَمِعْتُهٗ يَوْمَ أُحُدٍ يَقُوْلُ اِرْمِ سَعْدُ فِدَاكَ أَبِیْ وَأُمِّیْ"[1]

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی اسحاق: ۲/۲۱۶

ترجمہ: ”میں نے سوائے سعد کے نبی کریم ﷺ کو کسی کے لیے یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اُحد کے دن میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں“۔“

ایرانیوں کے خلاف جہاد میں شرکت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت اپنی عظمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ گئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایرانیوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جہاد کا ارادہ فرمایا۔ ایسا فیصلہ کن جہاد جو ایران کی سرزمین سے بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

چناں چہ انہوں نے اپنے سارے گورنروں کے نام یہ تحریری حکم بھیجا۔

”أَنْ أَرْسِلُوْا إِلَيَّ كُلَّ مَنْ كَانَ لَهٗ سِلَاحٌ اَوْ فَرَسٌ أَوْ نَجْدَةٌ أَوْ رَأْيٌ أَوْ مَزِيَّةٌ مِنْ شِعْرٍ أَوْ خِطَابَةٌ أَوْ غَيْرِهَا مِمَّا يُجْدِيْ عَلَى الْمَعْرَكَةِ.“

ترجمہ: ”ہر اس شخص کو میرے پاس بھیج دو جس کے پاس اسلحہ یا گھوڑا ہو۔ یا اس کے اندر شجاعت، اچھی رائے کی صلاحیت، جنگی مہارت یا شعر و شاعری اور تقریر و خطابت کی کوئی امتیازی خوبی ہو، یا اس کے اندر کوئی ایسی صفت ہو جس سے جنگ میں کوئی مفید کام لیا جا سکے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حکم کی اطاعت میں ہر طرف سے مسلمانوں کے قافلے مدینہ طیبہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس کام کے مکمل ہو جانے کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا کہ اس لشکر کا امیر کس کو بنایا جائے تو سب نے یک زبان ہو کر اللہ کے شیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور لشکر کا جھنڈا ان کے حوالے کر دیا۔

جب یہ بہادر لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو الوداع کہنے اور اس کے امیر کو نصیحت کرنے کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”يَا سَعْدُ، لَا يَغُرَّنَّكَ مِنَ اللّٰهِ أَنْ قِيْلَ: خَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ،

فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّءَ بِالسَّيِّءِ، وَلٰكِنَّه يَمْحُو السَّيِّئَةَ بِالْحَسَنَةِ.“

ترجمہ: ”اے سعد! تمہیں یہ بات کسی قسم کے دھوکے میں مبتلا نہ کرے کہ تم کو ”خَالُ رَسُوْلِ اللّٰه“ (رسول اللہ ﷺ کے ماموں) اور ”صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰه“ (اور رسول اللہ ﷺ کے جان نثار صحابی) کے معزز القاب سے پکارا جاتا ہے۔ یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کبھی برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتے، بل کہ وہ ہمیشہ برائی کو نیکی سے مٹاتے ہیں۔“

”يَا سَعْدُ، إِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ أَحَدٍ نَسَبٌ إِلَّا الطَّاعَةُ، فَالنَّاسُ شَرِيْفُهُمْ وَوَضِيْعُهُمْ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ سَوَاءٌ، اَللّٰهُ رَبُّهُمْ وَهُمْ عِبَادُهٗ يَتَفَاضَلُوْنَ بِالتَّقْوٰى وَيُدْرِكُوْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بِالطَّاعَةِ، فَانْظُرِ الْأَمْرَ الَّذِيْ رَأَيْتَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ فَالْتَزِمْهُ فَإِنَّهُ الْأَمْرُ.“

ترجمہ: ”اے سعد! بے شک اللہ تعالیٰ اور کسی بندے کے درمیان اطاعت وفرماں برداری کے سوا دوسرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اور وہ صرف اطاعت ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وانعام کے مستحق قرار پائیں گے۔ دنیوی اعتبار سے امیر اور غریب لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کا رب ہے، اور وہ سب ہی اسی کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت تو تقویٰ کی بنیاد پر ملتی ہے، اطاعت اور فرماں برداری سے ہی بلند مقام نصیب ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنی نگاہ اس کام پر رکھو جس پر تم نے نبی کریم ﷺ کو پایا تھا، اور ان کا حد درجہ اہتمام اور التزام کرنا کہ دراصل وہی اس لائق ہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے اور ان کو پھیلایا جائے۔“

یہ مبارک لشکر اس شان سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا کہ اس میں ننانوے وہ خوش قسمت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شریک تھے جن کو حق وباطل کے اولین معرکے ”معرکۂ بدر“ میں شرکت کا موقع نصیب ہوا تھا۔

تین سو دس سے کچھ اوپر وہ محترم حضرات تھے جو بیعتِ رضوان اور اس کے بعد کے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔

تین سو وہ حضرات تھے جو فتحِ مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ اور اِن کے علاوہ اُن لوگوں کی تعداد سات سو تھی جن کو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر قادسیہ پہنچے اور اپنی فوج کے ساتھ مل گئے۔ ”قادسیہ“ کوفہ سے ۴۵ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جہاں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ۱۶ھ میں وہ فیصلہ کن

معرکہ پیش آیا تھا جس میں مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی، جس کے بعد ایرانی کسی میدان میں مسلمانوں کے سامنے جم نہ سکے۔

یومِ ہریر[1] کے موقع پر مسلمانوں نے ایرانیوں پر آخری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا پختہ ارادہ کیا۔ چناں چہ انہوں نے دشمن کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ اور ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کے نعرے لگاتے ہوئے ہر سمت سے ان کی صفوں میں گھس گئے۔ آخر ایک زبردست اور گھمسان کی جنگ کے بعد مسلمانوں نے ایرانی سپہ سالار ”رستم“ کو قتل کر دیا اور انہوں نے اس کا سر نیزے پر اٹھا لیا۔

اس کے بعد ایرانی فوج کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اس طرح مسلط ہو گیا اور ان کی ہمتیں اس طرح پست ہو گئیں، کہ ایک مسلمان سپاہی کسی ایرانی کو اشارے سے اپنے پاس بلاتا اور بسا اوقات اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا۔

اس جنگ میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ایرانی مقتولین کی تعداد کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں، کہ صرف دریائے قادسیہ میں ڈوب کر مرنے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

وفات

اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طویل عمر اور کثیر مال سے نوازا تھا۔ مگر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا ایک پرانا اونی جبہ منگوایا اور اپنے ورثاء کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”كَفِّنُوْنِیْ بِهَا فَاِنِّیْ لَقِیْتُ بِهَا الْمُشْرِكِیْنَ یَوْمَ بَدْرٍ …… وَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَلْقٰی بِهَا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَیْضًا.“

ترجمہ: ”مجھے اسی جبے میں کفنانا کیوں کہ اس کو پہن کر میں نے جنگ بدر میں مشرکین کا سامنا کیا تھا، اور چاہتا ہوں کہ اسی کو پہن کر اللہ عزوجل کے سامنے جاؤں۔“

فوائد ونصائح

بڑوں کی قدر کریں

ہمیں والدین کی قدر و عزت کرنی چاہیے اور ان کی ہر جائز بات ماننی ضروری اور فرض ہے، جیسا حضرت

---

[1] جنگ قادسیہ کا تیسرا اور آخری معرکہ تھا۔

سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے فرمایا:

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ شَیْـًٔا مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے معبود ہونے کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو ان دونوں کا کہنا نہ مان، ہاں دنیاوی معاملات میں بھلی طرح رفیق اور ہم صحبت رہ۔“

لہٰذا والدین کی اطاعت وفرمانبرداری جائز امور میں بہر حال ضروری ہے، اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد (بندوں کے حق) ہیں، ان میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس سے واجب الاحترام حق دنیا میں کسی اور کا نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے ان کا حق بھی سب سے زیادہ رکھا۔ اس سلسلے میں ہمارے ادارے کی کتاب ”والدین کی قدر کیجیے“ کو اپنے مطالعے میں ضرور رکھیں۔

چھوٹوں پر شفقت کیجیے

بڑوں کو اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہنا چاہیے۔ آپ کے جو بہن بھائی چھوٹے ہوں ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں، اس طرح کرنے سے ان کی کمیاں کوتاہیاں بھی دور ہو جائیں گی اور مزید اچھا کام کرنے کی ہمت اور جرأت پیدا ہوگی۔ مثلاً آپ کے چھوٹے بھائی، چھوٹی بہن ایک سبق لکھ کر آپ کے پاس آئیں آپ نے جہاں غلطیوں کی نشان دہی کر کے اس کو واضح کیا اسی طرح جو صحیح لکھا ہے اس پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے شاباشی بھی دیں گے تو اس بچے میں آئندہ اس سبق کو بہتر لکھنے کی استعداد پیدا ہوگی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ پورے صفحہ میں پانچ غلطیوں پر اگر ہم ڈانٹتے ہیں تو بقیہ ۲۵ صحیح الفاظ لکھنے پر ہم کیوں حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔

اور اس کو سنت کی نیت کر کے کریں گے تو ان شاء اللہ سنت کے زندہ کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔

اس واقعہ میں آپ نے غور کیا ہوگا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حوصلہ افزائی فرمائی ”اِرْمِ سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ“ سعد تیر اندازی جاری رکھو۔ میرے ماں باپ تم پر

---

[1] لقمان: ۱۵

قربان سعد تیر اندازی جاری رکھو۔

اسی طرح آپ نے پچھلے واقعہ میں پڑھا تھا کہ حضور ﷺ نے کافروں کے مقابلہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کو دیکھا تو فرمایا:

"اَخِیْ لَعَمْرِیْ، تَقَدَّمْ فَضَارِبْ"

تَرجَمہ: "میرے بھائی آگے بڑھو، اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔"

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس حوصلہ افزائی کا کیا نتیجہ ہوا، لہٰذا آج سے یہ فیصلہ کریں کہ ہر ایک کی حوصلہ افزائی کریں گے، والدہ نے کھانا پکایا ہو تو تعریف کریں، ماشاء اللہ بہت اچھا کھانا پکا ہے۔ اس طرح نکتہ چینی کی عادت بھی ختم ہوتی جائے گی اور آپس میں محبت کی فضا بھی قائم ہوتی جائے گی۔

مُذاکرہ

سُوال: جس وقت اسلام مکہ مکرمہ میں پھیلنے لگا، اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کتنی تھی؟

سُوال: اسلام میں داخل ہونے والے مردوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کون سا نمبر تھا؟

سُوال: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل فرمائی؟

سُوال: غزوۂ احد کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیر اندازی دیکھی، تو کیا فرمایا؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا أَقْرَأَكُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَاقْرَؤُوْهُ" (حدیث شریف)
ترجمہ: "حذیفہ تمہیں جو بھی بات بتائیں ان کی تصدیق کرو اور عبد اللہ بن مسعود جو قرأت پڑھائیں اس کو پڑھو۔"

تعارف

"إِنْ شِئْتَ كُنْتَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ، وَ إِنْ شِئْتَ كُنْتَ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَاخْتَرْ أَحَبَّ الْأَمْرَيْنِ إِلٰى نَفْسِكَ."

ترجمہ: "تم چاہو تو مہاجرین میں شامل ہو جاؤ اور اگر چاہو تو انصار میں شمولیت اختیار کر لو۔ تمہیں اختیار ہے، دونوں میں سے جو بھی پسند ہو اپنا لو۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس وقت فرمائے تھے جب وہ پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظمہ کے قبیلہ بنی عبس سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے اپنے ہی قبیلہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ مکہ مکرمہ چھوڑنے اور مدینہ منورہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، وہاں ان کے قبیلہ بنی عبد الاشہل سے اتنے گہرے تعلقات ہو گئے کہ پھر اسی خاندان میں شادی کر لی اور وہیں ان کے بیٹے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ہوئی۔

بعد میں جب وہ رکاوٹیں دور ہو گئیں جو حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مکہ مکرمہ کی آمد و رفت کے درمیان حائل تھیں تو وہ آزادی کے ساتھ وہاں آنے جانے لگے، لیکن ان کا قیام زیادہ تر مدینہ منورہ ہی میں رہتا۔

جب اسلام کا نور جزیرہ عرب میں پھیلنے لگا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو عبس کے دس افراد پر مشتمل اس وفد کے ایک رکن تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ یہ واقعہ ہجرت نبوی سے پہلے کا ہے۔

اس طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خاندان کے اعتبار سے مکی اور پیدائش و پرورش کے لحاظ سے مدنی تھے۔ ان کی پرورش ایسے مسلمان والدین کے گھر میں ہوئی تھی جو ابتدا ہی میں اسلام کے ٹھنڈے اور خوش گوار سائے میں آگئے تھے۔ اس طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے سے پہلے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا بے حد شوق تھا۔ اسلام لانے کے بعد بچپن ہی سے ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار و زیارت کا شوق ہمیشہ بڑھتا رہتا تھا۔ آخر کار وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے مدینہ جا پہنچے اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے ہی دریافت کیا۔

"أَمُهَاجِرٌ أَنَا أَمْ أَنْصَارِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ."

ترجمہ: "اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مہاجر ہوں یا انصاری۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنْ شِئْتَ كُنْتَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ، وَ إِنْ شِئْتَ كُنْتَ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَاخْتَرْ لِنَفْسِكَ مَا تُحِبُّ."

ترجمہ: "تم چاہو تو مہاجرین میں شامل ہو جاؤ اور اگر چاہو تو انصار میں شمولیت اختیار کر لو، تمہیں اختیار ہے، دونوں میں سے جو بھی پسند ہو اپنا لو۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"بَلْ أَنَا أَنْصَارِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ."

ترجمہ: "بل کہ میں انصاری ہوں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)۔"

غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی، وہ سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے۔ اور وہ غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ انہوں نے خود ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"میں اس وقت اپنے والد کے ساتھ ایک ضرورت سے مدینے سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں کفار

قریش نے ہم دونوں کو گرفتار کرلیا اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟''

ہم نے کہا: ''مدینہ''۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم لوگ محمد (ﷺ) کے پاس جانا چاہتے ہو؟

ہم نے جواب دیا: ''ہم مدینہ جانا چاہتے ہیں۔''

اور پھر وہ ہم کو اس شرط پر رہا کرنے پر آمادہ ہوئے کہ ہم ان سے اس بات کا عہد کریں کہ ''نہ ہم ان کے خلاف حضور ﷺ کی مدد کریں گے، نہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے۔''

یہ عہد لے کر جب انہوں نے ہم کو رہا کیا تو ہم نے مدینے پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا، اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں ہم کیا کریں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اپنا عہد پورا کرنے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی تاکید فرمائی۔

غزوۂ احد میں شرکت اور والد کی شہادت

غزوۂ احد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں نے شرکت کی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں خوب بہادری سے لڑے اور اختتامِ جنگ کے بعد صحیح سالم واپس لوٹے، لیکن ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوگئے۔ مگر ان کو یہ سعادت مشرکین کے بجائے مسلمانوں کی تلوار سے حاصل ہوئی۔

ہوا یہ کہ اس غزوے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت یمان اور حضرت ثابت بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عورتوں اور بچوں کی نگرانی حوالے کی، کیوں کہ یہ دونوں حضرات کافی ضعیف اور عمر رسیدہ تھے۔ لیکن جب گھمسان کی جنگ چھڑ گئی تو حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھی سے کہا:

''ہم کس بات کے منتظر ہیں؟ اللہ کی قسم! اب ہماری عمر کا بہت قلیل حصہ باقی رہ گیا ہے، ہم بہت جلد اپنی زندگی کی مدت پوری کرنے والے ہیں۔ کیوں نہ ہم اپنی تلواریں لے کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوجائیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شہادت نصیب فرمائے۔''

پھر وہ دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ثابت بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو مشرکین کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی، مگر حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لاعلمی میں مسلمانوں کی تلواریں

برسنے لگیں دراصل وہ انہیں پہچان ہی نہ سکے۔

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسلسل یہ پکارتے رہے۔

"أَبِیْ ...... أَبِیْ ......"

تَرجَمہ: "میرے والد...... میرے والد۔"

مگر چیخ و پکار میں کسی کو یہ آواز سنائی نہ دی۔

اور بوڑھے یمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے ساتھیوں کی تلواروں سے زخمی ہو کر گرے اور شہید ہو گئے۔ اور حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صرف اتنا کہا کہ:

"یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ، وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ."

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو معاف کرے بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے چاہا کہ بیٹے کو اس کے باپ کی دِیت ادا کر دیں۔ مگر حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ کہہ کر دِیت (خون بہا) لینے سے معذرت کر دی:

"إِنَّمَا هُوَ طَالِبُ شَهَادَةٍ وَقَدْ نَالَهَا، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ أَنِّیْ تَصَدَّقْتُ بِدِيَتِهٖ عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ، فَازْدَادَ بِذٰلِكَ مَنْزِلَةً عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

تَرجَمہ: "وہ شہادت کے طالب تھے اور ان کی مطلوبہ چیز ان کو حاصل ہو گئی۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا، میں نے اپنے باپ کی دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔"

اس صبر و تحمل اور کشادہ دلی نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی نگاہ میں ان کا مرتبہ اور بلند کر دیا۔

غزوۂ خندق میں دشمن کے حالات معلوم کرنا

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی صلاحیتوں کے مطابق ان سے کام لیا کرتے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جب حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو دیکھا تو ان کے اندر تین اعلیٰ ترین اور عمدہ خوبیاں پائیں۔

1. پہلی چیز، انتہائی ذہانت جس سے کام لے کر وہ مشکل سے مشکل مسائل کو آسانی کے ساتھ حل کر لیا کرتے۔
2. دوسری ہوشیاری اور حاضر دماغی، جس کے ذریعے وہ بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے۔

③ تیسری چیز تھی راز داری، یعنی کسی کے راز کو اس طرح چھپانا کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہو۔

مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سامنے سب سے مشکل اور سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ یہودیوں اور ان کے ہم خیال و ہم مجلس مشرکین کا ایک گروہ موجود تھا، جو اپنی گھناؤنی سازشوں اور مکروہ شرارتوں کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی راہ میں طرح طرح کی مشکلات کھڑی کرتا رہتا تھا۔

اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تمام منافقوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور یہ ایک ایسا راز تھا جس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی دوسرے کو مطلع نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ خدمت بھی ان کے حوالے کی گئی تھی کہ وہ منافقین کی سرگرمیوں اور ان کی حرکات و سکنات پر برابر نظر رکھیں، تاکہ ان کی طرف سے پیش آنے والے خطرات کو ناکام بنایا جا سکے۔

"وَمُنْذُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ دُعِيَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ بِصَاحِبِ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

"اسی دن سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما "راز دانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔"

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مواقع پر بہت سی اہم اور نازک ذمہ داریوں کی ادائیگی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعاون حاصل کرتے رہتے تھے، لیکن سب سے مشکل اور خطرناک ذمہ داری جس میں ان کی ذہانت...... معاملے کی سمجھ...... اور راز داری کا زبردست امتحان تھا، اس وقت ان کے حوالے کی گئی تھی جب غزوۂ خندق کے موقع پر دشمن نے چاروں طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور کئی دنوں کے محاصرے کی وجہ سے مسلمانوں کی پریشانیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔

مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی، لیکن قریش اور ان کے ساتھی مشرک قبائل کی حالت بھی ان سخت گھڑیوں میں مسلمانوں سے بہتر نہیں تھی۔ ان کے قدم ڈگمگا گئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز آندھی کا عذاب مسلط کر دیا جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے...... پکی پکائی دیگیں الٹ گئیں...... ان کے چولہے بجھ گئے...... ہوا کے تیز جھکڑوں نے ان کے چہروں پر کنکریوں کی بوچھاڑ کر دی اور ان کی آنکھوں اور نتھنوں کو گرد و غبار سے بھر دیا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلاحیتوں اور ان کے تجربات کو کام میں لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا، کہ کوئی آخری اور فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رات کی تاریکی میں دشمن کے لشکر میں بھیج کر دشمن کے حالات معلوم کر لیں۔

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اپنا بھیس بدل کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور کسی کو خبر بھی نہ ہونے دی، تنِ تنہا دشمن کے لشکر میں جانا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا، لیکن جذبہ اطاعت کی وجہ سے حضرت حذیفہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اس سفر کو کس طرح انجام دیا۔ اس کو انہوں نے خود اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

"اس رات ہم لوگ صفیں باندھے محاذ پر جمے ہوئے تھے، ابوسفیان اور اس کے مشرکین ساتھی ہم سے اوپر کی جانب تھے، اور بنو قریظہ کے یہود ہم سے نیچے کی طرف تھے۔ ہم لوگوں کو بنو قریظہ کے اِن یہودیوں سے اپنے اہل و عیال کے متعلق سخت خطرات لاحق تھے۔

وہ رات سخت اندھیرے...... ٹھنڈ...... اور ہواؤں کی شدت کے لحاظ سے محاصرے کی شدید ترین رات تھی، تیز ہوائیں اس طرح چل رہی تھیں جیسے وہ کانوں کے پردے پھاڑ ڈالیں گی، اور اندھیرا ایسا تھا کہ ہم کو اپنی انگلیاں قریب سے بھی نہیں دکھائی دیتی تھیں۔

ایسی سخت گھڑیوں میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے منافقین اپنے اپنے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگنے لگے اور کہنے لگے:

"اِنَّ بُيُوْتَنَا مَكْشُوْفَةٌ لِلْعَدُوِّ."

تَرْجَمَہ: "ہمارے مکانات دشمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔"

کوئی حفاظتی اقدامات نہیں، دشمن آسانی سے گھروں میں داخل ہو کر ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ حالاں کہ ان کے گھر کھلے ہوئے نہ تھے۔

منافقین میں سے جو بھی آپ سے جانے کی اجازت مانگتا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسے اجازت مرحمت فرما دیتے، یہاں تک کہ محاذ پر صرف تین سو آدمی رہ گئے۔

اس وقت نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک کر کے ہم میں سے ہر شخص کے پاس تشریف لائے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میری طرف بھی آئے، اس وقت ٹھنڈ سے بچاؤ کے لیے میرے پاس میری بیوی کی ایک ہلکی سی چادر تھی جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میرے قریب آئے، میں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دریافت فرمایا:

"مَنْ هٰذَا؟"

تَرْجَمَہ: "کون ہے؟"

میں نے جواب دیا:

''حذیفہ۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''حذیفہ۔''

میں فاقے اور سردی کی شدت کے مارے زمین کی طرف سمٹ گیا اور بولا:

''ہاں اے اللہ کے رسول! میں حذیفہ ہوں، حذیفہ بن یمان۔''

آپ ﷺ مجھ سے اور قریب آ گئے اور سرگوشی کے انداز میں فرمایا:

''تم چپکے سے دشمن کے کیمپ میں جاؤ اور اس کے حالات معلوم کر کے مجھے آگاہ کرو کہ اب ان کے کیا ارادے ہیں؟''

آپ ﷺ کا حکم سن کر انتہائی خوف اور سخت ٹھنڈ کے باوجود میں نے موت کی وادی کی سمت قدم اٹھا دیئے اور آپ کی زبان مبارک سے میرے لیے دعا کے یہ الفاظ نکلے۔

"اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَّمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَعَنْ فَوْقِهِ وَتَحْتِهِ"

ترجمہ: ''اے اللہ اس کی حفاظت فرما۔ اس کے سامنے سے، اس کے پیچھے سے، اس کے دائیں سے، اس کے بائیں سے، اس کے اوپر سے اور اس کے نیچے سے۔''

رسول اللہ ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ ابھی ختم بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے خوف اور میرے جسم سے ٹھنڈ کے اثرات کو زائل کر دیا۔

جب میں جانے کے لیے مڑا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکارا اور فرمایا:

"يَا حُذَيْفَةُ لَا تُحْدِثَنَّ فِي الْقَوْمِ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنِيْ."

ترجمہ: ''حذیفہ! دیکھو ان کے کیمپ میں پہنچ کر کوئی اقدام نہ کرنا صرف اندرونی حالات معلوم کرنے ہیں۔''

میں نے کہا بہت اچھا۔ اور خاموشی کے ساتھ اندھیرے میں چلتا ہوا مشرکین کے لشکر میں پہنچ گیا اور ان کے درمیان اس طرح گھل مل گیا، گویا میں ان ہی میں سے ایک فرد ہوں۔ میرے پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد ابوسفیان ان کے درمیان تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے کہا:

''قریش کے لوگو! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، مگر مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں یہ

بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک نہ پہنچ جائے۔ اس لیے تم میں سے ہر شخص اپنے برابر والے کو اچھی طرح سے دیکھ لے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت

میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے آدمی کا ہاتھ پکڑا اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟

اس نے کہا: فلاں ابن فلاں۔ اور پھر ابوسفیان نے تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ مَا أَصْبَحْتُمْ بِدَارِ قَرَارٍ، لَقَدْ هَلَكَتْ رَوَاحِلُنَا، وَتَخَلَّتْ عَنَّا بَنُوْ قُرَيْظَةَ، وَلَقِيْنَا مِنْ شِدَّةِ الرِّيْحِ مَا تَرَوْنَ، فَارْتَحِلُوْا فَإِنِّيْ مُرْتَحِلٌ."

تَرجَمہ: "قریش کے لوگو! اب تمہارے لیے یہاں مزید ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی، تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے جانور ہلاک ہوتے جارہے ہیں، بنو قریظہ کے یہودی ہم سے الگ ہو چکے ہیں۔ اور تند و تیز ہواؤں کی وجہ سے جن پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا ہمیں کرنا پڑ رہا ہے، ان کا بھی تم مشاہدہ کر رہے ہو۔ اس لیے اب بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے کوچ کر چلو۔ میں خود بھی واپس جارہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ کے پاس آیا اس کے گھٹنے سے بندھی ہوئی رسی کھولی اور اس پر سوار ہو گیا۔ پھر اسے ایک کوڑا رسید کیا، اونٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اپنے سوار کو لے کر روانہ ہو گیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی اقدام سے روکا نہ ہوتا تو اس وقت تیر مار کر ابوسفیان کو قتل کر ڈالنا میرے لیے بہت آسان تھا۔

اس کے بعد جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا تو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سے کسی کی چادر اوڑھے نماز میں مشغول ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو اپنے قریب بلایا، میں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں بیٹھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اوپر اپنی چادر کا ایک کنارہ ڈال دیا۔ میں نے پورے حالات خدمتِ اقدس میں پیش کر دیئے جنہیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اللہ کی تعریف کی اور اس کا شکر ادا کیا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دان تھے

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما زندگی بھر منافقین سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں کے

امین رہے۔ خلفاءِ راشدین منافقوں کے متعلق ہمیشہ ان کی طرف رجوع کرتے رہے، حتیٰ کہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تو یہ معمول تھا کہ جب بھی کسی مسلمان کا انتقال ہوتا تو وہ جنازہ پڑھانے سے پہلے لوگوں سے دریافت فرماتے:

"أَحضَرَ حُذَيفَةُ لِلصَّلاةِ عَلَيهِ؟"

تَرجَمَۃ: "حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہیں؟"

اگر جواب ملتا کہ شریک ہیں تو وہ بھی جنازہ میں شریک ہوتے۔ اور اگر جواب ملتا کہ شریک نہیں ہیں تو انہیں اس کے مخلص مؤمن ہونے میں شک ہو جاتا اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نمازِ جنازہ نہ پڑھتے۔

ایک بار حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے دریافت کیا کہ "میرے گورنروں میں سے کوئی منافق ہے؟"

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کا نام بتانے سے معذرت کر دی۔ حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بیان ہے:

"اس کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس عامل کو معزول کر دیا، جیسے انہیں اس کی نشان دہی کر دی گئی ہو۔"

وفات

شاید کچھ لوگوں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایران کے شہر "نہاوند"...... "دینور" ...... "ہمذان"...... اور "رے" کے فاتح تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام ان پر یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے ایک مصحف (قرآنی نسخے) پر جمع کیے جانے کے لیے کوشش کرنے والے بھی یہی حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے۔

مگر ان تمام خدمات اور عظیم الشان کارناموں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف اور گرفت سے ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے۔ جب ان کا مرض الموت شدت اختیار کر گیا اور موت کا وقت نزدیک آ پہنچا تو کچھ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ رات کے آخری حصہ میں ان کی عیادت کو تشریف لائے۔

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دریافت فرمایا:

"أَيُّ سَاعَةٍ هٰذِهٖ؟"

تَرْجَمَۃ: ''یہ کون سا وقت ہے؟''

جب ان کو بتایا گیا کہ:

''نَحْنُ قَرِيْبٌ مِّنَ الصُّبْحِ''

تَرْجَمَۃ: ''اب صبح ہونے والی ہے۔''

تو فرمایا:

''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ صَبَاحٍ يُفْضِيْ بِيْ إِلَى النَّارِ ......''

تَرْجَمَۃ: ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس صبح سے جو مجھے جہنم میں پہنچا دے۔''

پھر پوچھا:

''أَجِئْتُمْ بِكَفَنٍ؟''

تَرْجَمَۃ: ''کفن لائے ہو۔''

کہا گیا: ہاں! تو فرمایا:

''لَا تُغَالُوْا بِالْأَكْفَانِ فَإِنْ يَّكُنْ لِّيْ عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ بُدِّلْتُ بِهٖ خَيْرًا......''

تَرْجَمَۃ: ''دیکھو! زیادہ قیمتی کفن نہ پہنانا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے لیے خیر و بھلائی کا فیصلہ ہے تو وہاں مجھے اس سے اچھا لباس مل جائے گا۔''

پھر فرمانے لگے:

''اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّيْ كُنْتُ أُحِبُّ الْفَقْرَ عَلَى الْغِنٰى وَأُحِبُّ الذِّلَّةَ عَلَى الْعِزِّ، وَأُحِبُّ الْمَوْتَ عَلَى الْحَيَاةِ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ فقر کو غنا پر، تواضع (عاجزی) کو تکبر پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا رہا۔''

پھر ان کی زبان سے آخری الفاظ یہ ادا ہوئے:

''حَبِيْبٌ جَاءَ عَلٰى شَوْقٍ، لَا أَفْلَحَ مَنْ نَدِمَ ......'' دیکھو ذوق و شوق سے میرا حبیب آیا دربار الٰہی یں جو شرمندہ ہوا اسے کامیابی نصیب نہ ہوگی۔''

پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ ''إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.''

''رَحِمَ اللّٰهُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَدْ كَانَ طَرَازٌ فَرِيْدًا مِنَ النَّاسِ.''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر رحم فرمائے وہ بے شمار خوبیوں کے مالک، اپنی طرز کے ایک منفرد شخص تھے۔''

فوائد و نصائح

اس واقعہ میں ہمیں تین اہم سبق ملتے ہیں:

1. ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنا۔
2. رازداری۔
3. فرماں برداری۔

ایفائے عہد

غزوۂ بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان سب سے پہلی اور مشہور لڑائی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں بہت کم تھی اور مسلمانوں کو اپنی تعداد بڑھانے کی ضرورت بھی تھی، اور یہ لڑائی بہت زیادہ اہم بھی تھی کہ اس لڑائی میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کے لیے حضور ﷺ نے دعا بھی فرمادی جس کا مفہوم ہے کہ ''اے اللہ! ان سب مسلمانوں کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرما۔''

مگر حضرت حذیفہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس لڑائی میں ایفائے عہد کی بنا پر شرکت نہ کر سکے۔ واقعہ میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ حضور ﷺ نے ان دونوں کو اپنا وہ عہد پورا کرنے کی تاکید فرمائی جو انہوں نے کافروں سے کیا تھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر کافروں کے خلاف لڑائی میں حضور ﷺ کا ساتھ نہیں دیں گے۔

یہ عہد ان حضرات نے کفار سے اپنی جان چھڑانے کے لیے کیا تھا مگر دل میں یہ بات تھی کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے اور کفار سے مقابلہ کریں گے، لیکن جب حضور ﷺ سے اس وعدہ کا تذکرہ کیا جو انہوں نے کفار سے کیا تھا، تو حضور ﷺ نے انہیں لڑائی میں شرکت کرنے سے منع فرمایا اور کفار سے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنے کا حکم فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں وعدہ پورا کرنے کی کتنی اہمیت ہے، چاہے وہ وعدہ کسی کافر ہی سے کیوں نہ کیا گیا ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝﴾[1]

ترجمہ: ''وعدہ کو پورا کرو بلاشبہ وعدے کی پوچھ ہوگی۔''

حدیث شریف میں آتا ہے:

''لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ''[2]

ترجمہ: ''اس آدمی کا ایمان نہیں جو امانت دار نہ ہو اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جو وعدہ پورا نہ کرے۔''

اس لیے ہم سب سچی نیت کریں کہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے اور وعدہ کی اہمیت اپنے دوستوں، رشتہ داروں وغیرہ کو بھی بتائیں گے۔

راز داری

اس واقعہ میں بتایا گیا ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت حذیفہ بن یمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو اپنا راز دار بنایا تھا۔ راز داری کا مطلب یہ ہے اگر کوئی شخص آپ کو کوئی اہم یا ضروری بات بتائے اور کہے کہ یہ بات کسی دوسرے سے نہ کہنا تو یہ اس شخص کا راز ہے، اور آپ نے اگر کسی کو بھی نہ بتایا تو یہ راز داری کہلاتی ہے۔ اسی طرح ضروری نہیں کہ وہ شخص آپ کو تاکید کرے کہ کسی دوسرے کو نہ بتانا بل کہ بات کی اہمیت کا آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے تو وہ بھی راز ہے جس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے:

''اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ''[3]

ترجمہ: ''مجالس امانت (راز) ہیں۔''

یعنی کسی کا راز ایک امانت ہے اور اس کی حفاظت کرنا امانت داری ہے اور اس سے لاپرواہی کرنا امانت میں خیانت ہے، ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے کہ کسی کے راز کو بیان نہ کریں اور امانت میں خیانت نہ کریں۔

فرماں برداری

حضرت حذیفہ بن یمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے واقعہ میں آپ نے پڑھا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے غزوۂ خندق

---

[1] بنی إسرائيل: ٣٤

[2] مجمع الزوائد، كتاب الايمان، باب لا إيمان لمن لا أمانة له: ١/١٢٥ رقم: ٣٤١

[3] ابوداؤد، كتاب الادب، باب في نقل الحديث: ٢/٣١٢

کے موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار کے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا، اور اس وقت سخت سردی تھی، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس سردی سے بچاؤ کے لیے سوائے اپنی بیوی کی ایک ہلکی سی چادر کے اور کوئی چیز نہ تھی، اور ساتھ ہی تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاقہ سے تھے۔ ایسے سخت حالات میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنی بھوک اور سخت سردی کی پروا کیے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوگئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی:

”اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَعَنْ فَوْقِهٖ وَتَحْتِهٖ“

تَرجَمَۃ: ”اے اللہ اس کی حفاظت فرما، اس کے سامنے سے، اس کے دائیں سے، اس کے بائیں سے، اس کے اوپر سے اس کے نیچے سے۔“

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت تھی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور سخت سردی ہونے کے باوجود انہیں بالکل سردی محسوس نہیں ہوئی اور وہ خیر وعافیت کے ساتھ وہاں پر پہنچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو پورا کرتا ہے تو دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ تکلیف و پریشانیوں سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخرت میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

ایک موقع ایسا بھی آیا کہ وہ ابوسفیان کو تیر مار کر ہلاک کر سکتے تھے لیکن ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد تھا کہ ”حذیفہ! وہاں پہنچ کر کوئی اور اقدام نہیں کرنا صرف کفار کے حالات معلوم کرنا“ جس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا اور اپنے ارادے سے باز آئے اور پھر یہی ابوسفیان تھے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئے اور اسلام کے بہت بڑے داعی بنے۔

یہ تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سخت سردی کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک پر لبیک کہا، دین کے لیے ایسی قربانیاں دیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کو اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنت کی خوش خبری سنائی اور فرمایا ”رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ“ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، تو ہمیں چاہیے کہ ہم بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے دین پر

چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

مذاکرہ

سوال: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب یہ پوچھا: ”اللہ کے رسول! میں مہاجر ہوں یا انصاری“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا؟

سوال: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما غزوۂ بدر میں کیوں شریک نہ ہو سکے؟

سوال: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سے غزوے میں اور کن کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے؟

سوال: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کس دن سے رازدانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے؟

◆

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"وَقَدْ تَرَكَ عُقْبَةُ مُصْحَفًا مَكْتُوْبًا بِخَطِّ يَدِهٖ وَبَقِيَ مُصْحَفُهٗ هٰذَا اِلٰى عَهْدٍ غَيْرِ بَعِيْدٍ"

ترجمہ: "عقبہ بن عامر نے پورا قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھا جو (مصر میں) بہت زمانے تک موجود تھا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک طویل انتظار اور شدید بے چینی کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے۔ اور مدینہ منورہ کے باشندے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی خوشی میں اپنے گھروں کے دروازوں اور مکانوں کی چھتوں پر اکٹھے ہو گئے تھے۔

ان کے ہونٹوں پر تہلیل و تکبیر (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کے کلمات تھے۔ اور مدینے کی کم سن اور بھولی بھالی بچیاں خوشی کے مارے گلیوں میں نکل پڑی تھیں۔ ان کے لبوں پر خوشی اور استقبال کے کلمات تھے، جنہیں وہ ایک ساتھ مل کر بار بار دہرا رہی تھیں:

ے اَقْبَلَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَیْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

"ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہو کر چودہویں کا چاند ہمارے سامنے آ گیا جب تک بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے ہمارے اوپر اس کا شکر واجب ہے۔"

اللہ اللہ کیا عجیب منظر تھا! رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری لوگوں کے درمیان سے کس باوقار انداز سے گزر رہی تھی، لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور چہروں پر مسکراہٹیں پھیلی ہوئی تھیں۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے والوں میں شامل نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے وادیوں کی طرف نکل گئے تھے، کیوں کہ بھوک

پیاس کی وجہ سے ان کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ جب کہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں جو اس فانی دنیا میں ان کی ملکیت تھیں۔

یہ خوش گوار فضا جو مدینے پر چھائی ہوئی تھی، تھوڑے ہی عرصے میں اس کی خبر مدینہ کی دور وقریب کی وادیوں تک عام ہوگئی اور ہر طرف خوشیاں پھیل گئیں یہ خوشی کی خبر حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی، حالاں کہ وہ مدینہ منورہ سے دور وسیع میدانوں میں اپنی بکریاں چراتے پھر رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی۔ اس کی تفصیل ہم انہیں کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اس وقت مدینہ منورہ سے دور وادیوں میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی، میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوگیا اور بارگاہِ نبوی میں پہنچ کر عرض کیا:
>
> ”تُبَایِعُنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟“
>
> **تَرجَمَۃ:** ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری بیعت قبول فرمائیں گے؟“
>
> آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:
>
> ”فَمَا أَنْتَ؟“
>
> **تَرجَمَۃ:** ”تم کون ہو؟“
>
> میں نے جواب دیا۔ ”عقبہ بن عامر جہنی۔“
>
> آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
>
> ”أَیُّمَا أَحَبُّ إِلَیْكَ: تُبَایِعُنِیْ بَیْعَةَ أَعْرَابِیَّةٍ أَوْ بَیْعَةَ هِجْرَةٍ؟“
>
> **تَرجَمَۃ:** ”کون سی بیعت تمہیں پسند ہے۔ تم بیعتِ اعرابیہ کروگے یا بیعتِ ہجرت؟“
>
> میں نے جواباً عرض کیا: ”بیعتِ ہجرت۔“

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی انہیں باتوں پر بیعت لی جن پر اور مہاجرین سے لی تھی۔

پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک رات گزار کر واپس اپنی بکریوں کے پاس آ گیا۔

ہم لوگ کل بارہ آدمی تھے جو اسلام لانے کے بعد اپنی بکریاں چرانے کے لیے مدینہ منورہ سے دور وادیوں میں رہتے تھے۔ ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے کہا: ''اگر ہم رسول اللہ ﷺ سے دین سیکھنے اور ان پر نازل ہونے والی وحی کو سننے کے لیے باری باری خدمتِ اقدس میں حاضری نہ دے سکیں تو ہمارے اندر خیر کی کوئی بات نہ ہوگی، اس لیے مناسب یہ ہے کہ روزانہ ہم میں سے ایک آدمی مدینہ منورہ جائے اور اپنی بکریاں باقی ساتھیوں کی حفاظت میں چھوڑ جائے۔''

چناں چہ میں نے کہا:

''تم لوگ ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ہر جانے والا اپنی بکریاں میرے حوالے کر جایا کرے۔''

میری اس وقت دلی کیفیت یہ تھی کہ مجھے اپنی بکریوں سے بہت پیار تھا، میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بکریاں کسی کو سپرد کروں۔

اس کے بعد روزانہ صبح کو میرا ایک ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں جاتا اور اس کی بکریوں کو چرانے کی ذمہ داری میں انجام دیتا پھر واپسی پر میں وہ تمام باتیں اس سے پوچھ کر معلوم کر لیتا جو وہ وہاں سے دیکھ کر اور سن کر آتا تھا۔

لیکن چند روز کے بعد میں نے اپنے آپ سے کہا:

''وَيْحَكَ! أَمِنْ أَجْلِ غُنَيْمَاتٍ لَا تُسْمِنُ وَلَا تُغْنِيْ تُفَوِّتُ عَلٰى نَفْسِكَ صُحْبَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَخْذَ عَنْهُ مُشَافَهَةً مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ؟''

ترجمہ: ''بڑے افسوس کی بات ہے تمہارا برا ہو۔ کیا تم ان چند حقیر سی بکریوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور ان سے براہ راست ملاقات اور دین سیکھنے پر ترجیح دیتے ہو؟''

پھر میں اپنی بکریوں کو وہیں چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ وہاں پہنچ کر مسجدِ نبوی میں قیام کروں، اور براہ راست رسول اللہ ﷺ سے دینی علم حاصل کروں۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت یہ اہم فیصلہ کر رہے تھے اس وقت انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ چند سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو اکابر علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک زبردست عالم...... بڑے قراء میں سے ایک مشہور قاری...... عظیم فاتحین میں سے ایک نامور فاتح......اور قابل ذکر لوگوں میں سے

ایک کامیاب شخص بنادیں گے۔

اور جب وہ اپنی بکریوں کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف جا رہے تھے تو ان کے دل میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ ''امّ الدنیا'' ...... دمشق ...... کو فتح کرنے والے لشکر کے امیر ہوں گے۔ اور اس کے سرسبز وشاداب باغات کے درمیان دمشق کے مشہور دروازے ''بابِ توما'' کے نزدیک اللہ تعالیٰ انہیں عالی شان مکان عطا فرمائے گا۔

اور انہیں اس بات کا بھی علم نہ تھا کہ ان کو دنیا کے سرسبز وشاداب ملک ''مصر'' کو فتح کرنے کی سعادت نصیب ہوگی، اور وہ وہاں ''جبلِ مقطّم'' کے دامن میں ایک خوب صورت مکان میں رہیں گے۔ یہ ساری باتیں مستقبل میں ہونے والی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی انہیں نہیں جانتا تھا۔

مدینہ منورہ میں مستقل رہائش

مدینہ منورہ آکر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستقل طور پر رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کرلی۔ وہ سائے کی طرح ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے، آپ ﷺ جہاں کہیں تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ کے گھوڑے کی لگام ان کے ہاتھ میں ہوتی ...... آپ ﷺ جدھر بھی رخ کرتے وہ ہمیشہ آپ ﷺ کے آگے آگے چلتے ...... اور بسا اوقات آپ ﷺ انہیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ''رَدِیفُ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم''[1] کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

بارہا ایسا بھی ہوتا کہ حضور ﷺ خود اپنی سواری سے اتر جاتے تاکہ وہ سوار ہوجائیں اور آپ ﷺ خود پیدل چلیں۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھامے مدینہ منورہ کے ایک علاقے میں آپ ﷺ کے آگے چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:
>
> ''یَا عُقْبَةُ اَلَا تَرْكَبُ؟''
>
> **تَرجَمَہ:** ''عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہوگے؟''

میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں ''نہیں'' مگر فوراً ہی احساس ہوا کہ کہیں اس میں حضور ﷺ کی نافرمانی نہ ہوجائے، میں نے کہا:

---

[1] حضور ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھنے والے۔

"بَلٰی یَا نَبِیَّ اللّٰهِ"

ترجمہ: "کیوں نہیں! اے اللہ کے نبی ﷺ۔"

یہ سن کر آپ ﷺ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے اور مجھے اس پر سوار ہونے کا حکم دیا، میں حکم پورا کرنے کے لیے سوار ہوگیا اور آپ ﷺ پیدل چلنے لگے۔ میں یہ منظر برداشت نہ کرسکا، تھوڑی دیر کے بعد میں نیچے اتر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اب آپ سوار ہو جائیں، چناں چہ رسول اللہ ﷺ سوار ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"یَا عُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ سُوْرَتَیْنِ لَمْ یُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ؟"

ترجمہ: "عقبہ! میں تم کو دو بے مثال سورتیں نہ سکھا دوں۔"

میں نے کہا: "کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! ضرور سکھا دیجیے۔"

تب آپ ﷺ نے مجھے "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھائیں۔

اس کے بعد جب نماز کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور انہیں سورتوں کو اس نماز میں پڑھا۔ پھر مجھ سے فرمایا:

"سونے سے پہلے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان دونوں سورتوں کو ضرور پڑھ لیا کرو۔"

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"فَمَا زِلْتُ أَقْرَؤُهُمَا مَا امْتَدَّتْ بِیَ الْحَیَاةُ."

ترجمہ: "اس کے بعد سے میں عمر بھر ان دو سورتوں کی تلاوت پابندی سے کرتا رہا۔"

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو چیزوں علم اور جہاد پر اپنی تمام توجہ لگا دی تھی، اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو ان کے لیے وقف کر دیا تھا۔

اور مختلف قسم کے علوم رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیے، حتیٰ کہ قرآن وحدیث...... فقہ وفرائض...... ادب وفصاحت...... اور شعر وشاعری میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔

قرآن مجید سے محبت

حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز بہت پیاری تھی، قرآنِ کریم نہایت خوش الحانی اور میٹھی آواز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جب رات کا سناٹا چھا جاتا اور فضا پرسکون ہو جاتی تو یہ کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہو

جاتے۔ اور جب یہ قرآن مجید کی تلاوت شروع فرمادیتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پوری توجہ سے ان کی قرأت کو سننے کے لیے جمع ہو جاتے، اور ان کی قرأت سے اتنے متاثر ہوتے کہ اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ جاتے۔

ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلایا اور فرمایا:

"اَعْرِضْ عَلَیَّ شَیْئًا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ یَا عُقْبَةُ."

تَرْجَمَہ: ''عقبہ! مجھے قرآن مجید میں سے کچھ پڑھ کر سناؤ۔''

چناں چہ انہوں نے قرآن حکیم کی آیات پڑھنی شروع کیں۔ ایک تو رب العالمین کا کلام، دوسرے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرسوز اور دل میں اتر جانے والی آواز، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد متاثر ہوئے، ان کے اوپر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ عزت اور سعادت حاصل ہے کہ انہوں نے پورا قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھا جو مصر کی ایک جامع مسجد ''جامع مسجد عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' میں بہت زمانے تک موجود تھا جس کے آخر میں یہ الفاظ درج تھے:

"کَتَبَهٗ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرِ اَلْجُهَنِیُّ"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مصحف دنیا میں پایا جانے والا قدیم ترین مصحف تھا، لیکن افسوس کہ یہ بھی زمانے کے حوادث کی نذر ہو گیا۔

جہاد میں سرگرمیاں

جہاں تک جہاد میں ان کی سرگرمیوں اور کارناموں کا تعلق ہے، تو ہمارے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔

وہ ان بہادروں میں سے ایک تھے جنہوں نے دمشق فتح کرتے وقت بہت زیادہ شجاعت اور ہمت و مردانگی کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔ اور امیرِ لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے صلہ میں ان کو اس اعزاز سے نوازا، کہ فتحِ دمشق کی خوش خبری ان ہی کے ذریعے امیر المؤمنین حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینے بھجوائی، وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک آٹھ دن سات راتیں، رکے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے وہاں پہنچے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتحِ عظیم کی خوش خبری سنائی۔

وہ اس لشکرِ اسلام کے قائدین میں سے بھی تھے جس نے مصر کو فتح کیا تھا، اور اس کا بدلہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ دیا کہ انہیں تین سال تک کے لیے وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جہاد کے لیے ''بحر ابیض متوسط'' میں واقع ''جزیرہ روڈس[1]'' بھیج دیا۔

جہاد سے ان کے شوق و تعلق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے جہاد سے متعلق بہت سی احادیث نبویہ کو یاد کر لیا تھا اور ان کی روایت خاص طور پر مسلمانوں سے کرتے تھے۔ وہ بڑی محنت اور شوق و دل چسپی کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرتے، اور اس میں پوری مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرتے، جب کبھی کھیل کا شوق دل میں پیدا ہوتا تو یہ تیر اندازی کر کے اپنا دل بہلاتے تھے۔

وفات سے قبل کی تین نصیحتیں

جب حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو پاس بلا کر یہ نصیحت کی:

> ''يَا بَنِيَّ أَنْهَاكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ فَاحْتَفِظُوْا بِهِنَّ: لَا تَقْبَلُوْا الْحَدِيْثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ ثِقَةٍ، وَلَا تَسْتَدِيْنُوْا وَلَوْ لَبِسْتُمُ الْعَبَاءَ، وَلَا تَكْتُبُوْا شِعْرًا فَتَشْغَلُوْا بِهِ قُلُوْبَكُمْ عَنِ الْقُرْآنِ.''

تَرجَمَۃ: ''اے میرے بیٹو! میں تم کو تین باتوں سے روکتا ہوں۔ ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرنا۔

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کبھی کسی غیر ثقہ (ضعیف) راوی سے قبول نہ کرنا۔

② پھٹے پرانے کپڑے پہن لینا لیکن کبھی کسی سے قرض نہ لینا۔

③ اشعار کبھی نہ لکھنا یعنی شعر گوئی کو اپنا رات دن کا مشغلہ نہ بنا لینا کہ اس کی مشغولیت کے نتیجے میں تمہارے دل قرآن کی تلاوت اور اس کے سمجھنے سے غافل ہو جائیں گے۔''

---

[1] بحر متوسط میں واقع ایک جزیرہ، جو قبرص کے مغربی اور ترکی کے جنوب مغربی سمت میں ہے۔

اور جب ان کی وفات ہوگئی تو انہیں ''جبل مقطم'' کی اونچی سطح پر دفن کیا گیا۔ پھر جب لوگ ان کے چھوڑے گئے مال کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ستر سے اوپر کمانیں چھوڑی ہیں اور ہر کمان کے ساتھ ترکش اور تیر بھی ہیں۔

''اور ان کے متعلق ان کی یہ وصیت موجود تھی کہ انہیں اللہ کی راہ میں وقف کردیا جائے۔''

اللہ تعالیٰ ان زبردست قاری...... عالم...... اور غازی...... حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے چہرے کو تروتازہ رکھے، اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر سے نوازے۔ آمین۔

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

علم قربانی سے آتا ہے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ (کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے) آپ کسی چیز کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کچھ چھوڑنا پڑے گا، اور حدیث شریف میں وعدہ کیا گیا ہے:

''مَنْ تَرَكَ شَيْئًا لِلّٰهِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهَا''

تَرْجَمَۃ: ''جو اللہ کے لیے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اللہ اس کو اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔''

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں دین سیکھنے اور علم حاصل کرنے کے لیے اپنی بکریوں کی قربانی دی، اور قرآن کریم اور احادیث سیکھنے کے لیے مکمل طور پر اپنے آپ کو فارغ کردیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن واحادیث کے علوم میں ان کو ماہر بنادیا۔

قرآن پاک سے محبت کریں

حضرت عقبہ بن عامر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کو یہ سعادت حاصل تھی کہ انہوں نے پورا قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھا، یہ ان کی قرآن مجید سے محبت تھی، اور اسی قرآن مجید کی محبت نے ان کی آواز میں ایک پرسوزی اور سریلا پن پیدا کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ان سے فرمائش کررہے ہیں کہ عقبہ! مجھے قرآن مجید سناؤ اور جب حضرت عقبہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے سنانا شروع کیا تو حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ پر ان کی پرسوز آواز نے اتنا اثر کردیا کہ روتے روتے ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی، ہم بھی قرآن مجید کو بہتر سے بہتر پڑھنے کی کوشش کریں اور روزانہ اس کے لیے کچھ وقت نکالیں۔

آخری دو سورتوں کی فضیلت

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو قرآن مجید کی دو چھوٹی سورتیں سکھائیں "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" چناں چہ حضرت عقبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ زندگی بھر ان دو سورتوں کو پڑھتے رہے اور اس وظیفے پر عمل کرتے رہے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ان دو سورتوں کو تین تین مرتبہ صبح و شام پڑھنے کا معمول بنائیں حدیث میں آتا ہے کہ "یہ عمل انسان کے لیے ہر چیز سے کافی ہو جاتا ہے۔[1]"

مُذاکرہ

سُؤال: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کیا کر رہے تھے؟

سُؤال: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کون کون سی دو سورتیں سکھائیں، اور ان کے پڑھنے کے کیا اوقات بتائے؟

سُؤال: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پورا قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، وہ کس ملک کی کس مسجد میں رکھا ہوا تھا؟

سُؤال: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مرض الموت میں اپنے بیٹوں کو کیا نصیحت فرمائی؟

◆

---

[1] ابو داؤد: ٣٤٦/٢

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما

"بَارَکَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ مِنْ أَھْلِ بَیْتٍ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ مِنْ اَھْلِ بَیْتٍ" (مِنْ ثَنَاءِ الرَّسُوْلِ عَلٰی حَبِیْبٍ وَآلِ بَیْتِہٖ)
تَرْجَمَۃ: "تم گھر والوں پر اللہ اپنی برکت نازل فرمائے، تم گھر والوں پر اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے۔"

تعارف

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک ایسے خوش نصیب گھر میں پرورش پائی جس کے ایک ایک شخص سے ایمان کی خوشبو پھوٹتی تھی، اور جس کے ایک ایک فرد کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر قربان ہونے کا جذبہ تھا۔

ان کے والد حضرت زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو مدینہ منورہ کے مسلمانوں میں اونچا درجہ رکھتے تھے۔ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جو "لَیْلَۃُ الْعُقْبَۃ" میں موجود تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے دونوں صاحب زادے بھی موجود تھے۔

اور ان کی والدہ حضرت امّ عمارہ بنو مازن قبیلہ سے تھیں۔ وہ پہلی بہادر خاتون تھیں جنہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ہتھیار اٹھایا تھا۔ اور حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بھائی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں اپنا سینہ آگے بڑھایا تاکہ دشمن کی طرف سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ان لوگوں کے متعلق فرمایا تھا۔

"بَارَکَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ مِنْ اَھْلِ بَیْتٍ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ مِنْ اَھْلِ بَیْتٍ"
تَرْجَمَۃ: "تم گھر والوں پر اللہ اپنی برکت نازل فرمائے، تم گھر والوں پر اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے۔"

ایمان کا نور حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل میں اس وقت گھر کر چکا تھا جب وہ اپنی عمر کی

ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اور ان کے مقدر میں یہ بات لکھ دی گئی تھی کہ وہ اپنے والدین ...... خالہ ...... اور بھائی کے ساتھ مکہ مکرمہ جائیں، اور ستر خوش نصیب لوگوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تاریخ بنانے میں اپنا کردار ادا کریں، اس وقت جب کہ انہوں نے رات کے اندھیرے میں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو بڑھا کر رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعتِ عقبہ کی تھی۔ اور اس دن سے اللہ کے رسول ﷺ ان کو اپنے ماں باپ سے زیادہ محبوب اور اسلام ان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو گیا تھا۔

چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے۔ اسی طرح وہ غزوۂ احد میں بھی شریک نہ ہو سکے، کیوں کہ اس موقع پر بھی ان کی عمر ہتھیار اٹھانے کی نہیں تھی۔ البتہ اس کے بعد سارے غزوات میں ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا، اور اِن بعد کے غذوات میں انہوں نے عزت و غلبے اور قربانی و بہادری کے جوہر دکھلائے۔

لیکن ان سارے کارناموں کی عظمت و دل کشی کے باوجود ان کی تہہ میں ایک عظیم مقصد پوشیدہ تھا جس کا ذکر آئندہ سطور میں آ رہا ہے، جو ہر شخص کے ضمیر کو اس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے گا جس طرح وہ زمانۂ نبوت سے لے کر اب تک لاکھوں لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ چکا ہے، اور جس کی کہانی زمانہ گزرنے کے باوجود آپ کو اسی طرح حیرت و تعجب سے دوچار کر دے گی، جس طرح پہلے لوگوں کو کر چکی ہے۔ آیئے ہم اس دردناک کہانی کی ابتدا کرتے ہیں۔

بنو حنیفہ کے وفد کی دربارِ نبوی میں حاضری

۹ھ تک اسلام کے درخت کا تنہ کافی مضبوط و توانا ہو چکا تھا ...... اس کی شاخیں قوی ہو چکی تھیں ...... اور اس کی جڑیں گہرائیوں میں اتر چکی تھیں۔ اس سال عرب کے ہر طرف سے بے شمار قافلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام میں داخل ہونے اور دین سیکھنے کے لیے حاضر ہوئے، یہ قبائل حضور ﷺ کے سامنے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کرتے اور ان کے دستِ مبارک پر دین کی ہر بات سننے اور ماننے کی بیعت کرتے تھے۔

انہیں قافلوں میں بنو حنیفہ کا وہ قافلہ بھی تھا جو نجد کے بالائی حصے سے آیا تھا۔ اس وفد نے مدینے کے اطراف میں پڑاؤ ڈالا اور مسیلمہ بن حبیب نامی ایک شخص کو سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ کر دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری کے لیے روانہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے اپنی اور اپنے قبیلے کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا، ان کی خاطر تواضع فرمائی

اور پیچھے رہ جانے والے ساتھی سمیت ان میں سے ہر ایک کے لیے تحفہ دینے کا حکم فرمایا۔

مسیلمہ بن حبیب کا دعویٰ نبوت

اس وفد کے واپس نجد پہنچنے کے ساتھ ہی مسیلمہ بن حبیب اسلام سے پھر گیا اور اس نے لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہوکر اعلان کیا:

"أَنَّهُ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَرْسَلَهُ اللّٰهُ إِلٰى بَنِيْ حَنِيْفَةَ كَمَا أَرْسَلَ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ إِلٰى قُرَيْشٍ ......"

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ نے اس کو بنوحنیفہ کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ محمد بن عبداللہ کو قریش کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی بنوحنیفہ کے لوگ مختلف اغراض کی وجہ سے اس کے گرد جمع ہونے لگے اور اپنی قوم کا فرد ہونے کی وجہ سے اس کا بھرپور ساتھ دینے لگے، یہاں تک کہ ان کے سردار نے کہا:

"أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا لَصَادِقٌ وأَنَّ مُسَيْلَمَةَ لَكَذَّابٌ، وَلٰكِنَّ كَذَّابَ رَبِيْعَةَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ صَادِقِ مُضَر."

تَرْجَمَہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) سچے اور مسیلمہ جھوٹا ہے، لیکن مجھے بنوربیعہ قبیلہ کا کذاب (جھوٹا شخص) بنومضر قبیلہ کے سچے شخص سے زیادہ پسند ہے۔"

مسیلمہ کا خط اور اس کا جواب

جب مسیلمہ کی حیثیت مضبوط ہوگئی ...... اس کو قوت حاصل ہوگئی ...... اور اس کے ماننے والوں کی تعداد کافی بڑھ گئی تو اس نے اپنے دو آدمیوں کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا تھا:

"مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ.
أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّيْ قَدْ أُشْرِكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ، وَ إِنَّ لَنَا نِصْفَ الْأَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْأَرْضِ، وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف۔
سلام علیک۔ اما بعد۔ نبوت کے اس منصب میں آپ کے ساتھ مجھے بھی شریک کیا گیا ہے لہٰذا

نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لیے، لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں۔"

جب یہ خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں قاصدوں سے پوچھا۔

"تم دونوں اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

ان دونوں نے جواب دیا:

"ہم بھی وہی کہتے ہیں جو اس خط میں لکھا ہوا ہے۔"

آپ نے ان کی بات سن کر ارشاد فرمایا:

"أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ عُنُقَيْكُمَا."

ترجمہ: "اللہ کی قسم، اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو میں دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔"

پھر آپ ﷺ نے یہ خط لکھ کر انہیں دونوں قاصدوں کے ہاتھ مسیلمہ کے یہاں بھیج دیا۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ. السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ. فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ"

ترجمہ: "اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو، سلامتی ہو اس کے لیے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد۔ بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، اسے جس کو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اور آخرت کا بہترین انجام متقیوں کے لیے ہے۔"

جب مسیلمہ کا شر حد سے تجاوز کر گیا اور اس کا فساد ہر طرف پھیلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ ایک ایسا خط اس کو بھیجیں جس کے ذریعے سے اسے گمراہی سے روکیں، اور یہ خط لے جانے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو طلب فرمایا جو اس وقت جوان ہو چکے تھے، اور ایمان ان کے رگ و پے میں رچ بس چکا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفتاری اور شہادت

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی سستی اور تاخیر کے بغیر رسول اکرم ﷺ کا حکم پا کر روانہ

ہوگئے۔ وہ راستے کے نشیب وفراز کو طے کرتے ہوئے نجد کے بالائی حصے میں واقع بنوحیفہ کی بستی میں پہنچے، اورانہوں نے رسول اللہ ﷺ کا خط مبارک مسیلمہ کے حوالے کر دیا۔

جیسے ہی مسیلمہ نے خط سنا اس کا سینہ نفرت اور کینہ سے بھر گیا اور اس کے منحوس اور مکروہ چہرے پر شرارت اور غداری کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اس نے حکم دیا کہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو زنجیروں سے باندھ کر قید کر دیا جائے اور اگلے روز چاشت کے وقت میرے سامنے پیش کیا جائے۔

اگلے روز مسیلمہ کذاب نے اپنی مجلس جمائی، دائیں بائیں اپنے ماننے والے چیلوں اور بدمعاش لوگوں کو بٹھایا اور عوام کو مجلس میں آنے کا حکم دیا۔

پھر اس نے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیش کرنے کا اشارہ کیا۔ چناں چہ وہ بوجھل بیڑیوں میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کے سامنے پہنچے، اور اس کینہ پرور مجمع میں اپنے لمبے قد...... بلند سر...... اور اونچی ناک کے ساتھ اس طرح تن کر کھڑے ہوگئے جیسے کوئی عمدہ قسم کا مضبوط نیزہ زمین میں سیدھا گاڑ دیا گیا ہو۔

مسیلمہ کذاب نے ان کی طرف دیکھا اور کہا:

"أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟"

ترجمۃ: "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟"

انہوں نے فوراً جواب دیا:

"نَعَمْ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

ترجمۃ: "ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ جواب سن کر وہ غصے سے پھٹ پڑا۔ اس نے پھر پوچھا۔

"وَتَشْهَدُ أَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟"

ترجمۃ: "اور کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟"

انہوں نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا:

"إِنَّ فِیْ أُذُنَیَّ صُمَمًا عَنْ سَمَاعِ مَا تَقُوْلُ."

ترجمۃ: "میرے کان تمہاری یہ بات سننے کے لیے بہرے ہیں۔"

یہ سن کر مسیلمہ کذاب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، غصے میں اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور اس نے اپنے

جلاد کو حکم دیا:

"اِقْطَعْ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِهٖ."

تَرْجَمَۃ: "اس کے بدن کا ایک عضو کاٹ دو۔"

جلاد نے تلوار کا ایک بھر پور وار کیا اور ان کے جسم کا ایک حصہ کٹ کر زمین پر تڑپنے لگا، اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔

"أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

انہوں نے پھر وہی جواب دیا۔

"نَعَمْ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

تَرْجَمَۃ: "ہاں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

اس نے پھر وہی سوال کیا: "اور تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"میں کہہ چکا ہوں کہ میرے کان تمہاری یہ بات سننے سے معذور ہیں۔"

چناں چہ اس نے جلاد کو ان کے جسم کا ایک اور عضو کاٹنے کا حکم دیا، جو کاٹ دیا گیا اور لڑھکتا ہوا پہلے عضو کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔

لوگ پورے عرصے میں نگاہیں اٹھائے بڑی حیرت و تعجب کے ساتھ ان کی ثابت قدمی اور استقامت کو دیکھتے رہے۔

اس کے بعد مسیلمہ کذاب اُن سے سوال کرتا رہا...... جلاد اُن کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا اور حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے رہے......:

"أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

تَرْجَمَۃ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

یہاں تک کہ ان کا آدھا جسم کٹے ہوئے ٹکڑوں کی شکل میں زمین پر بکھر گیا...... اور آدھا جسم گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں بولتا رہا...... ان کا جسم زبان حال سے توحید کی گواہی دیتا رہا، بالآخر ان کی پاکیزہ روح پرواز کر گئی۔

اس وقت ان کے پاکیزہ ہونٹوں پر اسی رسولِ پاک کا نام تھا...... محمد رسول اللہ ﷺ کا نام...... جن کے دستِ مبارک پر انہوں نے عقبہ کی رات میں بیعت کی تھی۔

مسیلمہ کذاب کا قتل

جب ان کی والدہ حضرت نسیبہ مازنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے صرف اتنا فرمایا:

”مِنْ أَجْلِ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْقِفِ أَعْدَدْتُهُ ......
وَعِنْدَ اللّٰهِ اِحْتَسَبْتُهُ ......“

تَرْجَمَۃ: ”میں نے ایسے ہی مواقع کے لیے اس کو تیار کیا تھا...... اور اس کے بدلے میں اللہ سے بہتر اجر کی توقع کی تھی......۔“

اس نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ سے عقبہ کی بیعت کی اور جوان ہو کر ان سے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔

اور پھر انہوں نے یہ تمنا کرتے ہوئے فرمایا:

”وَلَئِنْ أَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْ مُسَيْلَمَةَ لَأَجْعَلَنَّ بَنَاتَهُ يَلْطِمْنَ الْخُدُوْدَ عَلَيْهِ ......“

تَرْجَمَۃ: ”اگر اللہ نے مجھے مسیلمہ (کذاب) پر قابو بخشا تو میں (اس کو موت کے گھاٹ اتاروں گی) اس کی لڑکیوں کو اس پر رونے کے لیے مجبور کر دوں گی۔“

اور حضرت نسیبہ مازنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس دن کی تمنا کی تھی اس کے آنے میں زیادہ دن نہیں لگے، ایک روز خلیفۂ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اعلان ان کے منادی کی زبانی مدینہ منورہ کے تمام گلی کوچوں میں سنائی دے رہا تھا:

”جھوٹے مدعی نبوت...... مسیلمہ کذاب...... سے جنگ کے لیے چلو۔“

اور مسلمان تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے اس سے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس فوج میں حضرت نسیبہ مازنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

جنگ کے دوران یہ دیکھا گیا کہ حضرت نسیبہ مازنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دشمن کی صفوں کو چیرتی ہوئی پکارتی پھر رہی تھیں۔

"أَيْنَ عَدُوُّ اللّٰهِ؟

دُلُّوْنِیْ عَلٰی عَدُوِّ اللّٰهِ ......"

ترجمہ: "کہاں ہے اللہ کا دشمن...... بتاؤ مجھے!! کہاں ہے وہ اللہ کا دشمن؟"

اور جب وہ مسیلمہ کذاب کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ وہ زمین پر گرا ہوا ہے اور مسلمانوں کی پیاسی تلواریں اس کے خون سے سیراب ہورہی ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا جی خوش ہوگیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔

اور کیوں نہ ہوتیں! کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اور متقی فرزند حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقام ان کے ظالم اور بدبخت قاتل سے نہیں لیا؟ کیوں نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کا انتقام لے لیا اور وہ دونوں فریق اپنے رب کی طرف گئے۔ مگر ایک فریق جنت میں ہے اور دوسرا جہنم میں۔

فوائد و نصائح

ہدیہ دیتے رہا کیجیے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وفد بنوحنیفہ کی طرف سے آیا تھا اس کے ہر رکن کو تحفہ میں کچھ عطا فرمایا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تَهَادُوْا تَحَابُّوا"[1]

ترجمہ: "آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو اس سے آپس میں محبت ہوگی۔"

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس سنت کو زندہ کریں اور مسلمان بھائی کے دل کو خوش کرنے کی نیت سے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبے سے اپنے دوستوں، رشتہ داروں کو ہدیہ دیا کریں۔

بزدلی سے پناہ مانگتے رہیے

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کا واقعہ آپ نے پڑھ لیا۔

آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ ہمیں بھی بہادر بنائے بزدل نہ بنائے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزدلی سے پناہ مانگی ہے۔

---

[1] مؤطا مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة، ص: ۷۰٦

بزدلی سے پناہ مانگنے کی دعا

چناں چہ فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ''[1]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں عاجزی اور سستی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور کنجوسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ اور لوگوں کے دباؤ سے۔''

مُذاکرہ

سُوَال: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت حبیب بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے گھر والوں کو کیا دعا دی؟

سُوَال: حضرت حبیب بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا غزوۂ احد میں کیوں شریک نہیں ہو سکے؟

سُوَال: وہ کون سے صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں جن کا نام قرآن مجید میں مذکور ہے؟

سُوَال: حضرت حبیب بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی والدہ کون سے قبیلے سے تھیں؟

◆

---

[1] ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاستعاذۃ: ٢١٧/١

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مَا عَرَفْنَا مَهْرًا أَكْرَمَ مِنْ مَهْرِ أَبِيْ طَلْحَةِ لِأُمِّ سُلَيْمٍ ...... فَلَقَدْ كَانَ صَدَاقُهَا الْإِسْلَامَ" (نساء المدينة)

تَرجَمَہ: "ہم نے امّ سلیم کے مہر سے زیادہ بہتر مہر کسی کا نہیں دیکھا جو ابوطلحہ نے ان کو دیا تھا، ان کا مہر ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا تھا (مدینہ کی خواتین)۔"

آپ کا امّ سلیم کو پیغامِ نکاح

حضرت زید بن سہل نجاری (ابوطلحہ) کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ رُمَیصاء بنت ملحان نجاریہ (ام سلیم) رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر کی وفات کے بعد بیوہ ہوگئی ہیں، تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور ان کی یہ خوشی کچھ زیادہ حیران کن بھی نہیں تھی، کیوں کہ ام سلیم ایک پاک دامن ...... سنجیدہ ...... عاقلہ ...... اور بہت اچھی صفات والی خاتون تھیں۔

چناں چہ ابوطلحہ نے اس بات کا ارادہ کرلیا کہ دوسرے خواہش مندوں سے پہلے ہی ان کو نکاح کا پیغام دے دیں۔ اور ان کو اس بات کا پورا اطمینان تھا کہ ام سلیم ان کے مقابلے میں کسی دوسرے شخص کو اپنے لیے منتخب نہیں کریں گی۔ کیوں کہ وہ جوان ہونے کے ساتھ ساتھ، معاشرے میں اونچے مقام کے مالک اور ایک دولت مند شخص تھے۔ اس کے علاوہ ان کو اپنے قبیلے بنونجار کا مشہور شہسوار، اور مدینے منورہ کے ایک ماہر تیر انداز ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

یہ سب سوچ کر ابوطلحہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف چل پڑے، لیکن راستے میں ان کو خیال آیا کہ ام سلیم مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے داعی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سن کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کے دین کی پیروی اختیار کرچکی ہیں۔

مگر تھوڑی دیر بعد انھوں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ ان کا پہلا شوہر بھی تو اپنے آباء واجداد کے دین پر مرا اور اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔

ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ حضرت ام سلیم

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی، اس وقت ان کا لڑکا انس بھی وہاں موجود تھا۔ ابوطلحہ نے اپنے دل کی بات حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کرتے ہوئے انہیں نکاح کا پیغام دے دیا۔ لیکن وہ اس وقت سخت حیران ہوئے جب حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی توقع کے خلاف کچھ اس طرح جواب دیا:

"إِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَا طَلْحَةَ لَا يُرَدُّ، لٰكِنِّيْ لَنْ أَتَزَوَّجَكَ فَأَنْتَ رَجُلٌ كَافِرٌ ......"

ترجمہ: "ابوطلحہ! آپ جیسے شخص کی بات رد نہیں کی جاتی، لیکن جب تک آپ کفر پر قائم ہیں میں آپ سے نکاح نہیں کر سکتی۔"

ابوطلحہ نے سمجھا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہانہ کر رہی ہیں، اور دراصل وہ کسی ایسے شخص کو مجھ پر برتری دے چکی ہیں جو مال اور قوت کے لحاظ سے مجھ سے بہتر ہے۔ چناں چہ انہوں نے کہا:

"ام سلیم! اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے انکار کی اصل وجہ یہ نہیں ہے۔"

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

"پھر میرے انکار کی اصل وجہ کیا ہے؟"

ابوطلحہ نے جواب دیا: "سونا چاندی اور مال و دولت۔"

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حیرت کا اظہار کیا: "سونا چاندی!!؟"

ابوطلحہ نے کہا: "ہاں۔"

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابوطلحہ کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

"بَلْ إِنِّيْ أُشْهِدُكَ يَا أَبَا طَلْحَةَ وَأُشْهِدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أَنَّكَ إِنْ أَسْلَمْتَ رَضِيْتُ بِكَ زَوْجًا مِنْ غَيْرِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ، وَجَعَلْتُ لِيْ مَهْرًا ......"

ترجمہ: "ابوطلحہ! میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ: اگر آپ اسلام قبول کر لیں تو میں سونا چاندی اور مال و دولت کے بغیر آپ سے نکاح کر لوں گی، اور آپ کے اسلام کو اپنا مہر قرار دوں گی۔"

ابوطلحہ کو ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعوتِ دین

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ بات سن کر ابوطلحہ کے ذہن میں اپنے بت کا خیال آ گیا، جس کو

انہوں نے نہایت عمدہ اور قیمتی لکڑی سے تراشا تھا، اور قبیلے کے دوسرے رئیسوں کی طرح اسے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ لیکن حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مزید دین کی دعوت دینے لگیں۔

چناں چہ فرمایا:

"أَلَسْتَ تَعْلَمُ يَا أَبَا طَلْحَةَ أَنَّ إِلٰهَكَ الَّذِيْ تَعْبُدُهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَدْ نَبَتَ مِنَ الْأَرْضِ؟"

ترجمہ: "ابوطلحہ! کیا آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ اللہ کو چھوڑ کر آپ جس معبود کی پرستش کرتے ہیں وہ زمین سے اگا ہوا ہے؟"

"فَقَالَ: بَلٰى."

ترجمہ: "ابوطلحہ نے ندامت والے لہجے میں کہا: کیوں نہیں میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔"

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"أَفَلَا تَشْعُرُ بِالْخَجَلِ وَأَنْتَ تَعْبُدُ جِذْعَ شَجَرَةٍ جَعَلْتَ بَعْضَهٗ لَكَ إِلٰهًا بَيْنَمَا جَعَلَ غَيْرُكَ بَعْضَهُ الْآخَرَ وَقُوْدًا لَّهٗ يَصْطَلِيْ بِنَارِهٖ أَوْ يَخْبِزُ عَلَيْهِ عَجِيْنَهٗ ......"

ترجمہ: "تو کیا آپ کو کبھی اس بات پر شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا کہ درخت کے ایک ٹکڑے کو معبود (خدا) بنا کر آپ اس کی پوجا کرتے ہیں، اور اسی درخت کے دوسرے ٹکڑے کو کوئی دوسرا شخص آگ جلانے کے لیے ایندھن کے طور پر استعمال کرتا اور اس سے کھانا پکاتا ہے؟۔"

امّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تھوڑا رک کر مزید فرمایا:

نورِ اسلام سے منور ہونا

"ابوطلحہ! اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو میں آپ کے ساتھ شادی کر لوں گی اور اس صورت میں اسلام کے سوا میں آپ سے کسی مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔"

ابوطلحہ نے پوچھا: "مجھے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ کون بتائے گا؟"

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: "یہ کام میں خود کر لوں گی۔"

ابوطلحہ نے وضاحت چاہی۔ "وہ کس طرح؟"

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سمجھاتے ہوئے فرمایا:

''وہ اس طرح کہ آپ اپنی زبان سے کلمہ حق ادا کرتے ہوئے اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

پھر آپ اپنے گھر جائیں اور اپنے بت کو توڑ کر پھینک دیں۔

یہ سن کر ان کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا، اور وہ فوراً بول پڑے:

''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''

اور پھر انہوں نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا۔ مسلمان اس نکاح کے متعلق کہتے تھے:

''ہم نے آج تک کسی مہر کے بارے میں نہیں سنا جو ام سلیم کے مہر سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہو۔ انہوں نے اسلام کو اپنا مہر قرار دیا۔''

ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غزوات میں شرکت

اور اس روز سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے، اور انہوں نے اپنی پوری اور بے مثال صلاحیتیں اسلام کی دعوت اور اس کو پھیلانے کے لیے وقف کر دیں۔ وہ ان ستر افراد میں سے تھے جو بیعتِ عقبہ میں شریک ہوئے، اس وقت ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔

وہ ان بارہ آدمیوں میں سے بھی تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آباد مسلمانوں کی حفاظت اور خدمت کے لیے امیر مقرر کیا تھا۔ وہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے، اور ان میں بہت بہادری و جواں مردی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ لیکن ان کا سب سے بڑا اور ناقابلِ فراموش دن یوم احد ہے، جس کا مختصر واقعہ ہم بیان کرتے ہیں۔

غزوۂ احد کا واقعہ

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا محبت تھی، ایسی محبت جس کی جڑیں ان کے دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھیں...... ایسی محبت جو ان کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کرتی تھی۔

ان کا حال یہ تھا کہ آنکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے سیر نہ ہوتی تھیں، نہ آپ کی پیاری باتیں سننے سے، ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیراب ہوتے، اور جب کبھی تنہائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تو گھٹنوں

کے بل بیٹھ کر محبت بھرے انداز میں کہتے:

”نَفسِیْ لِنَفسِكَ الْفِدَاءُ، وَ وَجْهِی لِوَجْهِكَ الْوِقَاءُ.“

ترجمہ: ”میری جان آپ پر قربان ہے، میرا چہرہ آپ کے لیے ڈھال ہے۔“

جنگ اُحد میں جب ایک موقع پر مسلمان شکست کھا کر رسولِ اکرم ﷺ سے مجبوراً کچھ فاصلے پر چلے گئے تو مشرکین نے ہر طرف سے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا، آپ ﷺ کے دو دانت مبارک شہید کر دیے ...... پیشانی اور ہونٹوں کو زخمی کر دیا...... اور چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا...... یہاں تک کہ دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی۔

”بِأَنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ“

ترجمہ: ”محمد ﷺ (نعوذ باللہ) قتل کر دیے گئے۔“

جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے، اور وہ دشمنوں کے سامنے سے شکست کھا کر بھاگنے لگے۔ اس کٹھن وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رہ گئے تھے، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں پیش پیش تھے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آگے ایک مضبوط پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے، اور آپ ﷺ نے کفار کے تیروں اور نیزوں سے بچنے کے لیے ان کی آڑ لے رکھی تھی۔ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمان کی تانت چڑھائی، اور اس پر تیر جوڑ جوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے کفار پر تیروں کی بارش کر دی۔

جب رسول اللہ ﷺ ایڑیاں اٹھا کر یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ ان کے تیر کہاں گر رہے ہیں تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے زخمی ہونے کے خوف سے یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کو پیچھے ہٹا دیتے۔

”بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ، لَا تُشْرِفْ عَلَيْهِمْ فَيُصِيبُوْكَ.
إِنَّ نَحْرِیْ دُوْنَ نَحْرِكَ وَصَدْرِیْ دُوْنَ صَدْرِكَ.
وَجُعِلْتُ فِدَاكَ ......“

ترجمہ: ”میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں، ان کی طرف نہ جھانکیں، کہیں وہ

آپ کو زخمی نہ کر دیں۔ میری گردن آپ پر قربان، میری جان آپ پر فدا، میں آپ کی حفاظت میں سینہ سپر ہوں۔"

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک مجاہد تیروں سے بھرا ہوا ترکش اٹھائے ہوئے بھاگا جا رہا ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے آواز دی۔

"اُنْثُرْ سِهَامَكَ بَيْنَ يَدَيْ أَبِيْ طَلْحَةَ وَلَا تَمْضِ بِهَا هَارِبًا"

تَرْجَمَہ: "اے بھاگنے والے! یہ تیر ابوطلحہ کے سامنے پھینک دے۔ (تاکہ یہ کام آ سکیں) بھاگتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ مت لے جا۔"

حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسلسل رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا دفاع فرماتے رہے، یہاں تک کہ تین کمانیں ٹوٹ گئیں اور بے شمار دشمن موت کے گھاٹ اتار دیے۔ پھر لڑائی ختم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی حفاظت فرمائی۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اللہ کی راہ میں باغ صدقہ کرنا

جس طرح حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جنگ کے مواقع پر کھلے دل سے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے حاضر رہتے، اسی طرح بل کہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے ہر موقع پر بھی کوتاہی سے کام نہیں لیتے تھے۔ ان ہی مواقع میں سے ایک موقع یہ ہے۔

ان کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ تھا جو اپنے درختوں کی کثرت...... پھلوں کی عمدگی...... اور پانی کی شیرینی کے لحاظ سے مدینہ منورہ کے تمام باغوں سے اچھا تھا۔

ایک روز حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کے گھنے سائے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اچانک ایک خوش آواز پرندے نے ان کی توجہ نماز سے ہٹا کر اپنی طرف کر لی، اس پرندے کے پر سبز، چونچ سرخ اور پاؤں نگین تھے۔ وہ درختوں کی شاخوں پر خوشی سے چہچہاتا...... رقص کرتا...... اور پھدکتا پھر رہا تھا۔ حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یہ منظر اتنا بھلا معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے وہ اس کی خوب صورتی میں کھو گئے۔ جب ان کی توجہ نماز کی طرف واپس آئی تو وہ بھول چکے تھے کہ انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، دو یا تین؟ وہ سوچتے رہ گئے، مگر کچھ یاد نہیں آیا۔

وہ نماز ختم کر کے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اپنے نفس کی

شکایت کی جس کو باغ ...... اس کے گھنے اور سایہ دار درختوں ...... اور اس کے خوش آواز پرندوں ...... اور پودوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں نے نماز سے غافل کر دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا:

”أَشْهَدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنِّيْ جَعلتُ هٰذَا الْبُسْتَانَ صَدَقَةً لِلّٰهِ تَعَالَى ...... فَضَعْهُ حَيْثُ يُحِبُّ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ......“

ترجمہ: ”اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ گواہ رہیں، میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر رہا ہوں۔ آپ اس کو جہاں چاہیں خرچ کریں۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی مجاہدانہ تھی

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری زندگی روزہ دار اور مجاہد کی حیثیت سے گزاری، اور اسی حالت میں انہوں نے موت کو گلے سے لگایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تقریباً تئیس سال زندہ رہے، یہ پوری مدت انہوں نے روزہ کی حالت میں گزاری اور عید کے دنوں کے سوا جن کے روزے حرام ہیں، انہوں نے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔

انہیں کافی طویل عمر ملی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت کم زور ہو گئے تھے، لیکن یہ کم زوری بھی ان کے جذبۂ جہاد کو سرد نہیں کر سکی۔ وہ بڑی پابندی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے، اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور دین کی دعوت پھیلانے کے لیے ہر سفر میں شریک ہوتے تھے۔

انہیں سفروں میں سے ایک سفر وہ تھا کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں نے سمندری جنگ کا ارادہ کیا، تو انہوں نے بھی اس میں شرکت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر ان کے لڑکوں نے کہا:

”يَرْحَمُكَ اللّٰهُ يَا أَبَانَا، لَقَدْ صِرْتَ شَيْخًا كَبِيْرًا، وَقَدْ غَزَوْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَهَلَّا رَكَنْتَ إِلَى الرَّاحَةِ وَتَرَكْتَنَا نَغْزُوْ عَنْكَ.“

ترجمہ: ”ابا جان! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کافی جہاد کر چکے، اور اب آپ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ عمر جہاد کی نہیں ہے۔ اب آپ آرام کریں اور ہمیں چھوڑ دیں، ہم آپ کی طرف سے جہاد میں حصہ لیں گے۔“

مگر وہ نہیں مانے اور انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ [1]

تَرْجَمَہ: ”نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل۔“

اللہ تعالیٰ نے عمر کی قید کے بغیر نکلنے کا حکم دیا ہے، خواہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، پھر اللہ کے راستے میں روانہ ہوگئے۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا آخری سفرِ جہاد

اور جب حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسلمانوں کی فوج کے ساتھ بحری جہاز میں سوار ہوکر سمندر کا سفر کر رہے تھے تو سخت بیمار ہوگئے، اور اسی بیماری میں انتقال کر گئے۔

انتقال کے بعد ان کو دفن کرنے کے لیے مسلمان کسی جزیرے کی تلاش میں تھے، مگر سات (۷) روز سے پہلے ان کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ اس دوران ان کی لاش کپڑے سے ڈھکی ہوئی ان کے درمیان رکھی رہی، اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی اور لاش بالکل صحیح سلامت ہی رہی، ایسا لگتا تھا کہ وہ بڑے آرام سے سو رہے ہیں۔ اور ان کو ان کے اہل وعیال اور ملک ووطن سے بہت دور سمندر کے درمیان دفن کردیا گیا۔ ”یہ دوری انہیں کوئی نقصان نہ دے گی، کیوں کہ یہ اپنے رب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قریب ہیں۔“

فوائد ونصائح

صحابیات رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کا داعیانہ جذبہ

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے جان نثار صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ میں سے ہر ایک، ایک دوسرے سے بڑھ کر دینِ اسلام کے لیے قربانیاں دینے والا اور داعی تھا۔

ہر صحابیٔ رسول کی یہ دلی تمنا تھی کہ اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلے، اور کیسے یہ تمام لوگ جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جائیں۔ یہ فکر صرف صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے مردوں میں ہی نہیں تھی بل کہ عورتوں کی بھی یہی فکر اور جذبہ تھا۔

چناں چہ حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت ام سلیم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو نکاح کا پیغام دیا اور یہ سمجھے

---

[1] التوبة: ٤١

کہ میرے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہے، اس لیے ام سلیم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اس پیغام کو رد نہیں کریں گی۔ لیکن ام سلیم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کے سامنے ان کے مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں تھی، ان کی تو فکر یہ تھی کہ اگر ابوطلحہ مسلمان ہو جائیں تو جہنم کی آگ سے بچ جائیں گے، اور ان کا ایمان قبول کرنا ہی میرے لیے بڑی دولت ہے، اور یہی میرا مہر ہے۔ اسی لیے مسلمان کہا کرتے تھے کہ ہم نے آج تک کسی مہر کے بارے میں نہیں سنا جو ام سلیم کے مہر سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہو۔

حضرت ام سلیم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کی ترغیب پر حضرت ابوطلحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مسلمان ہو گئے اور پھر اس محنت کو اپنا مقصد بنا لیا جس سے کفار اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اب جب حضرت ابوطلحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی ہدایت کا ذریعہ حضرت ام سلیم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بنیں تو ایمان لانے کے بعد حضرت ابوطلحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے دین کی جتنی خدمت کی، اور دین کے لیے جتنی قربانیاں دیں، ان سب میں حضرت ام سلیم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کا پورا پورا حصہ ہوگا۔

ہمارے جذبات کیا ہونے چاہئیں

ہمیں بھی چاہیے کہ سارے عالم کے انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے، اور جنت میں لے جانے کی فکر اور محنت کریں، اور اس کے مقابلے میں کسی چیز کو اہمیت نہ دیں۔ ایسے ماحول اور مجالس میں بیٹھیں جہاں دین کی محنت کی ترغیب دی جاتی ہو، اور لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے محنت کی جاتی ہو۔ جیسا کہ آپ نے اپنی مسجدوں میں دیکھا ہوگا کہ کسی نماز کے بعد محلے کے چند لوگ بیٹھ کر اسی محنت کے بارے میں احادیث پڑھتے ہیں، محنت کرتے ہیں۔ ہم بھی نیت کریں کہ روزانہ ان مجالس میں بیٹھیں گے۔ تاکہ ہمیں بھی دین کے پھیلانے کی فکر نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین سیکھنے اور سکھانے کی فکر نصیب فرمائے۔ آمین۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت ابوطلحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کا اصل نام کیا تھا؟

سُوال: رمیصاء بنت ملحان رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کا لقب کیا تھا؟

سُوال: حضرت ابوطلحہ کو حضرت ام سلیم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے اسلام میں داخل ہونے کا کیا طریقہ بتایا؟

سُوال: حضرت ابوطلحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے کس وجہ سے اپنا باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا؟

ام المؤمنین حضرت رملہ بنتِ ابی سفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

"اُمُّ حَبِيْبَةَ آثَرَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ عَلٰى مَا سِوَا هُمَا، وَكَرِهَتْ اَنْ تَعُوْدَ لِلْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ
الْمَرْءُ اَنْ يُّقْذَفَ فِى النَّارِ" (المؤرخون)

تَرْجَمَہ: "ام حبیبہ نے اللہ اور اس کے رسول کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی اور انہوں نے کفر کی طرف لوٹنے کو ایسا ناپسند کیا جیسا کوئی آگ میں جانے کو ناپسند کرتا ہے۔"

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا ابوسفیان سے اختلاف

ابوسفیان بن حرب کے دل میں کبھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ قریش کا کوئی فرد اس کے کسی فیصلے سے بغاوت یا کسی اہم معاملے میں اس کی مخالفت کرنے کی جرأت کرے گا۔ کیوں کہ وہ مکے کا ایک ایسا سردار اور قریش کا ایسا لیڈر تھا جس کا ہر فیصلہ واجب التعمیل اور ہر حکم واجب الاطاعت (یعنی ہر فیصلہ اور حکم ماننا ضروری) سمجھا جاتا تھا۔

لیکن اس کی اپنی ہی بیٹی رملہ نے جو اپنی کنیت "ام حبیبہ" سے معروف تھی اس کے باطل خداؤں کا انکار کر کے، اس کی اپنے بارے میں خوش فہمی کو خاک میں ملا دیا۔ نیز انہوں نے اور ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نے خدائے واحد پر ایمان اور محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی رسالت کی تصدیق کا اعلان کر کے اس کی سرداری کا سارا بھرم کھول کر رکھ دیا۔

ابوسفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو ان کے دین سے پھیر کر اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین میں واپس لانے کی انتہائی کوشش کی۔ اس کے لیے اس نے اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کیوں کہ ایمان حضرت رملہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے دل میں مضبوط ہو چکا تھا، اس کی جڑیں اتنی گہرائی میں اتر چکی تھیں کہ ابوسفیان کی طرف سے کیا گیا ظلم وستم اور اس کے غیظ وغضب کی آندھیاں اسے اکھاڑ تو کیا سکتیں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکیں۔

حبشہ کی طرف ہجرت اور نجاشی کا قبولِ اسلام

ابوسفیان کو حضرت رملہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے مسلمان ہو جانے کا بڑا شدید افسوس تھا، اُسے اپنی بیٹی اور

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسلام سے پھیرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس منہ سے قریش کا سامنا کرے۔

جب قریش نے یہ دیکھا کہ ابوسفیان حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اس کے شوہر پر ناراض ہے تو وہ ان دونوں کے خلاف جری ہوگئے، وہ ان کو سخت اور اذیت ناک سزائیں دیتے اور ان کے گرد زندگی کا دائرہ روز بروز تنگ کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان کے لیے مکے میں زندگی گزارنا دوبھر ہوگیا۔

اور جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش اور ان کی چھوٹی بچی حبیبہ مہاجرین کے اس قافلے میں پیش پیش تھے جو اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پناہ گاہ کی طرف گئے۔

لیکن مسلمانوں کی اس مختصر سی جماعت کا ان کے ہاتھ سے بچ نکلنا اور حبشہ میں اس کا آرام وسکون ناگوار گزرا، اس لیے انہوں نے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے، ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے اور اس کو یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا الصلاۃ والسلام کے متعلق نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں...... اپنے سفیروں کو حبشہ بھیجا۔

نجاشی نے ان قاصدوں کی بات سن کر مسلمانوں کو بلایا اور ان سے ان کے دین کی حقیقت اور اس بات کی اصلیت دریافت کی جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا الصلاۃ والسلام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس نے مسلمانوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ قرآن مجید میں سے چند آیات سنائیں جو قرآن ان کے نبی کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔

جب مسلمانوں نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کریم کی چند آیات اسے سنائیں تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ روتے روتے اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر اس نے مسلمانوں سے کہا:

”إِنَّ هٰذَا الَّذِیْ أُنْزِلَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ مُحَمَّدٍ، وَالَّذِیْ جَاءَ بِهٖ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَخْرُجَانِ مِنْ مِشْکَاةٍ وَاحِدَةٍ.“

ترجمہ: ”یہ کلام جو تمہارے نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے اور وہ پیغام الٰہی جس کو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلاۃ والسلام لائے تھے...... دونوں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں۔“

اور پھر وہ اللہ واحد پر ایمان اور نبوت محمدیہ ﷺ کی تصدیق کا اعلان کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو

گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے مسلمانوں کے لیے اپنی حمایت کا اعلان بھی کیا جو پناہ لینے کی خاطر ہجرت کر کے ان کے ملک میں آئے تھے۔ اس معاملے میں انہوں نے اپنے سرداروں کی مخالفت کی کوئی پروانہیں کی جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دینِ نصرانیت پر قائم رہے۔

ایک مشکل امتحان اور اس میں کامیابی

حبشہ پہنچ جانے کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں خیال آیا کہ اب میرے دکھوں کے دن گزر چکے، دشوار گزار اور تکلیف دہ راستوں سے گزر کر اب میں امن وسکون کی وادی میں پہنچ چکی ہوں۔ لیکن تقدیر میں جو فیصلے ہو چکے تھے ان کا انہیں کوئی علم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک ایسے مشکل امتحان میں ڈالنا چاہا جس میں عقل مندوں کی عقل ودانش، اور سمجھ داری کی سمجھ دنگ رہ جائے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کٹھن اور مشکل امتحان سے کامیابی عطا فرما کر عزت وشرف کی بلندی تک پہنچا دیا۔

چناں چہ ایک رات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا کہ ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش سخت اندھیری رات میں ایک سرکش وخطرناک موجوں والے سمندر میں پھنسے ہوئے ہیں، اور وہ انتہائی پریشانی کی حالت میں ہیں۔

وہ یہ خواب دیکھ کر ایک دم گھبرا اٹھیں۔ اس خواب کا ذکر وہ اپنے شوہر یا کسی دوسرے شخص سے نہیں کرنا چاہتی تھیں، لیکن یہ خواب بہت جلد ایک حقیقت کی شکل میں ان کے سامنے آگیا۔ اِس رات کی صبح ابھی شام سے تبدیل نہیں ہونے پائی تھی کہ عبیداللہ بن جحش نے اپنے دین سے مرتد ہو کر نصرانیت اختیار کر لی۔

اس کے بعد اس کا زیادہ تر وقت شراب خانوں میں گزرنے لگا، کثرت کے ساتھ شراب نوشی کے باوجود وہ اس سے سیراب نہیں ہوتا تھا۔ اس نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دو میں سے ایک چیز کے انتخاب کی آزادی دے دی جو دونوں ہی انتہائی ناپسندیدہ تھیں، یعنی یا تو وہ طلاق لے لیں یا نصرانیت اختیار کر لیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اچانک تین مشکلات میں پھنس گئیں، یا تو وہ اپنے شوہر کی بات مان لیں جو مسلسل انہیں عیسائیت کی دعوت دے رہا تھا۔ اور اس طرح (العیاذ باللّٰہ) اپنے دین سے پھر جائیں اور دنیا و آخرت کی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوں۔ اور یہ ایسا کام تھا جس کو وہ کسی قیمت پر نہیں کر سکتی تھیں، چاہے اس کے نتیجے میں ان کے جسم کا گوشت لوہے کی کنگھیوں کے ذریعے ان کی ہڈیوں سے کھرچ کر الگ کر دیا جاتا۔

دوسری صورت یہ کہ یا تو وہ مکہ میں اپنے والد کے گھر واپس چلی جائیں اور وہاں ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں جس میں ان کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روک دیا گیا ہو۔ کیوں کہ مکہ ابھی تک کفر وشرک کا گڑھ تھا۔

اور تیسری صورت یہ کہ وہ تنہا اور بے یارو مددگار سرزمین حبشہ میں ٹھہری رہیں۔

انہوں نے اللہ عزوجل کی رضا کو ہر چیز سے آگے رکھتے ہوئے تیسری اور آخری شکل کو اپنے لیے پسند کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی وکشادگی کی امید پر حبشہ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا۔

آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ نکاح

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ تعالیٰ سے جس کشادگی کی توقع کی تھی اس کے لیے انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا، کیوں کہ ان کے شوہر کی عدتِ وفات سے فارغ ہوتے ہی (جو عیسائیت قبول کرنے کے بعد زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکا تھا) بالکل غیر متوقع طور پر ان کے پاس ان کی خوش نصیبی کا پیغام آ پہنچا۔

ابھی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دن پھر گئے ...... تنگی فراوانی میں تبدیل ہوگئی ...... اور خوش حالی اپنے سنہری پر پھیلائے ہوئے ان کے مظلوم گھر پر سایہ کرنے لگی۔

ایک روز چاشت کے وقت جب دن خوب روشن ہو چکا تھا ان کے دروازے پر دستک ہوئی، جب انہوں نے دروازہ کھولا تو اچانک اپنے سامنے نجاشی کی خادمۂ خاص ''ابرہہ'' کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ ابرہہ نے بڑے ادب کے ساتھ سلام کرکے اندر آنے کی اجازت مانگی اور کہا:

''إِنَّ الْمَلِكَ يُحَيِّيكِ وَيَقُوْلُ لَكِ: إِنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ خَطَبَكِ لِنَفْسِهِ......
وَ إِنَّهُ بَعَثَ إِلَيْهِ كِتَاباً وَكَّلَهُ فِيْهِ بِأَنْ يَعْقِدَ لَهُ عَلَيْكِ ...... فَوَكِّلِيْ عَنْكِ مَنْ تَشَائِيْنَ.''

تَرجَمہ: ''بادشاہ سلامت آپ کو سلام کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو بھی ایک خط لکھا جس میں ان کو اپنا وکیل بنایا ہے، تو آپ بھی جسے چاہیں اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر دیجیے۔''

یہ خبر سن کر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور بے اختیار بول پڑیں:

"بَشَّرَكِ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ ...... بَشَّرَكِ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ تم کو خوش رکھے۔ اللہ تم کو خوش خبری سنائے (یعنی خیر و برکت سے نوازے)۔"

پھر اپنے جسم سے ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارنے لگیں، انہوں نے اپنے کنگن اتار کر ابرہہ کو دے دیے...... پھر پازیب...... پھر دونوں کانوں کی بالیاں اور انگوٹھیاں بھی بطور تحفہ اس کو دے دیں۔

اور اگر اس وقت ان کے پاس دنیا کے سارے خزانے ہوتے تو وہ سب ابرہہ کو بخش دیتیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں اپنی جانب سے خالد بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل بناتی ہوں کیوں کہ وہ میرے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔

نجاشی کے محل میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا نکاح

حضرت نجاشی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا رہائشی محل درختوں سے گھرے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا، اور اس کے نیچے حبشہ کا سب سے خوب صورت باغ اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔

اسی محل کے ایک وسیع و عریض ہال میں جو نہایت خوب صورت نقش و نگار سے آراستہ اور پیتل کے سنہرے چمکیلے چراغوں کی روشنی سے منور ہو رہا تھا، جس میں قیمتی اور عمدہ فرش بچھا ہوا تھا۔ حبشہ میں مقیم صحابہ کرام، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت خالد بن سعید بن عاص اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی وغیرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ منعقد ہونے والے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے نکاح میں شرکت کے لیے جمع تھے۔

جب سب لوگ آچکے تو حضرت نجاشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جو مجلس کے صدر تھے، خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"أَحْمَدُ اللّٰهَ الْقُدُّوْسَ الْمُؤْمِنَ الْجَبَّارَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَأَنَّهٗ هُوَ الَّذِيْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ.
أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
طَلَبَ مِنِّيْ أَنْ أُزَوِّجَهٗ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ أَبِيْ سُفْيَانَ، فَأَجَبْتُهٗ إِلٰى مَا طَلَبَ، وَأَمْهَرْتُهَا
نِيَابَةً عَنْهُ أَرْبَعَمِائَةِ دِيْنَارٍ ذَهَبًا ......
عَلٰى سُنَّةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ......"

تَرْجَمَۃ: "میں تعریف کرتا ہوں اس اللہ جل جلالہ کی جو ہر قسم کے عیب سے پاک، اپنے بندوں کو

امن و اطمینان بخشنے والا اور ہر قسم کی کمی پوری کرنے والا ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی دوسرا بندگی اور عبادت کا حق دار نہیں ہے۔ اور اس بات کی کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ وہ (محمد ﷺ) وہی آخری نبی ہیں جس کی خوش خبری عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے دی تھی۔

امابعد (اللہ کی تعریف اور ثنا کرنے کے بعد)! رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو ان کے نکاح میں دے دوں۔ سو میں آپ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان کی طرف سے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چار سو دینار بطور مہر ادا کرتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق۔"

اور انہوں نے دینار ام حبیبہ کے وکیل حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ڈھیر کر دیے۔

اس کے بعد حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے جوابی خطبے میں فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهٗ وَأَسْتَعِيْنُهٗ، وَأَسْتَغْفِرُهٗ، وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِدِيْنِ الْهُدٰى وَالْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ.

أَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ أَجَبْتُ طَلَبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَزَوَّجْتُهٗ مُوَكِّلَتِيْ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ أَبِيْ سُفْيَانَ.

فَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ بِزَوْجَتِهٖ.

وَهَنِيْئًا لِأُمِّ حَبِيْبَةَ بِمَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهَا مِنَ الْخَيْرِ ......"

ترجمہ: "ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں اسی اللہ کی تعریف کرتا ہوں، اسی سے مدد مانگتا ہوں، اسی سے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت اور حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اس دین اسلام کو تمام دین پر غالب کر دیں، خواہ یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

امابعد! میں رسول اللہ ﷺ کا حکم بجالاتا ہوں اور اپنی موکلہ (حضرت) ام حبیبہ بنت ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو ان کے نکاح میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ان کی

بیوی میں برکت عطا فرمائے اور ام حبیبہ کو وہ خیر و برکت مبارک ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دی تھی۔"

پھر جب حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیناروں کو اٹھا کر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سپرد کرنے کے لیے روانہ ہونے لگے، اور ان کے ساتھیوں نے بھی جانے کا ارادہ کیا تا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ دینار پہنچا دیں، تو حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا بیٹھ جاؤ، کیوں کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت یہ ہے کہ جب وہ نکاح کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں۔

پھر نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو کھانے پہ بلایا، اور کھانا کھانے کے بعد ان کو جانے کی اجازت دے دی۔

فوائد و نصائح

پریشانیوں سے مایوس نہ ہوئیے

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالاتِ زندگی سے ہم سب مسلمانوں کو ایک بہت حوصلہ افزا اور انتہائی اطمینان بخش سبق یہ ملتا ہے کہ ہم سب مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت کبھی بھی مایوسی کا شکار نہ ہوں، حالات جیسے ہی کیوں نہ ہوں، ہم صبر اور امید کا دامن تھامے رکھیں اس لیے کہ یہ دنیا عارضی دنیا ہے اور اس عارضی دنیا کی ساری چیزیں اور سارے حالات بھی عارضی ہیں اس لیے اگر کبھی ہم کسی ناموافق حال سے دوچار ہو گئے ہوں تو حوصلہ ہارنے کی اور مایوس ہونے کی قطعی طور پر کوئی ضرورت نہیں، ہم خاطر سلامت رکھیں ان شاء اللہ غم کی تاریک شب ڈھل کر رہے گی اور صبح روشن ہو کر رہے گی۔

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات میں آپ نے پڑھ لیا ہوگا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکنے کے بعد یکے بعد دیگرے تین دردناک مصائب کا شکار ہوئیں لیکن وہ مایوس نہیں ہوئیں بل کہ اللہ سے بہتر اجر و رضا کی امید کرتی رہیں، چناں چہ بالآخر ان کے غم کے دن جاتے رہے اور وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ کر ازواج مطہرات میں سے ہوئیں اور تمام امت کے مسلمانوں کی ماں ہو گئیں۔

اس لیے کسی بھی مصیبت یا پریشانی کے وقت گھبرا کر مایوس ہونے کے بجائے ہمت و استقلال سے حالات کا مقابلہ کریں اور پر مسرت اور روشن صبح کا انتظار کریں۔

ہر قسم کی پریشانیوں سے بچنے کے لیے ادارہ دارالہدیٰ کراچی نے ایک معیاری و مستند کتاب ''پریشان رہنا چھوڑ دیجیے'' کے نام سے مرتب کی ہے جس کا ہدایت کی نیت سے مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت ام حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے بارے میں کیا خواب دیکھا؟

سُوال: حضرت نجاشی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی خادمہ ابرہہ نے حضرت ام حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو کیا پیغام دیا؟

سُوال: حضرت نجاشی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت ام حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا کتنا مہر ادا کر دیا؟

سُوال: حضرت ام حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے پیغام نکاح کی خوشی میں ابرہہ کو کیا چیزیں دیں؟

◆

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"قَتَلَ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ...... وَقَتَلَ شَرَّ النَّاسِ أَيْضًا" (المؤرخون)

ترجمہ: "حضور ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر شخص کو بھی ان ہی نے، شہید کیا، اور لوگوں میں سب سے بدتر شخص کو بھی ان ہی نے قتل کیا۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داستانِ شہادت

یہ کون شخص ہے جس نے غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے محترم چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر کے آپ ﷺ کا دل دکھایا تھا، پھر جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کیا؟

یہ ہیں حضرت وحشی بن حرب حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی کنیت ابودسمہ ہے۔ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داستان بڑی ہی سنگ دلانہ اور دل دکھانے والی دردناک داستان ہے۔ آیئے ہم اس داستان کو ان ہی کی زبانی سنیں۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"میں قریش کے ایک سردار جبیر بن مطعم کا غلام تھا، جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی جنگِ بدر میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جبیر کو اپنے چچا کے قتل ہونے کا بے انتہا صدمہ تھا، اور اس نے لات وعزیٰ کی قسم کھائی تھی کہ اپنے چچا کے بدلے میں ان کے قاتل کو ضرور قتل کروں گا، اور اس کے لیے وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔

اور اس کے لیے اسے زیادہ عرصے تک انتظار نہیں کرنا پڑا، کیوں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف زبردست حملہ کرنے اور بدر کے اندر جو لوگ قتل ہوئے تھے ان کا بدلہ لینے، کے لیے بہت جلد احد کی طرف دوبارہ نئی جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

جبیر نے فوجی دستوں کو منظم کرنے ...... اپنے دوستوں کو جمع کرنے ...... اور سامانِ جنگ کی فراہمی کے بعد اس فوج کی قیادت ابوسفیان بن حرب کے سپرد کردی۔ اور ابوسفیان نے اُن عورتوں کی ایک ٹولی کو بھی فوج کے

ساتھ شامل کرلیا جن کے باپ...... بیٹے...... بھائی...... یا دوسرے قریبی رشتہ دار بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، تاکہ وہ فوج کو جوش دلائیں اور میدانِ جنگ میں لڑائی کرنے والوں کے حوصلے بلند کریں، میدان سے بھاگنے کی صورت میں یہ عورتیں راستے میں کھڑی ہوکر انہیں عار دلائیں۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ ان عورتوں میں سب سے پیش پیش تھی، کیوں کہ اس کا باپ...... چچا...... اور بھائی تینوں جنگِ بدر میں مارے گئے تھے۔ جب فوج کی روانگی کا وقت قریب آیا تو جبیر بن مطعم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"هَلْ لَكَ يَا أَبَا دَسَمَةَ فِيْ أَنْ تُنْقِذَ نَفْسَكَ مِنَ الرِّقِّ؟"

ترجمہ: "ابودسمہ! کیا تم اپنے آپ کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا: کیوں نہیں!!

"وَمَنْ لِيْ بِذٰلِكَ؟"

ترجمہ: "لیکن میرے لیے اس کا ذمہ کون لے گا؟"

"اس نے کہا: میں تمہارے لیے اس کا ذمہ لیتا ہوں۔"

میں نے پھر سوال کیا: "وہ کس طرح؟"

اس نے وعدہ کرتے ہوئے کہا:

"إِنْ قَتَلْتَ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عَمَّ مُحَمَّدٍ بِعَمِّيْ طُعَيْمَةَ بْنِ عَدِيٍّ فَأَنْتَ عَتِيْقٌ."

ترجمہ: "اگر تم میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے میں محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کو قتل کردو تو تم آزاد ہو۔"

میں نے مزید اطمینان چاہا اور کہا:

اور اس وعدے کی پورے کرنے کی ضمانت کون دے گا؟

اس نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

جس کو تم چاہو، میں تمام لوگوں کو اس پر گواہ بنا سکتا ہوں۔

میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا:

میں یہ کام کرسکتا ہوں، میں یہ کام ضرور کروں گا۔

حضرت وحشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اپنی کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

میں ایک حبشی شخص تھا اور حربہ (چھوٹا نیزہ) پھینکنے میں اتنا ماہر تھا کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔

چناں چہ میں اپنا اسلحہ لے کر فوج کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ میں فوج کے پچھلے حصے میں عورتوں کے قریب چل رہا تھا کیوں کہ لڑائی سے مجھے کوئی دل چسپی یا رغبت نہیں تھی۔ جب بھی میرا گزر ہند بنت عتبہ کی طرف یا اس کا گزر میری طرف سے ہوتا اور وہ سورج کی روشنی میں چمکتے ہوئے حربے کو میرے ہاتھ میں دیکھتی تو کہتی:

"أَبَا دَسَمَةَ ...... اِشْفِ وَاسْتَشْفِ ......"

تَرجَمَہ: "ابودسمہ! (محمد (ﷺ) اور اس کے چچا کو قتل کر کے) ہمارے دلوں (میں بھڑکتے ہوئے غیظ وغضب (غصے) کے شعلوں) کو ٹھنڈا کر دے۔"

احد پہنچ کر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو میں حمزہ بن عبدالمطلب کی تلاش میں نکلا۔ میں ان کو پہلے سے جانتا تھا، اور یوں بھی ان کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ کسی سے چھپی رہتی۔ کیوں کہ عرب کے جنگ جو بہادروں کے دستور کے مطابق علامتی نشان کے طور پر اپنے سر پر شتر مرغ کے پروں سے بنی ہوئی کلغی لگاتے تھے۔

تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ رجز (میدانِ جنگ کے اشعار) پڑھتے، اپنی تلوار سے مخالفین کے پرخچے اڑاتے مضبوط خاکستری اونٹ کی طرح بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی ہیبت اور قوت کا یہ حال تھا کہ نہ کسی کے اندر اتنی ہمت تھی کہ ان کا سامنا کرتا، اور نہ کسی میں اتنی طاقت تھی کہ ان کے بالمقابل ثابت قدم رہتا۔ میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھا ان کے اوپر وار کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور ان کے قریب آنے کا منتظر تھا، اتنے میں قریش کا ایک مشہور شہ سوار سباع بن عبدالعزیٰ آگے بڑھا اور اس نے حمزہ کو للکارتے ہوئے کہا:

"بَارِزْنِیْ یَا حَمْزَةُ ...... بَارِزْنِیْ ......"

تَرجَمَہ: "حمزہ! ہمت ہو تو میرے سامنے آؤ میرے مقابلے میں آؤ۔"

اور حمزہ یہ کہتے ہوئے اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوگئے:

"هَلُمَّ إِلَیَّ یَابْنَ الْمُشْرِكَةِ ...... هَلُمَّ إِلَیَّ ......"

تَرجَمَہ: "ادھر آ مشرکہ کے بچے، ادھر میری طرف آ۔"

اور بڑی تیزی سے تلوار کی ایک کاری ضرب نے اس کے ٹکڑے اڑا دیے اور وہ زمین پر گر کر ان کے سامنے اپنے خون میں تڑپنے لگا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، گھات سے باہر نکلا اور ایک مناسب جگہ پر

کھڑے ہو کر اپنے حربے (نیزے) کو ہاتھ میں لیا، اسے تھوڑی سی حرکت دی اور صحیح نشانہ لے کر ان کی طرف پھینک دیا جو ان کی ناف کے نیچے لگا، اور دونوں پیروں کے درمیان سے پار ہو گیا۔

زخم کھا کر وہ میری جانب بڑھے، بڑی مشکل سے دو قدم چلے لیکن زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے، حربہ ابھی ان کے جسم میں تھا۔ میں نے ان کو یوں ہی چھوڑ دیا، یہاں تک کہ جب مجھ کو ان کی موت کا یقین ہو گیا تو ان کے قریب گیا، اور حربے کو ان کے جسم سے نکال کر واپس جا کر خیمے میں بیٹھ گیا، کیوں کہ میں اپنی آزادی کی قیمت چکانے کے لیے حمزہ کو قتل کر چکا تھا، اس کے علاوہ اور کسی چیز سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

پھر جب جنگ اور طرفین کی طرف سے حملوں میں کافی تیزی آ گئی تو تھوڑی دیر بعد جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، مسلمان لڑائی کی لپیٹ میں آ گئے اور ان کے بہت سے آدمی شہید ہو گئے۔

اس وقت ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ کی دوسری قریشی عورتوں نے مسلمان مقتولین کی لاشوں پر پہنچ کر ان کا مثلہ کرنا (ناک، کان کاٹنا) شروع کر دیا۔ انہوں نے ان کے پیٹ چاک کر ڈالے...... آنکھیں نکال لیں ......اور ناک کان کاٹ لیے۔ پھر ان کاٹے ہوئے اعضاء کو دھاگوں میں پرو کر ان سے ہار اور بالیاں بنائیں، اور انہیں اپنے گلوں اور کانوں کی زینت بنا لیا، اور اپنے سونے کے زیورات نکال کر یہ کہتے ہوئے میرے حوالے کر دیے:

"هَمَّا لَكَ يَا أَبَا دَسمَةَ ...... هَمَّا لَكَ ......
اِحْتَفِظْ بِهِمَا فَإِنَّهُمَا ثَمِيْنَانِ."

تَرجَمہ: "ابو دسمہ! اب یہ تمہارے ہیں۔ ان کو حفاظت سے رکھنا یہ نہایت قیمتی ہیں۔"

وحشی کا مسلمان ہونا

جنگ ختم ہو جانے کے بعد میں فوج کے ساتھ مکے واپس لوٹ آیا اور جبیر بن مطعم نے اپنا وعدہ نبھاتے ہوئے مجھے آزاد کر دیا۔

میں آزاد تو ہو گیا، لیکن میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ دین تیزی سے پھیل رہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا دین دن دوگنی، رات چوگنی ترقی کرتا اور ان کے ماننے والوں کی تعداد میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اور جوں جوں ان کا معاملہ مستحکم اور مضبوط ہو رہا تھا، میری گھبراہٹ اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی، اور

حالات کا دائرہ میرے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوگیا، میں ان ہی پریشان کن حالات میں گھرا رہا یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا جب رسول اللہ ﷺ اپنے عظیم لشکر کے ساتھ فاتحانہ طور پر مکے میں داخل ہوگئے۔

اس وقت میں پناہ کی تلاش میں طائف کی طرف بھاگ گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد طائف والوں نے بھی دعوتِ اسلام قبول کر لی اور اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کرنے کے لیے ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔

اس وقت میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور میری ندامت اور پشیمانی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اب زمین اپنی ساری کشادگی کے باوجود میرے لیے تنگ ہو چکی تھی اور نجات کے تمام راستے میرے سامنے بند ہو کر رہ گئے تھے۔ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اب میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ میں شام، یمن یا کسی اور ملک میں چلا جاؤں۔

میں اسی غم و فکر میں مبتلا تھا کہ میرے ایک خیر خواہ نے ترس کھاتے ہوئے مجھ سے کہا:

> ”وحشی! اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو ان کا دین قبول کر کے کلمہ توحید و رسالت کا اقرار کر لیتا ہے۔“

اس کی یہ بات سنتے ہی میں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے ارادے سے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ان کا پتہ کیا، جب معلوم ہوا کہ وہ اس وقت مسجد میں ہیں تو میں چپکے سے آنکھ بچاتے ہوئے مسجد میں داخل ہوا اور احتیاط سے چلتا ہوا ان کے پاس جا پہنچا اور بلند آواز سے پکار اٹھا:

”اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“

کلمہ شہادت کے الفاظ سن کر انہوں نے اپنی نگاہیں میری طرف اٹھائیں اور مجھے پہچاننے کے بعد نظریں پھیرتے ہوئے کہا:

”أَوَحْشِيٌّ أَنْتَ؟“

تَرجَمَہ: ”کیا تم وحشی ہو؟“

میں نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا:

”نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔“

تَرجَمَہ: ”جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ!“

آپ ﷺ نے میری طرف دیکھے بغیر فرمایا:

"اُقْعُدْ وَحَدِّثْنِیْ کَیْفَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟"

تَرْجَمَہ: "اچھا بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہ کو کس طرح قتل کیا تھا؟"

حکم پا کر میں وہیں بیٹھ گیا، اور شروع سے آخر تک حمزہ کے قتل کا واقعہ بیان کر دیا۔ جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو آپ ﷺ نے میری طرف سے اپنا چہرہ پھیرتے ہوئے فرمایا:

"وَیْحَكَ یَا وَحْشِیُّ غَیِّبْ وَجْهَكَ عَنِّیْ فَلَا أُرَیَنَّكَ بَعْدَ الْیَوْمِ"

تَرْجَمَہ: "وحشی! تم پر افسوس ہے اپنا چہرہ مجھ سے پوشیدہ رکھنا۔ آج کے بعد سے میں تم کو نہ دیکھوں۔"

اور اس روز سے میں اس بات کی پوری احتیاط کرنے لگا کہ نبی کریم ﷺ کی نگاہِ مبارک میرے اوپر نہ پڑ سکے۔ چناں چہ جہاں تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ آپ ﷺ کے روبرو بیٹھتے تھے، میں اپنی نشست ہمیشہ آپ ﷺ کے پیچھے رکھتا تھا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان رہے، میں اسی طریقے پر کاربند رہا۔

حضرت وحشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اسلام تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، مگر اس کے باوجود جس ناپسندیدہ فعل کا میں مرتکب ہو چکا تھا اور جس زبردست مصیبت سے میں اسلام اور اہلِ اسلام کو دوچار کر چکا تھا، اس کی قباحت اور برائی کا شدید احساس مجھے شب و روز بے چین رکھتا، اور میں ہر وقت کسی ایسے مناسب موقع کی تلاش میں رہتا جس سے فائدہ اٹھا کر اپنی اس غلطی کی تلافی کر سکوں جو مجھ سے پہلے زمانے میں ہو چکی تھی۔"

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مسیلمہ کذاب کو قتل کرنا

رسول کریم ﷺ کے انتقال کے بعد جب مسلمانوں کی خلافت کی باگ ڈور آپ ﷺ کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھ میں آئی، اور دوسرے مرتدین کے ساتھ مسیلمہ کذاب کے حامیوں نے بھی ارتداد کی راہ اختیار کی، اور خلیفۂ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ سے جنگ کرنے اور اس کے قبیلے بنوحنیفہ کو اللہ کے دین کی طرف واپس لانے کے لیے ایک فوج تیار کی تو میں نے اپنے دل میں کہا:

"إِنَّ هٰذِهٖ. وَاللّٰهِ. فُرْصَتُكَ يَا وَحْشِيُّ فَاغْتَنِمْهَا، وَلَا تَدَعْهَا تَفْلِتُ مِنْ يَدَيْكَ."

تَرْجَمَہ: ''وحشی! اللہ کی قسم یہ تمہاری غلطی کی تلافی کا بہترین موقع ہے، (اب موقع آیا ہے کہ میں اپنے ارمان پورے کروں، اور پچھلے سارے دھونے دھوڈالوں)۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سنہری موقع تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم ہتھیلی ملتے رہ جاؤ۔''

میں اپنا وہی حربہ جس سے سیّد الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کو شہید کیا تھا ساتھ لیا، اور لشکرِ مجاہدین کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اس وقت میں نے یہ بات اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ یا تو اسی حربے سے مسیلمہ کذاب کو قتل کردوں گا یا شہادت کی دولت سے سرفراز ہوجاؤں گا۔

چناں چہ جب مسلمان مجاہدین مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے "حديقة الموت[1]" میں داخل ہوگئے اور وہاں اللہ کے دشمنوں سے فیصلہ کن اور گھمسان کی جنگ لڑنے لگے تو میں مسیلمہ کی تاک میں لگ گیا۔

آخر میری نظر اس پر جا پڑی، میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ میں تلوار لیے ایک جگہ کھڑا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ بالکل میری ہی طرح کا ایک انصاری نوجوان بھی اس کی گھات میں لگا ہوا ہے، ہم دونوں ہی اس کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

میں نے ایک مناسب جگہ پر کھڑے ہوکر اس کو اپنی زد میں لیا اور اپنے حربے کو ہلا کر اس کی جانب پھینک دیا، جو ٹھیک نشانے پر جا کر لگا۔ ٹھیک اسی لمحے جب میں نے اپنا حربہ مسیلمہ کی طرف اچھالا تھا، اس انصاری نوجوان نے بھی اس کے اوپر چھلانگ لگائی تھی اور تول کر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا تھا۔

اب یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ ہم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا۔ اگر اس کا قاتل میں ہوں تو پھر میں اس بات پر فخر کرسکتا ہوں کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی امت کے سب سے بہترین انسان کو شہید کرنے کے بعد سب سے بدترین شخص کو بھی موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔

---

[1] یمن میں ایک بہت بڑا باغ تھا جس میں مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر نے مسلمانوں سے بچنے کے لیے پناہ لی تھی، لیکن مسیلمہ اپنے لشکر سمیت قتل ہوا اور بہت زیادہ لوگ اس باغ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، اس کثرتِ قتل کی وجہ سے اس باغ کو "حديقة الموت" یعنی موت کا باغ کہا جاتا ہے۔

فوائد و نصائح

اللہ کی نعمتوں کی قدر کیجیے

مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکر ادا کرتا رہے، ویسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہر انسان پر بے شمار ہیں، یہاں تک کہ بارش کے قطروں اور ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہے تو لامحالہ عاجز آئے گا کیوں کہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾[1]

تَرجَمَہ: ''کہ اگر آپ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو (شمار) نہیں کر سکتے۔''

لیکن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے، ہمیں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا ہر وقت شکر کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر کسی آدمی کے پاس اس نعمت کے علاوہ کوئی نعمت نہ ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ اس کو نعمتوں والے گھر جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے۔

لیکن اگر کوئی شخص اس ایمان کی نعمت سے محروم ہو اور دنیا کی ساری نعمتیں اس کے پاس ہوں تو پھر وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صبح و شام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہیے، خصوصاً ایمان کی نعمت پر اہتمام سے شکر ادا کرنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایمان و یقین کی محنت بھی کرتے رہنا چاہیے جیسا کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے محنت فرمائی۔

ہدایت کے لیے محنت شرط ہے

جب ایمان و یقین کی محنت ہوگی تو اللہ تعالیٰ سخت سے سخت دشمنِ اسلام کو یا تو ہدایت عطا فرما دیں گے یا اس کو ہلاک کر دیں گے، جس طرح حضرت وحشی رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی، اور انہوں نے اسلام قبول فرمالیا اور انہیں کے ہاتھوں مسیلمہ کذاب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔

---

[1] الابراهيم: ٣٤

معاف کرنا سیکھیے

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دوسروں کو معاف کرنا سیکھیں، جس طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام قبول کرنے کے بعد معاف فرمادیا۔

دوستی اور دشمنی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی سے محبت کرتے تو اللہ کی رضا کے لیے، اور اگر کسی سے دشمنی کرتے تو وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے کرتے تھے۔ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو دشمنی تھی وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے تھی، کیوں کہ وہ کافر تھے لیکن جب وہ مسلمان ہوگئے تو وہ دشمنی دوستی سے اور نفرت محبت سے بدل گئی۔

ہم بھی کسی سے ذاتی محبت یا دشمنی نہ کریں بل کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھیں۔

اور ہم دوسروں کو معاف کرنا سیکھیں، کیوں کہ معاف کرنے کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں، اگر کسی سے کوئی غلطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے معاف کردیں۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے بہتر شخص کو بھی شہید کیا اور سب سے بدتر کو بھی قتل کیا وہ کون کون تھے ان کے نام بتائیں؟

سُؤال: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزادی کے لیے کیا شرط رکھی؟

سُؤال: حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خیر خواہ نے آپ سے کیا کہا؟

سُؤال: رسول اللہ ﷺ نے واقعہ سننے کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا فرمایا؟

◆

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"إِنَّ بِمَكَّةَ لَأَرْبَعَةَ نَفَرٍ أَرْبَأُ بِهِمْ عَنِ الشِّرْكِ وَأَرْغَبُ لَهُمْ فِي الْإِسْلَامِ ...... أَحَدُهُمْ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ"

(محمد رسول اللّٰہ)

ترجمہ: "مکے میں چار اشخاص ایسے ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ انہیں شرک سے دور اور اسلام کے قریب ہونا چاہیے۔"

ولادت

"کیا آپ ان عظیم صحابی کے متعلق کچھ جانتے ہیں؟"

"تاریخ میں یہ بات محفوظ ہے کہ یہ واحد شخص ہیں جن کی پیدائش خانۂ کعبہ میں ہوئی تھی۔"

ان کی ولادت کا قصہ مختصراً یہ ہے۔

ایک مرتبہ کسی عید کے موقع پر جب خانۂ کعبہ عوام کے لیے کھلا ہوا تھا، ان کی والدہ فرحت وسکون کے خیال سے اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئیں، اس وقت وہ حاملہ تھیں اور حمل کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ خانۂ کعبہ کے اندر ہی اچانک ان کو اس شدت کا دردِ زہ (بچہ پیدا ہونے کا درد) شروع ہو گیا کہ اس میں سے باہر نہ نکل سکیں۔

آخر کار ان کے لیے چمڑے کا ایک فرش لا کر بچھا دیا گیا جس پر انہوں نے اپنے بچے کو جنم دیا، اور وہ بچہ تھا حکیم بن حزام جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھتیجا ہے۔

حضرت حکیم بن حزام کی پرورش ایک ایسے اعلیٰ اور شریف خاندان میں ہوئی تھی جو زبردست اثر ورسوخ اور بہت دولت وثروت والا تھا۔ اس کے علاوہ ذاتی طور پر بھی وہ نہایت عقل مند اور شریف شخص تھے۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے قبیلے والوں نے ان کو اپنا سردار منتخب کر لیا، اور حاجیوں کی خدمت کا اہم منصب ان کے حوالے کر دیا تھا۔ چناں چہ زمانۂ جاہلیت میں وہ اپنے ذاتی مال میں سے کافی رقم بیت اللہ کے ان حجاج پر خرچ کرتے تھے جو سفر کے خرچ اور سواری سے محروم ہوتے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے گہرے دوست تھے۔ اگرچہ عمر میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑے تھے مگر اس کے باوجود انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی انسیت ومحبت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر انہیں بے انتہا خوشی حاصل ہوتی تھی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کر لی تو دوستی پر رشتہ داری کا اضافہ بھی ہوگیا جس نے ان دونوں کے تعلقات کو مزید مستحکم کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی گہری، مخلصانہ اور پرانی دوستی کے باوجود، جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر اس وقت اسلام لائے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بیس سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی تھی تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

کیوں کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے آدمی سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دانش مندی اور بالغ نظری سے نوازا ہو، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ داری کی خصوصیت حاصل ہو، بجا طور پر اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں ...... ان کی دعوتِ دین کی تصدیق کرنے والوں ...... اور ان کے طریقے کی پیروی کرنے والوں کی ...... صفِ اوّل میں ہوں گے۔

لیکن بہرحال یہ اللہ کی مرضی تھی اور وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام میں پیچھے رہ جانے پر رونا

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر لذتِ ایمان سے آشنا ہوئے تھے، اپنی زندگی کے ان لمحات پر مسلسل پچھتاتے اور ندامت کے آنسو بہاتے رہے جو شرک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے میں گزرے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ایک دن ان کے بیٹے نے ان کو روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"مَا يُبْكِيكَ يَا أَبَتَاهُ؟"

ترجمہ: "اے اباجان! کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟"

انہوں نے بڑی حسرت سے کہا:

"أُمُوْرٌ كَثِيْرَةٌ كُلُّهَا أَبْكَانِيْ يَا بُنَيَّ:
أَوَّلُهَا بُطْأُ إِسْلَامِيْ مِمَّا جَعَلَنِيْ أُسْبَقُ إِلٰى مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ صَالِحَةٍ حَتّٰى لَوْ أَنَّنِيْ أَنْفَقْتُ مِلْءَ الْأَرْضِ ذَهَبًا لَمَا بَلَغْتُ شَيْئًا مِنْهَا."

تَرْجَمَہ: "بہت سی باتیں ہیں بیٹے! اور وہ سب مجھے رونے پر مجبور کر رہی ہیں۔

① ان میں سے سب سے پہلی بات ہے اسلام میں میرا پیچھے رہ جانا، جس کی وجہ سے بہت سے ایسے قیمتی مواقع میرے ہاتھ سے نکل گئے کہ اب اگر دنیا کی ساری دولت یعنی ساری زمین کے برابر خالص سونا بھی خرچ کر دوں تو ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا جنہوں نے پہلے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

② پھر یہ بات کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر اور احد میں مجھے نجات دی تو اس وقت میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا، کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی بھی موقع پر قریش کے ساتھ نہ کسی قسم کی کوئی مدد کروں گا نہ کسی جنگ میں شریک ہونے کے لیے میں مکے سے باہر نکلوں گا۔

مگر افسوس! قریش کی مدد کے لیے مجھے برابر گھسیٹا جاتا رہا۔

③ پھر یہ بات کہ جب بھی میں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا، میری نگاہیں قریش کے ان اہم اور سردار لوگوں کی طرف اٹھ جاتیں جو عمر میں مجھ سے بڑے اور قدر و منزلت میں مجھ سے اونچے درجے کے تھے۔ میں دیکھتا کہ وہ لوگ دینِ ناحق اور اس کے طور طریقوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت میں خود کو ان کی پیروی پر مجبور پاتا تھا۔

کاش کہ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ ہم کو تو بس ہمارے آباء و اجداد اور سرداروں کی اندھی تابعداری ہی نے تباہی کے گڑھے میں گرایا ہے۔

میرے بیٹے!! بتاؤ میں ان حالات میں کیوں نہ روؤں؟

اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام کی راہ میں پیچھے رہ جانا جس طرح ہمارے اور خود ان کے لیے وجہ حیرت تھا، اسی طرح یہ بات رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی حیران کن تھی کہ کوئی شخص جو حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عقل و فہم سے آراستہ ہو، اسلام کی خوبیوں سے ناواقف کیسے رہ گیا۔

آپ ﷺ ان کے اور ان جیسے چند دوسرے لوگوں کے متعلق توقع رکھتے تھے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گے۔ چناں چہ فتحِ مکہ سے ایک رات پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تھا:

”إِنَّ بِمَكَّةَ لَأَرْبَعَةَ نَفَرٍ أَرْبَأُ بِهِمْ عَنِ الشِّرْكِ، وَأَرْغَبُ لَهُمْ فِي الْإِسْلَامِ“

تَرْجَمَہ: ”مکے میں چار اشخاص ایسے ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ انہیں شرک سے دور اور اسلام کے قریب ہونا چاہیے۔“

اور یہ پوچھنے پر کہ۔

”وَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟“

تَرْجَمَہ: ”وہ کون لوگ ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ ہیں عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو۔“

اور اللہ جل جلالہ کے فضل سے یہ چاروں حضرات اسی رات اسلام قبول کر کے اسلام کے دست و بازو بن گئے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت افزائی کے لیے اپنے منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا۔

”مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَهُوَ آمِنٌ......“

تَرْجَمَہ: ”جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کو امان ہے۔“

”وَمَنْ جَلَسَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَوَضَعَ سِلَاحَهُ فَهُوَ آمِنٌ......“

تَرْجَمَہ: ”جو شخص کعبہ کے پاس بیٹھ جائے اور اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے، اس کو بھی امان ہے۔“

”وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ......“

تَرْجَمَہ: ”جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ محفوظ ہے۔“

”مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ......“

تَرْجَمَہ: ”جو آدمی ابوسفیان بن حرب کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو امان ہے۔“

”وَمَنْ دَخَلَ دَارَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ فَهُوَ آمِنٌ ......“

تَرْجَمَہ: ”اور جو آدمی حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو بھی امان ہے۔“

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر کے اس بات کا پکا ارادہ کر لیا کہ زمانۂ جاہلیت میں جو موقف بھی انہوں نے اپنائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں جو اخراجات بھی انہوں نے کیے تھے، ان سب کی تلافی کر کے رہیں گے۔ اور واقعی انہوں نے اپنے اس پکے ارادہ کو پورا کر کے دکھا دیا۔

''دارالندوہ'' جس کی بڑی زبردست تاریخی اہمیت تھی، جس میں جاہلیت کے زمانے میں قریش کے سردار مشورے کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے، جب ان کی ملکیت میں آیا تو انہوں نے چاہا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ گویا وہ قابلِ نفرت ماضی کو بھلا دینا چاہتے تھے۔ چناں چہ اس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ اور جب ایک قریشی نوجوان نے ان سے کہا:

''لَقَدْ بِعْتَ مَكْرُمَةَ قُرَيْشٍ يَا عَمِّ.''

کہ چچا جان آپ نے قریش کی قابلِ فخر یادگار کو بیچ دیا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔

''هَيْهَاتَ يَا بُنَيَّ، ذَهَبَتِ الْمَكَارِمُ كُلُّهَا وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا التَّقْوٰى، وَ إِنِّىْ مَا بِعْتُهَا إِلَّا لِأَشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ ......

وَ إِنِّىْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّىْ جَعَلْتُ ثَمَنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.''

ترجمہ: ''بیٹے! فخر و شان کی ساری باتیں اب ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر کوئی چیز باقی رہ گئی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ میں نے اس کو صرف اس لیے فروخت کیا ہے کہ اس کی قیمت سے جنت میں ایک مکان خرید سکوں۔ تم سب لوگ گواہ رہنا کہ میں اس کی قیمت خدائے عزوجل کی راہ میں صدقہ کر رہا ہوں۔''

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے بعد جب پہلی بار سفرِ حج پر گئے تو ان کے ساتھ قربانی کی ایک سو اونٹنیاں تھیں، جن کے اوپر قیمتی کپڑوں کی خوب صورت جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔

اور دوسرے حج میں وقوفِ عرفات کے موقع پر ان کے ساتھ ایک سو غلام تھے جن کی گردنوں میں چاندی کے پٹے پڑے تھے، اور ان پر لکھا ہوا تھا:

''عُتَقَاءُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ''

ترجمہ: ''یہ اللہ عزوجل کے لیے آزاد ہیں حکیم بن حزام کی طرف سے۔''

اور تیسرے حج کے موقع پر قربانی کی ایک ہزار بکریاں لے گئے تھے۔ جی ہاں! ایک ہزار بکریاں۔ اور منیٰ میں ان سب کی قربانی کر کے گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا تھا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قناعت

غزوۂ حنین کے موقع پر انہوں نے ایک مرتبہ مالِ غنیمت میں سے مانگا تو آپ ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے دوبارہ مانگا تو آپ ﷺ نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک سو اونٹ دے دیئے۔ اس وقت وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”يَا حَكِيْمُ: إِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ ......
فَمَنْ أَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ ......
وَمَنْ أَخَذَهٗ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ، وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ.
وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى.“

ترجمہ: ”حکیم! یہ مال نفس کے لیے بڑا پرکشش ہوتا ہے۔ جو شخص اسے دلی استغناء کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے اس میں برکت ڈالی جاتی ہے، اور جو شخص حرص و طمع کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے نامبارک ثابت ہوتا ہے۔ اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔“

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو عرض کیا:

”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَسْأَلُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا...... وَلَا آخُذُ مِنْ أَحَدٍ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا......“

ترجمہ: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) قسم ہے اس ہستی کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ کے بعد نہ میں کسی سے کچھ مانگوں گا نہ زندگی بھر کسی سے کچھ لوں گا۔“

اور واقعی انہوں نے اپنی یہ قسم پوری کر دکھائی۔

چناں چہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو کئی بار بلایا تا کہ اپنا وظیفہ بیت المال سے لے لیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

اور ان کے بعد جب حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو وہ بھی انہیں بلاتے رہے، لیکن جب وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہوئے تو حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر فرمایا:

”أُشْهِدُ كُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ أَنِّيْ أَدْعُوْ حَكِيْمًا إِلٰى أَخْذِ عَطَائِهٖ فَيَأْبٰى.“

تَرْجَمَہ: ”مسلمانو! آپ سب لوگ اس بات کے گواہ رہنا کہ میں نے حکیم بن حزام کو بیت المال سے اپنا حصہ لینے کے لیے بار بار بلایا مگر وہ اس سے انکار کرتے ہیں۔“

اور حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے پوری زندگی اس طرح گزار دی کہ انہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔

فوائد ونصائح

گناہوں پر ندامت کرتے رہیے

اس واقعہ میں ایک اہم سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ آدمی کو جب اللہ تعالیٰ ہدایت کی دولت سے نوازیں تو اس پر اس کو شکر ادا کرنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی اس وقت پر افسوس اور ندامت کرنی چاہیے جو وقت ہدایت ملنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا نہ کرنے میں اور غفلت میں گزرا ہو۔

جس طرح حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اسلام قبول کرنے سے پہلے کے اس وقت پر افسوس اور ندامت کیا کرتے تھے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری میں نہیں گزارا تھا۔

حاجتیں صرف اللہ سے مانگیے

اس واقعے سے دوسرا اہم سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ جس چیز کی بھی انسان کو ضرورت ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو عطا کرنے والے ہیں، ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں۔

اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مانگی جائے تو ممکن ہے کہ وہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دے دیں مگر بار بار اگر ان سے مانگی جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے تو

اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں جو جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اتنا زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

چناں چہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ، حَتّٰى يَسْأَلُهُ شِسْعَ نَعْلِهٖ إِذَا انْقَطَعَ"[1]

تَرجَمہ: "تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی ہر ضرورت کو اللہ سے مانگے، یہاں تک کہ اگر اس کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے، تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے۔"

اس واقعہ میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک:

"حکیم! یہ مال نفس کے لیے بڑا پرکشش ہوتا ہے۔ جو شخص اسے دلی استغناء کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے، اور جو شخص حرص وطمع کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے نامبارک ثابت ہوتا ہے اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔"

اپنا مال محتاجوں پر خرچ کرتے رہیے

ہمیں تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق خرچ کرنے کے لیے مانگیں، اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوں گے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس چیز میں برکت عطا فرمائیں گے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں کچھ مال وغیرہ عطا فرمائیں تو ہم اسے ان لوگوں پر بھی خرچ کریں جو غریب، فقیر، مسکین اور محتاج وغیرہ ہوں، اس صورت میں ہمارا ہاتھ اوپر والا یعنی دینے والا ہوگا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر فرمایا ہے۔ غریب، مسکین اور ضرورت مند لوگوں کا خیال رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار تاکید فرمائی ہے۔

اس لیے ہم آج سے نیت کریں کہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگیں گے اور اگر کوئی چیز امی ابو یا کسی اور کے پاس ہو اور ان سے لینی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگیں پھر ان سے کہیں گے کہ ہمیں یہ چیز دے دیں۔ اور ساتھ ہی مستحق اور ضرورت مند لوگوں کا خیال رکھیں گے۔ کم از کم ایسی چیزیں جو ہمارے استعمال میں نہ ہوں وہی چیزیں ہم ان کو دیں گے تا کہ ان کے استعمال میں آجائیں۔

---

[1] کنز العمال: ۲/۳۰، رقم: ۳۱۳۶

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت حکیم بن حزام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی ولادت کا قصہ بیان کریں؟

سُؤال: حضرت حکیم بن حزام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ایک دن رو رہے تھے، بیٹے کے وجہ پوچھنے پر آپ نے کیا جواب دیا؟

سُؤال: حضرت حکیم بن حزام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے ''دار الندوہ'' کیوں بیچا اور کتنے میں بیچا؟

سُؤال: حضرت حکیم بن حزام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے یہ کیوں کہا کہ میں نہ کسی سے کچھ مانگوں گا نہ زندگی بھر کسی سے کچھ لوں گا؟

◆

حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَسْمُوْ عَلَيْهِمْ فَضْلًا: سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ، وَأُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ وَعُبَّادُ بْنُ بِشْرٍ" (عائشہ اُمّ المؤمنین)

تَرجَمَہ: "انصار میں تین آدمی ایسے ہیں کہ فضل وشرف میں کوئی ان سے برتر نہیں ہے اور وہ ہیں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر۔"

آپ کی چند اچھی صفات

"عباد بن بشر" دعوتِ محمدیہ کی تاریخ میں ایک نہایت ہی مشہور اور معروف نام ہے۔ اگر آپ عبادت گزاروں کے درمیان تلاش کریں تو ان کو صاحبِ تقویٰ، پاکیزہ خصلت اور خدائے عزوجل کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے والا پائیں گے۔

اور اگر بہادروں اور جان کی قربانی دینے والوں میں ڈھونڈیں تو ان کو مجاہد، دینِ اسلام سے محبت کرنے والا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور دین کو دنیا میں پھیلانے کے لیے جنگوں میں گھسنے والا دیکھیں گے۔ اور اگر گورنروں اور والیوں میں دیکھیں تو یہ مسلمانوں کے مال کے محافظ اور امین نظر آئیں گے۔

ان کی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے امّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ان کے اور ان کے قبیلے کے دوسرے حضرات کے متعلق فرمایا تھا کہ انصار میں تین آدمی ایسے ہیں کہ فضل وشرف میں کوئی ان سے برتر نہیں ہے، ان تینوں کا تعلق بنی عبدالاشہل سے ہے۔ اور وہ ہیں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ)۔

مدینہ منورہ کی وادی پر جب ہدایت کی پہلی کرن چمکی تو اسی وقت حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے چہرے پر پاکیزہ نگاہ اور پاک دامنی کے آثار ظاہر تھے، ان کے رویے اور طریقِ کار سے پختہ عمر والوں کی سی سنجیدگی نمایاں تھی، حالاں کہ اس وقت ان کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرآن سے محبت

جب مکی نوجوان...... داعیٔ اسلام...... حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو ایمانی روابط، بہترین عادات واخلاق نے بہت جلد ان دونوں کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا کردی۔

اور جب انہوں نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوب صورت آواز اور دل کش لہجے میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو کلامِ الٰہی کی محبت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی، اور تلاوت ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ رات ہو...... دن ہو...... سفر ہو...... حضر ہو...... ہر وقت اور ہر جگہ قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان وہ ''امام'' اور ''صدیقِ قرآن'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں، جو مسجدِ نبوی سے ملا ہوا تھا تہجد میں مصروف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی، جو اپنی میٹھی اور بہترین آواز میں قرآنِ کریم کی قرأت کر رہے تھے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''يَا عَائِشَةُ: هٰذَا صُوْتُ عَبَّادِ بْنِ بِشْرٍ؟''

تَرجَمَۃ: ''عائشہ! یہ عباد بن بشر کی آواز ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰه.''

تَرجَمَۃ: ''جی ہاں، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ.''

تَرجَمَۃ: ''اے اللہ! ان کی مغفرت فرمادے۔''

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے اور ہر ایک میں انہوں نے ایسے ایسے شان دار کارنامے انجام دیے، جو ایک حاملِ قرآن کے شایانِ شان تھے۔ انہیں میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کا واقعہ

غزوۂ ذات الرقاع سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹتے ہوئے رات گزارنے کے لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ ایک گھاٹی میں قیام فرمایا، اس غزوے کے دوران کسی مسلمان نے ایک مشرک عورت کو اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں گرفتار کر لیا تھا۔ واپس آکر جب اس مشرک شوہر نے اپنی بیوی کو نہیں پایا تو لات وعزیٰ کی قسم کھاتے ہوئے کہا:

"میں محمد اور ان کے اصحاب کا ضرور پیچھا کروں گا اور ان کا خون بہائے بغیر واپس نہیں لوٹوں گا۔"

جب مسلمان اپنی سواریوں کو بٹھا کر ان کے کجاوے اتار چکے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"مَنْ يَحْرُسُنَا فِيْ لَيْلَتِنَا هٰذِهٖ؟"

ترجمہ: "آج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا یعنی پہرہ کون دے گا؟"

حضرت عباد بن بشر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھڑے ہو کر کہا:

"نَحْنُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! یہ خدمت ہم انجام دیں گے۔"

مہاجرین جب مدینہ آئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارگی) قائم کی تھی۔ جب یہ دونوں حضرات پہرہ دینے کے لیے گھاٹی کے کنارے پر پہنچے تو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔

"أَيُّ شَطْرَيِ اللَّيْلِ تُؤْثِرُ أَنْ تَنَامَ فِيْهِ: أَوَّلِهٖ أَمْ آخِرِهٖ؟"

ترجمہ: "آپ رات کے کس حصے میں آرام کرنا پسند کریں گے۔ نصفِ اوّل میں یا نصفِ آخر میں؟"

تو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"بَلْ أَنَامُ فِيْ أَوَّلِهٖ، وَاضْطَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ عَنْهُ."

ترجمہ: "میں نصف اول میں آرام کروں گا۔ اور یہ کہہ کر وہ ان کے قریب ہی لیٹ گئے۔"

رات سنسان ...... پرسکون ...... اور تاریک تھی، ہر طرف خاموشی کا پہرہ تھا، آسمان پر ستارے اور زمین پر

درخت و پتھر سب اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے۔ اس سناٹے کے عالم میں حضرت عباد بن بشر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی طبیعت عبادت کی طرف مائل ہوئی اور ان کے دل میں تلاوتِ قرآن کا شوق پیدا ہوا۔

وہ قرآن کی شیرینی سے اس وقت سب سے زیادہ لطف اندوز ہوتے تھے جب اسے نماز میں ترتیل کے ساتھ پڑھ رہے ہوں۔ چناں چہ قبلہ رو ہو کر انہوں نے نماز کی نیت باندھ لی اور اپنی بہترین اور خوب صورت آواز میں سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔

جب یہ تلاوتِ قرآن میں پوری توجہ سے مشغول تھے، اسی دوران دشمن کی طرف سے ایک آدمی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آ پہنچا۔ اس نے دور ہی سے حضرت عباد بن بشر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو گھاٹی کے کنارے پر کھڑا دیکھا تو سمجھ گیا، یقیناً نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور ان کے ساتھی گھاٹی کے اندر ہیں اور یہ ان کا پہرے دار ہے۔ اس نے اپنی کمان کی تانت چڑھائی، ترکش سے تیر نکالا اور نشانے پر رکھ کر ان کی طرف چلا دیا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔

حضرت عباد رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے تیر کو اپنے بدن سے نکال کر پھینک دیا۔ اور اپنی تلاوت کے سلسلے کو اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھا اور نماز کے خشوع خضوع میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اس آدمی نے دوسرا تیر مارا جو ان کے بدن میں پیوست ہو گیا۔ حضرت عباد رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے پہلے کی طرح اس کو بھی نکال پھینکا۔ پھر اس نے تیسرا تیر مارا، انہوں نے اس کو بھی اسی طرح نکال پھینک دیا جیسے پہلے دونوں کو نکالا تھا۔ اور وہ آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے اپنے ساتھی کے پاس پہنچے اور یہ کہتے ہوئے ان کو بیدار کیا:

"اِنْهَضْ فَقَدْ اَثْخَنَتْنِيَ الْجِرَاحُ."

تَرجَمہ: "اٹھیے، زخموں نے مجھے نڈھال کر دیا ہے۔"

جب اس آدمی نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو دیکھا تو آہستہ آہستہ وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت عمار بن یاسر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی توجہ ان کی طرف ہوئی تو ان کے تینوں زخموں سے تیزی کے ساتھ خون بہتا ہوا دیکھ کر بولے:

"يَا سُبْحَانَ اللّٰهِ هَلَّا أَيْقَظْتَنِيْ عِنْدَ أَوَّلِ سَهْمٍ رَمَاكَ بِهٖ؟"

تَرجَمہ: "سبحان اللہ! آپ نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں جگا دیا جب اس نے پہلا تیر مارا تھا؟"

تو حضرت عباد بن بشر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے جواب دیا:

"كُنْتُ فِيْ سُوْرَةٍ أَقْرَأُهَا فَلَمْ أُحِبَّ أَنْ أَقْطَعَهَا حَتّٰى أَفْرَغَ مِنْهَا."

ترجمہ: ’’میں ایک سورت پڑھنے میں مصروف تھا اور اس کو اختتام تک پہنچائے بغیر درمیان میں چھوڑ دینا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوا۔‘‘

اور پھر فرمایا:

’’وَ أَيْمُ اللّٰهِ لَوْ لَا خَوْفِيْ مِنْ أَنْ أُضَيِّعَ ثَغْرًا أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِهٖ لَكَانَ قَطْعُ نَفْسِيْ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ قَطْعِهَا.‘‘

ترجمہ: ’’اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اس پاسبانی کے مقصد کو ضائع کر دوں گا، جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا تھا تو میں قرأت کے سلسلے کو ختم نہ کرتا چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔‘‘

مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں شرکت اور شہادت

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا اور انہوں نے مسیلمہ کذاب کے فتنے کو ختم کرنے، اس کے معاون و مددگار مرتدین کی قوت کو توڑنے اور انہیں دوبارہ دائرہ اسلام میں واپس لانے کے لیے ایک زبردست فوج تیار کی، تو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اگلے دستے میں شامل تھے۔

جنگ کے دوران، جس میں مسلمان ابھی تک کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں حاصل کر سکے تھے، حضرت عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ مہاجرین و انصار، دونوں فریق جنگ کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہیں تو اس صورتِ حال نے ان کے سینے کو رنج و غم سے بھر دیا۔

اور جب انہوں نے سنا کہ ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کو بزدلی اور کم ہمتی کے طعنے دے رہا ہے، تو یہ باتیں ان کو سخت ناگوار گزریں اور ان کو اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ ان خطرناک لڑائیوں میں مسلمانوں کی کامیابی کی، اس کے سوا دوسری کوئی شکل نہیں ہے کہ مہاجرین اور انصار دونوں فریق ایک دوسرے سے الگ ہو کر لڑیں، تاکہ ہر گروہ اپنی ذمہ داری کا خود جواب دہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں ڈٹ کر ہمت و بہادری کے ساتھ جہاد کا حق ادا کر رہے ہیں۔

آخری اور فیصلہ کن لڑائی سے ایک رات پہلے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ آسمان ان کے لیے پھٹ گیا، اور جب وہ اس میں داخل ہو گئے تو ان کے پیچھے اس کا

دروازہ بند ہوگیا۔ صبح کو انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کیا اور پھر خود ہی کہا:

"وَاللّٰهِ إِنَّهَا الشَّهَادَةُ يَا أَبَا سَعِيْدٍ."

تَرجَمَہ: "ابوسعید! اللہ کی قسم، یہ شہادت ہے۔"

دن کو جب از سرِ نو جنگ کا آغاز ہوا تو حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر باآوازِ بلند پکارنا شروع کیا:

"يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ تَمَيَّزُوْا مِنَ النَّاسِ ......

وَاحْطِمُوْا جُفُوْنَ السُّيُوْفِ ...... وَلَا تَتْرُكُوا الْإِسْلَامَ يُؤْتَى مِنْ قِبَلِكُمْ ......"

تَرجَمَہ: "اے انصار کی جماعت! تم دوسرے لوگوں سے الگ ہو جاؤ، تلواروں کی میانیں توڑ کر پھینک دو اور دیکھو! تمہاری طرف سے اسلام پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔"

وہ مسلسل یہ آواز لگاتے رہے حتیٰ کہ ان کے پاس تقریباً چار سو انصاری جمع ہو گئے جن کے سربراہ حضرت ثابت بن قیس، حضرت براء بن مالک اور حضرت ابو دجانہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن تھے۔

حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے یہ ساتھی اپنی تلواروں سے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتے اور اپنے سینوں سے موت کو ان کی طرف دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ مسیلمہ اور اس کے حامیوں کا زور ٹوٹ گیا اور وہ "حدیقۃ الموت"[1] میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اور پھر وہیں حدیقۃ الموت کی دیواروں کے پاس حضرت عباد بن بشر شہید ہو کر گر پڑے، اور اپنے خون میں نہا گئے۔ اس وقت ان کے بدن پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اتنے زخم تھے کہ ان کی پہچان مشکل ہو گئی، اُن کو اُن کی بعض علامتوں کی مدد سے پہچانا جاسکا۔

فوائد و نصائح

نیک اعمال رغبت سے کیجیے

حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے متعلق آپ نے پڑھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ

---

[1] یمن میں ایک بہت بڑا باغ تھا جس میں مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر نے مسلمانوں سے بچنے کے لیے پناہ لی تھی، لیکن مسیلمہ اپنے لشکر سمیت قتل ہوا اور بہت زیادہ لوگ اس باغ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، اس کثرتِ قتل کی وجہ سے اس باغ کو "حدیقۃ الموت" یعنی موت کا باغ کہا جاتا ہے۔

کے کلام و احکام سے کس قدر محبت ہو گئی تھی، کہ دشمن کے پے در پے تیر ان کو نماز میں قرآن شریف کی تلاوت سے نہ روک سکے، اور نماز مکمل کرنے کے بعد جو بات اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں:

”كُنْتُ فِيْ سُوْرَةٍ أَقْرَأُهَا فَلَمْ أُحِبَّ اَنْ اَقْطَعَهَا حَتّٰى اَفْرَغَ مِنْهَا“

تَرجَمَہ: ”میں ایک سورت پڑھنے میں مصروف تھا اور اس کو اختتام تک پہنچائے بغیر درمیان میں منقطع کر دینا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔“

اس سے ان کی قرآن شریف سے محبت اور عقیدت کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ اور پھر آخر کار بجائے تیر لگنے کی تکلیف کے اس خیال سے نماز مختصر کرتے ہیں کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سپرد کی گئی پہرے کی ذمہ داری میں کوتاہی نہ ہو جائے۔

ایمان و اعمال کی محبت و رغبت کے لیے یہ دعا مانگیے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے احکامات کو محبت اور عقیدت سے ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ہم اس کے لیے روزانہ کچھ وقت نکال کر اعمال کی مشق کریں تاکہ مشق کرتے کرتے ہمیں اعمال (نماز، تلاوتِ قرآن وغیرہ) میں لذت و مزہ آنے لگے اور ہمیں ان اعمال سے محبت ہو جائے۔ اس کے لیے روزانہ فضائل اعمال کی تعلیم کا اہتمام کریں اور پانچوں نمازوں کے بعد یہ دعا مانگیں:

”اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ“[1]

تَرجَمَہ: ”اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے، اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے، اور نفرت ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی اور نافرمانی کی۔ اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں بنا لے۔“

---

[1] الحزب الاعظم، ص: ٦١

مُذاکرہ

سُوال: حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ تلاوتِ قرآن میں کس کی آواز سے متاثر ہوئے، اور کن دو القاب سے مشہور ہوئے؟

سُوال: حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو جب پہرہ دیتے وقت دشمن نے پہلا تیر مارا تو انہوں نے اپنے ساتھی کو کیوں نہیں جگایا؟

سُوال: حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی کرنے سے ایک رات پہلے کیا خواب دیکھا، اور اس کی کیا تعبیر نکالی؟

سُوال: حضرت عباد بن بشر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جب میدانِ جنگ میں انصار کو آواز دی تو ان کے پاس کتنے انصار جمع ہوئے، اور ان کے سربراہان کون تھے؟

◆

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"فَمَنْ لِلْقَوَا فِيْ بَعْدَ حَسَّانَ وَابْنِهٖ وَمَنْ لِلْمَعَانِيْ بَعْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ." (حسّان بن ثابت)

ترجمہ: "حسان اور اس کے بیٹے کے بعد ان جیسے اشعار کہنے والا کوئی نہیں اور زید بن ثابت کے بعد ان جیسا قرآن کے معانی بتانے والا کوئی نہیں۔"

جنگِ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ

ہجرت نبویہ کے دوسرے سال میں مدینۃ الرسول ﷺ میں ہر طرف بڑی گہما گہمی اور چہل پہل ہے۔ مسلمان پورے زور وشور کے ساتھ جنگِ بدر کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ تیاریاں مکمل ہو جانے کے بعد نبی کریم ﷺ اس پہلے لشکر پر آخری نگاہیں ڈالتے ہیں، جو روئے زمین پر اللہ کے دین کو قائم کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے حرکت میں آنے کو بالکل تیار کھڑا ہے۔

اور اسی موقع پر ایک کم سن بچہ جس کی عمر تیرہ سال سے بھی کم تھی، جس کے چہرے پر ذہانت وشرافت کا جوہر نمایاں نظر آ رہا تھا سامنے آتا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک تلوار ہے جو لمبائی میں اس کے قد کے برابر یا اس سے کچھ لمبی ہے، اور وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر کہتا ہے:

"جُعِلْتُ فِدَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِئْذَنْ لِيْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَكَ وَأُجَاهِدَ أَعْدَاءَ اللّٰهِ تَحْتَ رَايَتِكَ."

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں آپ پر قربان جاؤں، مجھے اپنے ساتھ لے لیجیے تاکہ آپ کے جھنڈے تلے اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اسے خوشی اور تعجب کی نگاہ سے دیکھا، اس کے کندھے پر محبت اور شفقت بھرے انداز میں تھپکی دی، اور اسے خوش کرنے کے بعد کم عمری کی وجہ سے واپس لوٹا دیا۔

بچہ اپنی تلوار کو زمین پر گھسیٹتا ہوا نہایت رنجیدہ اور غم گین صورت بنائے واپس لوٹ گیا۔ اسے اس بات کا شدید احساس تھا کہ وہ پہلے غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کے شرف سے محروم رہ گیا۔

اس کے پیچھے اس کی والدہ حضرت نوار بنت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی واپس آگئیں۔ انہیں بھی اپنے بچے کی محرومی کا غیر معمولی صدمہ تھا، انہیں اس بات کا بڑا ارمان تھا کہ وہ اپنے لختِ جگر کو لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جہاد کے لیے جاتا ہوا دیکھیں۔ انہیں پوری امید تھی کہ ان کا بیٹا حضور ﷺ کی نگاہ میں وہ بلند مقام حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جائے گا جو ان کے والد اگر زندہ ہوتے تو حاصل کرتے۔

علمی میدان کا انتخاب اور اس میں مہارت

لیکن اس انصاری نونہال نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے اس میدان میں رسول اللہ ﷺ کا تقرب حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، تو اس نے اپنی ذہانت سے کام لے کر اپنے لیے ایک ایسے میدان کا انتخاب کر لیا جو اسے نبی کریم ﷺ کا مقرب بنا دے۔

جس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے عمر کی قید شرط نہ تھی۔ اور وہ میدان تھا علم اور حفظ کا میدان۔ جب اس نے اس نئے خیال کا ذکر اپنی والدہ کے سامنے کیا تو وہ بہت خوش ہوئیں، اور انہوں نے اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں سے بچے کی دل چسپی اور اس کی سوچ کا ذکر کیا تو وہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا:

"يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، هٰذَا ابْنُنَا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَحْفَظُ سَبْعَ عَشَرَةَ سُوْرَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، وَيَتْلُوْهَا صَحِيْحَةً كَمَا أُنْزِلَتْ عَلٰى قَلْبِكَ.

وَهُوَ فَوْقَ ذٰلِكَ حَاذِقٌ يُجِيْدُ الْكِتَابَةَ وَالْقِرَاءَةَ. وَهُوَ يُرِيْدُ أَنْ يَتَقَرَّبَ بِذٰلِكَ إِلَيْكَ وَأَنْ يَلْزَمَكَ. فَاسْمَعْ مِنْهُ إِذَا شِئْتَ ......"

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) یہ ہمارا لڑکا زید بن ثابت ہے۔ اس کو کتاب اللہ کی سترہ سورتیں بالکل اسی طرح یاد ہیں جس طرح آپ کے قلب مبارک پر اتری ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لکھنے پڑھنے میں بھی کافی ہوشیار ہے۔ ان چیزوں کے ذریعے یہ آپ کا قرب حاصل کرنا اور آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس سے سن لیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی حفظ کی ہوئی سورتوں میں سے کچھ سنیں۔

واقعی ان کی تلاوت نہایت خوب صورت اور ادائیگی بہت واضح تھی۔ ان کے ننھے ننھے ہونٹوں پر قرآنِ

کریم کے الفاظ یوں جگمگا رہے تھے جیسے آسمان پر ستارے جگمگاتے ہیں۔ ان کی تلاوت کا انداز بتا رہا تھا کہ جو کچھ وہ تلاوت کر رہے ہیں، اس سے متاثر بھی ہو رہے ہیں۔ اور مناسب مقامات پر ان کا وقف کرنا اس بات پر دلالت کر رہا تھا کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں اسے اچھی طرح سمجھ بھی رہے ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کے قبیلے والوں کے بیان سے بڑھ کر پایا تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ اور کتابت میں ان کی مہارت اور پختگی سے آپ ﷺ کو مزید خوشی ہوئی۔

آپ ﷺ نے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

"یَا زَیْدُ، تَعَلَّمْ لِیْ کِتَابَۃَ الْیَھُوْدِ، فَإِنِّیْ لَاآمَنُھُمْ عَلٰی مَا أَقُوْلُ."

ترجمہ: "زید! تم میرے لیے یہودیوں کی کتابت (عبرانی) سیکھ لو، کیوں کہ مجھے ان کے اوپر اعتماد نہیں ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، وہ وہی لکھتے ہیں۔"

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں فوراً عبرانی سیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں عبرانی میں پوری مہارت پیدا کر لی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ یہودیوں کی طرف کچھ پیغام لکھوانا چاہتے یا ان کی طرف سے کوئی تحریر آتی، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو لکھنے یا پڑھنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سریانی زبان بھی سیکھ لی اور آپ ﷺ کے ترجمان ہو گئے۔

کتابتِ وحی کا منصب اور قرآن میں امتیازی خصوصیت

جب نبی کریم ﷺ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دانائی...... امانت داری...... اور فہم و فراست...... سے پورے طور پر مطمئن ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کو کتابتِ وحی کے منصب پر فائز کر دیا۔ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوتا تو آپ ﷺ ان کو بلوا کر لکھوا لیتے۔

اس طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ وقتاً فوقتاً براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے علمِ قرآن حاصل کریں، اور قرآن مجید کے ہر حصے کو اس کے شانِ نزول کے ساتھ محفوظ کریں جس سے ان کے علم و عمل میں اضافہ ہوتا رہے۔

اور آخر کار یہ خوش قسمت نوجوان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنِ کریم میں امتیازی خصوصیت کے حامل، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی علوم میں امتِ محمدیہ کے اوّلین مرجع بن گئے۔

چناں چہ وہ اس جماعت کے سربراہ تھے جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن کی جمع وترتیب کا کارنامہ انجام دیا، اور اس مجلس کے سربراہ تھے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں قرآن مجید کے متعدد نسخوں کو جمع کرنے کی ذمہ داری ادا کی تھی۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عزت وشرف کا مرتبہ ہوسکتا ہے جس کو حاصل کرنے کی کسی کو دلی تمنا ہو؟

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرآن کریم کی یہ خاص برکت ہی تھی کہ ان کے سامنے ایسے ایسے پیچیدہ مسائل میں اور ایسے نازک مواقع پر صحیح راہ واضح ہوگئی جن میں بڑے بڑے سمجھ دار لوگ تک حیران و پریشان رہ جاتے تھے۔

چناں چہ سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کے مسئلے پر مسلمانوں میں زبردست اختلافِ رائے پیدا ہوگیا، تو مہاجرین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خلافت ہمارے درمیان رہے گی اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

بعض انصار نے کہا کہ خلافت ہمارے درمیان رہے گی ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ خلافت ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک رہے گی، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی وہ تم میں سے کسی کو کسی ذمہ داری پر متعین کرتے تو ہم میں سے بھی کسی کو اس کے ساتھ لگا دیتے تھے۔

اور اس معاملے میں صورتِ حال اتنی سنگین ہوگئی تھی کہ قریب تھا کہ نبی کریم ﷺ کی تجہیز وتکفین سے قبل ہی مسلمانوں کے اندر زبردست فتنہ پیدا ہوجائے۔ اس موقع پر ایک ایسے فیصلہ کن، برحق اور قرآنی ہدایت کے مطابق کلمے کی ضرورت تھی جو اس فتنے کو ختم کردے۔

اور وہ کلمہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے اس وقت ادا ہوا جب انہوں نے اپنی قوم انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ، فَيَكُوْنُ خَلِيْفَتُهُ مُهَاجِرًا مِثْلَهُ.

وَ إِنَّا كُنَّا أَنْصَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَكُوْنُ أَنْصَارًا لِخَلِيْفَتِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَعْوَانًا لَهٗ عَلَى الْحَقِّ.“

تَرْجَمَہ: ”اے انصار کی جماعت! رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اس لیے ان کا جانشین بھی انہیں کی طرح مہاجر ہونا چاہیے۔ اور ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے انصار تھے لہٰذا ہم ان کے بعد بھی حق بات میں ان کے جانشین کے انصار و مددگار رہیں گے۔“

پھر یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بڑھا دیا۔

”هٰذَا خَلِيْفَتُكُمْ فَبَايِعُوْهُ.“

تَرْجَمَہ: ”یہ ہیں تمہارے خلیفہ، ان کی بیعت کرلو۔“

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کی فضیلت ...... اس میں تدبر ...... مہارت ...... اور عرصۂ دراز تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے فیض یابی کے باعث تمام مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور، اور راہ بتانے والے بن گئے تھے۔

خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیچیدہ مسائل میں ان سے مشورہ کرتے اور عام مسلمان اپنے مشکل معاملات میں ان سے فتویٰ پوچھتے تھے، خصوصاً میراث میں تو سب لوگ انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کیوں کہ اس وقت مسلمانوں میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں تھا جو میراث کے مسائل کا ان سے بڑا عالم اور اس کی تقسیم کا ان سے زیادہ ماہر ہو۔

چناں چہ ایک بار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابیہ کے مقام پر مسلمانوں کے درمیان تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ......
وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْفِقْهِ فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ......
وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْمَالِ فَلْيَأْتِ إِلَيَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَنِيْ عَلَيْهِ وَالِيًا، وَلَهٗ قَاسِمًا ......“

تَرْجَمَہ: ”لوگو! جو شخص قرآن کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف رجوع کرے، جس کو فقہ کے متعلق کچھ پوچھنا ہو وہ معاذ بن جبل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جائے اور جو مال چاہتا ہو وہ میرے پاس آئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے مال

کی نگرانی اور اس کی تقسیم کا اختیار دیا ہے۔"

صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک آپ کا مقام

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین عظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی میں سے وہ لوگ جو علم کے طلب گار اور اس کے عاشق تھے، حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقام و مرتبہ خوب اچھی طرح پہچانتے تھے۔ چناں چہ اس علم کی وجہ سے جو ان کے سینے میں محفوظ تھا، وہ لوگ ان سے بہت زیادہ تعظیم و توقیر کے ساتھ پیش آتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے دیکھا کہ حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہیں، چناں چہ وہ آگے بڑھ کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ان کی رکاب اور گھوڑے کی لگام تھام لی۔

یہ دیکھ کر حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے کہا:

"دَعْ عَنْكَ يَا بْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ."

تَرْجَمَہ: "اے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے چچا کے بیٹے! مجھے شرمندہ نہ کیجیے چھوڑ دیجیے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے جواب دیا:

"هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا"

تَرْجَمَہ: "ہم کو اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

تو حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے کہا:

"أَرِنِىْ يَدَكَ."

تَرْجَمَہ: "ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھائیے۔"

اور جب حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا تو حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسے جھک کر یہ کہتے ہوئے چوم لیا:

"هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِآلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا ......"

تَرْجَمَہ: "ہم کو اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اہلِ بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

وفات

جب حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا انتقال ہو گیا تو مسلمانوں کو بہت زیادہ صدمہ ہوا، کیوں کہ

ان جیسا عالم کوئی نہیں تھا۔

چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

”اَلْيَوْمَ مَاتَ حِبْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَعَسٰى أَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ فِي ابْنِ عَبَّاسٍ خَلَفًا مِنْهُ.“

تَرْجَمَہ: ”آج اس امت کے بہت بڑے عالم انتقال کر گئے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ان کا جانشین بنادے۔“

اور شاعرِ رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا اور اپنا ایک ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

؎ فَمَنْ لِلْقَوَافِيْ بَعْدَ حَسَّانَ وَابْنِهٖ
وَمَنْ لِلْمَعَانِيْ بَعْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ

تَرْجَمَہ: ”کون ہے حسان اور اس کے بیٹے کے بعد ان جیسے اشعار کہنے والا اور کون ہے زید بن ثابت کے بعد ان جیسا قرآن کے معانی بتانے والا (یعنی کوئی نہیں)۔“

فوائد و نصائح

صلاحیتیں دین پر لگائیے

جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دین پر سب کچھ لگانے اور اپنی جان تک قربان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے اسی طرح یہ صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی تمام تر صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے مبارک دین اور اس کی محنت میں لگانے کا جذبہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس واقعے میں پڑھا کہ صرف تیرہ سال سے بھی کم عمر ہونے کے باوجود اللہ کی راہ میں شہادت کا جذبہ دل میں لیے ہوئے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اس جذبے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہر مرد، عورت، بوڑھے، جوان اور بچے کا دل لبریز تھا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کم عمری کی وجہ سے جب غزوۂ بدر سے واپس آنا پڑا تو انہوں نے ہمت نہیں ہاری بل کہ اپنی صلاحیتوں کو دوسرے شعبے میں لگایا تا کہ اس کے ذریعے سے دین کی خدمت ہو، اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور حضور ﷺ والی زندگی عام ہو۔ نہ صرف اپنی صلاحیتیں لگائیں بل کہ اس شعبے میں ماہر

بنے، قرآن شریف کا علم اعلیٰ درجے پر حاصل کیا۔ اور اس میں اتنے ماہر بنے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے مسائل پوچھتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر دوسری زبانیں بڑے شوق کے ساتھ سیکھیں جس کا بدلہ یہ ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا ترجمان بنالیا۔

ہم اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد عزم کریں کہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ہم بھی اپنی ساری صلاحیتیں دین کی خدمت کرنے، اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی زندگی کو عام کرنے میں صرف کریں گے۔

بعض مرتبہ آدمی دین کے کسی کام میں لگتا ہے لیکن کسی آزمائش وابتلاء آنے کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، لہٰذا ایسے آدمی کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے بل کہ دین کے دوسرے شعبے میں اپنی صلاحیتیں لگا کر اس میں ماہر بننا چاہیے۔

ہم بھی نیت کریں کہ دین کو سیکھیں گے اور دین کے شعبوں میں ماہر بنیں گے اور اپنے دوستوں وغیرہ کو بھی اس کی دعوت دیں گے۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ بدر میں کیوں شریک نہیں کیے گئے، اور پھر انہوں نے کس میدان کا انتخاب کیا؟

سُؤال: ”سقیفہ بنی ساعدہ“ کے موقع پر کس بات پر اختلاف ہوا تھا، اور وہ اختلاف کس طرح ختم ہوا؟

سُؤال: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”جابیہ“ کے مقام پر مسلمانوں کے درمیان کیا تقریر کی؟

سُؤال: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے موقع پر حضرت ابوہریرہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا فرمایا؟

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"یَا رَبِیْعَةُ بْنُ كَعْبٍ! سَلْنِیْ شَیْئًا اُعْطِهٖ لَكَ" (محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم)

تَرْجَمَۃ: "اے ربیعہ بن کعب! مجھ سے کچھ مانگو، میں تمہاری مانگ پوری کروں گا۔"

خادمِ رسول ﷺ

حضرت ربیعہ ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دولت سے نواز دیا تھا اور میری عقل معنیٔ اسلام کو سمجھ چکی تھی میں ایک کم سن نوجوان تھا۔ جب پہلی بار میری آنکھیں دیدارِ رسول ﷺ سے شرف یاب ہوئیں تو آپ ﷺ کی محبت میری رگ رگ میں بھر گئی، اور میں آپ ﷺ پر اس طرح دل و جان سے فریفتہ ہو گیا کہ آپ ﷺ کی محبت نے مجھے ہر چیز سے بے گانہ کر دیا۔ چناں چہ میں نے اپنے دل میں کہا:

"وَیْحَكَ یَا رَبِیْعَةُ، لِمَ لَا تُجَرِّدُ نَفْسَكَ لِخِدْمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟

اِعْرِضْ نَفْسَكَ عَلَیْهِ ......

فَإِنْ رَضِیَ بِكَ سَعِدْتَ بِقُرْبِهٖ وَفُزْتَ بِحُبِّهٖ، وَحَظِیْتَ بِخَیْرَیِ الدُّنیاْ وَالْآخِرَةِ."

تَرْجَمَۃ: "ربیعہ! تمہارا بھلا ہو اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کیوں نہیں کر دیتے، اس مقصد کے لیے تمہیں پہلی فرصت میں بارگاہِ رسالت میں عرض پیش کر دینی چاہیے۔ اگر انہوں نے تمہاری خدمات کو قبول فرما لیا تو تم کو ان کی قربت و محبت حاصل ہو جائے گی، اور تم دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

پھر کسی تاخیر کے بغیر میں نے اس امید کے ساتھ خود کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کہ آپ ﷺ مجھے اپنی خدمت کے لیے قبول فرما لیں گے۔ اور واقعی آپ ﷺ نے مجھے میری امید کے مطابق خدمت کرنے کا موقع عنایت فرما دیا۔

اس روز سے میں سائے کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا، جہاں آپ ﷺ جس طرف کا بھی رخ فرماتے میں ہر جگہ اور ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا۔ آپ ﷺ جب بھی اپنی نگاہوں سے میری طرف کوئی اشارہ فرماتے، میں فوراً تعمیلِ ارشاد کے لیے حاضر ہو جاتا۔

آپ ﷺ نے جب بھی کسی چیز کی ضرورت محسوس کی، تو مجھے اس کی تکمیل میں کبھی پیچھے نہیں پایا۔ میں دن بھر آپ ﷺ کی خدمت میں لگا رہتا، جب دن ختم ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ نمازِ عشا سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جاتے تو میں بھی واپسی کا ارادہ کرتا، لیکن پھر میں اپنے دل میں سوچتا:

”ربیعہ! کہاں جا رہے ہو؟ ممکن ہے رات میں کسی وقت رسول اللہ ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔“

یہ سوچ کر میں وہیں آپ ﷺ کے دروازے پر بیٹھ جاتا اور آپ ﷺ کے گھر کی چوکھٹ چھوڑ کر کہیں جانا گوارا نہ کرتا۔ رسول اللہ ﷺ رات بھر کھڑے کھڑے نماز پڑھنے میں گزار دیتے تھے۔

بسا اوقات میں سنتا تھا کہ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ پڑھ رہے ہیں، اور آپ ﷺ اسے مسلسل اتنی دیر تک دہراتے رہتے کہ میں تھک جاتا یا میرے اوپر نیند کا غلبہ ہو جاتا اور میں سو جاتا۔ بارہا ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ“ کی تکرار سورۂ فاتحہ سے بھی زیادہ دیر تک کرتے رہتے۔

حضور ﷺ کی طرف سے خدمت کا صلہ

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے ساتھ کسی قسم کا احسان کر دیتا تو آپ ﷺ اس سے بہتر طریقے سے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیتے تھے۔ اپنی اسی عادت کے مطابق آپ ﷺ میری خدمات کا صلہ دینا چاہتے تھے۔

چناں چہ ایک روز آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”یَا رَبِیْعَةَ بْنَ کَعْبٍ.“

ترجمہ: ”ربیعہ ابن کعب!“

میں نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضرِ خدمت ہوں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

"سَلْنِیْ شَیْئًا أُعْطِهٖ لَکَ."

تَرْجَمَۃ: "مجھ سے کچھ مانگو، میں تمہاری مانگ پوری کروں گا۔"

میں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا:

"أَمْهِلْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِأَنْظُرَ فِیْمَا أَطْلُبُهٗ مِنْکَ، ثُمَّ أُعْلِمُکَ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کے رسول! (ﷺ) مجھے مہلت دیجیے تاکہ میں سوچ لوں کہ مجھے آپ سے کیا مانگنا ہے پھر میں آپ کو بتادوں گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا بَأْسَ عَلَیْکَ."

تَرْجَمَۃ: "کوئی حرج نہیں، سوچ لو۔"

ربیعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی قابلِ رشک دانش مندی

میں اس وقت ایک مفلس نوجوان تھا۔ نہ میری بیوی تھی ...... نہ مال ...... نہ مکان۔ دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح مسجدِ نبوی کا چبوترہ ہی میرا مسکن تھا۔ لوگ ہمیں اسلام کا مہمان کہہ کر پکارتے تھے۔ جب کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صدقے کی کوئی چیز لاتا تو آپ ﷺ وہ سب ہم لوگوں کے پاس بھیج دیتے، اور جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ کر باقی ہم کو مرحمت فرمادیا کرتے تھے۔

اپنی اسی تنگ دستی اور پریشان حالی کی وجہ سے میرے دل نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دنیاوی ساز وسامان مانگ لوں، تاکہ فقر و محتاجی سے نجات مل جائے اور دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی مال اور بیوی بچوں والا ہوجاؤں، لیکن پھر میرے دل نے کہا:

"تَبًّا لَکَ یَا رَبِیْعَةَ بْنَ کَعْبٍ، إِنَّ الدُّنْیَا زَائِلَةٌ فَانِیَةٌ، وَ إِنَّ لَکَ فِیْهَا رِزْقًا کَفِلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، فَلَا بُدَّ أَنْ یَأْتِیَکَ."

تَرْجَمَۃ: "ربیعہ! تمہارا برا ہو، یہ دنیا تو زوال پذیر ہے، ایک دن فنا ہوجائے گی۔ اس میں جس رزق کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، وہ لازماً تم کو ملے گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے نزدیک ایسے بلند مرتبے پر فائز ہیں کہ آپ ﷺ کی کوئی

مانگ نامنظور نہیں کی جاسکتی، اس لیے تم ان سے یہ درخواست کرو کہ وہ تمہارے لیے آخرت کے فائدے کی دعا فرمائیں۔

میں نے اس فیصلے پر اپنے دل میں نہایت تسلی و اطمینان کی کیفیت محسوس کی۔ پھر جب میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

''ربیعہ! کیا کہتے ہو؟''

میں نے عرض کیا:

''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَسْأَلُكَ أَنْ تَدْعُوَ لِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْ يَّجْعَلَنِيْ رَفِيْقًا لَكَ فِي الْجَنَّةِ.''

تَرجَمہ: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنے کا آرزو مند ہوں۔

آپ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں۔''

آپ ﷺ نے خوش ہوتے ہوئے فرمایا:

''مَنْ أَوْصَاكَ بِذٰلِكَ؟''

تَرجَمہ: ''تم کو یہ بات کس نے سمجھائی؟''

میں نے کہا:

''لَا وَاللّٰهِ مَا أَوْصَانِيْ أَحَدٌ، وَلٰكِنَّكَ حِيْنَ قُلْتَ لِيْ: سَلْنِيْ أُعْطِكَ حَدَّثَتْنِيْ نَفْسِيْ أَنْ أَسْئَلُكَ شَيْئًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا.''

''اللہ کی قسم! یہ بات مجھے کسی اور نے نہیں بتائی ہے۔ بل کہ جس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے مانگو، میں تمہاری مانگ پوری کروں گا۔ تو پہلے تو میرے جی میں آیا کہ میں آپ سے دنیاوی مال و متاع مانگ لوں، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کی نیک توفیق عطا فرمادی۔ اس کے بعد میں نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ میرے لیے جنت میں اپنی رفاقت کی دعا فرمائیں۔''

پھر آپ ﷺ نے ایک طویل خاموشی کے بعد فرمایا:

''ربیعہ! کیا تم اس کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہتے؟''

میں نے عرض کیا:

"كَلَّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَا أَعْدِلُ بِمَا سَأَلْتُكَ شَيْئًا."

"نہیں، اے اللہ کے رسول! جو چیز مَیں نے آپ سے مانگی ہے، دوسری کسی چیز کو میں اس کے برابر نہیں سمجھتا۔"

آپ نے میری درخواست منظور کرتے ہوئے فرمایا:

'إِذَنْ أَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ.'"

تَرْجَمَہ: "تب کثرتِ سجود (بہت زیادہ سجدے کرنے) سے میری مدد کرو۔"

اس کے بعد میں پوری جاں فشانی کے ساتھ عبادت میں مصروف ہو گیا تاکہ جس طرح دنیا میں آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت مجھے حاصل ہوئی، اسی طرح آخرت میں بھی آپ ﷺ کی رفاقت حاصل کر سکوں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی

اس بات کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو بلا کر دریافت فرمایا:

"أَلَا تَتَزَوَّجُ يَا رَبِيْعَةُ؟"

تَرْجَمَہ: "ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

میں نے اپنی مجبوریاں بیان کرتے ہوئے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول (ﷺ!) میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی چیز مجھے آپ کی خدمت سے غافل کر دے۔ پھر میرے پاس بیوی کا مہر ادا کرنے اور اس کی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے مال بھی تو نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے دوبارہ میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"أَلَا تَتَزَوَّجُ يَا رَبِيْعَةُ؟"

تَرْجَمَہ: "ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

میں نے آپ ﷺ کو پھر وہی جواب دیا جو پہلے دے چکا تھا۔ لیکن جب میں نے تنہائی میں اس پر غور کیا تو مجھے اپنے اس جواب پر سخت ندامت و پشیمانی ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا:

ربیعہ! تمہارا بھلا ہو۔ اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ تمہارے دینی و دنیاوی معاملات کو تم سے زیادہ بہتر

طریقے پر سمجھتے ہیں، اور تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کبھی شادی کی پیش کش کی تو میں اس کو ضرور قبول کرلوں گا۔

اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد آپ ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا:

”ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟“

میں نے عرض کیا:

کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! لیکن میرے ساتھ کون شادی کرے گا جب کہ میں ایک مفلس اور غریب آدمی ہوں۔

آپ ﷺ سے صحابہ کی محبت

میرے اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اِنْطَلِقْ اِلٰی آلِ فُلَانٍ وقُلْ لَّهُمْ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُزَوِّجُوْنِیْ فَتَاتَكُمْ فُلَانَةَ.“

تَرْجَمَۃ: ”فلاں کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی فلاں لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کردو۔“

میں نے شرماتے ہوئے ان کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس حکم کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ اپنی فلاں لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کردیں۔

انہوں نے پوچھا ”فلاں لڑکی کے ساتھ؟“

میں نے کہا: جی ہاں۔

چناں چہ انہوں نے کہا:

”مَرْحَبًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ، وَمَرْحَبًا بِرَسُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

وَاللّٰهِ لَا يَرْجِعُ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلَّا بِحَاجَتِهٖ ......“

تَرْجَمَۃ: ”ہم رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیغام لانے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا قاصد اپنے مقصد سے محروم واپس نہیں جائے گا۔“

اور پھر انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کردیا۔ اس کے بعد میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو

کر بتایا:

”یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، لَقَدْ جِئْتُ مِنْ عِنْدِ خَیْرِ بَیْتٍ...... صَدَّقُوْنِیْ، وَرَحَّبُوْا بِیْ وَعَقَدُوْا لِیْ عَلٰی اِبْنَتِہِمْ.“

تَرْجَمَۃ: ”اے اللہ کے رسول میں بہترین لوگوں کے پاس سے آیا ہوں۔ انہوں نے میری بات کی تصدیق کی، مجھے خوش آمدید کہا اور اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا۔“

اب میں ان کو مہر کی رقم کہاں سے ادا کروں؟

آپ نے بریدہ بن خصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو میرے قبیلے، بنی اسلم کے ایک رئیس تھے، بلا کر فرمایا:

”یَا بُرَیْدَۃُ، اِجْمَعْ لِرَبِیْعَۃَ وَزْنَ نَوَاۃٍ ذَہَبًا.“

تَرْجَمَۃ: ”بریدہ! ربیعہ کے لیے ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کر دو۔“

اور حسبِ حکم انہوں نے سونے کی مطلوبہ مقدار میرے لیے فراہم کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

اس کو لے کر ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ یہ تمہاری بیٹی کا مہر ہے۔ چناں چہ میں نے اسے لے جا کر ان کے حوالے کر دیا، جس کو انہوں نے قبول کر لیا اور اپنی رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”کَثِیْرٌ طَیِّبٌ“ (کافی ہے اور عمدہ ہے)۔

میں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا:

”مَا رَأَیْتُ قَوْمًا قَطُّ أَکْرَمَ مِنْہُمْ، فَلَقَدْ رَضُوْا مَا أَعْطَیْتُہُمْ. عَلٰی قِلَّتِہٖ وَقَالُوْا: کَثِیْرٌ طَیِّبٌ.“

تَرْجَمَۃ: ”کہ میں نے ان سے زیادہ شریف لوگ نہیں دیکھے۔ میں نے جو کچھ ان کو دیا، قلیل ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ انہوں نے خوشی سے اس کو قبول کر لیا بل کہ اظہارِ پسندیدگی کے طور پر یہ بھی کہا کہ ”کَثِیْرٌ طَیِّبٌ.““

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اب مجھے ولیمہ کے لیے رقم کہاں سے ملے گی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بریدہ بن خصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا:

”اِجْمَعُوْا لِرَبِیْعَۃَ ثَمَنَ کَبْشٍ“

تَرْجَمَۃ: ”ربیعہ کے لیے ایک مینڈھے کی قیمت اکٹھا کر دو۔“

چناں چہ انہوں نے رقم فراہم کر کے میرے لیے ایک موٹا تازہ مینڈھا خرید دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ جتنے جو ان کے پاس ہیں وہ تم کو دے دیں۔ اور جب میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے ایک ٹوکرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے اٹھا لو۔ اس میں سات صاع جو ہیں۔ اللہ کی قسم! ہمارے پاس اس کے علاوہ کھانے کی دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔

میں وہ مینڈھا اور جَو اپنی بیوی کے گھر والوں کے پاس لے گیا۔ انہوں نے کہا کہ جَو سے تو ہم روٹیاں تیار کر دیں گے، البتہ مینڈھا تم واپس لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اس کا گوشت تیار کر دیں۔

میں مینڈھے کو اپنے ساتھ لے آیا چناں چہ میں نے اور میرے قبیلے کے کچھ لوگوں نے مل کر اس کو ذبح کیا، اس کی کھال اتاری اور اسے پکار کر تیار کر دیا۔ اس طرح ہمارے پاس ولیمے کے لیے روٹی اور گوشت کا انتظام ہو گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے ولیمے پر بلایا اور آپ ﷺ نے میری دعوت قبول فرمالی۔

بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین کے قریب مجھے ایک زمین بھی عنایت فرمادی۔ یوں مجھے دنیا بھی حاصل ہو گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناراض ہونا

ایک روز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھجور کے ایک درخت کے بارے میں اختلاف کر بیٹھا۔ میں نے کہا کہ یہ میری زمین میں ہے اور ان کا کہنا تھا کہ میری زمین میں ہے۔

آخر کار ہم دونوں کے درمیان بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھے ایک ناگوار بات کہہ دی۔ کہنے کو تو وہ بات اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ بات کہہ دی مگر فوراً ہی ان کو احساس ہو گیا، چناں چہ اس پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا:

ربیعہ! جواب میں تم مجھ کو وہی جملہ کہہ کر اپنا بدلہ چکا لو، لیکن میں نے کہا "لَا وَاللّٰہِ لَا أَفْعَلُ" اللہ کی قسم میں آپ سے بدلہ لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا:

اگر تم مجھ سے بدلہ نہیں لو گے تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تمہاری شکایت کر دوں گا۔

یہ کہہ کر وہ بارگاہِ رسالت کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے میں بھی چلا، اور میرے قبیلے والے یہ

کہتے ہوئے میرے ساتھ شامل ہو گئے کہ انہوں نے پہل بھی کی، تم کو برا بھلا بھی کہا پھر خود ہی تمہاری شکایت کرنے بھی جارہے ہیں، میں نے ان لوگوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا:

"وَيْحَكُمْ أَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا؟

هٰذَا الصِّدِّيْقُ......

وَذُوْشَيْبَةِ الْمُسْلِمِيْنَ......

اِرْجِعُوْا قَبْلَ أَنْ يَّلْتَفِتَ فَيَرَاكُمْ، فَيَظُنُّ أَنَّمَا جِئْتُمْ لِتُعِيْنُوْنِيْ عَلَيْهِ فَيَغْضَبَ، فَيَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَيَغْضَبَ النَّبِيُّ لِغَضَبِهٖ، فَيَغْضَبَ اللّٰهُ لِغَضَبِهِمَا فَيُهْلِكَ رَبِيْعَةُ."

تَرْجَمَۃ: "ارے تم لوگوں کا برا ہو جانتے ہو یہ کون ہیں؟

یہ صدیق ہیں مسلمانوں کی بزرگ ترین ہستی۔ تم لوگ واپس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم لوگوں کو دیکھ لیں اور ان کی خفگی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ خفا ہو جائیں اور ان دونوں کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بن جائے تو ربیعہ کے ہلاک ہونے میں کیا تردد ہے۔"

چناں چہ اس بات پر وہ لوگ واپس چلے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر شروع سے آخر تک وہ واقعہ بیان کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے میری طرف سر اٹھا کر دریافت فرمایا:

"يَا رَبِيْعَةُ مَالَكَ وللصدّيق؟!"

"ربیعہ! تمہارا اور صدیق کا کیا معاملہ ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کو وہی بات کہہ دوں جو انہوں نے مجھے کہی تھی، بھلا میں یہ جرأت کرسکتا ہوں اس لیے میں نے ایسا نہیں کیا۔"

آپ ﷺ نے میرے طرزِ عمل کو سراہتے ہوئے فرمایا:

"نَعَمْ لَا تَقُلْ لَّهٗ كَمَا قَالَ لَكَ.

وَلٰكِنْ قُلْ: غَفَرَاللّٰهُ لِأَبِيْ بَكْرٍ."

تَرْجَمَۃ: "ہاں تم نے بہت اچھا کیا۔ تم ان کو ہرگز وہ بات نہ کہنا جو انہوں نے تم کو کہی تھی۔ بل کہ تم یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر کو معاف فرمائے۔"

تو میں نے کہا:

"غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا أَبَابَكْرٍ."

تَرجَمہ: "ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔

"جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِّيْ خَيْرًا يَا رَبِيْعَةُ بْنُ كَعْب ......
جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِّيْ خَيْرًا يَا رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْب ......"

"ربیعہ! اللہ تعالیٰ تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے تم نے مجھ پر احسان کیا۔ ربیعہ! اللہ تعالیٰ تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے......"

اور اس وقت ان کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔

فوائد ونصائح

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی محبت ایمان کا حصہ ہے

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے وہ شخص مؤمن ہی نہیں ہو سکتا جو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سب سے زیادہ محبت نہ کرے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"[1]

تَرجَمہ: "کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن ہی نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔"

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بے پناہ محبت کیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ کی محبت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ۔

غزوہ بدر میں انتہائی سخت گرمی ہے رمضان کا مہینہ ہے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں تعداد صرف تین سو تیرہ ہے اسلحہ کی بھی کمی ہے جس مقابلے میں کفار ایک ہزار ہیں اور اسلحہ بھی کفار کے پاس زیادہ ہے لیکن جب حضور

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان: ۷/۱

صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جہاد کے لیے تیار ہو جاؤ تو بس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فوراً تیار ہو گئے کسی نے پیچھے ہٹنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں بنایا۔ یہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی محبت۔

اسی طرح ہجرت کا واقعہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فوراً تیار ہو گئے حالاں کہ اپنے مال ومتاع، جائیداد اور گھر بار کو چھوڑ کر ہجرت کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث پر سو فیصد عمل کر کے دکھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کے لیے کبھی جائیداد، اولاد، بیوی وغیرہ رکاوٹ نہیں بنیں بل کہ انہوں نے سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں قربان کر دیا۔

جیسے اس واقعہ میں آپ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پڑھا کہ پورا دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے اور جب رات ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے، لیکن حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سوچ کر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو بھی میری ضرورت پڑ سکتی ہے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھ جاتے، تو ایک سبق ہمیں اس واقعہ سے یہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا حصہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

تواضع اختیار کیجیے

دوسرا سبق ہمیں اس واقعہ سے یہ ملتا ہے کہ ہم سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو ہم فوراً اس سے معافی مانگیں، اور اگر ہمیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس حال میں ہمیں اس کو معاف کرنا چاہیے کہ یہ احسان ہے، جیسے اس واقعہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ایک کھجور کے درخت پر چھوٹا سا اختلاف ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ مجھ سے اس کا بدلہ لے لیں لیکن حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سے بدلہ نہیں لے سکتا۔

گویا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معافی لینے پر تلے ہوئے ہیں اور حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احسان کرنے پر۔ ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر دنیا ہی میں اپنا تصفیہ کرنا چاہیے۔

جس شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا لحاظ کرے گا۔

حضور ﷺ کی سنتیں محبوب ہیں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور ﷺ کے طریقے سے بڑھ کر کوئی طریقہ پسندیدہ نہیں، آپ ﷺ جس طرح اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی سنتیں (طریقے) اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب ہیں۔

اس لیے ہم سب اس کی نیت اور پکا عزم کریں کہ ہر موقع اور ہر وقت کی حضور ﷺ کی سنتیں (طریقے) سیکھیں گے اور ہر کام کو حضور ﷺ کے سنت طریقے کے مطابق کریں گے مثلاً کھانا، پینا، سونا گھر میں داخل ہونا، گھر سے نکلنا، مسجد میں داخل ہونا مسجد سے نکلنا وغیرہ، اللہ تعالیٰ ہمیں سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مذاکرہ

سوال: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورا دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتے، رات ہو جانے پر گھر کیوں نہ جاتے؟

سوال: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے کس چیز کے مانگنے کا ارادہ کیا، اور بعد میں کیا چیز مانگی؟

سوال: حضرت ربیعہ بن کعب اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کس بات پر اختلاف ہوا؟

سوال: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قبیلے والوں کو کیا جواب دیا؟

* * *

حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"حَدَّثَنِيْ أَبُو الْعَاصِ فَصَدَقَنِيْ، وَوَعَدَنِيْ فَوَفَى لِيْ" (محمد رسول اللّٰہ)
تَرْجَمَہ: "ابوالعاص نے مجھ سے بات کی تو سچ بولے اور جب انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تو پورا کیا۔"

تعارف

ابوالعاص بن ربیع قبیلۂ قریش کی شاخ بنی عبدِ شمس کے چشم و چراغ تھے۔ وہ بھرپور جوانی کے حامل اور ایک شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ دنیاوی مال و دولت اور خاندانی عزت و شرف کے لحاظ سے بھی معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ اپنی غیرت و خودداری اور مروّت و وفاداری جیسی ذاتی خوبیوں اور اپنے آباء و اجداد کے قابلِ فخر خاندانی کارناموں کے باعث معاشرے میں انہیں بطورِ مثال پیش کیا جاتا تھا۔

ابوالعاص کو تجارت کا شوق قریش سے وراثت میں ملا تھا، قریش کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کے چکر لگایا کرتے تھے۔ مکہ اور شام کے درمیان ان کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ہر وقت جاری رہتی تھی۔ ان کا ہر تجارتی قافلہ ایک سو اونٹوں اور دو سو آدمیوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔

ان کی کاروباری مہارت اور صداقت و دیانت کی وجہ سے قریش کے لوگ اپنے اموالِ تجارت بھی ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ ابوالعاص کی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو وہی مقام دیتی تھیں جو ایک بیٹے کا اس کی ماں کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابوالعاص کے ساتھ بے انتہا محبت رکھتے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح

زمانے کے ماہ و سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال پر نہایت تیز رفتاری کے ساتھ گزر گئے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کی عمر ہوئی، تو بڑے بڑے سردارانِ قریش کے بیٹوں کے دلوں میں ان کے ساتھ شادی کی تمنا پیدا ہوئی۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جب کہ وہ قریش کی بیٹیوں میں حسب ونسب کے اعتبار سے شریف ترین ...... والدین کے لحاظ سے معزز ترین ...... اور ذاتی اخلاق وکردار کی رو سے پاکیزہ ترین بیٹی تھیں۔

لیکن سردارانِ قریش کے بیٹوں کے لیے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ وہ حضرت زینب رَضِوَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کے خالہ زاد بھائی اور مکہ کے سب سے بہترین نوجوان، ابوالعاص بن ربیع کے سامنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔

ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ حضرت زینب رَضِوَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کے نکاح کو ابھی چند سال ہی گزرے تھے کہ مکے کی وادیاں اللہ کے نور سے جگمگا اٹھیں، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیغامِ ہدایت اور دینِ حق دے کر نبوت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، اور ان کے سامنے دین کی دعوت پیش کریں۔

چناں چہ اس کے نتیجے میں عورتوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد اور صاحب زادیاں، حضرت زینب ...... حضرت رقیہ ...... حضرت اُمّ کلثوم ...... اور حضرت فاطمہ رضوان اللہ علیہن آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔

حالاں کہ حضرت فاطمہ رَضِوَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔

البتہ آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص نے اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک کرنا پسند نہ کیا اور اپنی بیوی حضرت زینب رَضِوَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کے ساتھ بے پناہ محبت اور مخلصانہ تعلق کے باوجود ان کے دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

ابوالعاص کا اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا

جب رسول اللہ ﷺ اور قریشِ مکہ کے درمیان اختلافات کافی شدت اختیار کر گئے تو قریش نے آپس میں کہا:

> ”تمہارا برا ہو، تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نکاح کر کے ان کے غموں کو اپنے اوپر لاد لیا ہے۔ اگر تم انہیں ان کے پاس واپس بھیج دو تو ان کی توجہ تمہاری طرف سے ہٹ کر اپنی لڑکیوں کی طرف مبذول ہو جائے گی۔“

انہوں نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور ابوالعاص کے یہاں جا کر ان سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو اور

اسے اس کے باپ کے گھر بھیج دو، ہم قریش کی بہترین عورتوں میں سے جس سے چاہو گے تمہاری شادی کر دیں گے۔ مگر ابوالعاص نے ان کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے کہا:

اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی کو نہیں چھوڑوں گا اور اس کے بدلے میں دنیا کی کسی عورت کو قبول نہیں کروں گا۔

البتہ آپ کی دو صاحب زادیوں، حضرت رقیہ اور حضرت اُمّ کلثوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو طلاق دے کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے یہاں بھیج دیا گیا، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ان کی واپسی سے خوشی ہوئی۔ آپ چاہتے تھے کہ کاش ابوالعاص بھی وہی کرتے جو ان کے دونوں ساتھیوں نے کیا، لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی اس تمنا کو بزورِ بازو پورا نہیں کر سکتے تھے، اور ابھی مؤمنات کے ساتھ مشرکین کے نکاح کی حرمت کا حکم بھی نہیں آیا تھا۔

جنگِ بدر میں ابوالعاص کی گرفتاری اور رہائی

جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے اور وہاں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے قدم مضبوطی سے جم گئے، تو قریش آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے بدر میں قتال کرنے کے لیے نکلے اور ابوالعاص کو مجبور کیا گیا کہ وہ بھی ان کا ساتھ دیں، حالاں کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے، اس لیے کہ ان کو مسلمانوں سے لڑنے یا انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے نہ کوئی دل چسپی تھی نہ وہ اس کی کوئی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن اپنی قوم کے اندر جو اونچا مقام ان کو حاصل تھا اس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی قوم کا ساتھ دیں۔

اس جنگ کا خاتمہ قریش کی ایسی شکستِ فاش پر ہوا جس نے شرک کو انتہائی ذلت میں دھکیل دیا، اور اس کے سرغنوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ چناں چہ ان میں سے کچھ مارے گئے...... کچھ گرفتار ہوئے...... اور کچھ نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں۔ حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع بھی جنگ میں قید ہونے والے لوگوں میں شامل تھے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے اوپر فدیہ عائد کیا۔ فدیے کی یہ رقم قیدیوں کے معاشرتی مقام و مرتبہ اور ان کی مالی حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک مقرر کی گئی تھی۔

اس کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان صبح سے شام تک قاصدوں کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، یہ قافلے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیے کی رقوم لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ اپنے قاصد کے

ذریعے بھیجا۔ اس میں انہوں نے وہ ہار بھی بھیجا تھا جو ان کی والدہ ماجدہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی رخصتی کے وقت دیا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو وفادار رفیقۂ حیات کی یاد تازہ ہوگئی، اور ساتھ ہی اپنی بیٹی کی مجبوریوں نے بے حال کر دیا، اور قلبِ مبارک رنج و ملال سے بھر گیا جس کے آثار صاف طور پر چہرے سے نمایاں تھے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

”إِنَّ زَيْنَبَ بَعَثَتْ بِهٰذَا الْمَالِ لِافْتِدَاءِ أَبِي الْعَاصِ، فَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا أَسِيْرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا مَالَهَا فَافْعَلُوْا“

تَرجَمَہ: ”زینب نے یہ مال ابوالعاص کے فدیے کے واسطے بھیجا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو اس کے اسیر (قیدی) کو رہا کر دو اور اس کا مال اسے واپس کر دو۔“

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا، اور ابوالعاص کسی فدیے کے بغیر رہا کر دیئے گئے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہائی سے پہلے ان کے اوپر یہ شرط ضرور عائد کی کہ وہ بلا تاخیر ان کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینے بھیج دیں گے۔

وعدے کی تکمیل

چناں چہ مکہ مکرمہ پہنچتے ہی ابوالعاص اپنے وعدے کی تکمیل میں لگ گئے، انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سفر کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے بتایا کہ آپ کے والد ماجد کے قاصد مکہ سے کچھ فاصلے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔

پھر انہوں نے ان کے لیے زادِ سفر اور سواری کا انتظام کرنے کے بعد اپنے بھائی عمرو بن ربیع کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جائیں اور انہیں ان لوگوں کے سپرد کر دیں جو ان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔

عمرو بن ربیع نے کمان اور ترکش کو کندھے پر ڈالا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے محمل (کجاوے) میں بٹھایا اور ان کو لے کر دن دہاڑے قریش کی آنکھوں کے سامنے مکہ سے روانہ ہوگئے۔

اس پر ان لوگوں میں زبردست جوش برپا ہوگیا، اور وہ عمرو بن ربیع کے تعاقب میں چل پڑے اور تھوڑی دور جانے کے بعد ان کو پکڑ لیا، اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بری طرح خوف زدہ کیا۔ اس وقت عمرو

نے کمان کے چلے کو چڑھایا اور ترکش سے تیروں کو نکال کر اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا:

”وَاللّٰهِ لَا يَدْنُوْ رَجُلٌ مِّنْهَا إِلَّا وَضَعْتُ سَهْمًا فِيْ نَحْرِهٖ ......“

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! جو شخص بھی ان کے قریب جانے کی کوشش کرے گا میں اس کے سینے میں تیر پیوست کر دوں گا۔“

وہ بڑے زبردست تیرانداز تھے، ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا اِس وقت ابوسفیان بھی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، موقع پر پہنچ گئے۔ انہوں نے عمرو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”یَابْنَ أَخِيْ، كُفَّ عَنَّا نَبْلَكَ حَتّٰى نُكَلِّمَكَ.“

ترجمہ: ”بھتیجے! ٹھہرو، تیر نہ چلانا، مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

اور جب وہ رک گئے تو ابوسفیان نے کہا:

تم نے یہ اچھا نہیں کیا کہ زینب کو علی الاعلان سب کے سامنے لیے جا رہے ہو، جب کہ عرب کے لوگ غزوۂ بدر میں پیش آنے والی اس بھاری مصیبت کو بھولے نہیں جو میدان بدر میں اس کے باپ محمد (ﷺ) کے ہاتھوں ہمارے اوپر نازل ہو چکی ہے۔

اب اگر تم اس کو اس طرح کھلے عام لے کر نکل جاؤ گے تو عرب قبائل ہم کو بزدلی ...... کم زوری ...... اور بے غیرتی کا طعنہ دیں گے، اگر میری مانو تو اس وقت اس کو واپس لے جاؤ اور چند روز اس کے شوہر کے گھر رکھو۔ جب لوگ آپس میں یہ بات کر چکیں کہ ہم نے اس کو واپس لوٹا دیا، تو تم چپکے سے اس کو اس کے باپ کے پاس بھیج دینا کیوں کہ ہمیں اس کو روکنے سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔

عمرو نے ابوسفیان کی بات مان لی اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر واپس مکہ مکرمہ چلے آئے۔ پھر چند روز کے بعد ایک رات ان کو مکے سے نکال کر لے گئے اور اپنے بھائی کی ہدایت کے مطابق ان کے والد نبی اکرم ﷺ کے قاصدوں کے سپرد کر دیا۔

ابوالعاص کا قبولِ اسلام

بیوی سے جدائی کے بعد ابوالعاص ایک مدت تک مکے میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ فتحِ مکہ سے کچھ عرصہ پہلے وہ ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں شام گئے۔ جب وہ اپنے قافلے کے ساتھ جس میں سامانِ تجارت سے لدے ہوئے ایک سو اونٹ اور ایک سو ستر سے زیادہ آدمی تھے، مکہ مکرمہ واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ کے

قریب سے گزرے، تو رسول اللہ ﷺ کے ایک فوجی دستے نے حملہ کر کے اونٹوں پر قبضہ کرلیا اور آدمیوں کو گرفتار کرلیا، لیکن ابوالعاص ان کے ہاتھ سے بچ نکلے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

جب رات نے ہر چیز کو اپنے سیاہ دامن میں چھپالیا تو ابوالعاص نے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ مکرمہ کے بجائے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ڈرتے ڈرتے اور خطرات کو ہر طرف سے بھانپتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوگئے، اور سراغ لگاتے ہوئے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے پناہ طلب کرلی۔

جب رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر کے لیے نکلے، اور محراب میں کھڑے ہوکر تکبیرِ تحریمہ کہی اور ساتھ ہی تمام لوگوں نے بھی تکبیر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی تو عورتوں کی صف سے ایک آواز بلند ہوئی۔

"أَيُّهَا النَّاسُ، أَنَا زَيْنَبُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَقَدْ أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ فَأَجِيْرُوْهُ."

ترجمہ: "لوگو! میں زینب بنت محمد (ﷺ) ہوں۔ میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔ لہٰذا آپ سب لوگ بھی ان کو پناہ دیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد لوگوں سے دریافت فرمایا: جو کچھ میں نے سنا ہے کیا تم لوگوں نے بھی اسے سنا ہے؟

تو لوگوں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ آواز ہم نے بھی سنی ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعْتُ مَا سَمِعْتُمُوْهُ، وَ إِنَّهٗ يُجِيْرُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ"

ترجمہ: "قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اس کے متعلق مجھے پہلے سے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مسلمانوں کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر آپ گھر لوٹ گئے اور صاحب زادی سے فرمایا:

"أَكْرِمِيْ مَثْوٰى أَبِي الْعَاصِ، وَاعْلَمِيْ أَنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ لَهٗ."

ترجمہ: "ابوالعاص کی اچھی خاطر تواضع کرنا مگر یہ جان لو کہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔"

حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطری دیانت داری

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کے آدمیوں کو بلا کر، جس نے ابوالعاص کے سامانِ تجارت پر قبضہ کیا تھا اوران کے آدمیوں کو گرفتار کیا تھا، فرمایا:

”ہمارے نزدیک اس شخص کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اس کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ تم نے اس کا جو مال لیا ہے اگر احسان کرتے ہوئے اسے واپس کرنا چاہو تو کردو، اور ہم کو یہی پسند ہے۔ اور اگر یہ مال تم اسے واپس نہ کرنا چاہو تو بہر حال یہ اللہ کا مال ہے جو اس نے غنیمت کے طور پر تم کو دیا ہے اور تم اس کے زیادہ حق دار ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یک زبان ہو کر کہا:

”بَلْ نَرُدُّ عَلَيْهِ مَالَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.“

ترجمہ: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ان کا مال ان کو واپس کر دیں گے۔“

اور جب ابوالعاص اپنا مال لینے کے لیے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا:

ابوالعاص! آپ قریش کے ایک معزز اور شریف فرد ہونے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور ان کے داماد بھی ہیں، تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ مسلمان ہو جائیں اور ہم لوگ آپ کا سارا مال آپ کو دے دیں، تاکہ آپ اہلِ مکہ کے ان اموال سے بھی استفادہ کریں اور یہیں مدینے میں رہ جائیں۔

لیکن ابوالعاص نے ان کی اس پیش کش کو رد کرتے ہوئے کہا:

”بِئْسَ مَا دَعَوْتُمُوْنِيْ أَنْ أَبْدَأَ دِيْنِيَ الْجَدِيْدَ بِغَدْرَةٍ.“

ترجمہ: ”بہت بری ہے یہ بات جس کی طرف لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں کہ میں اپنے نئے دین کی ابتداء غداری اور بے وفائی سے کروں۔“

اس کے بعد ابوالعاص سارا مال لے کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے تمام حق داروں کے حقوق ادا کرنے کے بعد کہا:

”يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ هَلْ بَقِيَ لِأَحَدٍ مِّنْكُمْ عِنْدِيْ مَالٌ لَمْ يَأْخُذْهُ؟“

ترجمہ: ”قریش کے لوگو! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمے باقی رہ گیا ہے جو ابھی تک اس کو نہیں ملا؟“

سب نے یک زبان ہو کر کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔ ہم نے آپ کو حق ادا کرنے والا اور شریف پایا ہے۔

آپ نے فرمایا:

اچھا! تو جب کہ میں تم سب لوگوں کے حقوق ادا کر چکا ہوں، میری بات سن لو۔

”فَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ......“

تَرْجَمَۃ: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“

کلمہ پڑھنے کے بعد حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے اوپر اپنے مال کھا جانے کا الزام لگاؤ گے، تو میں وہیں مدینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو گیا ہوتا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سب لوگوں کے حقوق ادا کر دیے، میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔“

اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بہترین استقبال کیا اور ان کے پہلے نکاح کو باقی رکھتے ہوئے ان کی بیوی انہیں واپس لوٹا دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

”حَدَّثَنِيْ فَصَدَقَنِيْ، وَعَدَنِيْ فَوَفَالِيْ.“

تَرْجَمَۃ: ”انہوں نے مجھ سے بات کی تو سچ بولے اور وعدہ کیا تو اسے پورا کیا۔“

فَوائِد ونَصائِح

دیانت دار بنیے

حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے سے ہمیں دیانت داری کا سبق ملتا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں اِن کے یہ الفاظ گزر چکے ہیں۔

”یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ هَلْ بَقِيَ لِأَحَدٍ مِّنْكُمْ عِنْدِيْ مَالٌ لَمْ یَأْخُذْهُ؟“

تَرْجَمَۃ: ”قریش کے لوگو! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمے باقی رہ گیا ہے جو ابھی تک اس کو نہیں ملا؟“

چناں چہ سب قریش والے یک زبان ہوکر کہنے لگے:

نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے ہم نے آپ کو حکم ادا کرنے والا اور شریف پایا۔

ذرا غور کیجیے کہ کس قدر دیانت اور شرافت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے کہ جس کی گواہی کافر دے رہے ہیں۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو انسان کو معاشرے میں اعلیٰ ترین فرد بنا دیتے ہیں، آج ان اوصاف کو چھوڑنے اور ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انسان مختلف آفتوں، پریشانیوں کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ خوب اخلاق سے پیش آنے کی توفیق نصیب فرمائے اور تمام قسم کی اخلاقی پستیوں سے بچا کر ہر قسم کی پریشانیوں اور آفتوں سے بھی چھٹکارا عطا فرمائے۔ آمین

مُذاکرہ

سُؤال: رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے کون لوگ ایمان لائے؟

سُؤال: حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی جنگ میں گرفتار ہوئے، اور اُن کی رہائی کے لیے فدیے میں کیا چیز بھیجی گئی؟

سُؤال: حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس نے پناہ دی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں کیا فرمایا؟

سُؤال: حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد لوگوں سے کیا کہا؟

◆

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مَنْ قَاتَلَ فَلْيُقَاتِلْ كَمَا يُقَاتِلُ عَاصِمُ ابْنُ ثَابِتٍ" (محمّد بنُ عَبد الله)

ترجمہ: "جو دشمن سے لڑنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاصم بن ثابت کی طرح لڑے۔"

آپ کا سلافہ کے بیٹوں کو قتل کرنا

میدانِ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلے کے لیے قریش بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں جہاں ان کے بڑے بڑے سردار شامل تھے وہیں اس میں ان کے غلام بھی شریک تھے۔ اس وقت ان کے سینے بغض و کینہ سے بھرے ہوئے تھے، اور جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے والے اپنے مقتولین کے انتقام کی آگ ان کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کر رہی تھی۔

اس مہم میں مردوں کے ساتھ متحد ہو کر قریش کے بڑے گھرانوں کی بہت سی دنیوی اعتبار سے شریف زادیاں اور معزز خواتین بھی شریک ہوگئی تھیں، تا کہ وہ مردوں کو لڑائی پر تیار کریں...... بہادروں کے دلوں میں غیرت و حمیت کی آگ بھڑکائیں ...... اگر کہیں ان کے اندر کمزوری اور پست ہمتی دیکھیں تو ان کی ہمت بندھائیں......اور انہیں جنگ کے میدان میں ثابت قدم رکھیں۔

فوج کے ہمراہ جانے والی ان خواتین میں ابوسفیان کی زوجہ ہند بنتِ عتبہ......عمرو بن عاص کی بیوی ریطہ بنت منبہ......اور سلافہ بنتِ سعد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سلافہ بنتِ سعد کے ساتھ اس کا شوہر طلحہ اور اس کے تینوں بیٹے مسافع......جلاس......اور کلاب بھی تھے۔

احد پہاڑ کے پاس جب دونوں فوجیں باہم ملیں اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھی، تو ہند بنتِ عتبہ اور اس کے ساتھ کی چند عورتیں اٹھیں اور صفوں کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں۔ وہ اپنے ہاتھوں میں دف (ڈھولکیاں) تھامے انہیں بجا بجا کر گا رہی تھیں:

؎ اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ وَنَفْرِشُ النَّمَارِقْ
اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقْ

ترجمہ: ''اگر تم دشمن سے جنگ کے لیے آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی، اور تمہارے لیے آرام دہ بستر بچھائیں گی۔ لیکن اگر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے تو ہم نفرت وحقارت کے ساتھ تمہیں چھوڑ دیں گی۔''

اُن کا اِن جذبات سے بھرپور ترانہ قریشی بہادروں کے سینوں میں قبائلی غیرت کی آگ بھڑکاتا تھا۔ اور ان کے شوہروں کے سینوں میں جادو کا سا اثر پیدا کرتا تھا۔

پھر جنگ کا ہنگامہ ختم ہوا اور اس میں قریش کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہوئی تو قریشی عورتیں جو نشۂ فتح و کامرانی میں چور تھیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ میدانِ جنگ میں زیرِ لب گنگناتی ہوئی مسلمان شہداء کی لاشوں کو بڑے انہماک کے ساتھ تلاش کرتیں اور انہیں بری طرح مسخ کرتیں پھر رہی تھیں۔

انہوں نے ان کے پیٹ چاک کر ڈالے...... آنکھیں پھوڑ دیں...... کان کاٹ لیے...... اور ناک تراش لیں۔ اور ان میں سے ایک عورت کی غیظ وغضب کی آگ اس کے بعد بھی ٹھنڈی نہ ہوئی، تو اس نے ان کٹے ہوئے اعضاء سے ہار اور پازیب بنا کر انہیں اپنے گلے اور پاؤں میں باندھ لیا۔ اور یہ سب کچھ اس نے اپنے باپ...... بھائی...... اور چچا کے انتقام میں کیا جو جنگِ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

مگر سلافہ بنتِ سعد کی شان اُس کے ساتھ کی عورتوں سے بالکل مختلف تھی، وہ نہایت اضطراب و بے چینی کی کیفیت میں مبتلا تھی اور انتہائی بے قراری کے ساتھ اپنے شوہر یا تینوں لڑکوں میں سے کسی ایک کی آمد کی منتظر تھی، تاکہ اس کے ذریعے دوسروں کی خیریت معلوم کر سکے اور پھر وہ بھی دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر جشنِ فتح منائے۔

لیکن اس کے انتظار کی یہ طویل گھڑیاں طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئیں، اور ان میں سے کوئی ایک بھی واپس نہ آیا۔ آخر کار وہ میدان جنگ میں گھس گئی، وہ مقتولین کے چہروں کو بغور دیکھتی پھر رہی تھی، اچانک اس کی نگاہ اپنے شوہر کی لاش پر پڑی جو اپنے خون میں لت پت زمین پر پڑا تھا، وہ کسی خوف زدہ شیرنی کی طرح پورے میدان میں تیزی سے اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ وہ اپنے بیٹوں مسافع، کلاب اور جلاس کی تلاش میں ہر سمت اپنی نظریں دوڑاتی رہی اور آخر کار انہیں بھی اس نے تلاش کر ہی لیا۔

وہ احد کے پہاڑ کے نیچے کی طرف زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے مسافع اور کلاب تو اپنا سفرِ حیات ختم کر چکے تھے، البتہ جلاس کو اس نے اس حال میں پایا کہ اس کی زندگی کی آخری سانسیں ابھی باقی تھیں۔ سلافہ اپنے بیٹے کے اوپر جھک گئی جو سکراتِ موت میں تھا۔ اس نے جلاس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور

اس کے چہرہ اور پیشانی سے خون صاف کرنے لگی، اس ہولناک منظر کو دیکھ کر آنسو اس کی آنکھوں سے خشک ہو چکے تھے۔ وہ جلاس کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہوئی بولی:

"مَنْ صَرَعَكَ يَا بُنَيَّ؟"

تَرْجَمَہ: "میرے لال! تجھے کس نے مارا ہے۔"

جلاس جواب دینا چاہتا تھا لیکن عالمِ نزع کی خرخراہٹ اس کے آڑے آگئی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ سلافہ نے بار بار اور اصرار کے ساتھ پوچھا تو اس نے بہ مشکل صرف اتنا کہا:

"صَرَعَنِيْ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ، وَصَرَعَ أَخِيْ مُسَافِعًا وَ ......"

تَرْجَمَہ: "مجھے عاصم بن ثابت نے مارا ہے۔ اور میرے بھائی مسافع کو بھی۔ اور......"

اور جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی اس نے آخری ہچکی لی اور اس کا جسم بے جان ہو کر ٹھنڈا ہو گیا۔

سلافہ کا حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے انتقام لینا

سلافہ بنتِ سعد اس صورت حال کو دیکھ کر دیوانی ہو گئی، وہ بآوازِ بلند چیخ چیخ کر رونے لگی اور وہ لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہنے لگی:

"أَلَّا تَهْدَأُ لَهَا لَوْعَةٌ أَوْتَرْقَا لِعَيْنِهَا دَمْعَةٌ إِلَّا إِذَا ثَأَرَتْ لَهَا قُرَيْشٌ مِنْ عَاصِمِ ابْنِ ثَابِتٍ، وَأَعْطَتْهَا قِحْفَ رَأْسِهِ لِتَشْرَبَ فِيْهِ الْخَمْرَ ......"

تَرْجَمَہ: "جب تک قریش میرے لیے عاصم بن ثابت سے انتقام نہ لے لیں اور مجھے شراب پینے کے لیے عاصم کی کھوپڑی نہ دے دیں، نہ میری بے قراری کو قرار نصیب ہوگا، نہ میری آنکھوں سے آنسو خشک ہوں گے۔"

پھر اس نے اپنے غم کی تسکین کے لیے نذر مانی:

"جو شخص عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا یا قتل کر کے ان کا سر پیش کرے گا تو وہ اسے منہ مانگی دولت دے گی۔"

اس کی یہ نذر قریش میں مشہور ہو گئی اور مکہ مکرمہ کے ہر جیالے اور قسمت آزما نوجوان کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش وہ عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے یا اس کا سر سلافہ کے سامنے پیش کر کے اس کے اعلان کردہ انعام کا مستحق قرار پائے۔

جنگِ احد کے خاتمے کے بعد مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔ وہ جنگ اور اس میں پیش آنے والے واقعات کا آپس میں ذکر کرتے، اور ان بہادروں کے لیے اظہارِ ہمدردی و غم گساری کرتے جو جنگ میں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ اور ان لوگوں کے حق میں تعریفی کلمات کہتے جنہوں نے بہت زیادہ جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کیا اور تلوار چلانے کے جوہر دکھائے۔

وہ خاص طور سے حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا تذکرہ کرتے اور اس بات پر اظہارِ حیرت کرتے کہ ان کے لیے کس طرح یہ ممکن ہوا کہ انہوں نے ایک ہی گھر کے تین حقیقی بھائیوں کو خاک و خون میں ملایا اور ان کے علاوہ بھی کئی ایک کو موت کے گھاٹ اتارا۔

یہ سن کر ان ہی میں سے کسی نے کہا:

اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟

کیا آپ لوگوں کو یہ بات یاد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جنگِ بدر سے کچھ پہلے ہم لوگوں سے دریافت فرمایا تھا کہ تم لوگ قتال کس طرح کرو گے؟

تو اس وقت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے کمان ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا:

آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی بے مثال جنگی مہارت

''جب دشمن ہم سے سو ہاتھ کے فاصلے پر ہوگا تو ہم تیر اندازی سے کام لیں گے...... اور جب وہ قریب آ جائیں گے اور ہمارے نیزوں کی پہنچ کے دائرے میں ہوں گے تو نیزہ بازی ہوگی...... حتیٰ کہ نیزے ٹوٹ جائیں گے، اور جب نیزے ٹوٹ جائیں گے تو ہم انہیں پھینک کر اپنی تلواریں بے نیام کر لیں گے۔ اور ہم تلوار چلانے کی مہارت دکھائیں گے۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''هٰكَذَا لَحَرْبُ ...... مَنْ قَاتَلَ فَلْيُقَاتِلْ كَمَا يُقَاتِلُ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ.''

تَرْجَمَہ: ''واقعی یہ ہے جنگ کا صحیح طریقہ جو دشمن سے جنگ لڑنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاصم بن ثابت کی طرح جنگ کرے۔''

مشرکین کی بدعہدی اور حضرت عاصم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی شہادت

جنگِ احد کے کچھ دنوں بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک کام پر بھیجنے کے لیے چھ صحابۂ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ

کو طلب فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔

نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان حضرات کی یہ مختصر سی جماعت روانہ ہوگئی، وہ اپنے اس سفر کے دوران مکہ مکرمہ کے قریب ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ قبیلہ بنو ہذیل کے کچھ لوگوں کو اِن کے بارے میں خبر ہوگئی۔ خبر ملتے ہی وہ تیزی کے ساتھ ان کی طرف دوڑ پڑے اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

یہ دیکھ کر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور بنو ہذیل کے لوگوں سے لڑنے کے لیے تیار ہوگئے۔ قبیلہ بنو ہذیل کے لوگوں نے کہا:

"تم لوگ ہم سے مقابلہ نہیں کر سکو گے اور نہ ہی ہم سے لڑ کر اپنی جانیں بچا سکو گے، اس لیے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اپنے ہتھیار رکھ دو۔ واللہ! ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، ہم اپنے اس عہد پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔"

اصحابِ رسول ﷺ نے یہ سن کر ایک دوسرے کی طرف مشورہ طلب نظروں سے دیکھا، تب حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"أَمَّا أَنَا فَلَا أَنْزِلُ فِيْ ذِمَّةِ مُشْرِكٍ، ثُمَّ تَذَكَّرَ نَذْرَ سُلَافَةَ الَّذِيْ نَذَرَتْهُ، وَجَرَّدَ سَيْفَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَحْمِيْ لِدِيْنِكَ وَأُدَافِعُ عَنْهُ ......
فَاحْمِ لَحْمِيْ وَعَظْمِيْ وَلَا تُظْفِرْ بِهِمَا أَحَدًا مِنْ أَعْدَاءِ اللّٰهِ......"

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! میں تو کسی مشرک کے عہد و پیمان پر اعتماد کر کے خود کو اس کے حوالے نہیں کر سکتا، پھر انہوں نے دل ہی دل میں سلافہ بنت سعد کی نذر کو یاد کیا اور یہ کہتے ہوئے تلوار سونت لی۔ اے اللہ! میں تیرے دین کی حمایت میں کھڑا ہوا اور اس کی طرف سے مدافعت کر رہا ہوں۔
اے اللہ! میرے گوشت اور ہڈی کو اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا اور ان پر کسی کو قابو نہ دینا۔"

پھر وہ بنو ہذیل پر ٹوٹ پڑے۔ اس حملے میں ان کے دو ساتھیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ لوگ دشمن سے برابر لڑتے رہے اور ایک ایک کر کے تینوں شہید ہوگئے۔ ان کے باقی ساتھیوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا، لیکن ان دشمنوں نے اپنے عہد و پیمان کو پورا نہ کیا اور ان کے ساتھ بدترین قسم کی غداری اور بدعہدی کے ساتھ پیش آئے۔

قبیلہ بنو ہذیل والوں کو پہلے یہ بات معلوم نہ تھی کہ ان کے ہاتھوں قتل ہونے والوں میں سے ایک حضرت

عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی ہیں۔

بعد میں جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کے بدلے وہ ایک بڑا انعام حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

کیوں کہ سلافہ بنتِ سعد نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر قابو پا جائے گی تو ان کے سر میں شراب پیئے گی، اور اس نے حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو زندہ یا مردہ کسی بھی حالت میں اپنے سامنے پیش کرنے والے کو منہ مانگا انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت

حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت کے چند گھنٹوں کے اندر اندر قریش کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ کیوں کہ ہذیل کا قبیلہ مکہ مکرمہ کے قریب ہی آباد تھا۔ یہ خبر ملتے ہی سردارانِ قریش نے قاتلین کے پاس ان کا سر لانے کے لیے ایک قاصد بھیجا تا کہ وہ سلافہ بنتِ سعد کی آتشِ انتقام کو بجھا سکیں، اس کی نذر پوری کر سکیں اور اس کے تینوں بیٹوں کا غم کچھ ہلکا کر سکیں جن کو حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔

سردارانِ قریش نے قاصد کو چلتے وقت ایک بڑی رقم دیتے ہوئے اس بات کی تاکید کی۔

وہ بے دریغ مال خرچ کر کے ہر قیمت پر بنو ہذیل سے حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سر حاصل کر لے۔

بنو ہذیل جب حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سر جسم سے جدا کرنے کے لیے ان کی لاش کے پاس پہنچے تو یکا یک وہ شہد کی مکھیوں اور بھڑوں کے ایک جھنڈ کا سامنا کر رہے تھے جو ہر طرف سے ان کی لاش کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھیں۔

یہ لوگ جب بھی لاش کے قریب آنے کی کوشش کرتے تو وہ مکھیاں اور بھڑیں اڑ کر ان کے چہروں، آنکھوں اور جسم کے مختلف حصوں پر ڈنک مارتیں اور انہیں وہاں سے دور بھاگ جانے پر مجبور کر دیتیں۔ کئی بار کی لگا تار کوشش کے باوجود جب وہ لوگ ان کی لاش کے قریب پہنچنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپس میں کہا:

"دَعُوْهُ حَتّٰى يَجِنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ، فَإِنَّ الزَّنَابِيْرَ إِذَا حَلَّ الظَّلَامُ، جَلَتْ عَنْهُ وَخَلَّتْهُ لَكُمْ."

تَرجَمَۃ: ”فی الحال اسے یونہی چھوڑ دو اور رات کا اندھیرا پھیل جانے دو رات کی تاریکی میں یہ بھڑیں خود ہی اس کو چھوڑ کر چلی جائیں۔ اور اس وقت ہم بآسانی اپنا مقصد حاصل کرلیں گے۔“

چناں چہ وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ کر شب کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ دن ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور رات کی آمد میں ابھی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر کالی گھٹائیں چھاگئیں، فضا گہری تاریکی میں ڈوب گئی اور ماحول بجلی کی زوردار اور لگاتار گرج سے لرزنے لگا۔ اور پھر موسلا دھار بارش کا سلسلہ کچھ اس طرح شروع ہوگیا جیسے آسمان کے بند ٹوٹ گئے ہوں، نالوں میں پانی تیزی کے ساتھ بہنے لگا، وادیاں اور گھاٹیاں سب جل تھل ہو گئیں اور پانی کا ریلا زمین پر پڑی ہوئی ہر چیز کو اپنے ساتھ بہائے لیے چلا گیا۔

صبح کو بنو ہذیل حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی لاش کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے مگر انہیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سیلاب کی موجیں اسے دور بہت دور نہ جانے کہاں بہا کر لے گئیں۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ان کے جسدِ اطہر کو مسخ ہونے سے بچالیا، اور ان کے سر مبارک کو اس بات سے محفوظ رکھا کہ ان کی کھوپڑی میں شراب پی جائے، اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے مسلمانوں پر غالب آنے کی تمام راہیں بند کردیں۔

فوائدِ ونصائح

اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے ہیں

حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص بھی اللہ کے دین کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہوگا، وہ ہر حال میں کامیاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کی ہر طرح سے حفاظت فرمائیں گے۔ جیسا کہ اللہ نے صحابیٔ رسول حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بدن مبارک کی حفاظت فرمائی، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمانے کے لیے کسی سبب، نقشے، اہتمام یا کسی بندوبست کے ہرگز محتاج نہیں بل کہ جیسا چاہے اللہ اپنی قدرت سے حفاظت فرمالیتا ہے۔

اس لئے ہر حال میں اللہ ہی کی ذات عالی کا ہم یقین رکھنے والے ہوں اور اللہ ہی سے امیدیں وابستہ رکھنے والے ہوں۔ دنیاوی اسباب اور مادی نقشہ نفع یا نقصان دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ ان سے نفع کا ارادہ فرمالے تو یہ نفع دیں گے اور اگر اللہ نفع کا ارادہ نہ فرمائیں تو یہ سارے اسباب

ل کر نفع نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اسباب کے ذریعے حفاظت کرنا اور اسباب کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جیسے کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کی حفاظت من جانب اللہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کے جھنڈ کے ذریعے ان کی حفاظت فرمادی۔

مُذاکرہ

سُؤال: ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ کی چند عورتیں احد پہاڑ کے پاس دف بجا بجا کر کیا گا رہی تھیں؟

سُؤال: سلافہ بنتِ سعد نے اپنے بیٹوں کے قتل کیے جانے پر لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کیا کہا؟

سُؤال: حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ بنو ہذیل کی اس بات کا ”تم لوگ ہم سے مقابلہ نہیں کر سکو گے، اس لیے اپنے ہتھیار رکھ دو“ کیا جواب دیا؟

سُؤال: حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بنو ہذیل نے کیا ارادہ کیا، اور اس میں کیوں کامیاب نہ ہو سکے؟

◆

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا

"صَفِيَّةُ أَوَّلُ امْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ قَتَلَتْ مُشْرِكاً دِفَاعاً عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ"

تَرْجَمَہ: "صفیہ پہلی وہ مسلمان خاتون ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کا دفاع کرتے ہوئے ایک مشرک کو قتل کر ڈالا۔"

تعارف

یہ کون انتہائی سنجیدہ...... باوقار......اور معزز خاتون ہیں جو ہزاروں مردوں سے افضل ہیں؟

یہ کون شیر دل بہادر صحابیہ ہیں جنہوں نے اسلام میں سب سے پہلے کسی مشرک کو قتل کیا؟

یہ کون عقل مند خاتون ہیں جن کے ہاتھوں اُس اوّلین شہ سوار کی نشو ونما ہوئی جس نے اللہ کی راہ میں اپنی تلوار کو بے نیام کیا؟

یہ ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پھوپھی، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا۔

بزرگی وشرف نے ہر طرف سے ان کا احاطہ کر رکھا تھا۔ ان کے والد تھے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دادا محترم، قریش کے بڑے اور اس کے ہر دل عزیز سردار عبدالمطلب بن ہاشم۔

ان کی والدہ تھیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خالہ ہالہ بنتِ وہب اور ان کے پہلے شوہر تھے حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے بھائی حارث بن حرب، جن کا انتقال ہو چکا تھا۔

ان کے دوسرے شوہر عوام بن خویلد تھے جو دورِ جاہلیت میں عرب خواتین کی سردار اور پہلی اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کے بھائی تھے۔

اور ان کے بیٹے تھے حواریٔ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (حضور کے ساتھی) حضرت زبیر بن عوام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ۔

اس کے بعد ایمان کے علاوہ بزرگی وشرف کا اور کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے جس کے حصول کی تمنا کسی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی پرورش

ان کے شوہر عوام بن خویلد کی وفات کے وقت ان کے صاحب زادے "زبیر" ایک کم سن بچے تھے۔

باپ کے انتقال کے بعد زبیر کی پرورش، دیکھ بھال کی ساری ذمہ داری ان کی ماں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اوپر آن پڑی۔ اور انہوں نے ان کی تعلیم وتربیت میں ان اصولوں کو اپنے سامنے رکھا جن پر آگے چل کر ان کے اندر صبر...... جفاکشی...... شہ زوری...... اور شہسواری کی صلاحیتوں میں ترقی ہو۔

چناں چہ دوسرے بچکانہ کھیلوں کے بجائے وہ ان کو تیر اندازی اور کمانوں کی مرمت کا کھیل کھلایا کرتی تھیں۔ وہ ان کی تربیت کے معاملے میں اپنا رویہ نہایت سخت رکھتیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی نرمی نہیں کرتی تھیں۔ وہ برابر ان کو خوف ناک اور پر خطر جگہوں میں داخل کرتیں اور جب ان کے اندر کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا جھجک محسوس کرتیں تو بڑی سخت مار مارتیں تھیں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ زبیر کے ایک چچا نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

"بچوں کو اس طرح بے دردی کے ساتھ نہیں مارا جاتا۔ تم تو بچے کو اس طرح مارتی ہو جس سے ماں کی مامتا اور پیار کے بجائے غیظ وغضب کا اظہار ہوتا ہے۔"

لیکن انہوں نے اس احتجاج کو رد کرتے ہوئے کہا:

"مَنْ قَالَ قَدْ اَغْضَبْتُهٗ فَقَدْ كَذَبَ وَ اِنَّمَا اَضْرِبُهٗ لِكَیْ يَلَبِ وَيَهْزِمُ الْجَيْشَ وَيَاتِیْ بِالسَّلَبْ"

تَرجَمَہ: "جس نے کہا کہ میں اس کے اوپر اپنے غصے کا اظہار کرتی ہوں، اس نے غلط کہا۔ میں تو اس کو صرف اس لیے مارتی ہوں کہ یہ چالاک اور ہوشیار ہو جائے۔ اور لشکر کو شکست دے کر مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسلام قبول کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دینِ حق و ہدایت دے کر مبعوث فرمایا۔ حضور ﷺ کو لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کو اپنے اعزہ واقربا سے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کرنے کا حکم دیا، تو آپ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کے سارے مردوں...... عورتوں...... بڑوں...... اور چھوٹوں کو جمع کر کے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ، يَا بَنِی عَبْدِ الْمُطَّلِبْ اِنِّی لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا."

ترجمہ: ''اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے آل عبدالمطلب! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔''

پھر آپ ﷺ نے ان کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کی دعوت دی تو کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور کچھ لوگوں نے اس سے اعراض کیا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تصدیق کرنے والے اہل ایمان کے پہلے گروہ میں شامل تھیں۔ اور اس وقت انہوں نے عظمت و شرف کو ہر طرف سے سمیٹ لیا۔ ان کو خاندانی شرافت کے ساتھ اسلام کا اعزاز بھی حاصل ہو گیا۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے نوجوان صاحب زادے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبارک جماعت میں شریک ہو گئے، اور ان تمام تکالیف و مصائب کا سامنا کیا جو کفارِ قریش کے ہاتھوں شروع کے مسلمانوں کو برداشت کرنے پڑے تھے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اہلِ ایمان کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت دی تو قبیلۂ ہاشم کی اس معزز خاتون نے مکہ مکرمہ کی اپنی تمام خوب صورت یادوں، خاندانی شرافتوں اور قابلِ فخر یادگاروں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا، اور اللہ و رسول کے لیے ہجرت کی نیت سے صرف اپنے دین کو لے کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئیں۔

اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے جہاد کے مختلف میدانوں میں ایسے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے جن کا ذکر اسلامی تاریخ ہمیشہ حیرت کے ساتھ کرتی رہے گی، اور ان کی تعریف ہمارے مؤرخین برابر کرتے رہیں گے۔ ہمارے لیے یہاں ان میں سے صرف دو کارناموں کا ذکر کافی ہے۔ پہلے کا تعلق غزوۂ احد اور دوسرے کا تعلق غزوۂ خندق سے ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غزوۂ احد میں جرأت و بہادری

غزوۂ احد کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان خواتین کی ایک ٹولی میں شامل ہو کر مجاہدین کے لشکر کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلیں، اس موقع پر وہ پیاسوں کو پانی پلانے کے علاوہ تیروں کی درستی اور کمانوں کی اصلاح و مرمت کی خدمت بھی انجام دے رہی تھیں، اس کے علاوہ ان کا ایک خاص مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام جنگی کارروائیوں کا اپنی آنکھوں سے خود مشاہدہ کر سکیں۔

اور اس میں تعجب کی کوئی گنجائش اس لیے نہیں ہے کہ خود ان کے بھتیجے حضرت محمد ﷺ، ان کے بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بیٹے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس جنگ میں

شریک تھے۔

اور ان تمام باتوں سے بڑھ کر اور ہر چیز سے پہلے اس جنگ سے اس اسلام کا مستقبل وابستہ تھا جس کو انہوں نے اپنی خوشی سے قبول کیا تھا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ایک قلیل تعداد کے علاوہ سارے مسلمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ جنگ میں تنہا چھوڑ کر منتشر ہو گئے، اور قریب تھا کہ مشرکین رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں تو انہوں نے اپنا مشکیزہ زمین پر پھینک دیا، اور اس بپھری ہوئی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑیں جس کے بچوں پر حملہ کر دیا گیا ہو۔

انہوں نے ایک بھاگتے ہوئے مسلمان کے ہاتھ سے اس کا نیزہ چھینا اور دشمن کی صفوں کو چیرتی، نیزے سے حملہ کرتی اور گرج کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھیں۔

"وَيْحَكُمْ اَنْهَزَمْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟"

تَرجَمَہ: "تمہارا برا ہو، کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو؟"

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقامِ صبر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آگے بڑھتے دیکھا تو آپ کو اس بات کا اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کی نگاہیں اپنے بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش پر نہ پڑ جائیں، جو زمین پر پڑی ہوئی تھی اور مشرکین نے مثلہ کر کے اس کی شکل بری طرح بگاڑ دی تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"زبیر اپنی ماں کو روکو، ان کو اِدھر نہ آنے دو۔"

تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو روکتے ہوئے کہا:

"يَا أُمَّه إِلَيْكِ ...... إِلَيْكِ يَا أُمَّه."

تَرجَمَہ: "امی پیچھے ہٹیے، اِدھر نہ آیئے۔"

مگر انہوں نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

"پرے ہٹ جا۔"

تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَأْمُرُكِ أَنْ تَرْجِعِيْ ......"

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں۔"

انہوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

"وَلِمَ؟ إِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِيْ أَنَّهُ مُثِّلَ بِأَخِيْ، وَذٰلِكَ فِي اللّٰهِ ......"

ترجمہ: "مگر کیوں؟ مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تو اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔"

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خَلِّ سَبِيْلَهَا يَا زُبَيْرُ"

ترجمہ: "زبیر ان کا راستہ چھوڑ دو ان کو جانے دو۔"

اور وہ ان کے راستے سے ہٹ گئے۔

جنگ کے خاتمے پر جب انہوں نے اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال لیا گیا ہے، کان اور ناک کاٹ لیے گئے ہیں اور چہرہ مسخ کر دیا گیا ہے تو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّ ذٰلِكَ فِي اللّٰهِ......
لَقَدْ رَضِيْتُ بِقَضَاءِ اللّٰهِ.
وَاللّٰهِ لَأَصْبِرَنَّ، وَلَأَحْتَسِبَنَّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ."

ترجمہ: "یہ سب اللہ کی راہ میں ہے، میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں صبر کروں گی اور اسی سے اجر کی امید رکھوں گی۔"

یہ تھا حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ کردار جو انہوں نے غزوۂ احد میں ادا کیا۔ اور جو کردار انہوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر پیش کیا تھا اس کی داستان بھی نہایت جرأت آفریں اور حیرت انگیز ہے، جس میں انہوں نے نہایت بہادری اور ہمت کا مظاہرہ کیا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر دشمن کا قتل

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو اس اندیشے سے کہ کہیں کوئی

غدار ان کے محافظوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر غداری پر آمادہ نہ ہو جائے، عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ قلعے میں بھیج دیتے تھے۔

چناں چہ حسبِ معمول غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج، اپنی پھوپھی اور کچھ دوسری مسلمان خواتین کو ان کی حفاظت کے پیشِ نظر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک قلعے میں، جو ان کے آباء واجداد سے وراثت میں ان کو ملا تھا، اور مدینے کے قلعوں میں سب سے محفوظ اور دشمن کی پہنچ سے بہت دور تھا اس میں بھیج دیا۔

اسی دوران ایک موقع پر جب کہ مسلمانوں کو جنگی مصروفیات اور خندق کے اطراف میں پہرے کی مشغولیت کی وجہ سے دشمنوں سے مسلمان عورتوں اور بچوں کی حفاظت یاد نہ رہی، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کے اندھیرے میں کیا دیکھتی ہیں کہ قلعے کے نزدیک ایک سایہ متحرک ہے، اور انہوں نے کسی کے پاؤں کی آہٹ بھی سنی، اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی یہودی ہے جو قلعے کی طرف آرہا ہے۔ وہ قلعے کے حالات معلوم کرنے اور اس کے اندر موجود لوگوں کی معلومات کے لیے اس کے گرد چکر لگانے لگا۔

اس کی حرکات دیکھ کر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً سمجھ گئیں کہ یہ اپنی قوم کا جاسوس ہے، اور یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہی ہیں یا ان کی حفاظت کے لیے کچھ مرد بھی موجود ہیں۔ اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے دل میں کہا:

''بنو قریظہ کے یہودی یقیناً اس عہد کو توڑ کر، جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا، مسلمانوں کے خلاف قریش اور ان کے حلیفوں کی مدد پر آمادہ ہو چکے ہیں، اور ہمارے اور ان غداروں کے درمیان ایک بھی مسلمان نہیں ہے جو ان کے مقابلے میں ہماری مدافعت کر سکے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ ایمان ساتھی دشمن کے مقابلے میں مصروف ہیں۔

ایسی صورت میں اگر یہ اللہ کا دشمن ہماری صحیح صورتِ حال اپنی قوم کے پاس پہنچانے میں کامیاب ہو گیا، تو یہودی مسلمان عورتوں کو گرفتار کر لیں گے اور بچوں کو غلام بنا لیں گے اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصیبت ہو گی۔''

چناں چہ اس وقت انہوں نے اپنے دوپٹے کو اچھی طرح سر پر لپیٹا...... کپڑوں کو کمر سے کس کر باندھا ...... کندھے پر خیمے کا ایک ستون رکھا اور قلعے کے دروازے کی طرف اتر گئیں۔ پھر نہایت آہستگی اور پوری

احتیاط کے ساتھ اسے کھولا اور ہوشیاری کے ساتھ دروازے کے شگاف سے اس کا انتظار کرنے لگیں۔

جب وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں ان کے لیے اس پر قابو پالینے کا پختہ یقین ہو گیا تو انہوں نے پوری ہوشیاری کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور اس کے اوپر ستون سے ایک بھرپور وار کر کے اسے زمین بوس کر دیا۔

پھر انہوں نے یکے بعد دیگرے مسلسل کئی ضربیں لگا کر اسے ٹھنڈا کر دیا۔ پھر خنجر نکال کر اس کے سر کو تن سے جدا کیا اور اس کو بلندی سے نیچے پھینک دیا جو قلعے کے دامن میں لڑھکتا ہوا ان یہودیوں کے سامنے جا کر رک گیا جو نیچے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

یہودیوں نے جب اپنے آدمی کے سر کو دیکھا تو (خوف زدہ ہو کر) آپس میں کہنے لگے:

ہمیں معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عورتوں کو اور بچوں کو تنہا نہیں چھوڑا کرتے ہیں (یعنی مردوں کی ایک جماعت بھی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اس لیے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم فوراً اِدھر سے چلے جائیں) چناں چہ یہ کہہ کر وہ سب یہودی وہاں سے فرار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راضی ہو جائے کہ ان کی مبارک زندگی مسلمان خواتین کے لیے ایک مثالی زندگی ہے، خصوصاً تربیت کے حوالے سے کہ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہتر طور پر تربیت فرمائی۔

فوائد و نصائح

دین پر قربان ہونے کا جذبہ

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جذبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کریں اور دین کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیں، اسی طرح صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بھی یہی جذبہ تھا۔ بچے اور بوڑھے بھی اس جذبے سے خالی نہ تھے۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری صلاحیتیں لگا دینا، ساری بہادری دکھا دینا حتیٰ کہ جان کو قربان کر دینے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا۔

اللہ سے اجر کی امید پر صبر کرنا

اس واقعے میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہادری اور دلیری کا ذکر ہے کہ کس طرح انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور جنگ میں مسلمانوں کے

جوش اور جذبے کو بڑھایا۔ غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئیں اور اسی غزوہ میں ان کے بھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو بجائے اس کے کہ شور اور واویلا کریں، روئیں اور آہ وزاری کریں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ ”یہ سب اللہ کی راہ میں ہے میں اس سے راضی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں صبر کروں گی اور اسی سے اجر کی امید رکھوں گی۔“

انہیں یہ پختہ یقین تھا کہ موت تو بہر حال سب کو آنی ہے کوئی بھی ہمیشہ کے لیے دنیا میں نہیں رہے گا۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت مل جائے تو اس سے بڑی خوش نصیبی کی اور کیا بات ہوگی۔ اور اس شہادت پر تو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے ہر صحابی و صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی جنت کے شوق و جذبے سے سرشار تھے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر بھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیسی بہادری اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ کہ ایک یہودی کو تن تنہا قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت کا شوق نصیب فرمائیں اور اپنے دین کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ نصیب فرمائیں آمین۔

مذاکرہ

سوال: غزوۂ احد کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کتنی تھی؟

سوال: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کس حالت میں دیکھی اور انہوں نے کیا فرمایا؟

سوال: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زبیر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا رشتہ تھا؟

سوال: غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قلعے کے باہر ایک یہودی جاسوس کو کیسے قتل کیا؟

◆

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"رَحِمَ اللّٰهُ خَبَّابًا اَسْلَمَ رَاغِبًا وَهَاجَرَ طَائِعًا، وَ عَاشَ مُجَاهِدًا" (علی بن أبی طالب)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ خباب پر رحم فرمائے، انہوں نے دلی رغبت سے اسلام قبول کیا، اپنی خوشی سے ہجرت کی اور ایک مجاہد کی زندگی گزاری۔"

بچپن کے حالات

امّ انمار خزاعیہ ایک روز مکے میں واقع غلاموں کے بازار میں پہنچی۔ وہ ایک ایسا غلام خریدنا چاہتی تھی کہ اس سے گھریلو خدمت بھی لے اور اس کی کمائی سے فائدہ بھی حاصل کرے۔

چناں چہ وہ فروخت کے لیے آئے ہوئے ایک ایک غلام کے چہرے کو بغور دیکھتی پھر رہی تھی، آخر اس کی نگاہ ایک لڑکے پر جا کر ٹک گئی۔ وہ صحت مند تھا اور ابھی سنِ بلوغت تک بھی نہیں پہنچا تھا۔ شرافت کے آثار اس کے چہرے سے نظر آتے تھے، اسے یہ لائق و شریف بچہ پسند آگیا اور اس نے قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر گھر کی طرف روانہ ہوگئی، گھر جاتے ہوئے امّ انمار نے راستے میں اس سے پوچھا۔

"مَا اسْمُكَ يَا غُلَامُ؟"

ترجمہ: "بچے! تمہارا کیا نام ہے؟

بچے نے جواب دیا:

"خَبَّاب."

ترجمہ: "خباب۔"

امّ انمار نے پوچھا:

"وَمَا اسْمُ أَبِيكَ؟"

ترجمہ: "اور تمہارے والد کا؟"

بچے نے کہا:

"الأَرَتْ."

تَرجَمَہ: "ارت"

امّ انمار نے پوچھا:

"وَمِنْ أَيْنَ اَنْتَ؟"

تَرجَمَہ: "کہاں کے رہنے والے ہو؟"

بچے نے کہا:

"مِنْ نَجْدٍ."

تَرجَمَہ: "نجد کا۔"

امّ انمار نے پوچھا:

"إِذَنْ اَنْتَ عَرَبِيٌّ؟"

تَرجَمَہ: "تب تم عربی النسل ہو؟"

بچے نے جواب دیا:

"نَعَمْ وَمِنْ بَنِي تَمِيْمٍ."

تَرجَمَہ: "جی ہاں، اور میرا تعلق بنو تمیم سے ہے۔"

امّ انمار نے پوچھا:

تم مکہ میں غلاموں کے سوداگروں کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟

بچے نے کہا:

"ایک قبیلے کے لوگوں نے ہماری بستی پر اچانک چھاپہ مار کر ہمارے جانوروں کو چھین لیا...... عورتوں کو گرفتار کرلیا...... اور بچوں کو پکڑ لیا، پکڑے جانے والے بچوں میں میں بھی تھا جو ہاتھوں ہاتھ بکتا ہوا یہاں مکہ پہنچ گیا اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں۔"

امّ نمار نے اپنے اس غلام کو مکے کے ایک مشہور کاریگر کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس سے اسلحہ سازی کا ہنر سیکھے۔ انہوں نے بہت جلد اس فن میں مہارت حاصل کرلی اور اس میں ماہر ہو گئے۔ اور جب ان کے بازو خوب طاقت ور ہو گئے اور وہ جسمانی طور پر کافی مضبوط ہو گئے تو امّ نمار نے ایک دکان کرائے پر لی اور اسلحہ سازی کے لیے ضروری اوزار اور سامان خرید کر غلام کے حوالے کیا، اور ان کی مہارتِ فن کے ذریعے خوب مالی

فوائد حاصل کرنے لگی۔

چند ہی دنوں میں خباب کی فنی مہارت کی شہرت مکے کی پوری آبادی میں پھیل گئی، اور لوگ کثرت سے ان کے پاس تلواریں خریدنے کے لیے آنے لگے، کیوں کہ وہ ایک بہترین کاریگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خوش اخلاق دیانت دار اور سچے شخص تھے۔

ہدایت کی فکر

خباب اپنی کم عمری اور نوجوانی کے باوجود نہایت ہوشیار و سمجھ دار تھے، جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اکیلے میں بیٹھتے تو اکثر اس جاہلی معاشرے کے متعلق سوچا کرتے جو سر سے پیر تک فساد اور بگاڑ میں غرق ہو چکا تھا۔ اور انہیں یہ دیکھ کر کہ اہلِ عرب کی زندگی پر شدید قسم کی جہالت اور گم راہی مسلط ہے، جس کا شکار وہ خود بھی ہیں، تو وہ سخت گھبراہٹ میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے، مگر وہ مایوس نہ ہوتے تھے اور اچھی امید رکھتے ہوئے بے ساختہ پکار اٹھتے:

”لَا بُدَّ لِهٰذَا اللَّيْلِ مِنْ آخِر ......“

ترجمہ: ”ایک نہ ایک دن اس اندھیری اور تاریک رات کا خاتمہ ہو کر رہے گا (صبح کی روشنی ضرور آئے گی)۔“

اور دل ہی دل میں اپنے لیے درازیٔ عمر کی تمنا کرتے تاکہ اپنی آنکھوں سے جہالت وگم راہی کی اس تاریکی کو چھٹتے اور علم وہدایت کی روشنی کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھ لیں۔

اور خباب کو اس کے لیے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، ان کی آرزو بہت جلد پوری ہوگئی۔ ان کو ایک دن یہ خبر ملی کہ بنو ہاشم کے خاندان میں ایک نبی تشریف لائے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کو اچھی باتیں مل رہی ہیں۔

یہ خبر سنتے ہی وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کا پیغام سنا اور اس پیغام کے نور سے ان کا دل منور ہوگیا۔ چناں چہ انہوں نے پیغمبر ﷺ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اس بات کی گواہی دی:

”أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.“

ترجمہ: ”اللہ واحد کے سوا کوئی دوسرا لائقِ عبادت نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

اس طرح وہ اسلام میں داخل ہونے والے چھٹے شخص بن گئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت خباب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ پر ایک ایسا وقت بھی گزرا کہ وہ اسلام کا چھٹا حصہ تھے۔

اسلام کی خاطر مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا

حضرت خباب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اپنے اسلام کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے کہ ان کی مالکہ امّ انمار کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر بہت جلد معلوم ہوگئی، اس خبر کو سنتے ہی وہ غصہ سے بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنے بھائی سباع عبدالعزی کو ساتھ لیا، قبیلہ بنوخزاعہ کے کچھ اور نوجوان بھی اس کے ہمراہ گئے۔

یہ سب لوگ حضرت خباب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے یہاں پہنچے۔ اس وقت وہ اپنے کام میں مشغول تھے۔

سباع نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"لَقَدْ بَلَغَنَا عَنْكَ نَبَاءٌ لَمْ نُصَدِّقْهُ."

تَرْجَمَۃ: "اے خباب تمہارے متعلق ہم کو ایسی خبر ملی ہے کہ ہمارے دل اسے صحیح نہیں مانتے۔"

حضرت خباب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے پوچھا:

"وَمَا هُوَ؟"

تَرْجَمَۃ: "کون سی خبر؟"

سباع نے غصے سے تیز ہوتے ہوئے کہا:

"يُشَاعُ أَنَّكَ صَبَأْتَ وَتَبِعْتَ غُلَامَ بَنِيْ هَاشِمٍ."

تَرْجَمَۃ: "یہ بات ہر طرف مشہور ہو رہی ہے کہ تم بے دین ہوگئے ہو اور اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ کر بنی ہاشم کے اس نوجوان کی پیروی کرنے لگے ہو۔"

حضرت خباب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا:

"مَا صَبَأْتُ، وَ إِنَّمَا آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ......
وَنَبَذْتُ أَصْنَامَكُمْ، وَشَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ......"

تَرْجَمَۃ: "میں بے دین نہیں ہوا ہوں۔ میں اللہ "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" پر ایمان لایا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور میں نے تمہارے بتوں کی پرستش چھوڑ دی ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا جرأت مندانہ اقدام

حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے یہ الفاظ جیسے ہی سباع اور اس کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑے، وہ یکا یک ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے اوپر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی، اور جس کے ہاتھ میں جو چیز آگئی اسی سے مارنے لگا، چاہے وہ ہتھوڑا ہو یا لوہے کا ٹکڑا۔

وہ ان کو مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے، اور ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔

حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور امِّ انمار کے درمیان پیش آنے والے اس واقعے کی خبر پورے مکے میں جنگل کی آگ کی طرح بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئی، اور لوگ ان کی اس بے انتہا جرأت پر دنگ ہو کر رہ گئے۔ کیوں کہ اس سے پہلے انہوں نے کسی کے متعلق یہ سنا ہی نہ تھا کہ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اس طرح صراحت اور دلیری کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا ہو۔

سردارانِ قریش ان کی اس غیر معمولی جرأت پر سخت پریشان و حیران ہوئے، کبھی ان کے دماغ میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ امِّ انمار کے اس غلام کی طرح کا کوئی غلام اس حد تک جرأت کا مظاہرہ کرے گا، کہ کھلم کھلا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہے گا اور ہمارے باپ دادا کے دین کو گم راہی والا دین کہے گا۔

اس واقعے نے قریش کو اس بات کا یقین دلایا کہ یہ ان کی زندگی کا بدترین دن ہے۔ اور ان کا یقین کچھ غلط بھی نہ تھا، کیوں کہ اس کے بعد ہی حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی اس جرأت سے ان کے ساتھیوں کے اندر بھی اس بات کا حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ کھل کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔

چناں چہ ان کے بعد ہر ایک مسلمان نے کلمۂ شہادت کا علی الاعلان اظہار کرنا شروع کر دیا۔

صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ساتھ قریش کا رویہ

ایک روز ابوسفیان بن حرب ...... ولید بن مغیرہ ...... ابوجہل بن ہشام ...... اور دوسرے بہت سے سردارِ قریش بیت اللہ کے پاس ایک مجلس میں جمع تھے، اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ذات اور اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے بارے میں سوچنے لگے۔

انہوں نے محسوس کیا کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دعوت روز بروز بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چناں چہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مرض کے بڑھنے سے پہلے ہی اس کو ختم کر دیا جائے۔

اور وہ اس مجلس سے متفقہ طور پر اس بات کا فیصلہ کر کے اٹھے کہ ہر قبیلہ اپنے ان افراد کو، جنہوں نے محمد

ﷺ کی پیروی اختیار کی ہے ایسی دردناک اور عبرت انگیز سزا دے، کہ یا تو وہ اپنے اس نئے دین کو ترک کر کے پرانے دین کی طرف پلٹ آئیں یا پھر مر جائیں۔

اس فیصلے کی رو سے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ستانے کی ذمہ داری سباع بن عبدالعزی اور اس کے قبیلے بنوخزاعہ پر عائد ہوئی۔ چناں چہ عین دوپہر کے وقت جب دھوپ کی گرمی خوب تیز ہو جاتی، اور زمین سورج کی تیز اور گرم کرنوں سے تپ کر توا بن جاتی، تو یہ لوگ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکے سے باہر چٹیل پتھریلے میدان میں نکال کر لے جاتے ...... ان کے جسم سے کپڑے اتار کر انہیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے ...... اور تیز چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر کھڑا کر دیتے۔ مزید یہ کہ ان پر پانی بھی بند کر دیتے، یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ جاتی تو ان سے پوچھتے:

”مَا تَقُوْلُ فِیْ مُحَمَّدٍ؟“

تَرجَمۃ: ”محمد (ﷺ) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو جواب دیتے:

”عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ، جَاءَ نَا بِدِیْنِ الْھُدٰی وَالْحَقِّ، لِیُخْرِجَنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی النُّوْرِ.“

تَرجَمۃ: ”وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ہدایت اور دین حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں تا کہ ہم لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں داخل کریں۔“

یہ سنتے ہی وہ لوگ بپھر جاتے اور بے تحاشا ان کو لاتوں اور مکوں سے مارنے لگتے اور پھر پوچھتے:

”وَمَا تَقُوْلُ فِی اللَّاتِ وَالْعُزّٰی؟“

تَرجَمۃ: ”لات و عزیٰ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

وہ فرماتے:

”صَنَمَانِ أَصَمَّانِ أَبْکَمَانِ لَا یَضُرَّانِ وَلَا یَنْفَعَانِ ......“

تَرجَمۃ: ”یہ دونوں گونگے بہرے بت ہیں جو کسی کی بات سننے اور اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں، نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ کسی کو کوئی فائدہ دے سکتے ......“

اتنا سنتے ہی وہ آس پاس پڑے ہوئے گرم گرم پتھر اٹھا لاتے اور ان پتھروں کو ان کی پیٹھ سے چپکا دیتے،

یہاں تک کہ ان کے کندھے سے چربی پگھل کر بہنے لگتی۔

اور امّ انمار حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اپنے بھائی سباع سے کچھ کم سنگ دل نہ تھی۔ ایک روز اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دکان کی طرف سے گزرتے اور ان سے بات کرتے دیکھ لیا تو وہ غصے سے دیوانی ہوگئی۔ چناں چہ اس کے بعد وہ ہر دوسرے تیسرے روز ان کے یہاں آتی اور بھٹی میں سے دہکتا ہوا لوہا ان کے سر پر رکھ دیتی، جس سے ان کا سر جلنے لگتا اور وہ بے ہوش ہو کر گر جاتے، اور افاقہ ہونے پر اُمّ انمار اور اس کے بھائی کے حق میں بددعا کرتے۔

بددعا کا دنیا ہی میں اثر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی تیاری کر لی۔ لیکن انہوں نے مکہ مکرمہ کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اللہ تعالیٰ نے امّ نمار کے حق میں ان کی بددعا کو قبول نہیں کر لیا۔

چند روز کے بعد امّ انمار کے سر میں ایسا درد اٹھا کہ جس کی تکلیف ناقابلِ برداشت تھی اور جس کی مثال کبھی سننے میں نہیں آئی تھی۔ وہ شدتِ درد کے مارے اس طرح کراہتی اور آواز نکالتی جس طرح کوئی کتا بھونکتا ہے۔ اس کے لڑکے مختلف جگہوں پر اس کا علاج کراتے رہے، مگر کہیں افاقے کی کوئی صورت نہیں نظر آئی۔

ان کو بتایا گیا کہ اس درد سے نجات کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس کے سر کو لوہے کی گرم سلاخ سے برابر داغا جاتا رہے۔ طبیبوں کی ہدایت کے مطابق اس کے سر کو گرم لوہے سے داغا جانے لگا۔ جب گرم سلاخ سر کو لگتی تو اس کو اتنی شدید قسم کی تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے دردِ سر کی تکلیف کو بھول جاتی۔

مدینہ منورہ میں انصار کی مہمان نوازی اور ان کے حسنِ اخلاق سے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سکون و راحت کا مزہ چکھا جو انہیں مکہ مکرمہ میں ایک لمبے عرصے تک حاصل نہ ہوا تھا۔ یہاں آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و دیدار سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

اب یہاں ان کے سکون کو ختم کرنے اور اطمینان کو منتشر کرنے والی کوئی چیز نہ تھی، وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور آپ کے جھنڈے تلے بہادری کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا۔

نیز انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ احد میں بھی شرکت کی اور وہاں امّ انمار کے بھائی سباع بن عبدالعزی کی لاش دیکھی جس کو اللہ کے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا،

سباع بن عبدالعزی کی لاش دیکھ کران کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لمبی عمر عطا فرمائی۔ انہوں نے چاروں خلفاء راشدین کا مبارک اور مثالی زمانہ دیکھا اوران کے زیرِ سایہ عزت وشہرت کی زندگی گزاری۔

حضرت خباب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے ملاقات

ایک دن وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کے پاس پہنچے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ نہایت عزت واحترام کا برتاؤ کیا، ان کو اونچی جگہ پر بٹھایا اوران سے فرمایا:

"مَا أَحَدٌ أَحَقُّ مِنْكَ بِهٰذَا الْمَجْلِسِ غَيْرُ بِلَالٍ."

تَرْجَمَہ: "بلال کے سوااس جگہ پر بیٹھنے کا مستحق تم سے زیادہ دوسرا کوئی نہیں ہے۔"

پھران سے مشرکین کے ہاتھوں پہنچائی گئی سب سے زیادہ دردناک اور تکلیف دہ اذیت کے بارے میں دریافت کیا۔ پہلے تو وہ جواب دینے سے ہچکچائے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شدید اصرار پرانہوں نے اپنی پیٹھ سے چادر ہٹادی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے دیکھ کر چونک اٹھے اور بولے: یہ کیسے ہوا؟

تو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا:

"ایک دن مشرکین نے آگ جلا کرانگارے تیار کیے، پھرانہوں نے میرے جسم سے کپڑے اتار دیئے اور مجھے انگاروں پرلٹا کر گھسیٹتے رہے یہاں تک کہ میری پیٹھ کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہوگیا اور جسم سے نکلی ہوئی چربی نے ان انگاروں کوٹھنڈا کردیا۔"

مال کا بہترین استعمال

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے افلاس اور تنگ دستی کی زندگی گزاری تھی، لیکن اپنی عمر کے آخری دور میں وہ کافی مال دار ہوگئے تھے۔ وہ اس قدر سونے اور چاندی اور مال ودولت کے مالک بن گئے، جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ لیکن انہوں نے اس مال کوخرچ کرنے کا ایسا انوکھا طریقہ اختیار کیا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

انہوں نے اپنی دولت گھر کے ایک حصے میں رکھ دی تھی جس کوتمام ضرورت منداور فقراء ومساکین جانتے تھے۔ انہوں نے نہ تواس مال کی حفاظت ونگرانی کے لیے کسی آدمی کومقرر کیا اور نہ اس پر تالا لگایا۔ ضرورت مند اس میں سے جتنا چاہتے لے جاتے، اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس اندیشے میں مبتلا اوراس بات سے خوف زدہ

رہتے کہ ان سے اس مال کا حساب لیا جائے گا اور شاید مجھے اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سفرِ آخرت

ان کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے گئے، تو انہوں نے کہا:

"إِنَّ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ ثَمَانِيْنَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَاللّٰهِ مَا شَدَدْتُ عَلَيْهَا رِبَاطًا قَطُّ، وَلَا مَنَعْتُ مِنْهَا سَائِلًا قَطُّ ثُمَّ بَكٰى ......"

تَرْجَمَہ: "کہ اس جگہ اسی ہزار درہم ہیں۔ اللہ کی قسم! نہ تو میں نے اس پر کبھی کوئی روک ٹوک کی نہ کبھی کسی سائل کو اس میں سے لینے سے منع کیا، اتنا کہہ کر وہ رونے لگے۔"

جب ہم نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے:

"أَبْكِيْ لِأَنَّ أَصْحَابِيْ مَضَوْا وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْ أُجُوْرِهِمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا شَيْئًا، وَأَنِّيْ بَقِيْتُ فَنِلْتُ مِنْ هٰذَا الْمَالِ مَا أَخَافُ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوَابًا لِتِلْكَ الْأَعْمَالِ ......"

تَرْجَمَہ: "میں اس لیے روتا ہوں کہ میرے بہت سے ساتھی اس طرح دنیا سے گزر گئے کہ انہوں نے اپنے نیک اعمال (اور دین کو پھیلانے کی خاطر مشقت برداشت کرنے) کے بدلے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں حاصل کیا۔ لیکن میں زندہ رہا اور اس قدر دولت و جائداد میرے ہاتھ آئی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ میرے اعمالِ صالحہ کا بدلہ نہ ہو۔"

جب حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا، اور وہ اپنے ربِّ رحیم و کریم کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، تو امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:

"رَحِمَ اللّٰهُ خَبَّابًا. فَقَدْ أَسْلَمَ رَاغِبًا وَهَاجَرَ طَائِعًا وَعَاشَ مُجَاهِدًا وَلَنْ يُضِيْعَ اللّٰهُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے دلی رغبت سے اسلام قبول کیا، اپنی خوشی سے ہجرت کی اور ایک مجاہد کی زندگی گزاری۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کا اجر ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔"

فوائد و نصائح

اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں

اللہ تعالیٰ کسی محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے، جو کام کرے گا اس کا پھل پائے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”میں ضائع نہیں کرتا، محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت۔“

اس واقعے سے ہمیں مندرجہ ذیل سبق ملتے ہیں۔

① صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ نے دین پھیلانے کے لیے محنت فرمائی، تکلیفیں برداشت کیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

کفار نے بہت کوشش کی کہ اسلام نہ پھیلے، اس چھٹے صحابی کو اسلام چھوڑنے کے لیے کافی تکالیف دیں، تاکہ آئندہ کے لیے اس کا دروازہ ہی بند ہو جائے اس کی بھرپور کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو نیست و نابود فرما دیا۔ ان تکلیف دینے والوں میں سے بہت سے لوگوں کو ہدایت مل گئی اور باقی ختم ہو گئے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم نیت کریں کہ ہم صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی طرح دین پھیلانے کی محنت کریں گے۔

محنت کرتے رہیں اور مایوس نہ ہوئیے

② اسی طرح محنت کرتے کرتے نتیجہ نظر نہ آئے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے، اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ”اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔“

حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر رات کے بعد صبح ضرور آتی ہے، ہر مشکل کے بعد آسانی ضرور آتی ہے۔

---

[1] آلِ عِمْرٰن: ۱۹۰

[2] آلِ عِمْرٰن: ۱۷۱

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ظلم ہے

③ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہماری شریعت میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کا دل دکھانا ہے کسی پر ظلم کرنا ہے، اور مظلوم کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ امّ انمار اور اس کے بھائی سباع نے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تکالیف پہنچائیں، انہوں نے ان کے لیے بددعا کی، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ہلاک ہوئے۔

اس لیے ہمیں بھی ظلم سے بہت ڈرنا چاہیے کہ ہماری طرف سے کسی پر بھی ظلم نہ ہو، ہم کسی کو نہ ستائیں، نہ کسی کا دل دکھائیں، ہماری طرف سے کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچے اور اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے، جو دنیا میں کسی کو ستاتا ہے موت سے پہلے پہلے وہ ستایا جاتا ہے۔ عربی کا یہ مشہور جملہ یاد رکھنا چاہیے "مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْهِ بِئْرًا وَقَعَ فِیْهِ" جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے تو وہ خود اسی گڑھے میں گرتا ہے، انسان کا درجہ تو بہت اونچا ہے کسی جانور کو بھی نہیں ستانا چاہیے اور پھر انسان میں والدین کا درجہ تو سب سے اونچا ہے، اس لیے والدین کا بہت ادب و احترام کرنا چاہیے اور پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری طرف سے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس کے لیے ہدایت کی نیت کرتے ہوئے ان دو کتب کا مطالعہ ضرور کریں۔

① والدین کی خدمت (وعظ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)
② والدین کی قدر کیجیے (مکتبہ دار الہدیٰ)

اسی طرح "اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْم" کا ترجمہ "مظلوم کی آہ سے بچیے۔" کتاب کا مطالعہ بھی کرتے رہنا چاہیے جس میں ظلم کرنے والوں کا انجام اور دنیا ہی میں ظالم کے طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے کو تفصیل سے واقعات کی مدد سے بتلایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے کہ نہ ہم پر کوئی ظلم کر سکے، اور نہ ہم کسی پر ظلم کریں۔

یاد رکھیے نیکی و بدی کے ہر ایک درخت پر وہی پھل لگتا ہے جس کا درخت ہو۔

؎ گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

ترجمہ: "یعنی گندم اگنے کے بعد گندم، اور جو اگنے کے بعد جو ہی کاٹا جاتا ہے اس لیے اپنے اعمال کے بدلے اور عوض سے غافل مت رہنا۔"

مُذاکرہ

سُوَال: حضرت خباب بن ارت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو جس عورت نے خریدا تھا اس کا نام کیا تھا؟

سُوَال: حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے پہلے کتنے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے؟

سُوَال: امِّ انمار کے بھائی کا نام کیا تھا اور اس کو کس صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے قتل کیا تھا؟

سُوَال: حضرت علی بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کیا فرمایا تھا؟

حضرت ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مَا صَدَقَنِیْ أَحَدٌ مُنْذُ اسْتُخْلِفْتُ كَمَا صَدَقَنِیَ الرَّبِیْعُ بْنُ زِیَادٍ" (عمر بن خطاب)

ترجمہ: "خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سے اب تک کسی نے مجھ سے ایسی کھری بات نہیں کہی جیسی ربیع بن زیاد نے کہی ہے۔"

آپ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کرنا

ایک طرف تو شہرِ رسول مدینہ منورہ میں ہر شخص خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر غم سے نڈھال نظر آرہا تھا، تو دوسری طرف مختلف علاقوں کی طرف سے جماعتیں ان کے نائب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرنے کے لیے پے در پے مدینہ پہنچ رہی تھیں۔

ایک روز صبح کو اہلِ بحرین کی ایک جماعت بعض دوسرے قبائل کے وفود کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جماعت کی بات بڑے غور اور دلچسپی سے سنتے۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے ان کی گفتگو میں انہیں کوئی عمدہ نصیحت...... کوئی مفید مشورہ...... کوئی سوچنے کا پہلو...... یا اللہ تعالیٰ کے دین اور عام مسلمانوں کے لیے خیر و فلاح اور ہمدردی کی کوئی بات مل جائے۔

چناں چہ انہوں نے حاضرین میں سے متعدد لوگوں کو گفتگو کے لیے اپنے پاس بلایا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی کوئی خاص اور اہم بات نہیں کہی۔ تب وہ ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس کے چہرے پر خیر و برکت کے آثار نظر آرہے تھے، جس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندازہ کر چکے تھے کہ ان سے ضرور کوئی مفید اور قیمتی بات مل سکے گی۔

چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں اشارے سے اپنے پاس بلایا اور ان سے فرمایا آپ بھی کچھ کہیں: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت پا کر اس شخص نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف کی اور پھر ارشاد فرمایا:

"إِنَّكَ یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا وُلِّیْتَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا ابْتِلَاءً مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ابْتَلَاكَ بِهٖ.

فَاتَّقِ اللّٰهَ فِيمَا وُلِّيتَ، وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَوْ ضَلَّتْ شَاةٌ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ لَسُئِلْتَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے امیر المؤمنین! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امت کے معاملات کی ذمہ داری سپرد کر کے آپ کو ایک زبردست امتحان میں مبتلا کیا ہے۔ تو آپ خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہمیشہ اس سے ڈرتے رہیے۔ اور یہ جان لیجیے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو قیامت کے دن اس کے متعلق آپ سے پوچھا جائے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی یہ بات سن کر رو پڑے، ان کی آواز بلند ہوگئی اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''مَا صَدَقَنِيْ أَحَدٌ مُنْذُ اسْتُخْلِفْتُ كَمَا صَدَقْتَنِيْ، فَمَنْ أَنْتَ؟''

تَرْجَمَۃ: ''خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سے اب تک کسی نے مجھ سے ایسی کھری اور صاف بات نہیں کہی جیسی کہ تم نے کہی ہے۔ ''تم کون ہو؟''۔''

انہوں نے جواب دیا:

''میں ربیع بن زیاد حارثی ہوں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا:

''مہاجر بن زیاد کے بھائی؟''

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''جی ہاں۔''

اس کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، اور ان کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''ربیع بن زیاد کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لو، اگر یہ اپنی اس بات میں واقعی مخلص اور بے لوث ہیں جو انہوں نے مجھ سے کہی ہے تو یہ بڑی خوبیوں کے مالک اور بڑے کام کے آدمی ہیں، اور حکومت کے سلسلے میں ہمیں ان سے بہت زیادہ تعاون ومدد کی امید ہے۔ تم کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کر کے ان کے حالات سے مجھے برابر آگاہ کرتے رہنا۔''

شہر ''مناذر'' کی فتح

اس کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین کے حکم کی اطاعت

کرتے ہوئے صوبہ اہواز میں واقع شہر "مناذر" کی فتح کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا، اور اس میں حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اوران کے بھائی مہاجر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھی شامل کرلیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لشکر لے کر روانہ ہوئے اور آگے بڑھ کر انہوں نے مناذر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرے کے دوران مناذر کے باشندوں سے ایسی زبردست لڑائیاں ہوئیں جن کی نظیر تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔

ان لڑائیوں میں ایک طرف تو مشرکین نے بے مثال طاقت کا اس طرح کھل کر مظاہرہ کیا جس کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور دوسری طرف کثیر تعداد میں مسلمان سپاہی ان لڑائیوں میں شہید ہوئے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور مسلمان روزہ رکھ کر جنگ میں شریک تھے۔ حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بھائی حضرت مہاجر بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان کثرت سے شہید ہو رہے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں اپنی جان قربان کر دینے کا پکا ارادہ کرلیا، اور بدن کو خوشبو لگائی، کفن پہنا اور اپنے بھائی کو وصیت کی۔

یہ دیکھ کر حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

"میرے بھائی مہاجر نے روزے کی حالت میں اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے، اور مسلمانوں کے اوپر جنگ اور روزے کی دوہری سختیاں جمع ہوگئیں ہیں، جن کی وجہ سے ان کی جسمانی قوت کم زور ہوچکی ہے اور ان کے حوصلے پست ہوگئے ہیں، لیکن اس حالت میں بھی وہ روزہ افطار کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ تو آپ اب کوئی ایسی تدبیر سوچیں جو مسلمانوں کے لیے مفید ہو۔"

یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی جماعت کے ساتھیوں سے پکار کر کہا:

"يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ، عَزَمْتُ عَلٰى كُلِّ صَائِمٍ أَنْ يُفْطِرَ أَوْ يَكُفَّ عَنِ الْقِتَالِ."

تَرْجَمَہ: "مسلمانو! میں ہر روزہ دار کو قسم دلاتا ہوں کہ یا تو وہ روزہ افطار کر دے یا وہ لڑائی میں حصہ نہ لے۔" (دیکھو سب سے پہلے میں روزہ افطار کرتا ہوں)۔

پھر انہوں نے خود لوٹے سے (جو ان کے پاس تھا) پانی پی کر اپنا روزہ افطار کرلیا تا کہ دوسرے لوگ بھی

ان کو پانی پیتے دیکھ کر اپنے روزے افطار کر دیں۔ جب حضرت مہاجر بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر کا یہ اعلان سنا تو انہوں نے فوراً ایک گھونٹ پانی پی کر کہا:

"وَاللّٰهِ مَا شَرِبْتُهَا مِنْ عَطْشٍ وَلٰكِنَّنِىْ أَبَرَرْتُ عَزْمَةَ أَمِيْرِىْ......"

ترجمہ: "اللہ کی قسم! میں نے پیاس کے مارے پانی نہیں پیا ہے بل کہ میں نے آج اپنے امیر کی قسم کی لاج رکھی ہے اور ان کے حکم کی اطاعت کی ہے۔"

پھر انہوں نے اپنی تلوار بے نیام کی اور بڑی دلیری و بہادری سے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس کی صفوں کو چیرتے اور آدمیوں کو پچھاڑتے چلے گئے۔ جب وہ دشمن کی فوج میں کافی اندر تک گھس گئے تو دشمن نے ہر طرف سے ان کو گھیر لیا اور آگے پیچھے ہر طرف سے ان کے اوپر تلواروں کی بارش کر دی، جس سے وہ زخمی ہو کر گر پڑے۔

پھر دشمن نے ان کا سر تن سے جدا کیا اور اسے لے جا کر میدان جنگ میں ایک اونچے ٹیلے پر لٹکا دیا۔

حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا:

"طُوْبٰى لَكَ وَحُسْنُ مَآب ......
وَاللّٰهُ لَأَنْتَقِمَنَّ لَكَ وَلِقَتْلَى الْمُسْلِمِيْنَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ."

ترجمہ: "کتنے سعادت منداور قابل فخر ہیں آپ، سعادت اور خوش بختی ہے آپ کے لیے اور کتنا عمدہ ٹھکانا ہے آپ کا، اللہ کی قسم! اگر اللہ نے چاہا تو میں آپ کا اور تمام مسلمان شہداء کا ان دشمنوں سے انتقام لے کر رہوں گا۔"

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بھائی کے غم میں بے چین، بے قرار اور دشمن کے خلاف ان کے سینے میں بھڑکتے ہوئے غیظ وغضب کو دیکھا تو لشکر کی امارت حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ کر خود "سوس" فتح کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

چناں چہ حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو لے کر مشرکین پر آندھی اور سیلاب بن کر ٹوٹ پڑے۔ دشمن ان کے حملے کی تاب نہ لا سکا، اس کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "مناذر" پر زبردست فتح عنایت فرمائی۔ انہوں نے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور بقایا کو گرفتار کر لیا۔ اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آیا۔

معرکہ "مناذر" کے بعد حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا اور ہر طرف ان

کی شہرت پھیل گئی۔ وہ ان نامور قائدین میں شمار ہونے لگے جن کو لوگ رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اور جن کے ناموں کے ساتھ عظیم الشان کارنامے وابستہ ہیں۔

چناں چہ جب مسلمانوں نے سجستان فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس لشکر کی قیادت بھی انہیں کے سپرد کی گئی۔ سب کو اس بات کی امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا فرمائیں گے۔

سجستان فتح کرنے کا ارادہ

حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر لے کر سجستان کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں ایک لمبے جنگل سے گزرنا پڑا، اس کی لمبائی تقریباً دو سو پچیس میل تھی، اس جنگل کو پار کرنا اتنا مشکل تھا کہ وحشی جانور بھی اس کو عبور کرنے سے عاجز آ جائیں۔

اس خوف ناک اور بھیانک جنگل کو عبور کرنے کے بعد حدودِ سجستان پر سب سے پہلا شہر جو ان کے سامنے آیا وہ ''رُستاق زالق'' تھا۔ اس کی آبادی عالی شان محلات پر مشتمل تھی ...... پورا شہر چاروں طرف سے بلند اور مضبوط و مستحکم قلعوں سے گھرا ہوا تھا...... اس میں غلوں، پھلوں اور مال و دولت کی ریل پیل اور بے حد فراوانی تھی۔

حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''رُستاق زالق'' کو فتح کرنے کے بعد سجستان کے دارالحکومت ''زرنج'' تک جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ دشمن ان سے مقابلہ کرنے کے لیے پورے ساز و سامان کے ساتھ تیار اور زبردست جمعیت فراہم کر کے پیش قدمی کرنے پر آمادہ ہے، اور انہوں نے اس بات کا پکا فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو اس بڑے شہر سے مار بھگائے گا اور ان کو سجستان سے واپس جانے پر مجبور کر دے گا، خواہ اس کے لیے اس کو کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

پھر حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دشمنوں کے درمیان ایسی خون ریز اور ہلاکت آفریں جنگ ہوئی جس نے فریقین کو پیس کر رکھ دیا۔ اس جنگ میں دونوں فوجوں کی طرف سے کسی نے بھی اپنے آدمیوں کی قربانی دینے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا۔ لیکن پھر جب جنگ کا پانسہ پلٹا اور مسلمانوں کی فتح کے آثار ظاہر ہوئے تو ایرانی سپہ سالار ''پرویز'' نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ جب تک اس کے پاس طاقت بچی ہوئی ہے، حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صلح کی کوشش شروع کر دے ممکن ہے کہ وہ اپنے اور اپنی قوم کے لیے بہتر شرائط پر صلح کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

ایرانی سپہ سالار ''پرویز'' سے صلح

چناں چہ اس نے اپنا ایک قاصد حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس بھیجا اور ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ''پرویز'' سے ملاقات کے لیے کسی مناسب جگہ اور وقت کا تعین فرما دیں تا کہ وہ ان سے صلح کی بات چیت کر سکے۔ حضرت ربیع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کی یہ بات منظور فرمالی۔

چناں چہ قاصد کے واپس جانے کے بعد انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پرویز کے استقبال کے لیے ایک موزوں جگہ کا انتخاب کریں۔ اور ان سے یہ بھی کہا کہ اس کی نشست گاہ کے چاروں طرف لڑائی میں مارے جانے والے دشمنوں کی لاشوں کو بکھیر دیا جائے اور اس کی گزرگاہ کے دونوں جانب اس کے فوجیوں کی لاشیں بے ترتیبی سے ڈال دی جائیں۔

حضرت ربیع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نہایت بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا قد لمبا...... سر بڑا...... رنگ گندمی...... اور ڈیل ڈول ایسا زبردست تھا کہ دیکھنے والا ان سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

جب پرویز صلح کی گفتگو کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچا تو مرعوبیت کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا اور لاشوں کے اس منظر کو دیکھ کر خوف و ہراس کے مارے اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کے اوپر اس طرح خوف مسلط ہو گیا کہ وہ حضرت ربیع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قریب آنے اور آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

اور دور ہی کھڑے ہو کر ہکلاتے ہوئے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے خوشامدانہ انداز میں حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور اس شرط پر صلح کی خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کو ایک ہزار غلام پیش کرے گا جن میں سے ہر ایک کے سر پر سونے کا ایک پیالہ ہوگا۔

حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کی یہ پیش کش قبول فرما کر اس کے ساتھ صلح کر لی۔ اور دوسرے دن حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس شان سے شہر میں داخل ہوئے کہ پوری جماعت ان کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھی اور فضا مسلمانوں کی تہلیل و تکبیر کے دلآویز صداؤں سے گونج رہی تھی۔

کتاب اللہ کا حکم

حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک کھلی شمشیر تھے جس سے وہ اللہ کے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے بہت سے علاقے فتح کیے اور مختلف صوبوں کی گورنری

کے فرائض انجام دیئے۔

جب بنوامیہ کی حکومت کا دور آیا تو حضرت معاویہ بن ابوسفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے انہیں خراسان کا گورنر بنا دیا، حالاں کہ وہ دل سے اس ذمہ داری کو انجام دینے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کی کراہت و ناپسندیدگی میں اس بات نے مزید اضافہ کر دیا کہ جب بنوامیہ کی حکومت کے ایک نہایت اہم اور ذمہ دار رکن نے ان کو یہ لکھا:

> ''امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا حکم ہے کہ جنگ میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں سونے اور چاندی کو مرکزی بیت المال کے لیے مخصوص کر دو۔ اور ان کے علاوہ باقی چیزیں مجاہدین میں تقسیم کرو۔''

تو انہوں نے اس کے جواب میں تحریر کیا:

> ''إِنِّیْ وَجَدْتُّ کِتَابَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَأْمُرُ بِغَيْرِ مَا أَمَرْتَنِیْ بِهٖ عَلٰى لِسَانِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ.''
>
> تَرْجَمَہ: ''تم نے امیر المؤمنین کی طرف سے جو بات لکھی ہے کتاب اللہ کا حکم اس کے خلاف ہے۔''

لہٰذا تمہارے اس حکم پر عمل نہیں ہو سکتا، پھر انہوں نے لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ سب لوگ آ کر مال غنیمت میں سے اپنے اپنے حصے لے جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) دار الخلافہ ''دمشق'' بھجوا دیا۔

وفات

اس خط کے موصول ہونے کے اگلے دن جمعہ تھا۔ حضرت ربیع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سفید کپڑے پہنے، نماز جمعہ کے لیے مسجد تشریف لائے، جمعہ کا خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد فرمایا:

> ''أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّیْ قَدْ مَلِلْتُ الْحَيَاةَ، وَ إِنِّیْ دَاعٍ بِدَعْوَةٍ، فَأَمِّنُوْا عَلٰى دُعَائِیْ.
> ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ بِیْ خَيْرًا فَاقْبِضْنِیْ إِلَيْكَ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ.''
>
> تَرْجَمَہ: ''لوگو! اب میں زندگی سے بےزار ہو چکا ہوں۔ میں آج ایک دعا کروں گا۔ آپ سب لوگ میری اس دعا پر آمین کہنا۔'' پھر انہوں نے دعا کی ''اے اللہ! اگر تو میرے حق میں کسی خیر کا ارادہ رکھتا ہے تو مجھے جلد از جلد اپنے پاس بلا لے۔''

"فَأَمَّنَ النَّاسُ عَلٰی دُعَائِهٖ ...... فَلَمْ تَغِبْ شَمْسُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ حَتّٰی لَحِقَ الرَّبِيْعُ بْنُ زِيَادٍ بِجِوَارِ رَبِّهٖ."

تَرْجَمَہ: "حاضرینِ مجلس نے آمین کہی، اور اس دن کا سورج ابھی آسمان میں غروب نہیں ہوا تھا کہ جرأت و شجاعت اور عزم و حوصلہ کا یہ بے تاج بادشاہ اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

"اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"۔

فوائد و نصائح

اللہ کو سخاوت اور بہادری پسند ہے

کیسی مبارک ہے یہ موت، کیسی مبارک ہے یہ زندگی، کیسی مبارک ہے یہ جوانی، ہمیں بھی تمنا رکھنی چاہیے اور دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہمیں بھی بہادری کی زندگی نصیب فرما، اور شہادت کی موت نصیب فرما، بہادری اللہ کو پسند ہے۔

علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے درمنثور میں حضرت زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھ سے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ان صفات کو پسند فرماتے ہیں

اے زبیر! اللہ جل شانہ سخاوت کو پسند کرتا ہے چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ بہادری کو پسند کرتا ہے چاہے سانپ اور بچھو ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔

اے زبیر! اللہ جل شانہ زلزلوں اور حوادث کے وقت صبر کو محبوب رکھتا ہے اور شہوتوں کے غلبے کے وقت ایسے یقین کو پسند کرتا ہے جو سب جگہ سرایت کر جائے (اور شہوت کے پورا کرنے سے روک دے) اور (دین میں) شبہات پیدا ہونے کے وقت عقل کامل کو محبوب رکھتا ہے اور حرام اور گندی چیزوں کے سامنے آنے پر تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔

اے زبیر! بھائیوں کی تعظیم کرو، اور نیک لوگوں کی عظمت بڑھاؤ اور اچھے آدمیوں کا اعزاز کرو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور فاسق لوگوں کے ساتھ راستہ بھی نہ چلو، جو ان چیزوں کا اہتمام کرے گا، جنت میں

بغیر عذاب کے اور بغیر حساب کے داخل ہوگا۔ یہ اللہ کی نصیحت ہے مجھ کو اور میری نصیحت ہے تم کو۔[1]

بزدلی سے بچنے کے لیے یہ دعا مانگیے

اس لیے کبھی بزدل نہیں بننا چاہیے، بہادر بننے کی کوشش کریں۔ بزدلی سے بچنے کے لیے صبح وشام یہ دعا بھی مانگا کریں۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ"۔[2]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور کاہلی سے اور بخیلی، بزدلی اور بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے۔"

جب موت وزندگی، بیماری وشفا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے پھر کیا ڈرنا، بزدل آدمی موت سے پہلے ہی موت کے خوف سے مرتا رہتا ہے، ہائے اب کیا ہوگا۔

موت ایک ہی مرتبہ آئے گی

اور بہادر آدمی ایک ہی موت مرتا ہے یعنی حقیقی موت جب آتی ہے تب ہی وہ مرتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح گھر میں مر رہا ہوں۔

"فَلَا نَامَتْ اَعْیُنُ الْجُبَنَاءِ"۔[3]

تَرْجَمَہ: "اللہ کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں۔"

اس لیے موت، بیماری، جنات، جادو وغیرہ کسی بھی چیز سے ڈرنا نہیں چاہیے، ڈرنا چاہیے تو صرف اور صرف اللہ کی پکڑ سے...... ڈرنا چاہیے۔

عامل، نجومی اور جعلی پروفیسروں سے بچیے

کبھی کسی عامل، پروفیسر...... نجومی...... وغیرہ کے پاس ہرگز ہرگز نہیں جانا چاہیے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہر

---

[1] فضائل صدقات، حصہ اوّل: صفحہ ۹۸

[2] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فی الادعیۃ: ۲/۳۵۰

[3] تفسیرِ عثمانی، آلِ عِمْرٰن: ۱۵٤، حاشیہ: ٥، ص: ۹٤

شر سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں ہر نماز کے بعد ''آیت الکرسی'' اور ''قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس'' یہ عمل بتلا دیئے ہیں، پھر کسی عامل کے پاس جانے یا اپنا کرتہ دکھانے کی ضرورت کیا ہے؟

حفاظت کے لیے مسنون اعمال اپنائیے

حفاظت کے جو اعمال حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بتلائے ہیں اس کو چھوڑ کر عاملوں کے غیر شرعی تعویذ سے امید رکھنا کتنی کم قسمتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے:

جس نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ اللہ کی حفاظت میں آ گیا[1] جس نے مغرب کے بعد چوتھا کلمہ دس مرتبہ پڑھ لیا وہ صبح تک اللہ کی حفاظت میں آ گیا۔[2]

جس نے زکوٰۃ پوری پوری حساب لگا کر نکال دی اس کا مال محفوظ ہو گیا۔ حدیث میں ہے۔

''مَا تَلَفَ مَالٌ فِی بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّکٰوۃِ''[3]

تَرْجَمَہ: ''جو مال کسی جنگل میں یا دریا میں کہیں بھی ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ کے روکنے سے ضائع ہوتا ہے۔''

جنات اور جادو کا خوف دل سے نکال دیجیے

اسی طرح جنات، جادو وغیرہ سے ہرگز ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے، سارے کے سارے جنات مل کر بھی اللہ کے حکم کے بغیر کسی ایک انسان کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم میں سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کا واقعہ مذکور ہے کہ جنات انسان سے اتنا ڈرتے ہیں کہ سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کا انتقال ہو چکا تھا، صرف مردہ نعش مبارک جو لکڑی کے سہارے کھڑی تھی اسی سے ڈر کر جنات مدت تک بیت المقدس کی تعمیر میں لگے رہے۔ کیوں کہ جنات سمجھ رہے تھے کہ حضرت سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ زندہ ہیں، کیوں کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا، جب تعمیر پوری ہو گئی تو جس عصا پر حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ٹیک لگایا تھا وہ گھن کے کھانے سے گرا، تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] کنز العمال، کتاب الصلاۃ، اوقات الصلاۃ الخ: ۱۴۹/۷

[2] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۳/۲

[3] مجمع الزوائد، کتاب الزکوۃ، باب فرض الزکاۃ: ۱۵۰/۳

﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”پھر جب (سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“

جو جادو، جنات، شیاطین کا خوف اپنے دل سے نکال دے گا، اکیلے اللہ وحدہ لاشریک لہ سے ڈرے گا تو ساری مخلوقات اس سے ڈرے گی، اور جو ایک اکیلے اللہ کی پکڑ سے نہیں ڈرے گا تو ہر چیز اس کو ڈرائے گی، اس لیے ہمیں شرک سے، گناہوں سے، اور کسی کا دل دکھانے سے ڈرنا چاہیے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا سبب بنتی ہیں۔

گناہوں سے توبہ کیجیے

پھر جو گناہ کرتا ہے توبہ نہیں کرتا، کسی کو ستاتا ہے معافی نہیں مانگتا تو پھر اللہ کی پکڑ آتی ہے۔ اور جس کو اللہ پکڑے اس کو نہ کوئی عامل بچا سکتا ہے اور نہ کوئی عالم، نہ کوئی بزرگ بچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حکیم یا ڈاکٹر بچا سکتا ہے ایسا شخص تو کالی بلی اور کھٹل سے بھی خوف کھائے گا، اسے صرف توبہ کرنی چاہیے، بندوں کے حقوق جو غصب کیے ہیں یا کسی پر ظلم کیا ہے اس سے معاف کروانا چاہیے حقوق ادا کرنا چاہیے، اور اللہ جل جلالہ پر اپنا ایمان ویقین بڑھانا چاہیے، لوگوں کو بھی خوب اس یقین کی طرف دعوت دینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) ہے سب کا خالق اور مالک ہے ساری مخلوقات اس کے قبضہ میں ہیں سارے حالات اسی کی طرف سے ہیں وہ جب چاہے جس طرح چاہے، جہاں چاہے جیسا چاہے کر سکتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور اس لیے اس یقین کو حاصل کرنے کے لیے کلمہ طیبہ کا خوب ورد کرتے رہنا چاہیے۔ اور شرح اسمائے حسنی (مرتبہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم) کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ اس میں ہر نامِ مبارک کی تعریف وشرح لکھی ہے اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تعریف وشرح کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوگی۔

گناہوں کے وبال سے بچنے کی دو دعائیں

اسی طرح اللہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے ان دو دعاؤں کا معمول بنالینا چاہیے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾[2]

---

[1] سَبَا: ۱۴

[2] اَلْبَقَرَۃ: ۲۸۶

تَرْجَمَۃ: ”اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔“

”اَللّٰھُمَّ لَا تُھْلِکْنَا فَجْأَۃً وَلَا تَأْخُذْنَا بَغْتَۃً“[1]

تَرْجَمَۃ: ”اے اللہ! اپنی پکڑ سے اور اچانک موت سے ہم سب کی حفاظت فرما۔“

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو کیا نصیحت فرمائی؟

سُؤال: اللہ تعالیٰ نے حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کا رعب کافروں کے بادشاہ پرویز پر کس طرح قائم فرمایا؟

سُؤال: حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو حضرت معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے کیا حکم دیا، اور آپ نے اس کا کیا جواب تحریر فرمایا؟

سُؤال: حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کا انتقال کس دن اور کس وقت ہوا؟

---

[1] مجمع الزوائد: كتاب الصلاة، باب الدعاء يوم العيد: ٢/٣٦٢٠

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

”مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ“

ترجمہ: ”جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ عبداللہ بن سلام کو دیکھ لے۔“

تعارف

حصین بن سلام مدینے کے ایک بڑے مشہور یہودی عالم تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تمام لوگ اپنے دینی اور قومی اختلافات کے باوجود ان کی دل سے قدر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پرہیزگاری اور نیکی کی صفات عطا فرمائی تھیں، استقامت اور صداقت جیسی خوبیاں بھی ان میں پائی جاتی تھیں۔

وہ ایک خاموش طبع شخص تھے اور نہایت پرسکون، مطمئن اور سنجیدہ زندگی گزار رہے تھے۔ ان کی زندگی نیکیوں میں سرگرم اور لوگوں کی نفع رسانی کے لیے وقف تھی، انہوں نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک حصہ کلیسا (گرجے) میں وعظ ونصیحت اور عبادت کے لیے مخصوص تھا۔

دوسرا حصہ اپنے باغ میں درختوں کی کاٹ چھانٹ اور کھجوروں کی پیوندکاری کے لیے۔

اور تیسرا حصہ تورات کے مطالعے اور دین کا علم حاصل کرنے کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق

وہ جب بھی تورات کی تلاوت کرنے بیٹھتے تو ان آیات پر رک کر دیر تک غور وفکر کرتے، جہاں مکے میں مبعوث ہونے والے اس نبی آخر الزمان کی خوش خبری ہوتی جو انبیاء سابقین کے پیغامات کی تکمیل اور ان کے سلسلے کو ختم کرنے والا تھا۔

وہ اس آنے والے نبی کے اوصاف اور ان کی علامات کو غور سے پڑھتے اور اس بات پر خوشی سے جھوم اٹھتے کہ وہ اپنے شہر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے یثرب (مدینے) کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے، اور پھر یہیں مستقل

رہائش اختیار فرمائیں گے۔ وہ تورات میں جب بھی ان اوصاف وعلامات کو پڑھتے یا ان کا خیال دل میں گزرتا تو وہ یہی دعا کرتے:

"يَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّفْسَحَ لَهٗ فِيْ عُمُرِهٖ حَتّٰى يَشْهَدَ ظُهُوْرَ هٰذَا النَّبِيِّ الْمُرْتَقَبِ، وَيَسْعَدَ بِلِقَائِهٖ، وَيَكُوْنَ أَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِهٖ."

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! مجھے اتنی زندگی عطا فرما کہ میں اپنی آنکھوں سے اس نبی کو دیکھ سکوں اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرسکوں، اور سب سے پہلے ان پر ایمان لانے والوں میں سے ہو سکوں۔"

اللہ تعالیٰ نے حصین بن سلام کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے ان کی عمر کو نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک دراز کر دیا، اور ان کے مقدر میں یہ بات لکھ دی کہ وہ حضور ﷺ کی ملاقات اور صحبت سے فائدہ اٹھائیں اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لانے کی عظیم الشان سعادت حاصل کریں۔

ہم حضرت حصین بن سلام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے حالات ان ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر

جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر سنی، تو ان کے نام ونسب، ان کی صفات اور ان کے زمانۂ ظہور اور مقامِ بعثت کا بغور جائزہ لیا، چناں چہ میں نے آپ کو بالکل ان اوصاف وعلامات کے مطابق پایا جو آسمانی کتاب تورات میں آپ کے متعلق لکھی ہوئی تھیں۔

نتیجتاً مجھے حضور ﷺ کی نبوت کا یقین ہوگیا اور آپ ﷺ کی دعوت کی صداقت کو میرے دل نے تسلیم کرلیا۔ لیکن اس سلسلے میں کچھ کہنے کے بجائے میں نے اپنی زبان کو سختی کے ساتھ روکے رکھا، یہاں تک کہ وہ دن آگیا جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

جب آپ ﷺ نے یثرب پہنچ کر قباء میں قیام فرمایا تو وہاں سے ایک آدمی ہماری طرف آیا جو آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ اس وقت میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا کھجوریں اتارنے میں مصروف تھا، اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث اس کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے یہ خبر سنتے ہی زور زور سے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ ...... اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کی صدا بلند کی۔ پھوپھی نے میری تکبیر کی آواز سن کر کہا:

"خَيَّبَكَ اللّٰهُ ......

وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ سَمِعْتَ بِمُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ قَادِمًا ما فَعَلْتَ شَيْئًا فَوْقَ ذٰلِكَ ...... "

ترجمہ: "اللہ تجھے غارت کرے، اگر تو موسیٰ بن عمران کی آمد کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوشی کا اظہار نہ کرتا۔"

میں نے ان سے کہا:

"أَيْ عَمَّة، إِنَّهُ. وَاللّٰهِ. أَخُوْ مُوْسَى بنِ عِمْرَانَ، وَعَلَى دِيْنِهِ ......

وَقَدْ بُعِثَ بِمَا بُعِثَ بِهِ ......"

ترجمہ: "پھوپھی جان! اللہ کی قسم یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی اور انہیں کے دین پر ہیں، یہ بھی وہی دین دے کر بھیجے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔"

وہ یہ باتیں سن کر خاموش ہوگئیں اور پھر بولیں:

"کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں تم ہمیں بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور اپنے رب کے پیغامات کو مکمل طور پر پہچاننے والے ہوں گے۔"

میں نے جواب دیا: "ہاں۔"

انہوں نے کہا: "تب ٹھیک ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف

پھر میں فوراً اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع ہے، میں بھی اس ہجوم میں شامل ہو کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو سب سے پہلی بات جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی وہ یہ تھی:

"أَيُّهَا النَّاسُ! اَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ."

ترجمہ: "لوگو! سلام کو عام کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں، اس طرح تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تجسس بھری نظر ڈالی اور دیر تک چہرۂ انور کو دیکھتا رہا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ پرنور چہرہ جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر جب میں نے قریب جا کر کلمۂ توحید و رسالت کی گواہی

دی تو آپ ﷺ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

"مَا "اسْمُكَ"؟

تَرجَمۂ: "تمہارا کیا نام ہے؟

میں نے جواب دیا۔

"اَلْحُصَيْنُ بنُ سَلَامٍ."

تَرجَمۂ: "حصین بن سلام۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"بَلْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ"

تَرجَمۂ: "نہیں، بل کہ تم عبداللہ بن سلام ہو۔"

میں نے کہا:

"نَعَمْ، عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ ...... وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِیْ بِهٖ اِسْمًا آخَرَ بَعْدَ الْيَوْمِ."

تَرجَمۂ: "جی ہاں، عبداللہ بن سلام، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ آج کے بعد اس کے سوا میرا کوئی دوسرا نام رہے۔"

پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی بابرکت مجلس سے واپس جا کر گھر میں اپنے بیوی بچوں اور دوسرے رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دی، اور سب نے اسے قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ میری پھوپھی بھی مسلمان ہو گئیں جو اس وقت کافی بوڑھی تھیں۔

پھر میں نے سب کو تاکید کر دی کہ جب تک میں اجازت نہ دوں، میرے اور اپنے قبولِ اسلام کی خبر کو یہودیوں سے چھپائے رکھنا۔ اس کے بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس پہنچ کر ان سے عرض کیا:

یہودی تہمت لگانے والے جھوٹے لوگ ہیں

"اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ یہودی بڑے تہمت لگانے والے اور جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کے سرداروں اور رئیسوں کو بلائیں اور مجھے اپنے کسی حجرے میں

چھپا دیں اور ان سے دریافت فرمائیں کہ ان کے نزدیک میرا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

پھر اس سے پہلے کہ ان کو میرے مسلمان ہونے کی خبر معلوم ہو، انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ کیوں کہ اگر ان کو اس بات کی خبر ہوگئی کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں تو وہ میرے اوپر طرح طرح کے عیب لگائیں گے، ہر قسم کی کوتاہیوں کو میری طرف منسوب کریں گے اور الزام تراشی سے کام لیں گے۔"

چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو ایک حجرے میں چھپانے کے بعد یہود کے سرداروں کو اپنے پاس بلوایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور ایمان کی رغبت دلائی، اور ان تمام باتوں کی یاد دہانی کرائی جن کو وہ اپنی کتابوں کے ذریعے جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے آپ کی بات کو نہ مانا بل کہ الٹا حق کے معاملے میں باطل طریقے سے آپ کے ساتھ جھگڑنے لگے۔ میں حجرے میں بیٹھا ان کی یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے قبولِ اسلام سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ان سے پوچھا:

"مَا مَنْزِلَةُ الْحُصَيْنِ بْنِ سَلَامٍ فِيْكُمْ؟"

ترجمہ: "حصین بن سلام کا تمہارے یہاں کیا مقام و مرتبہ ہے؟"

وہ بولے:

"سَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا وَحَبْرُنَا وَعَالِمُنَا وَابْنُ حَبْرِنَا وَعَالِمِنَا."

ترجمہ: "وہ ہمارے سردار، پیشوا اور عالم ہیں۔ ان کے والد بھی ہمارے سردار، پیشوا اور عالم تھے۔"

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ أَفَتُسْلِمُوْنَ؟"

ترجمہ: "اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو تمہارا کیا خیال ہے، تم بھی اس کو قبول کرلو گے؟"

وہ بڑی ڈھٹائی سے کہنے لگے:

"حَاشَا لِلّٰهِ، مَا كَانَ لِيُسْلِمَ ...... أَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ أَنْ يُسْلِمَ."

ترجمہ: "یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات سے پناہ میں رکھے کہ وہ اسلام کو اختیار کریں۔"

چناں چہ ان کی یہ بات سن کر میں حجرے سے باہر نکلا اور ان سے کہا:

"یَا مَعْشَرَ الْیَهُوْدِ، اتَّقُوا اللّٰهَ وَاقْبَلُوْا مَا جَاءَ كُمْ بِهٖ مُحَمَّدٌ.
فَوَاللّٰهِ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُوْنَ إِنَّهٗ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ، وَتَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَكُمْ فِی التَّوْرَاةِ بِاسْمِهٖ وصِفَتِهٖ.
وَ إِنِّیْ أَشْهَدُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأُوْ مِنُ بِهٖ، وَأُصَدِّقُهٗ، وَأَعْرِفُهٗ......"

ترجمہ: "اے یہودیوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور اس دعوت کو مان لو جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تم ان کے نام اور ان کے اوصاف کو تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو، سن لو میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں ان کے اوپر ایمان لاتا ہوں، ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کو خوب اچھی طرح سے پہچانتا ہوں۔"

مگر میری یہ باتیں سن کر انہوں نے کہا:

"تم نے جھوٹ کہا۔ اللہ کی قسم! تم ہم میں سب سے زیادہ برے، سب سے برے آدمی کے بیٹے اور سب سے زیادہ جاہل شخص کے لڑکے ہو۔"

انہوں نے کوئی ایسا عیب نہیں چھوڑا جس کا الزام میرے اوپر نہ لگایا ہو۔ تب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ یہودی بڑے تہمت لگانے والے...... جھوٹے...... غدار...... اور فاجر لوگ ہیں۔"

جنت کی بشارت کا قصہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی طرف اس طرح متوجہ ہوئے جیسے کوئی پیاسا بڑی بے تابی کے ساتھ پانی کے چشمے کی طرف لپکتا ہے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو اپنے اوپر اس طرح لازم کر لیا کہ کبھی ان سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہ قرآن کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ ان کی زبان ہر وقت اس کی آیات کی تلاوت سے تر رہتی تھی۔

اور انہوں نے اپنے آپ کو جنت میں لے جانے والے اعمال کے واسطے یوں وقف کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دے دی، ایک ایسی بشارت جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں مشہور ہو گئی۔ اس بشارت کے متعلق ایک قصہ ہے جس کو قیس بن عبادہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے

یوں بیان کیا ہے:

ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے اندر ایک علمی مجلس میں شریک تھا۔ اس مجلس میں ایک بزرگ بھی بیٹھے ہوئے تھے جن کو دیکھنے سے روح کو سکون اور دل کو اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ وہ لوگوں سے بہت پیارے اور میٹھے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ جب مجلس ختم ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو اہل مجلس نے کہا:

''مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا.''

تَرجَمَہ: ''جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ انہیں دیکھ لے۔''

''فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟

فَقَالُوْا: عَبْدُاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ.''

تَرجَمَہ: ''میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو ان لوگوں نے بتایا کہ یہ عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔''

جنت کی بشارت ملنے کی وجہ

میں نے اپنے دل میں کہا:

میں ان کے پیچھے پیچھے جاؤں گا۔ چناں چہ میں ان کے پیچھے چل پڑا، وہ چلتے رہے یہاں تک کہ شہر کے آخری سرے پر پہنچ کر اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ میں نے ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، جو مجھے مل گئی۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا:

''مَا حَاجَتُكَ يَا بْنَ أَخِيْ؟''

تَرجَمَہ: ''بھتیجے! تمہاری کیا ضرورت ہے؟''

میں نے کہا:

''جب آپ مسجد سے نکلے تو میں نے لوگوں کو آپ کے متعلق یہ کہتے سنا:

''جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ ان کو دیکھ لے۔''

یہ سن کر میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا تاکہ آپ کے حالات سے واقفیت حاصل کروں، اور یہ معلوم کر سکوں کہ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ اہل جنت میں سے ہیں۔''

انہوں نے ارشاد فرمایا:

"اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا بُنَيَّ."

تَرْجَمَہ: "بیٹے! یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جنتی کون ہے؟"

میں نے عرض کیا: "ہاں! یہ بات تو صحیح ہے۔ لیکن لوگوں نے آپ کے متعلق جو رائے قائم کی ہے اس کا کوئی سبب تو ضرور ہوگا۔"

انہوں نے فرمایا: "میں تم کو اس کا سبب بتاتا ہوں۔"

میں نے اپنے شوق کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"هَاتِ ...... وَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا."

تَرْجَمَہ: "ارشاد فرمائیے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔"

انہوں نے فرمایا:

"یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بات ہے کہ میں ایک رات کو سویا ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے آکر مجھ سے کہا کہ اٹھو۔ چناں چہ میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا، اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا، چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بائیں جانب ایک راستہ جا رہا تھا۔ جب میں نے اس راستے کی طرف مڑنا چاہا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اس راستے کو چھوڑیئے یہ آپ کے لیے نہیں ہے۔

پھر میں نے آگے دیکھا تو داہنی سمت میں ایک نہایت واضح اور صاف راستہ نظر آیا۔ اس نے مجھ سے کہا اس راستے سے آگے چلو۔ میں اس راستے پر ہولیا اور آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ ایک باغ میں جا پہنچا۔ وہ باغ نہایت وسیع و عریض...... سرسبز و شاداب...... اور دل کش و خوش نما تھا۔

اس باغ کے بیچوں بیچ لوہے کا ایک ستون نصب تھا جس کی جڑ زمین میں پیوست تھی اور اس کا سر آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے اوپر سونے کا ایک حلقہ تھا۔ اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا میں نہیں چڑھ سکوں گا۔ تب میرے پاس ایک خادم آیا اور اس نے مجھے اوپر اٹھایا، چناں چہ میں اس کی مدد سے اس پر چڑھتا ہوا آخری سرے تک پہنچ گیا اور حلقے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور صبح تک اسے پکڑے رہا۔"

جب صبح کو بیدار ہوا تو سیدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اپنا یہ خواب آپ سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو راستہ تم نے بائیں طرف دیکھا تھا، وہ ”اَصْحَابُ الشِّمَال“ (اہلِ دوزخ) کا راستہ تھا۔ اور جو راستہ تم کو داہنی جانب نظر آیا تھا وہ ”اَصْحَابُ الْیَمِیْن“ (اہلِ جنت) کا راستہ تھا۔

پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”وَأَمَّا الرَّوْضَةُ الَّتِیْ شَاقَتْكَ بِخُضْرَتِهَا وَنُضْرَتِهَا فَهِیَ الْإِسْلَامُ......

وَأَمَّا الْعَمُوْدُ الَّذِیْ فِی وَسْطِهَا فَهُوَ عَمُوْدُ الدِّیْن ......

وَأَمَّا الْحَلْقَةُ فَهِیَ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی ......

وَلَنْ تَزَالَ مُسْتَمْسِكًا بِهَا حَتّٰی تَمُوْتَ ......“

تَرْجَمَہ: ”اور وہ باغ جس کی شادابی اور رونق تم کو دل کش معلوم ہوئی، وہ اسلام تھا۔ اور اس کے درمیان میں جو ستون تھا وہ دین کا ستون تھا۔ اور اس کے اوپر جو حلقہ تھا وہ ”اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی“ (مضبوط حلقہ) تھا۔ اور تم اس حلقے کو زندگی کی آخری سانس تک مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے (یعنی ایمان کی حالت میں دنیا سے جاؤ گے اور جنت نصیب میں ہوگی)۔“

فوائد ونصائح

آپ اس واقعے میں یہ غور کریں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے پہلا کام کیا کیا؟

آپ جواب یہی پائیں گے کہ دوسروں کو مسلمان بنانے کی فکر کی وہ خود ہی فرماتے ہیں:

”ثُمَّ انْصَرَفْتُ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى بَيْتِیْ وَدَعَوْتُ زَوْجَتِیْ وَأَوْلَادِیْ وَأَهْلِیْ اَلْإِسْلَامَ فَأَسْلَمُوْا جَمِيْعًا وَأَسْلَمَتْ مَعَهُمْ عَمَّتِیْ خَالِدَةُ“

تَرْجَمَہ: ”پھر میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مجلس سے اٹھ کر سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی، اولاد، اور اپنے رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دی، ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ سب مسلمان ہو گئے، اور میری پھوپھی خالدہ بھی مسلمان ہو گئی۔“

ہمیں اور آپ کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے اب تک کتنے کافروں کو اسلام میں لانے کی کوشش کی ہے؟

کافروں کی تعداد کے اعتبار سے ہر مسلمان مرد ہو یا عورت چار کافروں کو مسلمان بنائے تو ہوسکتا ہے ساری انسانیت کفر سے بچ جائے۔

غور کیجیے! آپ انسانیت کے لیے کیا کر سکتے ہیں......؟

آپ کو انسانیت کی بھلائی کے لیے ہی دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [1]

تَرْجَمَہ: ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہو۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

''اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے۔ اس کے علمِ ازلی میں پہلے سے یہ مقدر ہو چکا تھا، جس کی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دے دی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تمام نبیوں سے افضل ہوں گے، آپ کی امت بھی جملہ امم و اقوام پر گویا سبقت لے جائے گی۔ کیوں کہ اس کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہوگا...... ادوَم و اکمل شریعت ملے گی...... علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے...... ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی۔

وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہوگی بل کہ اس کا دائرۂ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لیے ہوگا کہ دوسروں کی خیرخواہی کرے، اور جہاں تک ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لاکر کھڑا کردے ''أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' میں اسی طرف اشارہ ہے۔ [2]

چند نصیحت آمیز اشعار

أَمُوْتُ وَيَبْقٰى كُلُّ مَا قَدْ كَتَبْتُهٗ
فَيَا لَيْتَ مَنْ يَّقْرَأُ كِتَابِيْ دَعَا لِيَا
لَعَلَّ اِلٰهِيْ يَعْفُوَ عَنِّيْ بِفَضْلِهٖ
وَيَغْفِرُ زَلَّاتِيْ وَسُوْءَ فِعَالِيَا

---

[1] آلِ عِمْرٰن: ۱۱۰

[2] تفسیر عثمانی، آلِ عِمْرٰن: ۱۱۰، حاشیہ: ۸، ص: ۸٤

ترجمہ: ”میں مر جاؤں گا اور جو کچھ میں نے لکھا باقی رہے گا۔ اے کاش! کہ جو میری کتاب پڑھے وہ میرے لیے دعا کرے۔ شاید میرا رب اپنے فضل سے مجھ سے درگزر فرما دے۔ اور میری برائیوں اور غلطیوں کو بخش دے۔“

وَمَا مِنْ كَاتِبٍ اِلَّا سَيَبْلٰى
وَ يُبْقِى الدَّهْرُ مَا كَتَبَتْ يَدَاهُ
فَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ
يَسُرُّكَ فِى الْقِيَامَةِ اِنْ تَرَاهُ

ترجمہ: ”ہر لکھنے والا فنا ہو جائے گا لیکن زمانہ اسے باقی رکھے گا جسے اس کے دونوں ہاتھوں نے لکھا، لہٰذا اپنے ہاتھ سے سوائے اس چیز کے کچھ نہ لکھو کہ اگر قیامت کے دن تم اس (تحریر) کو دیکھو تو اس سے تم کو خوشی ہو۔“

انسانیت جہنم کے دہانے پر کھڑی ہے

جس وقت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں ہم چند ساتھی چائینا کے دارالحکومت بیجنگ میں مقیم ہیں، اس ملک میں تقریباً ڈیڑھ ارب کی آبادی ہے لاکھوں انسان یہاں ایسے بستے ہیں جن کا کوئی مذہب ہی نہیں ہے۔

صبح تا شام یہاں انسان ایک مشین کی طرح کام کرتا ہے، اب سوچیے! حضور اکرم ﷺ جو دین لے کر تشریف لائے ہیں جس دین میں سارے انسانوں کی دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی ہے وہ اس چائینا کے لوگوں میں کیسے آئے، بقول ان کے اتنا ترقی یافتہ ملک ہونے کے باوجود یہاں بچے بہت کم نظر آئیں گے، دو بچوں سے زیادہ پر جرمانہ ہے، افسوس ہے کہ صبح آپ کو بیجنگ کی سڑکوں پر انسانوں کا بہتا ہوا سمندر نظر آئے گا، لیکن ان میں محمد ﷺ کے طریقوں پر چلنے والا شخص اور ان کے لائے ہوئے دین کی فکر کرنے والا شخص مشکل ہی سے نظر آئے گا، لاکھوں مرد اور لاکھوں عورتیں جہنم کے راستے کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ان سارے انسانوں کو جنت کے راستے کی طرف لے جائیں تو ہمیں بھی وہی فکر پیدا کرنی ہوگی جو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھی، اور حضور ﷺ کے ہر صحابی کو تھی کہ اسلام لانے کے بعد وہ فوراً دوسروں کو دعوت دینے میں لگ جاتے تھے، بات یہی ہے کہ ہم ”اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ“ ہیں، ہمارے نبی ”كَافَّةً لِلنَّاسِ“ ہیں۔

ہماری کتاب قرآن مجید سارے انسانوں سے خطاب کرتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایسی کتاب آئی ہے جو سراسر نصیحت اور دلوں کی بیماری کے لیے شفا ہے۔“

”هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ“ ہے، ہمارا رب ”رَبُّ النَّاسِ“ ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم سارے انسانوں کی فکر کریں۔

تہجد میں یہ دعا مانگا کیجیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے بعد جو دعا مانگی تھی وہ ہم بھی مانگیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا (وہ دعا تو لمبی ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے):

”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ“[2]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! ہمیں دوسروں کو خیر کی راہ دکھانے والا اور خود ہدایت یافتہ بنا دیجیے، ایسا نہ کیجیے کہ ہم خود بھی گم راہ ہوں اور دوسروں کو بھی گم راہ کرنے والے ہوں۔“

وقت کی قدر کیجیے

دوسری بات جو اس واقعہ سے ہم نے سیکھی وہ نظام الاوقات کی پابندی ہے۔ دیکھیں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا:

1. ایک حصہ، وعظ و نصیحت کے لیے۔
2. دوسرا حصہ، زمینداری کے لیے۔
3. تیسرا حصہ، تورات کی تلاوت و غور و تدبر کے لیے۔

ہمیں بھی اپنے کاموں کے لیے نظام بنانا چاہیے۔ اس وقت سے اس وقت تک یہ کام کرنا ہے اور اس وقت سے اس وقت تک یہ کام کرنا ہے، تلاوت اس وقت کرنی ہے ذکر اس وقت کرنا ہے۔ اپنے اسباق کا

---

[1] یُوْنُس: ۵۷

[2] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۷۹/۲

مطالعہ اس وقت کرنا ہے۔ جو طالب علم اپنی ابتدائی زندگی ہی سے ہر کام وقت مقررہ پر کرنے کا عادی بن جائے گا، وہ بغیر کسی مینجمنٹ کے کورس کیے ہوئے اپنے بہت سارے کام منظّم طور پر کر سکے گا، اور پریشانی اور بے چینی، ڈپریشن اور ٹینشن سے بچا رہے گا، دنیا کی بہت ہی مختصر اور فانی زندگی میں بڑے بڑے کام آسانی کے ساتھ کر سکے گا، دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن لوگوں سے بڑے بڑے کام لیے ان میں سے اکثروں کی زندگی کا نظام الاوقات بنا ہوا تھا، اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے چند دنوں تک نفس کو سمجھا بجھا کر بہلا کر مشقت کا عادی بنانا پڑتا ہے، پھر طبیعت اسی طرح چلتی ہے۔

مُذاکرہ

سُوال: حضرت عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا پرانا نام کیا تھا؟

سُوال: حضرت عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زبانِ مبارک سے سب سے پہلے جو کلمات سنے وہ کیا ہیں؟

سُوال: حضرت عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہودیوں کی عادات کے بارے میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو کیا بتایا؟

سُوال: حضرت عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کیا خواب دیکھا؟

◆

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"کَیْفَ بِكَ یَا سُرَاقَةُ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَیْ کِسْرٰی؟" (محمد رسول اللّٰه)
تَرجَمَہ: "سراقہ! اس وقت تم کیا محسوس کرو گے جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟"

غارِ ثور کا واقعہ

ایک روز صبح کے وقت قریشِ مکہ انتہائی گھبراہٹ کی حالت میں نیند سے بیدار ہوئے، کیوں کہ ان کی تمام مجالس میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ چھوڑ کر چپکے سے کہیں چلے گئے ہیں۔

لیکن قریش کے سردار کسی قیمت پر اس خبر کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ بنی ہاشم اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک گھر میں ان کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ تلاش کرتے ہوئے جب وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی تلاشی لینے پہنچے اور ان کی صاحب زادی "اسماء" گھر سے نکل کر ان کے سامنے آئیں تو ابوجہل نے ان سے پوچھا:

"أَیْنَ أَبُوْكِ یَا بِنْتُ؟"

تَرجَمَہ: "لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟"

اسماء نے کہا:

"لَا أَدْرِیْ أَیْنَ هُوَ الْآنَ."

تَرجَمَہ: "میں نہیں جانتی وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔"

ان کے اس جواب پر وہ آگ بگولہ ہوگیا اور ہاتھ اٹھا کر ان کے چہرے پر ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ ان کی بالی کان سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔

جب قریش کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی مکہ مکرمہ چھوڑ کر نکل گئے ہیں تو ان کو بہت زیادہ غصہ آیا۔ اور انہوں نے کھوجیوں اور سراغ رسانوں کو اس راستے کی نشان دہی کے کام پر لگا دیا جس سے

وہ گزرے ہیں۔ اور قریش خود بھی ان کھوجیوں اور سراغ رسانوں کے ساتھ تلاش میں نکل پڑے، تلاش کرتے کرتے جب وہ غارِ ثور تک پہنچے تو سراغ رسانوں اور کھوجیوں نے کہا:

"وَاللّٰهِ مَا جَاوَزَ صَاحِبُكُمْ هٰذَا الْغَارَ."

ترجمہ: "تمہارا مطلوبہ شخص اس غار سے آگے نہیں بڑھا ہے۔"

اور ان کی یہ بات غلط بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفیقِ سفر واقعی اسی غار کے اندر تھے، اور قریش ان کے سروں پر کھڑے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کے قدموں کو غار کے منہ پر حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا تو انہوں نے آہستہ سے کہا:

"وَاللّٰهِ مَا عَلٰى نَفْسِىْ أَبْكِىْ......
وَلٰكِنْ مَخَافَةَ أَنْ أَرٰى فِيْكَ مَكْرُوْهًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ."

ترجمہ: "اللہ کی قسم، میں اپنے لیے نہیں رو رہا ہوں بل کہ مجھے اس خوف سے رونا آرہا ہے کہ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔"

آپ ﷺ نے پورے اطمینان کے ساتھ فرمایا:

"لَا تَحْزَنْ يَا أَبَابَكْرٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا."

ترجمہ: "ابوبکر! گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر اطمینان وسکون نازل کر دیا، اور وہ قریش کے قدموں کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلٰى مَوْطِىءِ قَدَمَيْهِ لَرَآنَا."

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول اگر ان میں سے کسی کی نظر اس کے اپنے پاؤں پر ہی پڑ گئی تو وہ ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔"

آپ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"مَا ظَنُّكَ يَا أَبَابَكْرٍ بِاثْنَيْنِ، اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟"

ترجمہ: "ابوبکر! ان دو شخصوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو؟"

اور اسی وقت انہوں نے ایک قریشی نوجوان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

آؤ چلیں اس غار کے اندر چل کر دیکھیں۔ لیکن امیہ بن خلف نے اس کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

"أَلَمْ تَرَ إِلٰى هٰذَا الْعَنْكَبُوتِ الَّذِيْ عَشَّشَ عَلٰى بَابِهٖ؟
وَاللّٰهِ إِنَّهٗ أَقْدَمُ مِنْ مِّيْلَادِ مُحَمَّدٍ ......"

تَرجَمۃ: "ارے اندھے! کیا تم اس مکڑی کو نہیں دیکھ رہے ہو جس نے غار کے منہ پر جالا تان رکھا ہے؟ اللہ کی قسم! یہ جالا محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے کا لگتا ہے۔"

البتہ اس وقت ابوجہل نے کہا:

لات وعزیٰ کی قسم! میرا خیال ہے کہ وہ یہیں کہیں ہم سے قریب ہی موجود ہیں۔ وہ ہماری سب باتیں سن رہے ہیں اور ہماری ساری کارروائیاں دیکھ رہے ہیں، لیکن ان کے جادو نے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد یہ لوگ غار سے واپس لوٹ گئے۔

قریش کا رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری کے لیے انعام کا اعلان

تاہم قریش کے لوگ نہ تو رسول اللہ ﷺ کی تلاش سے تھکے نہ ان کا تعاقب کرنے کے ارادے سے باز آئے۔ چناں چہ انہوں نے مکہ اور مدینے کے درمیان راستوں پر پھیلے ہوئے قبائل میں یہ اعلان کروا دیا:

"أَنَّ مَنْ يَّأْتِهَا بِمُحَمَّدٍ حَيًّا أَوْ مَيِّتًا فَلَهٗ مِائَةٌ مِّنْ كَرَائِمِ الْإِبِلِ."

تَرجَمۃ: "جو شخص محمد (ﷺ) کو مردہ یا زندہ کسی حالت میں ان کے سامنے پیش کرے گا، اس کو انعام کے طور پر ایک سو بہترین عمدہ نسل کے اونٹ دیئے جائیں گے۔"

سراقہ بن مالک مدلجی مکہ مکرمہ کے قریب "قدید" کے مقام پر اپنے قبیلے کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسی دوران قریش کا ایک قاصد وہاں پہنچا اور اس نے ان کے سامنے اس بڑے انعام کا اعلان کیا، جس کو قریش نے اس شخص کے لیے رکھا تھا جو محمد (ﷺ) کو زندہ یا مردہ کسی حالت میں ان کے سامنے پیش کرے۔

انعام کے سو اونٹوں کا یہ اعلان سنتے ہی سراقہ کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا، لیکن اس نے خاموشی کے ساتھ صبر سے کام لیا اور اس کے متعلق ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں آنے دیا، کہ کہیں دوسرے لوگوں کے دل بھی للچانے نہ لگ جائیں۔ اور اس سے پہلے کہ سراقہ اس مجلس سے اٹھتا اس کے قبیلے کے ایک شخص نے آکر اطلاع دی:

"وَاللّٰهِ لَقَدْ مَرَّبِیَ الْآنَ ثَلَاثَةُ رِجَالٍ، وَ إِنِّیْ لَأَظُنُّهُمْ مُحَمَّدًا وَأَبَابَكْرٍ وَدَلِيْلَهُمَا۔"

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! ابھی میرے سامنے سے تین آدمی گزرے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمد (ﷺ)، ابوبکر اور تیسرا شخص انؓ کو راستہ دکھانے والا ہے۔"

مگر سراقہ نے اس کی بات رد کرتے ہوئے کہا:

"نہیں! وہ فلاں قبیلے کے لوگ ہیں جو اپنی ایک گم شدہ اونٹنی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"شاید وہی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ شخص خاموش ہوگیا۔

پھر سراقہ اس خیال سے کچھ دیر تک وہاں ٹھہرا رہا کہ کہیں اس کے اٹھنے سے اہلِ مجلس کو کوئی شبہ نہ پیدا ہو جائے۔ جب لوگ دوسری بات کرنے میں مصروف ہوگئے تو وہ دھیرے سے وہاں سے کھسک آیا اور تیزی سے اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر پہنچ کر سراقہ نے چپکے سے اپنی باندی سے کہا کہ وہ اس کے گھوڑوں کو لوگوں کی نظروں سے بچا کر مکہ سے باہر لے جائے، اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ اس کے ہتھیار گھروں کے پیچھے سے نکال کر لے جائے تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے اور انہیں گھوڑے کے قریب ہی کہیں رکھ دے۔

آپ کا انعام حاصل کرنے کے لیے نکلنا

سراقہ نے اپنی زرہ پہنی، ہتھیار گلے میں لٹکائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سرپٹ بھگایا، کہ اس سے پہلے کوئی دوسرا شخص حضور ﷺ کو گرفتار کر کے قریش کا مقرر کردہ انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، وہ خود آپ کو پکڑ لے۔

سراقہ اپنے قبیلے کے چند ماہر گھڑ سواروں اور مشہور بہادروں میں سے تھا۔ اس کا قد لمبا اور سر کافی بڑا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار سراغ رساں کھوجی...... خطرات کے بالمقابل ثابت قدم رہنے والا...... نہایت ہوشیار و عقل مند ...... اور ایک اچھا شاعر تھا، اور اس کا گھوڑا بہت عمدہ نسل کا تھا۔

وہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتا ہوا اپنی دھن میں مگن منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا، کہ اچانک اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ اس کی پشت سے نیچے گر گیا، اس نے اسے نحوست سمجھا اور دل میں کہا:

"مَا هٰذَا؟

تَبًّا لَكَ مِنْ فَرَسٍ، وَعَلَا ظَهْرَهَا"

ترجمہ: ”یہ کیا ہے؟ اور گھوڑے کو برا بھلا کہتا ہوا اس پر دوبارہ سوار ہو گیا۔“

تھوڑی دور جانے کے بعد گھوڑے کو دوبارہ ٹھوکر لگی تو اس نے اور زیادہ بدشگونی (نحوست) محسوس کی اور واپسی کا ارادہ کرنے لگا، لیکن سو اونٹوں کی لالچ نے اس کو واپس جانے کے ارادے سے باز رکھا۔

سراقہ اس جگہ سے، جہاں اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی تھی ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس کی نگاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی پر جا پڑیں۔ اس نے اپنا ہاتھ کمان کی طرف بڑھایا لیکن وہ ہاتھ شل ہو کر اپنی جگہ پر رہ گیا، کیوں کہ اس نے دیکھا کہ اس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس رہی ہیں، اور سامنے سے دھواں اٹھ کر اس کی اور گھوڑے کی آنکھوں کے سامنے حائل ہو رہا ہے۔

اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر اس کے پاؤں اس طرح مضبوطی کے ساتھ زمین میں پیوست ہو گئے تھے، جیسے ان میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دی گئی ہوں۔ تب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر عاجزانہ لہجے میں کہا:

”يَا هٰذَانِ اُدْعُوَا لِيْ رَبَّكُمَا أَنْ يُطْلِقَ قَوَائِمَ فَرَسِيْ ......
وَلَكُمَا عَلَيَّ أَنْ أَكُفَّ عَنْكُمَا۔“

ترجمہ: ”میری بات سنیے۔ آپ دونوں اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ میرے گھوڑے کی ٹانگیں زمین سے نکال دے۔ میں آپ دونوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکال دیے۔ آزادی ملنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کے دل میں پھر لالچ پیدا ہوئی اور اس نے گھوڑے کو جوں ہی ان کی طرف بڑھایا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگیں اب کی بار پہلے سے زیادہ دھنس گئیں۔ چناں چہ اس نے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے کہا:

”إِلَيْكُمَا زَادِيْ وَ مَتَاعِيْ وَسِلَاحِيْ فَخُذَاهُ، وَلَكُمَا عَلَيَّ عَهْدُ اللّٰهِ أَنْ أَرُدَّ عَنْكُمَا مَنْ وَرَائِيْ مِنَ النَّاسِ ......“

ترجمہ: ”آپ میرا زادِ راہ، ساز و سامان اور میرے ہتھیار لے لو۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ اپنے پیچھے آپ کے تعاقب میں آنے والوں کو واپس لوٹا دوں گا۔“

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہمیں تمہارے زادِ راہ اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم صرف ہمارا پیچھا کرنے والوں کو واپس کر دینا۔

پھر آپ نے اس کے لیے دعا کی اور گھوڑے کی ٹانگیں آزاد ہو گئیں۔

سراقہ نے واپسی سے پہلے اُن دونوں کو پکار کر کہا:

"تَرَبَّثُوْا أُكَلِّمُكُمْ، فَوَاللّٰهِ لَا يَأْتِيْكُمْ مِنِّيْ شَيْءٌ تَكْرَهُوْنَهُ."

تَرْجَمَہ: "ذرا رکیے، مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ اللہ کی قسم! میری طرف سے اب کوئی ایسی حرکت نہیں صادر ہوگی جو آپ لوگوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔"

انہوں نے رکتے ہوئے کہا:

"تم ہم سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

تو اس نے کہا:

"وَاللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّهُ سَيَظْهَرُ دِيْنُكَ، وَيَعْلُوْ أَمْرُكَ فَعَاهِدْنِيْ إِذَا أَتَيْتُكَ فِيْ مُلْكِكَ أَنْ تُكْرِمَنِيْ، وَاكْتُبْ لِيْ بِذٰلِكَ ......"

تَرْجَمَہ: "محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ آپ مجھ سے اس بات کا وعدہ کیجیے کہ اس وقت جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا تو آپ مجھے عزت بخشیں گے۔ اور اس کے لیے مجھے آپ وعدہ لکھ کر دیجیے۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے ایک چوڑی ہڈی پر یہ تحریر لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ اور جب وہ واپس جانے لگا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"وَكَيْفَ بِكَ يَا سُرَاقَةُ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرٰى؟"

تَرْجَمَہ: "سراقہ! اس وقت تم کیا محسوس کرو گے جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟"

اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"کسریٰ بن ہرمز کے!!؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں کسریٰ بن ہرمز کے۔"

ایفائے عہد

اس کے بعد سراقہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ آیا۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ لوگ بڑی سرگرمی کے ساتھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مصروف ہیں تو ان سے کہا:

"اِرْجِعُوْا، فَقَدْ نَفَضْتُ الْأَرْضَ نَفْضًا بَحْثًا عَنْهُ.
وَأَنْتُمْ لَا تَجْهَلُوْنَ مِبْلَغَ بَصَرِيْ بِالْأَثَرِ، فَرَجَعُوْا."

تَرْجَمَۃ: "واپس اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ میں نے ان کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ اور تم لوگ پاؤں کے نقوش پہچاننے کے بارے میں میری مہارت سے ناواقف نہیں ہو مجھے ان کا کہیں کھوج نہیں ملا، تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ اور وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔"

سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اپنی اس ملاقات اور آپس میں طے ہونے والے عہد و پیمان کو دل میں چھپائے رکھا۔ جب اس کو یقین ہوگیا کہ وہ لوگ اپنے محفوظ ٹھکانے مدینہ منورہ پر پہنچ چکے ہیں تب اس نے لوگوں کو یہ واقعہ سنایا۔

چناں چہ جب ابوجہل نے یہ واقعہ سنا اور اس کے عدمِ تعاون، بزدلی اور سنہری موقع ضائع کر دینے پر اس کو طعنہ دیا تو اس کا جواب دیتے ہوئے سراقہ نے یوں کہا:

أَبَا حَكَمٍ، وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ شَاهِدًا
لِأَمْرِ جَوَادِيْ إِذْ تَسُوْخُ قَوَائِمُهٗ
عَلِمْتَ وَلَمْ تَشْكُكْ بِأَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُوْلٌ بِبُرْهَانٍ، فَمَنْ ذَا يُقَاوِمُهٗ؟

تَرْجَمَۃ: "ابوحکم! اللہ کی قسم! اگر تم اس واقعے کو دیکھتے جو میرے گھوڑے کے ساتھ پیش آیا تھا، جب اس کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے، تو تمہیں یقین ہو جاتا اور اس میں کوئی شک نہ رہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دلیل و برہان کے ساتھ اللہ کے سچے رسول ہیں، پھر ایسی صورت میں کون ہے جو ان کا مقابلہ کر سکتا ہو۔"

حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

زمانہ اپنی معمول کی رفتار سے چلتا رہا...... سورج مشرق سے طلوع ہوکر مغرب میں ڈوبتا رہا...... دن، مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے...... یہاں تک کہ حالات نے پلٹا کھایا اور وہ وقت آگیا کہ وہی محمد

ﷺ جو بے یار و مددگار، بے کسی اور لاچاری کی حالت میں رات کی تاریکی میں چھپ کر مکے سے نکلے تھے، اب ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جان نثاروں کے ساتھ فاتحانہ اور شان وشوکت سے مکہ میں داخل ہورہے تھے۔

اور قریش کے وہ بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار جنھوں نے زمین کو اپنے ظلم و جبر سے بھردیا تھا۔ خوف وگھبراہٹ کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے رحم و کرم کے ساتھ جاں بخشی کی بھیک مانگ رہے تھے۔ اور پوچھ رہے تھے:

"مَا ذَا عَسَاكَ تَصْنَعُ بِنَا؟"

ترجمہ: "آپ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

اور نبی اکرم ﷺ عفوودرگزر کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمارہے تھے:

"إِذْ هَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء."

ترجمہ: "جاؤ، تم پر کوئی پکڑ نہیں ہے۔ آج تم سب آزاد ہو۔"

اس وقت سراقہ نے اپنی سواری تیار کی اور اس پر سوار ہوکر چل پڑا تاکہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کرے۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں وہ تحریری عہد نامہ تھا جو دس سال پہلے آپ ﷺ نے اس کو لکھ کر دیا تھا۔

حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جب آپ ﷺ مقام "جعرانہ" میں قیام پذیر تھے۔ میں انصار کی ایک جماعت کے ایک دستے میں داخل ہوا جو انصاری سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ وہ مجھ کو اپنے نیزوں کے پچھلے سروں سے مار مار کر کہہ رہے تھے:

"إِلَيْكَ، إِلَيْكَ، مَاذَا تُرِيْدُ؟"

ترجمہ: "دور ہٹ، دور ہٹ، کیا چاہتا ہے؟"

لیکن میں برابر ان کی صفوں کو چیر کر آگے بڑھتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے، میں نے عہد نامے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے بلند کرتے ہوئے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ......

أَنَا سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ ......

وَهٰذَا كِتَابُكَ لِيْ......"

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سراقہ بن مالک ہوں اور یہ وہ وعدہ ہے جو آپ نے مجھے لکھ کر دیا تھا۔"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اُدْنُ مِنِّيْ يَا سُرَاقَةُ اُدْنُ ......

هٰذَا يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ."

تَرْجَمَۃ: "سراقہ! میرے قریب آؤ...... میرے قریب آؤ...... یہ وعدہ پورا کرنے اور حسن سلوک کا دن ہے۔"

پھر میں نے حضور ﷺ کے سامنے پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور آپ ﷺ کے احسان اور حسن سلوک سے فائدہ اٹھا کر کامیاب لوٹا۔

آپ کا رسول اللہ ﷺ کی وفات پر غم گین ہونا

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس ملاقات کو ابھی کچھ ہی مہینے گزرے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات ہوگئی۔ حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر بے حد غم گین ہوئے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اس روز کا منظر گردش کرنے لگا جب انہوں نے سو اونٹوں کے لالچ میں آکر آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اور آج ان کا یہ حال تھا کہ دنیا کے سارے اونٹوں کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ناخن کے ایک تراشے اور ذرے کے برابر بھی نہیں تھی۔ وہ بار بار حضور ﷺ کی اس بات کو دہرا رہے تھے۔

"كَيْفَ بِكَ يَا سُرَاقَةُ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرٰى."

تَرْجَمَۃ: "سراقہ! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟"

اور ان کو اس بات میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں تھا کہ ایک دن وہ انہیں ضرور پہنیں گے۔

حضور ﷺ کی پیشن گوئی کا سچ ثابت ہونا

زمانے کی گردش نے حالات وواقعات میں انقلاب وتبدیلی کے عمل کو مسلسل جاری رکھا، یہاں تک کہ

مسلمانوں کی خلافت کی ذمہ داری خلیفہ سوم حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے کندھوں پر آ پڑی۔ اوران کے عہدِ مبارک میں مسلمانوں کے لشکر اسلام کی دعوت کو لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک جانے لگے، اور جو ان کی دعوت قبول نہ کرتا اور جزیہ بھی نہ دیتا اور ان کے مقابلہ میں آ جاتا، تو اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [۱]

تَرْجَمَۃ: ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔“

یہ لشکر قلعوں پر قلعے فتح کرتے، فوجوں کو شکست پر شکست دیتے، تختوں کو الٹتے اور اموالِ غنیمت سمیٹتے چلے جا رہے تھے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں شاہانِ کسریٰ کی عظیم سلطنت کا خاتمہ کرا دیا اور پورا ایران فتح ہو گیا۔

یہ حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی خلافت کے آخری زمانے کی بات ہے، ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے قاصد فتح کی بشارت لے کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ مسلمانوں کے بیت المال کے لیے اس مالِ غنیمت کا خمس بھی ساتھ لائے تھے جس کو غازیانِ اسلام نے حاصل کیا تھا۔

جب وہ تمام چیزیں حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے سامنے رکھی گئیں تو آپ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان چیزوں میں کسریٰ کا وہ تاج بھی موجود تھا جس میں قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے...... اس کے وہ کپڑے بھی تھے جو سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تھے...... اس کا وہ ہار بھی تھا جس میں جواہرات اور ہیرے جڑے ہوئے تھے...... اور اس کے وہ کنگن بھی تھے جن کا مثل کسی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا تھا...... اور ان کے علاوہ دوسری بے شمار قیمتی اور نفیس چیزیں بھی اِس مالِ غنیمت میں موجود تھیں۔

حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اس قیمتی خزانے کو ایک چھڑی سے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے اردگرد کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

”إِنَّ قَوْمًا أَدَّوْا هٰذَا الْأُمَنَاءُ ......“

تَرْجَمَۃ: ”جو لوگ یہ مالِ غنیمت لے کر آئے ہیں ...... وہ سب کے سب انتہائی امانت دار لوگ

---

[۱] مُحَمَّد: ۷

ہیں۔“

خلیفہ کی یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

”إِنَّكَ عَفَفْتَ فَعَفَّتْ رَعِيَّتُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ……
وَلَوْ رَتَعْتَ لَرَتَعُوْا ……“

تَرجَمَہ: ”امیر المؤمنین! آپ نے لوگوں کے اموال پر ظلم کر کے قبضہ نہیں کیا، اسی لیے آپ کے مامورین اور آپ کی حکومت کے لوگ بھی اس سے بچتے رہے۔ اگر آپ ان کا مال غلط طریقے سے کھاتے تو وہ بھی لوگوں کا مال غلط طریقے سے کھاتے۔“

اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلایا:

پھر ان کو کسریٰ کی قمیص …… پائجامہ …… قبا اور اس کے موزے پہنائے، اس کی تلوار اور پٹکا ان کی کمر میں باندھا، اور اس کا تاج ان کے سر پر رکھا۔

پھر دونوں کنگن ……!! جی ہاں! دونوں کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنائے۔

اس وقت مسلمانوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا:

”اَللّٰهُ اَكْبَرُ …… اَللّٰهُ اَكْبَرُ …… اَللّٰهُ اَكْبَرُ“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا:

”بَخٍ بَخٍ ……
أُعَيْرَابِيٌّ مِنْ بَنِي مُدْلَجٍ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ كِسْرٰى …… وَفِيْ يَدَيْهِ سِوَارَاهُ ……!“

تَرجَمَہ: ”واہ واہ …… اللہ کی شان! بنی مدلج کا ایک اعرابی یعنی دیہاتی اور اس کے سر پر کسریٰ کا تاج اور ہاتھوں میں اس کے کنگن!!۔“

پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا:

”اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ مَنَعْتَ هٰذَا الْمَالَ رَسُوْلَكَ وَكَانَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنِّيْ وَأَكْرَمَكَ عَلَيْكَ ……
وَمَنَعْتَهُ أَبَابَكْرٍ وَكَانَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنِّيْ وَأَكْرَمَ عَلَيْكَ ……

وَأَعْطَيْتَنِيْهِ، فَأَعُوْذُ بِكَ أَنْ تَكُوْنَ قَدْ أَعْطَيْتَنِيْهِ لِتَمْكُرَبِيْ ......"

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! تو نے یہ مال و دولت اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیا، حالاں کہ وہ تیرے نزدیک مجھ سے زیادہ محبوب ومکرم تھے۔ اور تو نے یہ مال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نہیں دیا، حالاں کہ وہ بھی تیرے نزدیک مجھ سے زیادہ محبوب ومکرم تھے اور تو نے یہ مال مجھ کو عطا فرمایا ہے۔ میرے معبود! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ یہ مال تو نے مجھے اس کے فریب میں مبتلا کرنے کے لیے دیا ہو۔"

پھر جب تک انہوں نے وہ سارا مال مسلمانوں میں تقسیم نہیں کر لیا، اپنی جگہ سے نہیں اٹھے۔

فوائد ونصائح

عاجزی اختیار کیجیے

اس واقعہ سے ہمیں ایک تو یہ سبق لینا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو کتنی عاجزی کے ساتھ داخل ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک اونٹ کی پشت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے کہ اے اللہ! یہ آپ نے اور صرف آپ ہی نے کیا ہے، کہ ہمیں مکہ مکرمہ میں دوبارہ داخل ہونے کے لیے آسانی فرمادی، فرمایا:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ"

تَرْجَمَۃ: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ ہی نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اسی اللہ نے اکیلے تمام لشکروں کو شکست دی۔"

ہمیں بھی ہر کام میں اسی طرح عاجزی کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، کسی قسم کا دعویٰ، میں نے یوں کیا ہم نے یوں کیا...... یہ نہیں کہنا چاہیے، بل کہ ہر کام کی اللہ کی طرف نسبت کرنی چاہیے کہ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے یہ کام ہوا، اللہ نے ہم سے یہ کام لے لیا۔

مُذاکرہ

سُؤال: غارِ ثور میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو تسلی دیتے ہوئے کیا فرمایا؟

سُؤال: حضرت سراقہ بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ابوجہل کو اشعار میں کیا جواب دیا؟ وہ اشعار لکھیے۔

سُؤال: حضرت سراقہ بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پہلی ملاقات کے کتنے عرصے بعد اسلام قبول کیا؟

سُؤال: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت سراقہ بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو کیا خوش خبری سنائی؟

◆

حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"فَيْرُوْزٌ رَجُلٌ مُبَارَكٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ مُبَارَكِيْنَ" (محمد رسول اللّٰہ)
ترجمہ: "فیروز ایک مبارک گھرانے کا مبارک شخص ہے۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد شدید بیمار ہوئے اور پورے جزیرۃ العرب میں آپ کی بیماری کی خبر مشہور ہوگئی، تو یمن میں اسود عنسی، یمامہ میں مسیلمہ کذاب اور بلادِ بنواسد میں طلیحہ اسدی اسلام سے مرتد ہوگئے۔

اور تینوں جھوٹوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہیں اور بالکل اسی طرح اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، جس طرح (حضرت) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قریش کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اسود عنسی کی چالاکی اور فریب

اسود عنسی ایک جادوگر، کاہن، شر پسند اور طاقت ور شخص تھا۔ اس کے علاوہ وہ نہایت فصیح و بلیغ اور جادو بیان مقرر تھا۔ وہ اپنی تقریروں کے ذریعے لوگوں کو حیران کر دیتا، وہ اتنا چالاک تھا کہ اپنی بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کے سہارے عوام کے جذبات سے کھیلنے، اور خواص کو مال و دولت اور عزت و مرتبہ کی طلب پر ابھارنے کی پوری قدرت رکھتا تھا۔ وہ لوگوں کے اوپر اپنی ہیبت طاری رکھنے کے لیے ہمیشہ ان کے سامنے نقاب پوش ہو کر نکلتا تھا۔

اس وقت یمن پر اُن لوگوں کی حکومت تھی جو ایران کو چھوڑ کر مستقل طور پر یمن میں آباد ہو چکے تھے، اور ان کے سربراہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے آباء واجداد ایرانی تھے اور اپنا وطن چھوڑ کر یمن میں آباد ہو گئے تھے، ان کی مائیں عربی النسل تھیں۔

ان تارکینِ وطن کے سردار "باذان" ظہورِ اسلام کے وقت شاہ ایران کی طرف سے یمن کے حاکم تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور ان کی دعوت کی برتری ان کے سامنے واضح ہوگئی، تو انہوں نے ایران

کے بادشاہ کی اطاعت کا پھندہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، اور اپنی قوم سمیت اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔
اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کو منصب پر برقرار رکھا، یہاں تک کہ اسود عنسی کے جھوٹے دعویٰ نبوت سے کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہو گیا۔

اسود عنسی کی دعوت پر جن لوگوں نے سب سے پہلے لبیک کہا، وہ اس کے اپنے قبیلے ''بنو مذحج'' کے لوگ تھے۔ اس نے ان کو لے کر ''صنعاء'' پر حملہ کیا اور اس کے حاکم ''شہر بن باذان'' کو قتل کر کے ان کی بیوہ ''آزاد'' سے شادی کر لی۔

پھر صنعاء سے دوسرے علاقوں پر چڑھ دوڑا اور وہ سارے علاقے اس کے حملوں کی تاب نہ لا کر حیرت انگیز تیزی کے ساتھ پے در پے اس کے آگے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ حضر موت سے طائف تک اور بحرین واحساء سے عدن تک کے سارے علاقے اس کے زیرِ نگین آ گئے۔

لوگوں کو فریب دینے اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے میں اسود عنسی کو سب سے زیادہ جس چیز سے تقویت ملی، وہ اس کی غیر معمولی عیاری تھی۔ وہ اپنے ماننے والوں سے کہتا تھا کہ ایک فرشتہ اس کے پاس وحی لاتا اور اسے غیب کی خبریں بتلاتا ہے۔

اور اس جھوٹے اور بے بنیاد دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اس نے اپنے جاسوسوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں، جنہیں اس نے اس غرض سے ہر طرف پھیلا رکھا تھا کہ وہ لوگوں کے حالات معلوم کریں...... ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ لگائیں...... ان کی مشکلات سے آگاہ ہوں...... ان کے دلوں میں پیدا ہونے والی تمناؤں اور امیدوں سے واقفیت حاصل کریں...... اور پھر یہ ساری معلومات چپکے سے اس کے پاس پہنچا دیا کریں۔

پھر وہ جاسوسوں کی ان فراہم کردہ معلومات کے مطابق ہر ضرورت منداور پریشان حال شخص سے اس کی ضرورت و پریشانی کے مطابق ملاقات اور گفتگو کا آغاز کرتا تھا۔ وہ اپنے ماننے والوں کے سامنے ایسی ایسی عجیب وغریب چیزیں پیش کرتا کہ ان کی عقلیں دنگ رہ جاتیں۔

اسود عنسی کی دھوکے بازی اور مکاری یہاں تک بڑھ گئی کہ طاقت بہت زیادہ ہو گئی، اور اس کی دعوت جنگل کی آگ کی طرح لوگوں کے اندر بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئی۔

حضور ﷺ کے خطوط

جب رسول اللہ ﷺ کو اسود عنسی کے ارتداد اور یمن پر اس کے حملے کی خبر ہوئی، تو آپ ﷺ نے

یمن میں اسلام کی طرف سبقت کرنے والے ان دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطوط لکھے جن سے آپ ﷺ کو خیر وتعاون کی امید تھی۔

ان خطوط میں آپ ﷺ نے ایمان اور ہوشیاری کے ساتھ ان کو اس اندھے فتنے کا مقابلہ کرنے پر ابھارا، اور ہر صورت میں اسود عنسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام جس کے پاس بھی پہنچا، اس نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور فی الفور اسے نافذ کرنے کے لیے حرکت میں آگیا۔

اس دعوت کو قبول کرنے والوں میں سب سے پیش پیش حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی تھے۔ ہم اس دل چسپ اور انوکھے قصے کو انہیں کے الفاظ میں آپ کو سناتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

میں نے اور ''ابناء'' میں سے میرے ساتھیوں نے نہ تو اسلام کی صداقت میں ایک لمحے کے لیے شک کیا، نہ کسی کے دل میں اللہ کے دشمن ...... اسود عنسی ...... کی تصدیق کا خیال پیدا ہوا، بل کہ ہم لوگ اس پر حملہ کرنے اور ہر ممکن طریقے سے اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ جب میرے اور دوسرے ساتھیوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خطوط پہنچے تو ہمیں ایک دوسرے سے بڑی تقویت ملی، اور ہر شخص اپنے منصوبے کے مطابق اس پر عمل کرنے کے لیے سرگرم ہوگیا۔

اسود عنسی کے قتل کا منصوبہ

اپنی غیر متوقع اور زبردست کامیابیوں کی وجہ سے اسود عنسی کے اندر غرور وتکبر نے گھر کرلیا۔ اس نے اپنے لشکر کے سپہ سالار قیس بن عبد یغوث کے معاملے میں اپنا رویہ بدل دیا، اور اس کے ساتھ تکبر وسختی سے پیش آنے لگا، یہاں تک کہ جب قیس کو اس کی طرف سے اپنی جان کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا، تو میں اپنے چچا زاد بھائی ''دازویہ'' کو ساتھ لے کر اس کے پاس گیا، اس کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا اور اس سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ ہمارے اوپر ہاتھ ڈالے، ہمیں اس کا کام تمام کردینا چاہیے۔

اس نے ہماری دعوت کو خوشی کے ساتھ قبول کرلیا اور ہمارے سامنے اپنے دل کی باتیں ظاہر کرتے ہوئے ایسا محسوس کیا جیسے ہم غیبی مدد کی شکل میں اس کے اوپر آسمان سے نازل ہوئے ہوں۔

پھر ہم تینوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم لوگ اس مرتد اور جھوٹے مدعی نبوت سے اندرونی طور پر نمٹیں گے، اور ہمارے دوسرے بھائی باہر سے اس کو جہنم تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ اور ہمارے

درمیان یہ بات بھی طے ہوئی کہ ہم اس معاملے میں اپنی چچازاد بہن ”آزاد“ کا تعاون بھی حاصل کریں گے جس سے اسود عنسی نے ...... اس کے شوہر ”شہر بن باذان“ کو قتل کر کے زبردستی شادی کر لی ہے۔

طے شدہ فیصلے کے مطابق میں نے اسود عنسی کے محل میں جا کر اپنی چچازاد بہن سے ملاقات کی اور اس سے کہا:

”بہن! تم جانتی ہو کہ اس شخص نے ہمیں اور تم کو کیسی پریشانی اور تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس نے تمہارے خاوند کو قتل کیا ...... تمہاری قوم کی عورتوں کو رسوا اور بے عزت کیا ...... تمہاری قوم کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ...... اور ان کے ہاتھ سے حکومت چھین لی۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہلِ یمن اور خصوصیت کے ساتھ ہم لوگوں کو اس فتنے کے خاتمے کا حکم دیا ہے، تو کیا تم اس میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتی ہو؟“

اس نے دریافت کیا:

”أُعِينُكُمْ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ؟“

تَرْجَمَۃ: ”میں کس چیز میں تمہارے ساتھ تعاون کروں؟“

میں نے جواب دیا:

”عَلٰى إِخْرَاجِهٖ......“

تَرْجَمَۃ: ”اس کے نکالنے میں۔“

اس نے جواب دیا:

”بَلْ عَلٰى قَتْلِهٖ ......“

تَرْجَمَۃ: ”نہیں، بل کہ اس کے قتل میں۔“

میں نے کہا:

”وَاللّٰهِ مَا قَصَدْتُ غَيْرَ ذٰلِكَ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ أُوَاجِهَكِ بِهٖ.“

تَرْجَمَۃ: ”اللہ کی قسم، میرا مقصد بھی یہی تھا، لیکن یہ بات تمہارے سامنے کہنے سے ڈر رہا تھا۔“

اس نے کہا:

”وَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا مَا ارْتَبْتُ فِيْ دِيْنِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ رَجُلًا أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ هٰذَا الشَّيْطَانِ ......

وَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُهُ مُنْذُ رَأَيْتُهُ إِلَّا فَاجِرًا، أَثِيمًا، لَا يَرْعٰى حَقًّا وَلَا يَنْتَهِىْ عَنْ مُنْكَرٍ۔"

تَرْجَمَہ: "قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنے دین کی حقانیت اور اس کی صداقت کے متعلق شک وشبہے میں مبتلا نہیں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا ہے جو میرے نزدیک اس شیطان سے زیادہ قابل نفرت ہو۔ اللہ کی قسم جب سے میں نے اس کو دیکھا ہے، اس کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتی کہ یہ ایک فاجر اور بدکار شخص ہے، جو نہ کسی کے حق کی رعایت کرتا ہے، نہ کسی گناہ کے کام سے باز رہتا ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا:

"ہمارے لیے اس کو قتل کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟"

اس نے پوری تدبیر سمجھاتے ہوئے کہا:

"وہ نہایت محتاط ہے اور اپنی حفاظت کے لیے اس نے سخت پہرے کا انتظام کر رکھا ہے۔ محل میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس کو اس کے چوکیداروں نے اپنے گھیرے میں نہ لے رکھا ہو۔ البتہ اس دور والے کمرے کی ......جس میں کوئی نہیں رہتا...... نگرانی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس کی پشت پر ایک بیابان جنگل ہے۔ تم رات کے اندھیرے میں اس کمرے میں چھلانگ لگاؤ۔ اس میں تم کو اسلحہ اور چراغ ملے گا۔ وہیں تم مجھے بھی اپنے انتظار میں پاؤ گے۔ پھر اس کمرے میں داخل ہو کر اسے قتل کر دینا جس میں یہ سوتا ہے۔"

میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا:

لیکن اس محل کے کسی کمرے میں چھلانگ لگانا آسان نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ادھر سے کسی آدمی کا گزر ہو اور وہ ہمیں دیکھ کر محافظوں کو آواز دے دے، پھر تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

اس نے کہا:

تمہارا یہ اندیشہ غلط نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلے میں میری ایک رائے ہے۔

میں نے دریافت کیا۔ "وہ کیا ہے؟"

اس نے رائے دی۔

کل تم اپنے کچھ قابل اعتماد آدمیوں کو کاریگروں اور مزدوروں کے بھیس میں میرے پاس بھیج دینا۔ میں

ان سے کہہ کر اندرونی جانب سے کمرے کی دیوار میں کچھ سوراخ کروادوں گی، اس طرح سوراخ کرنے کا کام بہت تھوڑا سا بچ جائے گا جس کو تم لوگ باہر سے معمولی کوشش کر کے مکمل کرلو گے۔

میں نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: یہ اچھی تجویز ہے۔

اس کے بعد میں نے واپس جا کر اپنے دونوں ساتھیوں کو وہ ساری باتیں بتائیں جو میرے اور اس کے درمیان طے ہوئیں تھیں۔ انہوں نے ان باتوں کو پسند کیا، اور کامیابی کی دعا کی۔ اور ہم اسی وقت ان کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ہم نے اپنے معاونین میں سے خاص خاص مسلمانوں کو ''خفیہ لفظ'' بتایا، ان کو تیار رہنے کی تاکید کی، اور ہم نے اس کے لیے صبح کا وقت طے کیا۔

اسود عنسی کا خاتمہ

جب رات کی تاریکی پورے ماحول پر پھیل گئی تو وقتِ مقرر پر میں اپنے دونوں ساتھیوں سمیت چھلانگ لگانے کی جگہ پر پہنچ گیا۔ ہم اس دیوار کو مکمل کھود کر کمرے میں داخل ہوگئے، اور چراغ روشن کر کے ہتھیار سنبھالا اور اس اللہ کے دشمن کے خاص کمرے کی جانب چل پڑے۔ میری چچا کی لڑکی پہلے ہی سے اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں بے دھڑک اس میں داخل ہوگیا۔ وہ گہری نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔

''فَأَهْوَيْتُ بِالشَّفْرَةِ عَلٰى عُنُقِهِ، فَخَارَ خُوَارَ الثَّوْرِ، وَاضْطَرَبَ اِضْطِرَابَ الْبَعِيْرِ الْمَذْبُوْحِ.''

ترجمہ: ''میں نے تلوار کی دھار اس کی گردن پر رکھ کر زور لگایا۔ پہلے تو وہ بیل کی طرح ڈکرایا، پھر ذبح شدہ اونٹ کی طرح تڑپا۔''

محافظوں نے اس کی آواز سنی تو یہ کہتے ہوئے اس کے بستر کی طرف دوڑے۔ ''یہ کیسی آواز ہے؟''

میری چچا کی بیٹی نے ان کو واپس بھیجتے ہوئے کہا:

''اِنْصَرِفُوْا رَاشِدِيْنَ، فَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ يُوْحىٰ إِلَيْهِ ......''

ترجمہ: ''کچھ نہیں، اللہ کے نبی پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ تم لوگ اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔''

اس کے بعد ہم لوگ محل کے اندر ہی رہے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو میں نے ایک دیوار پر چڑھ کر اذان دینا شروع کی۔

”اَللّٰهُ اَكْبَرُ ...... اَللّٰهُ اَكْبَرُ ...... اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ...... اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ...... وَاَشْهَدُ اَنَّ الْاَسْوَدَ الْعَنْسِيَّ كَذَّابٌ“ یہی ”خفیہ لفظ“ تھا۔ اس کو سنتے ہی مسلمان ہر طرف سے محل کی طرف بڑھے اور محافظ اذان کی آواز سن کر اس کی طرف لپکے اور دونوں فریق آپس میں بھڑ گئے۔ پھر میں نے اسود عنسی کا سر دیوار سے نیچے پھینک دیا جس کو دیکھ کر اس کے حامی کم زور پڑ گئے، ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، اور مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ دشمنوں پر ایک زوردار حملہ کر دیا۔ اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی سارا معاملہ نمٹ گیا۔

دن ہوا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس اللہ کے دشمن کے قتل کی خوش خبری پر مشتمل ایک خط بھیجا۔ جب قاصد یہ بشارت لے کر مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج رات کو آپ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی ان کو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اسود عنسی کے قتل کی بشارت اسی رات مل گئی تھی جس میں وہ قتل کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تھا:

”قُتِلَ الْأَسْوَدُ الْعَنْسِيُّ الْبَارِحَةَ ......
قَتَلَهُ رَجُلٌ مُبَارَكٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتٍ مُبَارَكِيْنَ ......“

ترجمہ: ”اسود عنسی کو گزشتہ رات قتل کر دیا گیا۔ اس کو ایک مبارک گھرانے کے مبارک شخص نے قتل کیا ہے۔“

جب آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون شخص ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

”فَيْرُوْزُ ...... فَازَ فَيْرُوْزُ ......“

ترجمہ: ”فیروز ...... فیروز کامیاب ہو گیا ہے۔“

فوائد ونصائح

کوشش رائیگاں نہیں جاتی

حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان جب اللہ کے بھروسے پر

اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو معاملہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو، صورتِ حال مایوس کن ہی کیوں نہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ مدد اور دستگیری فرماتے ہیں۔ چناں چہ اس سلسلے میں حضرت فیروز دیلمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا واقعہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ انہوں نے ایک زبردست معاملے کی نیت کی یعنی جھوٹے نبی اسود عنسی کو قتل کرنے کا مصمم عزم کیا اور حالات کی بالکل بھی پرواہ نہیں کی، حالاں کہ اس جھوٹے انسان کا قتل تو درکنار بظاہر اس تک پہنچنا بھی مشکل اور ناممکن تھا۔

لیکن حضرت فیروز دیلمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اللہ کے بھروسے پر مضبوط ارادہ کر چکے تھے اور اپنے ارادے پر عمل کرنے کے لیے مناسب تدبیر اور مؤثر کوششیں بھی شروع فرما چکے تھے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے خیر وعافیت کے ساتھ ان کے لیے سب منزلیں آسان کر دیں اور ان کو ان کے ارادے میں مکمل کامرانی اور سرفرازی نصیب فرمائی اور اللہ کے پیارے رسول رُوحِی فِدَاہُ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے حضرت فیروز دیلمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی کامیابی وکامرانی کی بشارت اپنے ان الفاظ میں دی:

"فَازَ فَيْرُوْزُ"

تَرْجَمَہ: "فیروز کامیاب ہو گیا۔"

اس لئے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم مضبوط عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ اپنے کاموں کو کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ بھی رکھیں، پھر اگر کام بظاہر مشکل بھی ہوا تب بھی ان شاء اللّٰہ کامیابی وکامرانی نصیب ہوگی۔

مُذاکرہ

سُؤال: حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد تین شخص مرتد ہو گئے تھے ان کے کیا نام ہیں؟

سُؤال: اسود عنسی کی بات کو سب سے پہلے کس قبیلے کے لوگوں نے قبول کیا؟

سُؤال: اسود عنسی کو کس نے قتل کیا؟

سُؤال: حضور ﷺ کو اسود عنسی کے قتل کی خبر کس طرح ملی؟

حضرت ثابت بن قیس انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"مَا أُجِيزَتْ وَصِيَّةُ اِمْرِئٍ أَوْصٰى بِهَا بَعْدَ مَوْتِهٖ سِوٰى وَصِيَّةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ"

تَرجمہ: "کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے، جس نے مرنے کے بعد کوئی وصیت کی ہو اور وہ نافذ کردی گئی ہو، سوائے ثابت بن قیس کی وصیت کے۔"

نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خطیب

حضرت ثابت بن قیس انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قبیلہ خزرج کے ہر دل عزیز سردار اور مدینہ منورہ کی گنی چنی شخصیتوں میں سے تھے۔ وہ نہایت ذہین، حاضر جواب، خوش بیان، اور بلند آواز شخص تھے۔ جب بولتے تو محفل پر چھا جاتے، اور جب تقریر کرتے تو سننے والوں پر سناٹا طاری ہو جاتا۔ وہ مدینہ منورہ کے ان خوش نصیب افراد میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے جیسے ہی نوجوان مکی داعیٔ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے پرسوز، دل کش آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت سنی تو دل پر اثر کر گئی، اور ان کی عقل کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو ایمان کے لیے کھول دیا، اور نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو بلند کر دیا۔

جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے قبیلے کے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کے ساتھ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا والہانہ استقبال کیا، اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اور آپ کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خوش آمدید کہا۔

اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں تقریر کی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر درود و سلام سے تقریر شروع کی۔

اور اس کا اختتام ان الفاظ پر کیا۔

"وَ إِنَّا نُعَاهِدُكَ. يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. عَلٰى أَنْ نَمْنَعَكَ مِمَّا نَمْنَعُ مِنْهُ أَنْفُسَنا وَأَوْلَادَنَا وَنِسَاءَ نَا، فَمَا لَنَا لِقَاءَ ذٰلِكَ؟"

تَرجَمۃ: “اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی، اپنی اولاد کی اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا چیز ملے گی۔”

جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

“اَلْجَنَّةُ......”

تَرجَمۃ: “(اس حسن سلوک پر تمہیں) ”جنت ملے گی۔“

جنت کا نام سنتے ہی ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور ان کی پیشانیاں خوشی سے دمکنے لگیں اور سب نے بہ یک زبان ہو کر کہا:

“رَضِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ...... رَضِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ”

تَرجَمۃ: “اس بدلے پر ہم راضی ہیں اے اللہ کے رسول......اس بدلے پر ہم راضی ہیں اے اللہ کے رسول۔”

اس دن سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اپنا خطیب بنا لیا جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اپنا شاعر ہونے کے اعزاز سے نوازا تھا۔

جب بھی عرب قبائل کے وفود اپنے بڑے بڑے خطیبوں اور شاعروں کا تذکرہ کرتے تو آپ ﷺ ان کے خطیبوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اور ان کے شاعروں کا جواب دینے کے لیے حضرت حسان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو طلب فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا آپ کو شہادت اور جنت کی خوش خبری دینا

حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پکے مومن، سچے متقی، اپنے رب سے ڈرنے والے اور ہر اس چیز سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ خوف زدہ اور غم گین ہیں اور ڈر و خوف کے مارے کانپ رہے ہیں تو ان سے پوچھا۔

“مَا بِكَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ؟”

تَرجَمۃ: “ابو محمد! تمہیں کیا ہوا ہے؟”

انہوں نے جواب دیا۔ اے اللہ کے رسول! مجھے اندیشہ ہے کہ، کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔

آپ ﷺ نے دوبارہ دریافت فرمایا: وہ کیوں؟

انہوں نے جواب دیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو منع کیا تھا کہ ہم ایسے کارناموں پر کی گئی تعریف کو پسند کریں جو ہم نے کیے ہی نہیں ہیں۔ اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا دل اس قسم کی تعریف کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے ہمیں تکبر سے منع کیا ہے اور میرا حال یہ ہے کہ میں خود پسندی میں مبتلا ہوں۔

اس کے بعد آپ ﷺ بڑی دیر تک ان کو تسلی دیتے رہے۔ پھر آخر میں ارشاد فرمایا:

"يَا ثَابِتُ! أَلَا تَرْضٰى أَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا وَتُقْتَلَ شَهِيْدًا وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ."

تَرْجَمَہ: "اے ثابت! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ زندگی میں تمہاری تعریف ہو شہادت کی موت نصیب ہو اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

یہ خوش خبری سن کر حضرت ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا اور وہ بے ساختہ بول اٹھے:

"بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ...... بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ......" "کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ...... کیوں نہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ لَكَ ذٰلِكَ."

تَرْجَمَہ: "یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوں گی۔"

نبی اکرم ﷺ سے محبت کے باوجود آپ کی مجالس سے کنارہ کشی

جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾[1]

تَرْجَمَہ: "اے ایمان والو، اپنی آواز کو نبی (ﷺ) کی آواز سے اوپر نہ کرو، اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"

تو حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ...... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید محبت اور گہرے تعلق

---

[1] الحُجُرٰت: ٢

کے باوجود...... آپ کی مجالس سے کنارہ کش ہو کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے، یہاں تک کہ فرض نمازوں کی ادائیگی کے سوا دوسری کسی ضرورت سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق دریافت فرمایا:

”مَنْ يَأْتِيْنِيْ بِخَبَرِهٖ؟“

تَرجَمَہ: ”ثابت بن قیس کی خبر کون لائے گا؟“

ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان کی خبر میں آپ کو دے سکتا ہوں۔

چناں چہ وہ انصاری صحابی ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ حضرت ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے گھر میں سر نیچے کیے ہوئے افسردہ اور غم گین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور جب ان سے پوچھا کہ ابو محمد! آپ کا کیا حال ہے تو انہوں نے جواب دیا۔

بہت برا حال ہے۔ اور جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو کہنے لگے:

”إِنَّكَ تَعْرِفُ أَنِّيْ رَجُلٌ جَهِيْرُ الصَّوْتِ، وَأَنَّ صَوْتِيْ كَثِيْرًا مَّا يَعْلُوْ عَلٰى صَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تَعْلَمُ، وَمَا أَحْسَبُنِيْ إِلَّا قَدْ حَبَطَ عَمَلِيْ وَأَنَّنِيْ مِنْ أَهْلِ النَّارِ......“

تَرجَمَہ: ”تم جانتے ہو کہ میری آواز اونچی ہے جو اکثر رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جاتی ہے۔ اور اس کے متعلق قرآن میں جو کچھ نازل ہو چکا ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے، میں اپنے آپ کو یہاں اس لیے روکے ہوئے ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، اور اہلِ جہنم میں سے نہ ہو جاؤں۔ میں تو اپنے بارے میں یہی سمجھتا ہوں کہ شاید میرے سارے اعمال رائیگاں ہو گئے اور میں اہلِ دوزخ میں سے ہوں۔“

انصاری صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آکر جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، سب آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

”اِذْهَبْ إِلَيْهِ وَقُلْ لَهٗ: لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَلٰكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.“

تَرجَمَہ: ”جا کر ان سے کہہ دو کہ تم جہنم والوں میں سے نہیں بل کہ جنت والوں میں سے ہو۔“ یہ ان کے لیے بہت بڑی بشارت تھی جس کی خوشی انہیں زندگی بھر رہی۔

مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی میں شرکت اور شہادت

حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ شریک رہے۔ اور اس شہادت کی طلب میں...... جس کی بشارت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو دی تھی...... جنگ کے خطرناک ترین معرکوں میں گھستے رہے۔ مگر ہر بار شہادت ان کے بالکل قریب سے ہو کر گزر جاتی اور وہ اسے حاصل نہ کر پاتے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کے درمیان مرتدین کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ انصار کے امیر، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مہاجرین کے امیر اور حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پوری فوج کے امیر تھے جس میں انصار و مہاجرین اور عرب شہری اور دیہاتی سب شامل تھے۔

جنگ کے پہلے مرحلے میں مسیلمہ کذاب کی فوجیں مسلمانوں پر غالب رہیں۔ یہاں تک کہ دشمن حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے خیمے میں داخل ہو گئے۔ خیمے کی رسیاں کاٹ ڈالیں، اور ان کی بیوی ام تمیم کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا، اس روز مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دل غم و فکر سے بھر گیا۔

اس نازک موقع پر شہادت کو گلے سے لگانے کے لیے حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے جسم پر زعفران ملا، کفن سر پر باندھا اور سب کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے:

"یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ، مَا هٰكَذَا كُنَّا نُقَاتِلُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
بِئْسَ مَا عَوَّدْتُمْ أَعْدَاءَكُمْ مِنَ الْجُرْأَةِ عَلَيْكُمْ ......
وَبِئْسَ مَا عَوَّدْتُمْ أَنْفُسَكُمْ مِنَ الْاِنْخِذَالِ لَهُمْ ......

تَرْجَمَۃ: "مسلمانو! ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی موجودگی میں اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنے دشمن کو اپنے اوپر جرات کا موقع فراہم کیا اور کیسی ناپسندیدہ ہے یہ بات کہ تم نے ان کے سامنے کم ہمتی اور پست حوصلگی کا ثبوت دیا۔"

پھر اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ هٰؤُلَاءِ مِنَ الشِّرْكِ (يَعْنِیْ مُسَيْلِمَةَ وَقَوْمَهٗ).

وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ (يَعْنِي الْمُسْلِمِينَ)."

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! مسیلمہ اور اس کی قوم نے جس شرک کا ارتکاب کیا ہے اور مسلمانوں نے جس کم زوری کا اظہار کیا ہے میں اس سے تیری جناب میں اپنی برأت اور لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔"

پھر حضرت براء بن مالک انصاری، حضرت عمر کے بھائی حضرت زید بن خطاب اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ وغیرہم جیسے مبارک وعظیم صحابہ کرام کے شانہ بشانہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے، اور شجاعت ومردانگی کی ایسی مثال قائم کر دی جس نے مسلمانوں کے دلوں کو غیرت وحمیت اور دشمن کے سینوں کو خوف ورعب سے بھر دیا۔ پھر وہ برابر لڑتے اور ہتھیار سے مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر میدان جنگ میں گر پڑے اور اس شہادت سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں جس کی بشارت ان کے محبوب رسول اللہ ﷺ نے دی تھی، اور اس فتح سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوا جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ذریعے عطا فرمائی۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ شہادت کے بعد وصیت کرنا

حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کے جسم پر ایک قیمتی زرہ تھی۔ ایک شخص ادھر سے گزرا تو اس نے وہ زرہ ان کے جسم سے اتار کر اپنے پاس رکھ لی۔ ان کی شہادت کی اگلی رات کو ایک مسلمان نے ان کو خواب میں دیکھا، انہوں نے اس سے فرمایا:

"أَنَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، فَهَلْ عَرَفْتَنِي؟"

تَرْجَمَۃ: "میں ثابت بن قیس ہوں۔ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "ہاں۔" حضرت ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ان سے فرمایا:

"إِنِّي أُوصِيكَ بِوَصِيَّةٍ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَقُولَ هٰذَا حُلُمٌ فَتُضَيِّعَهَا ......"

تَرْجَمَۃ: "میں تم کو ایک وصیت کر رہا ہوں۔ خبردار اس کو ایک خواب کی بات کہہ کر ٹال نہ دینا۔"

کل مجھے جب قتل کر دیا گیا تو اس حلیے کے ایک شخص کا گزر میری طرف سے ہوا۔ اس نے میری زرہ اتار لی اور اسے اپنے خیمے میں ...... جو کیمپ کی فلاں سمت میں واقع ہے ...... لے گیا اور اس کو ایک ہانڈی کے نیچے رکھ کر اس کے اوپر سے کجاوا رکھ دیا۔ تم خالد بن ولید کے پاس جا کر ان سے کہنا کہ وہ زرہ لینے کے لیے کسی آدمی کو اس کے پاس بھیج دیں کہ وہ وہاں سے میری زرہ اٹھا لائے۔ وہ زرہ ابھی تک اسی جگہ پر ہے۔

"وَ أُوْصِيكَ بِأُخْرَىٰ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَقُولَ هٰذَا حُلُمُ نَائِمٍ فَتُضَيِّعَهَا"

ترجمہ: "اور میں تم کو ایک دوسری وصیت بھی کر رہا ہوں خبردار اس کو ایک سونے والے کا خواب سمجھ کر نظر انداز نہ کرنا۔ خالد سے کہنا کہ جب آپ مدینہ میں خلیفہ کے پاس پہنچیں تو انہیں یہ کہنا کہ ثابت بن قیس پر اتنا قرض ہے اور ان کے فلاں، فلاں دو غلام آزاد ہیں۔ وہ میرے قرضے ادا کر دیں اور میرے دو غلاموں کو آزاد کر دیں۔"

جب وہ آدمی نیند سے بیدار ہوا تو اس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر جو...... کچھ سنا اور دیکھا تھا، سب ان کے سامنے بیان کر دیا۔ انہوں نے ایک آدمی کو زرہ کے لیے بھیجا اور وہ زرہ اس کو اسی جگہ ملی جس کی نشاندہی انہوں نے جہاں کی تھی، چناں چہ زرہ لے کر ان کے سامنے پیش کر دی۔ اور جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ واپس آئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات بتائی اور ان کی وصیت بیان کی۔ چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی وصیت کو نافذ کر دیا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے مرنے کے بعد کی کوئی وصیت نافذ کی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ حضرت ثابت بن قیس سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

فوائد و نصائح

وصیت لکھنے کی فضیلت اور اہمیت

❶ "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ"[1]

ترجمہ: "کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر بھی وہ دو راتیں اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"

یعنی وصیت لکھے بغیر دو راتیں بھی گزارنے کو منع فرمایا۔

❷ "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

[1] بخاری: کتاب الوصایا، باب الوصایا: ۱/۳۸۲

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَسُنَّةٍ وَمَاتَ عَلٰى تُقًى وَشَهَادَةٍ وَمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ"[1]

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وصیت کر کے دنیا سے گیا وہ سیدھے راستے پر اور سنت والے راستے پر دنیا سے گیا اور تقویٰ اور شہادت پر مرا، اور مغفرت کی حالت میں دنیا سے گیا۔"

غور کیجیے! ان احادیث شریفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی کس قدر تاکید اور اہمیت ارشاد فرمائی ہے، اس لیے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ وصیت ضرور لکھ کر رکھے، خصوصاً اگر کسی کے ذمہ نمازیں قضا ہیں حج فرض وغیرہ ذمے پر باقی ہے...... ادا نہیں کیا تو اس کو وصیت لکھنا ضروری ہے اس صورت میں وصیت نامہ نہ لکھنا ایک مستقل گناہ ہے جب تک وصیت نامہ نہ لکھے گا، اس وقت تک یہ گناہ ہوتا رہے گا۔ اس لیے فوراً آج ہی سے ہم لوگوں کو اپنا وصیت نامہ لکھ لینا چاہیے۔

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وصیت لکھ کر گھر میں رکھے اور بیوی بچوں کو دوست یا قریبی ساتھی کو اس کی نقل بھی دے دے، لہٰذا ہم اس کا طریقہ لکھتے ہیں تاکہ کسی بھائی کے لیے عذر نہ رہے، اور ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے وصیت کا لکھنا آسان ہو جائے۔

ان احادیث سے جہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی کے ذمے کوئی حق واجب ہے (کسی کا قرض ادا کرنا ہے، امانت ادا کرنی ہے) تو اس کی وصیت لکھنا ضروری ہے، وہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ...... اگر کوئی حق اس کے ذمہ نہیں تو بھی وصیت کرنا سبب مغفرت اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اس دنیا کے رواج میں غیر سعادت مند اولاد بھی جو ماں باپ کی زندگی میں ان کے حقوق یا ارشادات کی پروا نہیں کرتے مگر ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیت کی تعمیل کو اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے وصیت ہر مسلمان کو ضرور لکھ کر رکھنی چاہیے۔ تاکہ وارثین (اولاد وغیرہ) اس کے مطابق عمل کریں اور کروائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ہاں وصیت کا اہتمام

زندگی میں ضروری امور سے متعلق وصیت کر جانے کی جو تاکید اور اہمیت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی ہے اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بڑے اہتمام سے عمل فرمایا، اور حضرات صحابہ

---

[1] ابن ماجہ: ابواب الوصایا، باب الحث علی الوصیۃ: ص ۱۹۸

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت، ہر طریقے، اور ہر ادا، پر مر مٹنے والے تھے، موت ہمیشہ ان کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی، اس بات کی فکر میں رہتے تھے۔

> ''ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی حق مجھ پر رہ جائے یا کسی بندے کا کوئی حق مجھ پر رہ جائے، اگر کسی کا قرضہ میرے ذمے ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ادا نہیں کیا یا ادا کرنے کی وصیت نہیں کی ہو اور موت آجائے اور یہ قرضہ کہیں پکڑ کا سبب نہ بن جائے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی بھی تین راتیں نہ گزارے مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود ہو۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حدیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں:

''فَمَا بِتُّ مِنْ لَيْلَةٍ بَعْدُ إِلَّا وَ وَصِيَّتِيْ عِنْدِيْ مَوْضُوْعَةٌ.''[1]

تَرْجَمَہ: ''میں نے اس حدیث (کو سننے) کے بعد کوئی رات ایسی نہیں گزاری مگر یہ کہ میری وصیت میرے پاس لکھی ہوئی رکھی ہوتی تھی۔''

اختیاری کمالات محنت سے حاصل کیجیے

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عربی زبان کے ماہر، فصیح البیان شخص تھے، انہوں نے اس زبان پر محنت کی تھی، بات سمجھانے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اس زبان میں مہارت اور پھر فصیح البیان ہونے کی وجہ سے ان کو یہ اعزاز حاصل کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب کہلائے، اس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ آپ بھی کسی فن میں کمال پیدا کریں یہ آپ کو بہت ہی زیادہ فائدہ دے گا۔ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو کمال پیدا کرنے کے لیے ظاہری اسباب دیئے ہیں اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہیے، علم حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری محنت کر کے پھر قبولیت کی امید کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے۔

ہاں جو کمالات غیر اختیاری ہیں ان کے پیچھے پڑ کر وقت ضائع کرنا یا ان کے حاصل نہ ہونے کے غم میں اپنے آپ کو گھلانا مناسب نہیں، مثلاً حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمبے قد بلند آواز کے نہایت ذہین اور بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے، یہ سب نعمتیں ان کو غیر اختیاری طور پر قدرت کی طرف سے حاصل تھیں، ہم غیر اختیاری کمالات کی تمنا کرتے ہوئے شیطان کے دھوکے میں آکر محنت میں کمی نہ کریں کہ میرے ساتھی تو ذہین

---

[1] مسند احمد: ٢/٦٢، رقم الحديث: ٤٤٥٥

ہیں مالدار ہیں اور بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ نہیں بل کہ ایسا کریں کہ جو کمال ہمارے اختیار میں نہیں ہیں اس کی فکر نہ کریں۔

ہاں! جو کمال آپ حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کے اختیار میں ہے اس کو ضرور حاصل کریں اور اختیاری کمالات کے حاصل کرنے میں پوری محنت اور پوری کوشش سے کام لیں ان شاء اللّٰہ آپ بھی باکمال انسان بن جائیں گے۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ارشاد یاد رکھیں "قِیْمَۃُ کُلِّ امْرِیءٍ مَّا یَخْتَصُّ" ہر آدمی کی حیثیت اسی اعتبار سے ہے جس کو وہ اچھی طرح کرسکتا ہے۔ لہٰذا آپ جو زبان بھی سیکھ رہے ہیں اس میں ماہر بننے کی کوشش کریں، خصوصاً عربی زبان جو سب زبانوں میں اشرف و اعلیٰ زبان ہے اس کے بولنے، لکھنے، میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں، آنے والی نسلوں کو یہ پیغام دے کر جائیں کہ ایک عجمی بھی عربی زبان کا ماہر ادیب بن سکتا ہے۔ جبلِ جہد یعنی محنت کے پہاڑ کے پیچھے تمناؤں کا حصول ہے۔

اس لیے محنت سے کبھی جان نہیں چھڑانی چاہیے۔ اپنے نفس کو محنت کا عادی بنانا چاہیے، شروع شروع میں نفس کو مزہ نہیں آئے گا پھر مطالعہ، محنت کی عادت بن جائے گی، یہ شعر یاد رکھنا چاہیے ؎

اَتَحْسَبُ الْمَجْدَ تَمْرًا اَنْتَ اٰکِلُہٗ
لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّٰی تَلْعَقَ الصَّبِرَ

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ کمال وفضیلت اونچے درجات کا حاصل کرنا کھجور کھانے کی طرح ہے کہ منہ میں کھجور رکھی اور نگل لی، نہیں ہرگز نہیں، کسی بھی فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے تھکا دینے والی ایسی محنت کرنی ہوگی گویا تم ایک کڑوا پھل کھا رہے ہو۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا تعلق کون سے قبیلے سے تھا؟

سُؤال: حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کیا خوش خبری سنائی؟

سُؤال: مسیلمہ کذاب سے جنگ میں بڑے بڑے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نے شرکت کی، ان میں سے تین کے نام بتائیں؟

سُؤال: حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے خواب میں ایک شخص کو کیا وصیت فرمائی؟

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا

"عُمِرَتْ أَسْمَاءُ مِائَةَ عَامٍ وَلَمْ يَسْقُطْ لَهَا سِنٌّ وَلَا ضِرْسٌ، وَلَمْ يَغِبْ مِنْ عَقْلِهَا شَيْءٌ" (المؤرخون)

ترجمہ: "اسماء نے سو سال عمر پائی تھی نہ ان کا کوئی دانت گرا اور نہ کوئی ڈاڑھ، اور نہ ہی ان کا حافظہ (ذہن) کم زور ہوا تھا۔"

تعارف

یہ مبارک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ خوش قسمت خاتون ہے جن کو ہر طرف سے شرافت وسعادت نے گھیر رکھا ہے۔ ان کے والد صحابی...... ان کے دادا، صحابی......، ان کی بہن صحابیہ......، ان کے خاوند صحابی...... اور ان کے صاحب زادے صحابی......، اور یہ بہت بڑا رتبہ ہے۔ جو ان کے لیے باعثِ فخر ہے۔ ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست تھے، اور وفات کے بعد ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ان کے دادا حضرت ابوبکر کے والد ابو عتیق تھے۔ ان کی بہن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کی پاک دامنی قرآن میں نازل ہوئی۔ ان کے خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت زبیر بن عوام اور ان کے صاجزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ مختصراً اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس شرف اور سعادت کی مالکہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سابقینِ اسلام (اسلام میں پہل کرنے والوں) میں سے تھیں۔ یہ ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنہیں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے پہلے صرف سترہ مرد اور عورتیں مشرف باسلام ہوئے۔ انہیں "ذات النطاقین" کا لقب دیا گیا تھا۔ ان کا یہ لقب اس وجہ سے پڑا تھا کہ انہوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد کے لیے زادِ سفر اور پانی کے مشکیزہ کا انتظام کیا اور جب ان دونوں چیزوں کو باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے توشہ دان اور دوسرے سے مشکیزے کا منہ کس دیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان کو جنت میں دو کمر بند عطا فرمائے۔ اسی

وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔

ایک مفلس نوجوان سے شادی

ان کی شادی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی تھی جو ایک مفلس نوجوان تھے۔ ان کے پاس نہ کوئی خادم تھا جو ان کی خدمت کرتا نہ ایک گھوڑے کے علاوہ کوئی مال تھا جسے وہ اپنے اہل وعیال پر آسانی کے ساتھ خرچ کرتے۔

ایسی صورت میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے لیے ایک بہترین خدمت گزار بیوی ثابت ہوئیں۔ وہ ان کی خدمت بھی کرتیں اور ان کے گھوڑے کی دیکھ بھال اور اس کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ ساتھ اس کے چارے کے لیے کھجور کی گٹھلیاں بھی پیستی تھیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کشادگی اور فراخی سے نواز دیا اور ان کا شمار مال دار ترین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہونے لگا۔

حضرت عبداللہ کی ولادت

جب حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ ہجرت کے ارادے سے نکلیں اور قبا کے مقام پر پہنچیں، تو ان کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام عبداللہ بن زبیر رکھا گیا۔

مسلمانوں نے عبداللہ بن زبیر کی ولادت پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور خوشی میں تکبیر کہی اس لیے کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کے ہاں یہ پہلا بچہ تھا جس کی پیدائش ہوئی۔ والدہ اس نومولود کو گود میں اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اسے اپنی گود میں لیا، اپنے مبارک لعاب دہن کی بچے کو گھٹی دی، اور تحنیک کی (اپنے منہ میں کوئی میٹھی چیز چبا کر بچے کے منہ میں رکھنے کو ''تحنیک'' کہا جاتا ہے)، اور اس کے لیے خیر و برکت کی دعا کی، اس طرح سب سے پہلے جو اس کے پیٹ میں چیز گئی وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ حلم و بردباری کی بہترین خوبیاں یک جا تھیں۔ سخی اتنی تھیں کہ ان کی سخاوت و دریا دلی کی مثالیں دی جاتی تھی۔ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے۔

"مَا رَأَيْتُ امْرَأَتَيْنِ قَطُّ أَجْوَدَ مِنْ خالَتِي عَائِشَةَ وَأُمِّي أَسْمَاءَ"

تَرْجَمَہ: "میں نے کبھی کسی دو عورتوں کو نہیں دیکھا۔ جو میری خالہ عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا اور میری والدہ اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے زیادہ سخی ہوں۔"

البتہ دونوں کی سخاوت ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ میری خالہ کا حال یہ تھا کہ وہ چیزوں کو جمع کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ جب ان کے پاس کافی چیزیں ہو جاتیں تو وہ انہیں ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیا کرتی تھیں۔ لیکن میری والدہ کوئی چیز اگلے روز کے لیے بچا کر اپنے پاس نہیں رکھتی تھیں۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کا مشکل حالات میں دانش مندانہ رویہ

اس کے علاوہ حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا بڑی عقل مند اور دور اندیش خاتون تھیں اور مشکل حالات میں نہایت دانش مندانہ رویہ اختیار کرتی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے تو اپنا سارا مال ...... جس کی مقدار چھ ہزار درہم تھی ...... اپنے ساتھ لیتے گئے اور اہل وعیال کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ جب ان کے والد ابوقحافہ کو (جو اس وقت تک ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان کی روانگی کی خبر ہوئی تو انہوں نے گھر آ کر حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے کہا:

"وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرَاهُ قَدْ فَجَعَكُمْ بِمَالِهِ بَعْدَ أَنْ فَجَعَكُمْ بِنَفْسِهِ"

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! میرا خیال ہے ابوبکر نہ صرف یہ کہ تم لوگوں کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہیں بل کہ اپنے ساتھ اپنا مال بھی لیتے گئے ہیں، اس طرح تم لوگوں کو مالی پریشانی میں مبتلا کر گئے ہیں۔"

لیکن حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے ان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

"كَلَّا يَا أَبَتِ إِنَّهُ قَدْ تَرَكَ لَنَا مَالًا كَثِيرًا"

تَرْجَمَہ: "نہیں دادا جان! ایسی بات نہیں ہے وہ ہمارے لیے کافی مال چھوڑ گئے ہیں۔"

پھر انہوں نے بہت سی کنکریاں جمع کیں اور انہیں دیوار میں بنے ہوئے ایک طاق میں رکھا ...... جس میں حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ مال رکھتے تھے ...... اور ان کے اوپر ایک کپڑا ڈال کر اپنے دادا ...... جو نابینا تھے ...... ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"يَا أَبَتِ، أُنْظُرْ مَا تَرَكَ لَنَا مِنَ الْمَالِ."

ترجمہ: ”دادا جان! دیکھیے وہ ہمارے لیے کتنا زیادہ مال چھوڑ گئے ہیں۔“

اور انہوں نے ان کے اوپر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

”لَا بَأْسَ ...... إِذَا كَانَ تَرَكَ لَكُمْ هٰذَا كُلَّهُ فَقَدْ أَحْسَنَ.“

ترجمہ: ”تب کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر وہ یہ سارا مال تم لوگوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں تو پھر کوئی پروا نہیں، بہت اچھا کیا ہے۔“

دراصل وہ اس طرح دادا میاں کو تسلی دینا چاہتی تھیں۔ نیز وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ دادا جان ترس کھا کر اپنے پاس سے مال مجھے عطا کر دیں، کیوں کہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور وہ کسی بھی غیر مسلم کا مال استعمال نہ کرنا چاہتی تھیں، اگرچہ وہ ان کے دادا ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غیرت ایمانی

تاریخ اگر حضرت اسماء بنتِ ابی ابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کارناموں کو بھلانا بھی چاہے تب بھی اس ایک واقعے کو نہیں بھلا سکتی جس میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بے مثال غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ فرمایا۔ تاریخ کے لیے اس جیسے واقعات کو فراموش کر دینا یقیناً ناممکن ہے۔

یزید بن معاویہ کی موت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور پورا حجاز، مصر، عراق، خراسان اور شام کا بیشتر علاقہ ان کے ماتحت آگیا۔ اس کے فوراً ہی بعد بنوامیہ نے حجاج بن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر ان کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا اور فریقین کے درمیان کئی زبردست مقابلے ہوئے۔ ان لڑائیوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہت زیادہ شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا جو ان جیسے بہادر شہسواروں کے شایانِ شان تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے ان کے بہت سے حامی ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوتے گئے۔ آخرکار وہ اور ان کے تھوڑے سے باقی ماندہ ساتھی بیت اللہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اپنے بیٹے سے ایمان افروز گفتگو

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی شہادت سے صرف چند گھنٹے پہلے اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ...... جو اس وقت کافی بوڑھی اور نابینا ہو چکی تھیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔

”اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّهْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.“

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

"وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا عَبْدَاللّٰهِ ...... مَا الَّذِیْ أَقْدَمَكَ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ، وَالصُّخُوْرُ الَّتِیْ تَقْذِفُهَا مَنْجَنِيْقَاتُ الْحَجَّاجِ عَلٰى جُنُوْدِكَ فِی الْحَرَمِ تَهُزُّ دُوْرَ مَكَّةَ هَزًّا؟"

ترجمہ: "عبداللہ! اس وقت جب کہ حجاج کی توپوں سے تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر پتھر برسائے جارہے ہیں اور اس کی وجہ سے مکے کے در و دیوار لرز رہے ہیں، تم کس ضرورت سے آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا۔

امی! میں اس وقت آپ سے کچھ مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تعجب سے پوچھا۔ "مجھ سے مشورہ لینے آئے ہو!! کس معاملے میں؟"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا زیادہ تر لوگوں نے میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور وہ حجاج کے خوف یا اس سے مالی فوائد کی امید پر میرا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ہیں، یہاں تک کہ میرے لڑکے اور گھر والے بھی مجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ اب میرے ساتھ صرف تھوڑے سے آدمی بچ گئے ہیں، اور ان کا بھی حال یہ ہے کہ جب ان کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی تو وہ بھی گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹک سکیں گے۔ اور ادھر بنو امیہ کے قاصد برابر میرے سامنے یہ پیش کش کر رہے ہیں کہ اگر میں ہتھیار ڈال دوں اور عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لوں تو وہ میرا ہر دنیاوی مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہیں۔" انہوں نے کہا۔ اماں جان آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بلند آواز سے فرمایا:

"اَلشَّأْنُ شَأْنُكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِنَفْسِكَ ......

فَإِنْ كُنْتَ تَعْتَقِدُ أَنَّكَ عَلٰى حَقٍّ وَتَدْعُوْ إِلٰى حَقٍّ، فَاصْبِرْ وَجَالِدْ كَمَا صَبَرَ أَصْحَابُكَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا تَحْتَ رَايَتِكَ ......

وَ إِنْ كُنْتَ إِنَّمَا أَرَدْتَ الدُّنْيَا فَلَبِئْسَ الْعَبْدُ أَنْتَ: أَهْلَكْتَ نَفْسَكَ، وَأَهْلَكْتَ رِجَالَكَ."

ترجمہ: "عبداللہ! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے اور تم خود اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہو۔ اگر تمہیں اپنے موقف کی حقانیت اور صداقت کا یقین ہے اور تم حق کی طرف دعوت دے رہے ہو تو اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور اپنے ان ساتھیوں کی طرح صبر و استقلال سے کام لو جنہوں نے

تمہارے جھنڈے کے نیچے لڑتے ہوئے اپنی جانیں دے دی ہیں۔ اور اگر تم نے اس کے ذریعے دنیا حاصل کرنا چاہا تھا تو تم ایک بہت برے آدمی ہو کہ خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے آدمیوں کو بھی۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"وَلٰكِنِّیْ مَقْتُوْلٌ الْيَوْمَ لَا مَحَالَةَ."

ترجمہ: "لیکن اس صورت میں میں آج لازماً قتل کر دیا جاؤں گا۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

یہ تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے آپ کو حجاج کے حوالے کر دو اور بنو امیہ کے لڑکے تمہارے سر سے کھیلیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا:

میں قتل ہونے سے نہیں ڈرتا بل کہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میری لاش کا حلیہ بگاڑ دیں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

قتل ہو جانے کے بعد بھلا کس چیز کا ڈر باقی رہ جاتا ہے، بکری جب ذبح ہو جاتی ہے تو اس کے گوشت کو سلاخوں میں لگا کر آگ پہ رکھا جائے تو اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیشانی خوشی سے چمک اٹھی اور انہوں نے کہا:

"بُوْرِكْتِ مِنْ أُمٍّ، وَبُوْرِكَتْ مَنَاقِبُكِ الْجَلِيْلَةُ، فَأَنَا مَا جِئْتُ إِلَيْكِ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا لِأَسْمَعَ مِنْكِ مَا سَمِعْتُ"

ترجمہ: "امی! کتنی عظیم ہیں آپ اور آپ کی سیرت آپ کی عظمتوں کو میں سلام کرتا ہوں، میں اس وقت آپ کے پاس یہی باتیں سننے کے لیے حاضر ہوا تھا۔"

اللہ کی قسم! نہ میرے حوصلے پست ہوئے ہیں نہ میرے اندر کسی قسم کی کمزوری پیدا ہوئی ہے نہ میں بزدل ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ میں جس کام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اس کا مقصد دنیا اور اس کے عیش و آرام کی طلب نہیں ہے۔ بل کہ میرے پیش نظر اس بات پر اللہ کے لیے اپنے غم و غصے کا اظہار ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا گیا ہے۔ اور یہ لیجیے میں آپ کی پسندیدہ راہ کی طرف جا رہا ہوں۔

"فَإِذَا أَنَا قُتِلْتُ فَلَا تَحْزَنِیْ عَلَیَّ وَسَلِّمِیْ أَمْرَكِ لِلّٰهِ ......"

ترجمہ: "جب میں قتل کر دیا جاؤں تو غم نہ کرنا اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دینا۔"

حضرت اسماء رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے فرمایا:

مجھے تمہارے اوپر غم اس وقت ہوتا جب تم باطل کی راہ میں قتل کیے جاتے۔

حضرت عبداللہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے کہا:

’’امی! آپ مطمئن رہیں کہ آپ کے بیٹے نے نہ تو کبھی ایسے کام کا ارادہ کیا جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، نہ کبھی بے حیائی کا کام کیا، نہ اللہ کے حکم سے تجاوز کیا، نہ کسی کو امان دے کر اس سے غداری کی، نہ کسی مسلمان یا ذمی پر جان بوجھ کر کوئی ظلم کیا اور نہ کوئی چیز اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خوش نودی سے زیادہ قابل ترجیح رہی۔ یہ باتیں میں نے اپنی پاکیزگی اور طہارت کے اظہار کے طور پر نہیں کہی ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں مجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ میں نے یہ باتیں صرف آپ کے دل کو تسلی اور اطمینان دینے کے لیے کہی ہیں۔‘‘

حضرت اسماء رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے فرمایا:

’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَكَ عَلٰى مَا يُحِبُّ وَأُحِبُّ ......‘‘

تَرْجَمَۃ: ’’تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تم کو اپنے اور میرے پسندیدہ راستے پر چلنے کی ہدایت دی۔‘‘

اور فرمایا:

’’اِقْتَرِبْ مِنِّيْ يَابُنَيَّ لِأَتَشَمَّمَ رَائِحَتَكَ وَأَلْمَسَ جَسَدَكَ فَقَدْ يَكُوْنُ هٰذَا آخِرُ الْعَهْدِ بِكَ.‘‘

تَرْجَمَۃ: ’’میرے بچے! میرے قریب آ جاؤ تا کہ میں تمہاری خوشبو سونگھ لوں اور تمہارے جسم پر پیار بھرے ہاتھ پھیر سکوں، کیوں کہ یہ تم سے آخری ملاقات ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اپنی ماں کے ہاتھوں اور پیروں کو چومنے لگے اور حضرت اسماء رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا ان کے سر، چہرے اور گردن کو بوسہ دینے لگیں۔ اور جب انہوں نے اپنے ہاتھوں کو ان کے بدن پر پھیرا تو انہیں جسم پر پہنی ہوئی کوئی سخت چیز محسوس ہوئی پوچھا۔

’’مَا هٰذَا الَّذِيْ تَلْبَسُهٗ يَا عَبْدَاللّٰهِ؟‘‘

تَرْجَمَۃ: ’’عبداللہ! یہ کیا چیز ہے جو تم پہنے ہوئے ہو؟‘‘

انہوں نے جواب دیا ’’یہ میری زرہ ہے۔‘‘

حضرت اسماء رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے فرمایا:

''بیٹا جسے شہادت مطلوب ہوتی ہے وہ یہ زرہ نہیں پہنا کرتے۔''

انہوں نے کہا:

''یہ تو میں نے صرف آپ کی تسلی اور اطمینانِ قلب کے لیے پہنی ہے۔''

حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے فرمایا:

''اِنْزَعْهَا عَنْكَ، فَذٰلِكَ أَشَدُّ لِحَمِيَّتِكَ وَأَقْوَىٰ لِوَثْبَتِكَ وَأَخَفُّ لِحَرَكَتِكَ، وَلٰكِنْ اِلْبِسْ بَدَلًا مِّنْهَا سَرَاوِيْلَ مُضَاعَفَةً حَتّٰى إِذَا صُرِعْتَ لَمْ تَنْكَشِفْ عَوْرَتُكَ.''

تَرْجَمَۃ: ''اس کو اپنے جسم سے اتار دو۔ اس طرح تم کو تیزی سے حرکت کرنے میں سہولت ہوگی اور پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ کرسکو گے۔ اور اس کی جگہ لمبا کرتا اور شلوار کس کر باندھ لو تاکہ جب تم گرو تو تمہارے ستر کے کھلنے کا اندیشہ نہ رہے۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی شہادت

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے اپنی زرہ اتار دی اور اپنے پاجامے کو کس کر باندھ لیا اور یہ کہتے ہوئے جنگ کے لیے حرم کی طرف روانہ ہوگئے:

''لَا تَفْتُرِيْ عَنِ الدُّعَاءِ لِيَ يَا أُمَّهْ.''

تَرْجَمَۃ: ''امی! میرے لیے دعاء میں کوتاہی نہ کیجیے گا۔''

اور حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا دیا:

''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ طُوْلَ قِيَامِهٖ وَشِدَّةَ نَحِيْبِهٖ فِيْ سَوَادِ اللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ ......
اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ جُوْعَهٗ وَظَمَأَهٗ فِيْ هَوَاجِرِ الْمَدِيْنَةِ وَمَكَّةَ وَهُوَ صَائِمٌ ......
اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ بِرَّهٗ بِأَبِيْهِ وَأُمِّهٖ ......
اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ قَدْ سَلَّمْتُهٗ لِأَمْرِكَ، وَرَضِيْتُ بِمَا قَضَيْتَ لَهٗ، فَأَثِبْنِيْ عَلَيْهِ ثَوَابَ الصَّابِرِيْنَ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! رات کی تاریکیوں میں جب لوگ میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں...... اس کے طویل قیام، اس کے رونے اور اس کی آہ وزاری والی عبادت کو قبول فرمانا۔ اے اللہ! مکہ اور مدینہ کی گرم دوپہر میں روزہ رکھ کر اس کے بھوک پیاس کی سختی برداشت کرنے پر رحم فرما

کر قبول فرمانا۔ اے اللہ! اس پر اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے رحم کرنا۔ اے اللہ! میں اپنے بیٹے کو آپ کے سپرد کرتی ہوں اور جو آپ نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا ہے میں اس پر (دل و جان سے) راضی ہوں۔ اس پر مجھ کو صابرین کا اجر عطا فرمانا۔"

اور اس روز کے سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے رب کے جوارِ رحمت میں پہنچ چکے تھے یعنی شہید ہو چکے تھے۔ اور ان کی شہادت پر دس سے کچھ ہی زیادہ دن گزرے تھے کہ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی انتقال کر گئیں۔ اس وقت اگرچہ ان کی عمر ایک سو سال تھی مگر اس ضعیفی کے باوجود نہ تو ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا نہ کوئی ڈاڑھ گری تھی، نہ ان کی عقل و سمجھ میں کسی قسم کی کمی پیدا ہوئی تھی۔

فوائد و نصائح

گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائیے

❶ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہوتے ہوئے بھی گھر کے تمام کام کاج خود اپنے ہاتھوں کے ذریعہ کرلیا کرتی تھیں۔ اس سے ہمیں بھی یہ سبق ملا، کہ ہمیں بھی اپنے والدین کے ساتھ گھر کے کام کاج خود کرلینے چاہئیں، جو والدین بچپن ہی سے اپنی اولاد کو، اور جو اولاد بچپن ہی سے اپنے آپ کو کام کا عادی بنالیتی ہے ان کو عمر کے اخیر حصے تک خوب راحت ہوتی ہے، اور اچھی صحت کا یہی راز ہے۔ دیکھیں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آتا ہے۔

"عُمِّرَتْ أَسْمَاءُ مِائَةَ عَامٍ وَلَمْ يَسْقُطْ لَهَا سِنٌّ وَلَا ضِرْسٌ، وَلَمْ يَغِبْ مِنْ عَقْلِهَا شَيْءٌ."

تَرجَمَہ: "ان کی عمر ایک سو سال تھی، مگر اس عمر کے باوجود نہ تو ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا، نہ کوئی ڈاڑھ گری تھی، نہ ہی ان کی سمجھ بوجھ میں کوئی فرق آیا تھا۔"

اسی لیے حدیث میں کسل (سستی) سے پناہ مانگی گئی ہے، کوشش کریں گھر کے سارے کام آپ کو آنے چاہئیں، روٹیاں پکانی بھی سیکھ لیں، سالن پکانا بھی سیکھ لیں، برتن دھونے، اور کپڑے دھونے کی بھی عادت ڈالیں، ہفتہ میں جو چھٹی ہو، جمعہ یا اتوار تو گھر کے کام کاج خود کرلیا کریں۔

جس وقت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں اپنے چار دوستوں کے ساتھ چین کے شہر بیجنگ میں مقیم ہوں، یہاں

مسلمانوں کے کوئی ہوٹل نہیں ہیں کہ جہاں آپ کو حلال کھانا مل سکے۔ یہاں کے لوگ مذہب اسلام سے دور ہونے کی بنا پر سانپ چھپکلی، وغیرہ بھی کھا لیتے ہیں، چوہے روسٹ کر کے کھاتے ہیں۔ اور منکی میٹ (بندر کا گوشت) اور بلی کا گوشت تو ان کے نزدیک پسندیدہ اور لذیذ ترین گوشت ہے۔

اب آپ سوچیں کہ ان انسانوں کو مسلمان بنانے کی ہمیں کتنی فکر کرنی چاہیے۔ یہ شکل وصورت میں انسان ہیں لیکن دینِ اسلام نہ ہونے کی وجہ سے حیوانوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

آپ بھی نیت کریں کہ اسلام پھیلانے کے لیے چائنیز زبان سیکھ کر چین میں اسلام پھیلانے کے لیے آئیں گے۔ اور جب تک نہ آسکیں چین میں بسنے والے انسانوں کی ہدایت کے لیے دعا مانگتے رہیں گے۔ نہ دھوبی ہے کہ کپڑے دھلوا سکیں، نہ گھر صاف کرنے کے لیے کوئی خادم ہے، اگر مرغی پکانی ہے تو بازار سے زندہ مرغی لے کر خود ہی ذبح کرنی ہے خود ہی صاف کر کے پکانی ہے، اسی طرح کپڑے بھی خود دھونے ہیں، اور فلیٹ کی صفائی بھی خود کرنی ہے، ہمارے والدین واساتذہ کرام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے بچپن سے ہمیں کام کرنے کی ترغیب دی، لہٰذا آپ سے بھی گزارش ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ وصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی سے ہم سبق سیکھیں اور کاہلی اور سستی سے بہت بچیں۔

سخاوت اپنائیے

② دوسری صفت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں سخاوت کی تھی، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم سخی بننے کی کوشش کریں، اور اس کے لیے عملی تدبیر یہ ہے کہ جتنی بھی آپ کو ماہانہ یا یومیہ خرچی ملتی ہے اس میں سے دس فیصد اللہ کے لیے جمع کر دیں، مثلاً ایک بٹوہ یا بیگ یا اکاؤنٹ رکھیں، اس پر لکھیں ”لِلّٰہ“ (LILLAH) جو خرچی بھی آپ کو ملے اس میں دس فیصد (للہ) کا حصہ رکھیں۔

پھر جو کوئی نیکی کا کام سامنے آئے اس میں سے یہ رقم خرچ کرتے رہیں، اب یہ رقم آپ کو مجبور کرے گی کہ آپ اللہ کے راستے میں خرچ کریں، اس کی ابھی سے عادت ڈالیں اس کا آپ کو بہت ہی فائدہ ہوگا۔

③ اس واقعے سے ایک ہمیں یہ بھی سبق ملا کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعا دی۔

”اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ بِرَّهٗ بِأَبِیْهِ وَاُمِّهٖ“

اے اللہ! اس نے اپنے والدین کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا اسے قبول فرما، آمین، اب ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ ہم نے اپنے والدین کے ساتھ کس قدر حسنِ سلوک کیا ہے، ان کا کتنا ادب واحترام کیا ہے، کیا ہمیں

بھی وہ یہ دعا دے سکتے ہیں۔ ہم نے ان کی نافرمانی تو نہیں کی، آج سے نیت کیجیے کہ امی، ابو کی قدر کریں گے، اور اس کے لیے کتاب ''والدین کی قدر کیجیے'' کا مطالعہ نہایت ہی مفید ہوگا (ناشر: ''دارالہدیٰ'')۔

④ حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اپنی اولاد کی کیسی تربیت فرمائی تھی اس کی مثال آپ نے اس واقعے میں دیکھ لی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اس کے لیے ہر مسلمان والدہ کو ''مثالی ماں'' کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے اس کا انگریزی میں ترجمہ (The Ideal Mother) سے ہو چکا ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی دعوت دینی چاہیے تاکہ ہماری نسلوں کی دینی تربیت ہو سکے۔

⑤ حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے جو خوبیاں گنوائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے بیٹے پر انعامات کیے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

''لَمْ يَغْدِرْ فِيْ أَمَانٍ، وَلَمْ يَتَعَمَّدْ ظُلْمَ مُسْلِمٍ وَلَا مُعَاهِدٍ''

تَرْجَمَہ: ''نہ کسی کو امان دے کر غداری کی، نہ کسی مسلمان یا کافر (ذمی) پر جان بوجھ کر کوئی ظلم کیا۔''

اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے غداری (بے وفائی) اور ظلم سے بہت بچنا چاہیے حدیث میں آتا ہے:

''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: اِنَّ الظَّالِمَ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ فَقَالَ: اَبُوْهُرَيْرَةَ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ): بَلٰى وَاللّٰهِ حَتَّى الْحُبَارٰی لَتَمُوْتُ فِیْ وَكْرِهَا هَزْلًا لِظُلْمِ الظَّالِمِ.''[1]

تَرْجَمَہ: ''حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم آدمی صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ارشاد فرمایا: اپنا تو نقصان کرتا ہی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! ظالم کے ظلم سے سرخاب (پرندہ) بھی اپنے گھونسلے میں سوکھ سوکھ کر مر جاتا ہے۔''

فَائِدَہ: ظلم کا نقصان خود ظالم کی ذات تک محدود نہیں رہتا اس کے ظلم کی نحوست سے قسم قسم کی مصیبتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، بارشیں بند ہو جاتی ہیں، پرندوں کو بھی جنگل میں کہیں دانا نصیب نہیں ہوتا، اور بالآخر وہ بھوک سے اپنے گھونسلوں میں مر جاتے ہیں۔

---

[1] فی شعب الایمان: ٩/٥٤٥، رقم: ٧٠٧٥

صبح وشام مانگنے کی ایک پیاری دعا

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ جان بوجھ کر تو میں کسی پر ظلم نہ کروں، بل کہ غیر ارادی طور پر بھی میری طرف سے کسی پر ظلم نہ ہو اس کے لیے دو دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے ایک گھر سے نکلنے کی دعا۔

دوسری یہ دعا جو ترمذی اور ابوداؤد میں منقول ہے بہت ہی پیاری دعا ہے صبح اور شام اس کا اہتمام کیجیے۔

”اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطٰنِ وَشِرْكِهٖ وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْءًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ.“[1]

ترجمہ: ”یا اللہ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، اے کھلے اور چھپے کو جاننے والے، اے ہر چیز کے رب اور اس کے مالک اور پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، بس تو ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں اپنے نفس کے مکر اور شیطان کے شر سے، اور اس بات سے کہ وہ مجھے شرک میں مبتلا کرے، اور اس بات سے کہ میں خود کوئی برائی کروں یا کسی دوسرے مسلمان کو اس میں مبتلا کروں۔“

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے ایسی دعا بتا دیجیے جو میں صبح اور شام مانگتا رہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم صبح کرو اور شام کرو اور جب اپنے بستر پر لیٹو تو یہ (مندرجہ بالا) دعا مانگا کرو۔“[2]

مُذاکرہ

سوال: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد اور دادا کا نام بتایئے؟

سوال: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب بتایئے؟

سوال: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی والدہ حضرت اسماء اور اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق کیا فرمایا؟

سوال: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال کتنی عمر میں ہوا؟

---

[1] ترمذی: ابواب الدعوات: ۲/۱۹۳

[2] ابوداؤد: کتاب الادب، باب ما یقول اذا اصبح: ۲/۳۳۵

حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ يَّمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ وَقَدْ قَضٰى نَحْبَهُ، فَلْيَنْظُرْ إِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ"

(محمد رسول اللہ)

ترجمہ: "جو شخص کسی زندہ شہید کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ

طلحہ بن عبید اللہ تیمی تجارتی سفر کے سلسلے میں ایک قریشی قافلے کے ساتھ شام جا رہے تھے۔ جب وہ قافلہ بصریٰ شہر پہنچا تو قریش کے عمر رسیدہ اور تجربہ کار تاجر اس کے آباد بازار میں جا کر خرید و فروخت میں مشغول ہوگئے۔ اگرچہ طلحہ ایک نوعمر نوجوان تھے اور ان لوگوں کی طرح مہارت اور تجربہ نہیں رکھتے تھے، مگر اپنی ذہانت اور بصیرت کی وجہ سے وہ باآسانی ان کا مقابلہ کر سکتے اور اچھے سودے طے کر لینے میں کامیابی حاصل کر لیتے تھے۔

اس بازار میں جو مختلف مقامات سے آئے ہوئے تاجروں سے ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا تھا۔ صبح و شام طلحہ بن عبید اللہ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، کہ اسی دوران ان کے ساتھ ایک ایسا اہم واقعہ پیش آیا جس نے نہ صرف ان کی زندگی کا رخ تبدیل کر دیا، بل کہ اس نے پوری تاریخ کے رُخ کو موڑ کر رکھ دیا۔ ہم یہ بات طلحہ بن عبید اللہ پر ہی چھوڑتے ہیں کہ وہ یہ نصیحت آمیز واقعہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

ارشاد فرماتے ہیں: ہم بصریٰ کے بازار میں خرید و فروخت میں مشغول تھے، ہم نے اچانک ایک راہب کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا:

"يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، سَلُوْا أَهْلَ هٰذَا الْمَوْسِمِ، أَفِيْهِمْ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْحَرَمِ؟"

ترجمہ: "اے تاجروں کی جماعت! اس مجمع کے لوگوں سے پوچھو کہ کیا اہل مکہ میں سے کوئی شخص اس مجمع میں موجود ہے؟"

اس وقت میں اس کے قریب ہی تھا۔ میں نے فوراً کہا:

''ہاں، میں اہلِ مکہ میں سے ہوں۔'' تو اس نے پوچھا۔

''هَلْ ظَهَرَ فِيْكُمْ أَحْمَدُ؟''

تَرْجَمَہ: ''کیا تمہارے یہاں احمد کا ظہور ہو چکا ہے؟''

میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''کون احمد؟''

اس نے کہا۔

''اِبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ...... هٰذَا شَهْرُهُ الَّذِیْ يَظْهَرُ فِيْهِ ...... وَهُوَ آخِرُا لْأَنْبِيَاءِ......''

تَرْجَمَہ: ''ابن عبداللہ بن عبدالمطلب یہی مہینہ ہے جس میں ان کا ظہور ہونا ہے، وہ آخری نبی ہیں۔''

''يَخْرُجُ مِنْ أَرْضِكُمْ مِنَ الْحَرَمِ، وَيُهَاجِرُ إِلٰى أَرْضٍ ذَاتَ حِجَارَةٍ سُوْدٍ، وَنَخِيْلٍ وَسِبَاخٍ يَنِزُّ مِنْهَا الْمَاءُ ...... فَإِيَّاكَ أَنْ تُسْبَقَ إِلَيْهِ يَا فَتٰى.''

تَرْجَمَہ: ''وہ تمہاری سرزمین، ارضِ حرم میں پیدا ہوں گے، اور وہاں سے اس علاقے کی طرف ہجرت کر جائیں گے جہاں کالے پتھر پائے جاتے ہیں، جہاں کھجوروں کے جھنڈ ہیں، اور جہاں کی مٹی نمکین ہے جس سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ نوجوان! دیکھنا ان پر ایمان لانے میں پیچھے نہ رہ جانا۔''

طلحہ کہتے ہیں کہ اس کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں تیزی سے اپنے اونٹوں کے پاس پہنچا، انہیں تیار کیا اور قافلے کو اپنے پیچھے چھوڑ کر تیز رفتاری کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑا۔ اور وہاں پہنچ کر اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا ہماری غیر موجودگی میں یہاں کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہاں محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کی بات مان لی ہے۔

طلحہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو پہلے سے جانتا تھا۔ وہ نہایت نرم مزاج، ہر دل عزیز، اور رحم دل انسان تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک خوش اخلاق، اور مستقل مزاج تاجر تھے۔ ہم لوگ ان سے مانوس تھے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ قریش کی تاریخ سے اچھی طرح واقف اور ان کے انساب (حسب نسب) کے ماہر تھے۔ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا۔

"أَحقًّا مَا يُقَالُ مِنْ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ أَظْهَرَ النُّبُوَّةَ، وَأَنَّكَ اتَّبَعْتَهُ؟"

ترجمہ: "کیا یہ بات صحیح ہے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ نے ان کی بات مان لی ہے۔"

انہوں نے کہا کہ ہاں، پھر مجھے ان کے حالات سنا کر اپنے ساتھ ان کے دین میں داخل ہونے کی ترغیب دینے لگے۔ اور جب میں نے ان کو راہب کی بات سنائی تو وہ حیران رہ گئے، اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ محمد (ﷺ) کے پاس چلو تا کہ یہ واقعہ جو تمہارے ساتھ پیش آیا ہے ان کے سامنے بیان کرو، ان کی دعوت کو ان کی زبان سے سنو اور اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

طلحہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے ساتھ محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اور آخرت کی بھلائی کی بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ جب میں نے ان کو بصریٰ کے راہب کا قصہ سنایا تو نہایت خوش ہوئے۔ اور اس خوشی کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں ہو گئے۔ پھر میں نے ان کے سامنے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا۔ اس طرح میں چوتھا شخص تھا جو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنا

اس قریشی نوجوان کے قبولِ اسلام کی خبر سن کر اس کے گھر اور خاندان کے لوگ سکتے میں پڑ گئے، جیسے ان کے اوپر بجلی گر پڑی ہو۔ خصوصاً ان کی ماں کو اس واقعے سے زبردست صدمہ پہنچا اور وہ غم سے نڈھال ہو گئیں، کیوں کہ انہیں امید تھی کہ اپنے بلند اخلاق اور بہترین عادات کی بنا پر ان کا بیٹا ایک دن اپنے قبیلے کا سردار بنے گا۔

ان کے قبیلے والوں نے انہیں اپنے دین سے پھیرنے کی بہت کوششیں کیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اسلام پر ڈٹے اور جمے رہے۔ جب وہ لوگ ان کو نرمی، محبت اور حسن سلوک سے اپنی بات منوانے میں ناکام ہو گئے تو سختی سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ مسعود بن خراش بیان کرتے ہیں:

ایک روز میں صفا مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک نوجوان کا پیچھا کر رہے ہیں جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے، اسے دھکے دے رہے تھے اور اس کے سر پر مار رہے تھے۔ اس نوجوان کے پیچھے ایک

بوڑھی عورت تھی جو چیخ چیخ کر اسے گالیاں دے رہی تھی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ عبیداللہ کا بیٹا طلحہ ہے جس نے اپنے والد اور دادا کے دین کو چھوڑ کر کے بنی ہاشم کے نوجوان (محمد) کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ میں نے پوچھا، اور اس کے پیچھے یہ بڑھیا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ اسی نوجوان کی ماں صعبہ بنت حضرمی ہے۔

زمانے کی گردش جاری رہی، نئے نئے حادثات و واقعات رونما ہوتے رہے اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان کے اونچے درجات پر ترقی کرتے رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں ان کی آزمائشوں کا سلسلہ دراز ہوتا رہا اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے احسان اور حسنِ سلوک کا دائرہ وسعت اختیار کرتا رہا۔

''حَتّٰی أَطْلَقَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ لَقَبَ الشَّهِيْدِ الْحَيِّ وَدَعَاهُ الرَّسُوْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِطَلْحَةِ الْخَيْرِ، وَطَلْحَةِ الْجُوْدِ، وَطَلْحَةِ الْفَيَّاضِ.''

تَرْجَمَہ: ''یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان کو ''زندہ شہید'' کا لقب دے دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ''طلحہ خیر''، ''طلحہ جود'' اور ''طلحہ فیاض''، کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔''

ان القاب میں سے ہر لقب کے پیچھے ایک داستان ہے اور ہر لقب کا واقعہ دوسرے واقعوں سے زیادہ نصیحت آموز ہے۔

''زندہ شہید'' لقب ملنے کی وجہ

ان کو ''زندہ شہید'' لقب ملنے کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو میدان میں حضور ﷺ کے پاس چند انصار صحابی اور ایک حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی نہیں رہا تھا، اور رسول اللہ ﷺ اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو مشرکین کی ایک ٹولی وہاں آپہنچی جو آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ يَرُدُّ عَنَّا هٰؤُلَاءِ وَهُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ؟''

تَرْجَمَہ: ''کون ہے جو ان لوگوں کو یہاں سے دور بھگائے، وہ جنت میں میرا رفیق (ساتھی) ہوگا۔''

تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا، مَكَانَكَ"

ترجمہ: "نہیں، تم اپنی جگہ پر رہو۔"

تب ایک انصاری نے کہا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تم۔

وہ انصاری آگے بڑھ کر مشرکین سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران کچھ اور اوپر چڑھ گئے۔ مگر مشرکین جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

"أَلَا رَجُلٌ لِهٰؤُلَاءِ؟"

ترجمہ: "کیا ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی نہیں ہے؟"

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پہل کرتے ہوئے کہا:

"أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ."

ترجمہ: "میں ہوں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا:

"لَا مَكَانَكَ."

ترجمہ: "نہیں، تم اپنی جگہ پر رہو۔"

تب دوسرے انصاری آگے بڑھے اور بولے:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی۔ "ہاں، تم ان کا مقابلہ کرو۔" اور وہ دشمنوں سے قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلے کے لیے اپنے ساتھیوں کو آواز دیتے رہے، اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہتے رہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منع کر کے کسی انصاری کو اس کی اجازت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے وہ سب انصاری شہید ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی نہیں رہا۔ جب دشمن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ

گئے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے فرمایا:

"اَلْاٰنَ، نَعَمْ ......"

تَرجَمَہ: "اب تمہاری باری ہے۔"

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے، پیشانی اور ہونٹ زخمی ہو گئے تھے، چہرہ مبارک سے خون جاری تھا، اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زخموں سے نڈھال ہو گئے تھے۔ چناں چہ اس موقع پر حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ برابر مشرکین پر ایک زور دار حملہ کر کے ان کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دور دھکیل دیتے اور پھر واپس آکر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو سہارا دے کر تھوڑا اوپر چڑھاتے اور زمین پر بٹھا کر نئے سرے سے مشرکین پر دوبارہ حملہ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ یہ مشرکین کو وہاں سے بھگانے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کہتے ہیں کہ اس وقت میں اور ابو عبیدہ بن جراح، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دور تھے۔ جب ہم آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مدد کے ارادے سے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے قریب پہنچے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"اُتْرُکَانِیْ وَانْصَرِفَا إِلٰی صَاحِبِکُمَا"

تَرجَمَہ: "مجھے چھوڑ دو اور اپنے ساتھی (طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ) کی مدد کو پہنچو۔"

جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا ہے اور ان کے بدن پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ستر سے زیادہ زخم ہیں، ان کی ہتھیلی کٹ گئی ہے اور وہ ایک گڑھے میں بے ہوش پڑے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ إِلٰی رَجُلٍ یَّمْشِیْ عَلَی الْاَرْضِ وَقَدْ قَضٰی نَحْبَہٗ فَلْیَنْظُرْ إِلٰی طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِاللّٰہِ."

تَرجَمَہ: "جو شخص کسی زندہ شہید کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔"

اور حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جب غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے۔

"ذَالِكَ یَوْمٌ کُلُّہٗ لِطَلْحَۃَ"

تَرجَمَہ: "وہ پورے کا پورا دن طلحہ کا تھا۔"

یہ تھا وہ قصہ جس کی وجہ سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا لقب ''زندہ شہید'' پڑا۔

طلحۂ خیر اور طلحۂ جود کے القاب

رہی ان کے ''طلحۂ خیر'' اور ''طلحۂ جود'' کے القاب کی بات تو اس کے سینکڑوں قصے ہیں۔ اور انہیں میں سے ایک یہ ہے:

حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بہت بڑے تاجر اور نہایت مال دار آدمی تھے۔ ایک روز ان کے پاس ''حضر موت'' سے سات لاکھ درہم آئے۔ وہ رات بھر غم گین اور پریشان رہے۔ ان کی پریشانی دیکھ کر ان کی اہلیہ حضرت امّ کلثوم بنت ابی بکر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا نے کہا:

ابو محمد! آپ کو کیا ہوا ہے؟ شاید میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے۔

حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا:

نہیں، نہیں۔ تم تو ایک بہترین مسلمان بیوی ہو۔ میں رات بھر یہ سوچتا رہا کہ وہ شخص اپنے رب کے بارے میں کیا گمان رکھتا ہے جس کے گھر میں اتنی بڑی مقدار میں بڑی رقم پڑی ہو اور وہ بے فکر سو رہا ہو۔

حضرت امّ کلثوم رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا نے رائے دیتے ہوئے کہا:

تو اس میں فکر اور پریشانی کی کیا بات ہے؟ آپ اپنے محتاج اہل قبیلہ اور مفلس احباب کو کہاں بھولے ہوئے ہیں۔ صبح کو یہ ساری رقم ان کو بانٹ دیجیے۔

انہوں نے خوش ہوتے ہوئے فرمایا:

''رَحِمَكِ اللّٰهُ، إِنَّكِ مُوَفَّقَةٌ بِنْتُ مُوَفَّقٍ ......''

تَرْجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحمت نازل فرمائے۔ واقعی تم صاحبِ توفیق ہو اور صاحب توفیق کی بیٹی ہو۔''

اور صبح کے وقت انہوں نے وہ ساری رقم تھیلیوں اور بڑے بڑے پیالوں میں رکھ کر فقراءِ مہاجرین و انصار میں تقسیم کرا دی۔

ایک شخص حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے مدد کا طالب ہوا۔ اور اپنی ایک رشتہ داری کا ذکر کیا جو دونوں کو باہم جوڑتی تھی۔ حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا کہ آج سے پہلے مجھ سے اس رشتے کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بہر حال میرے پاس ایک زمین ہے جس کے لیے عثمان بن عفان

(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) مجھے تین لاکھ درہم دے رہے ہیں۔ اب اگر تم چاہو تو وہ زمین لے لو اور اگر چاہو تو اسے فروخت کر کے میں تم کو تین لاکھ کی نقد رقم دے دوں۔ تو اس آدمی نے کہا کہ میں اس کی قیمت ہی لوں گا۔ چناں چہ انہوں نے اس کو وہ رقم دے دی۔

"هَنِيْئًا لِطَلْحَةِ الْخَيْرِ وَالْجُوْدِ هٰذَا اللَّقَبُ الَّذِيْ خَلَعَهٗ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَنَوَّرَ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ."

تَرجَمَہ: "حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو "طلحۂ خیر" اور "طلحۂ جُود" کا یہ لقب مبارک ہو جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو مرحمت فرمایا تھا۔
اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کی قبر کو نور سے منور کرے۔"

فوائد ونصائح

رشتہ داروں سے محبت کیجیے

حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم اپنے رشتہ داروں سے محبت کریں اور ترکِ تعلق کے گناہِ کبیرہ سے اپنے آپ کو بچائیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں متعدد قسم کی آیات و ارشادات اس مضمون کی وارد ہوئی ہیں جس میں رشتہ داروں سے محبت اور حسنِ سلوک کی تاکید اور اس کے نتیجے میں ملنے والے انعامات کا تفصیلی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک پر ملنے والے انعامات میں عمر کا بڑھنا، مال اولاد میں خیر و برکت کا آنا، یہ وہ انعامات ہیں جو کئی احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جب کہ اس کے برخلاف رشتہ داروں سے نفرت، بدسلوکی اور ترکِ تعلقات کو سخت ترین گناہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

چناں چہ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ میں اس بات کا خاص اہتمام پایا جاتا تھا لیکن ہمارے موجودہ زمانے میں رشتہ داروں سے ترکِ تعلق کی فضا اس قدر عام اور شائع ہے کہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا یا بالفرض اگر کہیں اس کو گناہ سمجھا بھی جاتا ہے تب بھی اس مہلک مرض سے بچنے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا جس قدر کہ ہونا چاہیے۔

چناں چہ آج معاشرے کا ہر خاندان باہمی نزاع کا شکار اور ایک دوسرے سے کوسوں دور ہونے کا آرزو مند ہے۔ غور کیجیے کہ احادیث نبویہ میں رشتہ داروں سے ترکِ تعلق کو ئی گناہِ کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور

ہونے کا سبب بتلایا ہے اب ہم خود ہی ذرا انصاف فرمائیں کہ اس گناہ کا ارتکاب کر کے ہم خود ہی اپنی تباہی اور بربادی کا کس قدر سامان بنا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کی حالتِ زار پر رحم فرمائے اور اپنی مرضیات والی زندگی نصیب فرمائے اور تمام گناہوں سے بالعموم اور قطع رحمی کے گناہِ عظیم سے بالخصوص اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مذاکرہ

سوال: حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے کتنے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے؟

سوال: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا کیا نام تھا؟

سوال: حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کی طرف سے کتنے لقب ملے؟

سوال: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا فرماتے؟

◆

حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"حَفِظَ اَبُوْهُرَيْرَة لِأُمَّةِ الْاِسْلَامِ مَا يَزِيْدُ عَلٰى خَمْسِ أَلْفٍ وَسَتِّمَائَةٍ وَاَرْبَعٍ وَّسِتِّيْنَ حَدِيْثٍ مِّنْ
أَحَادِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ" (المؤرخون)

تَرْجَمَہ: "ابوہریرہ نے امت مسلمہ کے لیے ۵۳۶۴ سے زیادہ احادیث رسول اللہ حفظ کی تھیں۔"

ابوہریرہ نام پڑنے کی وجہ

یقیناً آپ صحابۂ رسول ﷺ میں سے اس چمکتے ستارے کو اچھی طرح جانتے ہوں گے، بھلا امتِ مسلمہ میں وہ کون ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں جانتا؟ کیا امتِ مسلمہ کا کوئی فرد ایسا بھی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناواقف ہو؟

یقیناً کوئی بھی نہیں، بل کہ سب اِن سے واقف ہیں لوگ ان کو جاہلیت میں "عبدشمس" کے نام سے پکارتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی نعمت سے نوازا، اور اپنے نبی ﷺ کی ملاقات سے مشرف کیا، تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

"مَا اسْمُكَ؟"

تَرْجَمَہ: "تمہارا نام کیا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "عبدشمس۔"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نہیں، بل کہ تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے۔"

انہوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ "آپ کا تجویز کیا ہوا نام (عبدالرحمٰن) مجھے بہت پسند ہے۔"

رہی ان کی کنیت "ابوہریرہ" تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں ان کے پاس ایک چھوٹی بلی تھی جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے ہم جولیوں نے انہیں ابوہریرہ کہنا شروع کر دیا، اور بعد میں یہ

کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کے نام پر غالب آگئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے تعلقات استوار ہوئے تو آپ ﷺ بسا اوقات ان کو پیار سے ''ابوہر'' کہہ کر بلاتے۔ اسی لیے وہ خود بھی ''ابوہر'' کو ''ابوہریرہ'' پر ترجیح دیتے اور کہتے کہ میرے محبوب رسول اللہ ﷺ مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔ ''ھر'' مذکر ہے اس کے معنی ہیں بلا، ''ھرہ'' مونث ہے اس کے معنی بلی اور ''ہریرہ'' تصغیر ہے اس کے معنی ہیں چھوٹی سی بلی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا قبولِ اسلام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طفیل بن عمر دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور وہیں اپنے قبیلے میں مقیم رہے اور ۶ھ میں اپنے قبیلہ بنی دوس کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

ہر چیز سے قطع تعلق کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اور صحبت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

مسجد نبوی کو جائے قیام (اپنے رہنے کی جگہ) اور نبی کریم ﷺ کو امام بنالیا۔

کیوں کہ نبی ﷺ کی زندگی میں ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ صرف ان کی بوڑھی ماں تھیں جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ کی محبت اور خیر خواہی کی وجہ سے برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے، مگر وہ ہمیشہ اس سے نفرت اور انکار کرتی رہتی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے، مگر ان کا دل غم سے پریشان ہوتا رہتا۔ ایک روز انہوں نے اپنی ماں کو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ استعمال کیے جن کو سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت دلی صدمہ پہنچا۔ وہ روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو روتا دیکھ کر دریافت فرمایا:

''کیا بات ہے ابوہریرہ روتے کیوں ہو؟''

انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

میں برابر اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا۔ مگر وہ ہمیشہ انکار کرتی رہیں۔ آج بھی جب میں نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں سخت دل آزار بات کہی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ عزوجل سے دعا فرمایئے کہ وہ ابوہریرہ کی ماں کو اسلام کی طرف مائل کر دے۔

رسول اکرم ﷺ نے ان کی والدہ کے لیے دعا فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کہتے ہیں کہ جب میں واپس گھر گیا تو دیکھا کہ والدہ نے دروازہ بند کیا ہوا ہے۔ اور مجھے اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ پھر جب والدہ نے کپڑے پہن لیے تو کہا کہ اب اندر آجاؤ۔ جب میں اندر گیا تو انہوں نے کہا:

''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.''

میں اسی وقت الٹے پاؤں آنکھوں میں خوشی کے آنسو لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے غم سے آنسو بہاتا ہوا گیا تھا۔ اور عرض کیا:

''أَبْشِرْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ...... فَقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَهَدٰى أُمَّ أَبِيْ هُرَيْرَةَ إِلَى الْإِسْلَامِ ......''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ) خوش ہو جائیے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی اور ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دی۔ اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔''

آپ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی حضور ﷺ سے محبت اور تحصیلِ علم

حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی گہری محبت تھی جو ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکی تھی۔ آپ ﷺ کے دیدار سے کبھی ان کی آنکھیں بھرتی نہ تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے۔

''مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اَمْلَحَ وَاَصْبَحَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَكَانَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ.''

تَرْجَمَہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی خوب صورت اور حسین چہرہ آج تک نہیں دیکھا ایسا لگتا تھا جیسے سورج آپ کے چہرہ مبارک پر گردش کر رہا ہو۔''

وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہتے تھے کہ اس نے ان کو اپنے دین کے اتباع کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ کہتے تھے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰى أَبَا هُرَيْرَةَ لِلْإِسْلَامِ ......
اَلْحَمْدُ للّٰهِ الَّذِيْ عَلَّمَ أَبَا هُرَيْرَةَ الْقُرْآنَ ......
اَلْحَمْدُ للّٰهِ الَّذِيْ مَنَّ علٰى أَبِيْ هُرَيْرَةَ بِصُحْبَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.''

تَرْجَمَہ: ''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ابوہریرہ کو اسلام کی ہدایت بخشی، سب

تعریفیں اور شکر ہے اس اللہ کے لیے جس نے ابوہریرہ کو قرآن کا علم دیا، اور شکر و تعریف ہے اس اللہ کے لیے جس نے ابوہریرہ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے نوازا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے اسی طرح انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کا شوق بھی بے پناہ تھا، ان کی آخری تمنا اور ان کا اٹھنا بیٹھنا حصول علم کی فکر میں ہوتا تھا۔ انہوں نے اس کو اپنا روزمرہ کا معمول بل کہ اپنی زندگی کا مقصود بنا رکھا تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ایک روز میں، ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور میرا ایک ساتھی، تینوں آدمی مسجد نبوی میں بیٹھے ذکر و دعا میں مصروف تھے۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے تشریف لے آئے اور آکر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، ہم سہم گئے اور خاموش ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عُوْدُوْا اِلٰی مَا کُنْتُمْ فِیْهِ."

تَرجَمہ: "اپنا کام جاری رکھو۔"

تب میں نے اور میرے ساتھیوں نے ابوہریرہ سے پہلے دعا مانگی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری دعاؤں پر آمین کہی۔ اس کے بعد ابوہریرہ نے دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ مَا سَأَلَكَ صَاحِبَایَ ......
وَأَسْأَلُكَ عِلْمًا لَا يُنْسٰی ......"

تَرجَمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیزیں بھی مانگتا ہوں جو میرے ان دونوں ساتھیوں نے مانگی ہیں اور میں تجھ سے نہ بھولنے والا علم مانگتا ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دعا پر بھی آمین کہی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کہا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے نہ بھولنے والا علم مانگتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سَبَقَكُمْ بِهَا الْغُلَامُ الدَّوْسِیُّ"

تَرجَمہ: "یہ دوسی نوجوان تم لوگوں سے بازی لے گیا۔"

لوگوں کو میراثِ رسول حاصل کرنے کی ترغیب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح علم کو اپنے لیے پسند کرتے تھے اسی طرح دوسروں کے لیے بھی

پسند کرتے تھے۔

ایک روز ان کا گزر مدینہ کے بازار میں ہوا۔ وہ لوگوں کو دنیاوی مصروفیات، خرید و فروخت اور لین دین میں مشغول دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

"مَا أَعْجَزَ کُمْ یَا أَهْلَ الْمَدِیْنَةِ!!"

تَرجَمَہ: "اے اہلِ مدینہ! تم لوگ اس نعمت کو حاصل کرنے سے کیوں پیچھے رہ گئے۔"

لوگوں نے پوچھا۔ "ابوہریرہ! آپ نے ہماری کون سی عاجزی اور ناکامی دیکھی؟"

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"مِیراثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقَسَّمُ وَأَنْتُمْ هَاهُنَا!
أَلَا تَذْهَبُوْنَ وَتَأْخُذُوْنَ نَصِیْبَکُمْ!!"

تَرجَمَہ: "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں ہو۔ جا کر اپنا حصہ کیوں نہیں لیتے!!"

انہوں نے پوچھا۔ ابوہریرہ! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی میراث کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا "مسجد میں۔"

یہ سن کر لوگ تیزی سے مسجد کی طرف دوڑے اور حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کے انتظار میں وہیں کھڑے رہے۔ جب ان لوگوں نے واپس آ کر ان سے کہا کہ ہم لوگ مسجد میں گئے تھے مگر وہاں تو ہم نے کوئی چیز تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، تو حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"کیا تم لوگوں نے مسجد میں کسی کو نہیں دیکھا؟"

ان لوگوں نے جواب دیا۔

"بَلٰی ...... رَأَیْنَا قَوْمًا یُصَلُّوْنَ، وَقَوْمًا یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ، وَقَوْمًا یَتَذَاکَرُوْنَ فِی الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ ......"

تَرجَمَہ: "کیوں نہیں، ہم نے وہاں دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوتِ قرآن میں مصروف ہیں اور کچھ لوگ حلال و حرام کے متعلق علم حاصل کر رہے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"وَیْحَکُمْ ...... ذٰلِكَ مِیْرَاثُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ."

ترجمہ: ''تم لوگوں کا بھلا ہو، وہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحصیلِ علم کی خاطر بھوک برداشت کرنا

اپنی بے انتہا علمی مصروفیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں کی پابندی کی وجہ سے بھوک، فاقہ کشی اور زندگی کی جو سختیاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برداشت کیں، شاید ہی کسی دوسرے نے برداشت کی ہوں۔ وہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

مجھے اتنی شدت کی بھوک لگتی تھی کہ بھوک سے میرے پیٹ میں بل پڑنے لگتے اور...... بے تاب ہو کر صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں سے کسی صاحب سے قرآن کی کسی آیت کے متعلق پوچھتا تھا...... حالاں کہ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوتا مگر میرا مقصد صرف یہ ہوتا کہ وہ میری صورتِ حال کو بھانپ کر اپنے ساتھ لے جائیں اور مجھے کھانا کھلا دیں۔ ایک روز تو مجھے ایسی زور کی بھوک لگی کہ میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ پھر میں صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے راستے پر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے ادھر سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ہوا؟ میں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق ان سے دریافت کیا اور یہ سوال میں نے صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر بلائیں۔ مگر انہوں نے میری اس کیفیت کو نہ سمجھتے ہوئے کھانے کے لیے گھر پر نہیں بلایا۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری طرف سے گزرے۔ میں نے ان سے بھی ایک آیت کے بارے میں پوچھا۔ لیکن انہوں نے بھی مجھے کھانے کے لیے نہیں پوچھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ میں بھوک سے بے حال ہوں۔ انہوں نے پیار بھرے لہجے میں فرمایا:

''ابوہریرہ؟''

میں نے کہا۔ ''لبیک یارسول اللہ۔''

اور پھر پیچھے پیچھے چلتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر میں داخل ہو گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں دودھ دیکھ کر گھر والوں سے دریافت فرمایا:

''مِنْ أَيْنَ لَكُمْ هٰذَا؟''

ترجمہ: ''یہ دودھ تم لوگوں کو کہاں سے ملا؟''

انہوں نے کہا: یہ فلاں صاحب نے آپ کے واسطے بھیجا ہے۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِنْطَلِقْ إِلٰى أَهْلِ الصُّفَّةِ، فَادْعُهُمْ."

ترجمہ: "ابوہریرہ! جاؤ تمام اہلِ صفہ کو بلا لاؤ۔"

میں نے دل میں سوچا۔

"مَا يَفْعَلُ هٰذَا اللَّبَنُ مَعَ أَهْلِ الصُّفَّةِ؟"

ترجمہ: "اتنے سے دودھ سے اہلِ صفہ کا کیا بنے گا۔"

میں چاہتا تھا کہ اس میں سے کچھ پی لوں تاکہ مجھے سہارا مل جائے پھر ان لوگوں کو بلانے جاؤں۔ بہر حال میں ان لوگوں کو بلا کر لے آیا۔ جب وہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"خُذْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَأَعْطِهِمْ"

ترجمہ: "ابوہریرہ! یہ لو اور سب لوگوں کو پلاؤ۔"

میں وہ پیالہ باری باری ہر ایک کو دیتا گیا یہاں تک کہ سب نے جی بھر کر دودھ پی لیا۔ اب میں نے پیالہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا آپ نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور فرمایا:

"بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ."

ترجمہ: "اب میں اور تم، صرف دو آدمی باقی رہ گئے ہیں۔"

میں نے عرض کیا:

"جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے سچ فرمایا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "پیو" میں نے پیا۔ جب اپنے لب پیالے سے ہٹاتا تو آپ ﷺ فرماتے: "اور پیو" میں اور پی لیتا۔

آپ برابر "اور پیو، اور پیو" فرماتے رہے اور میں پیتا رہا۔ یہاں تک کہ میں پورے طور پر شکم سیر ہو گیا اور عرض کیا:

قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔

تب آپ ﷺ نے پیالہ لے کر باقی بچے ہوئے دودھ کو خود پیا۔

اس واقعے کو گزرے ابھی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے لیے رزق کے دروازے کھل گئے، مسلمانوں میں مال و دولت کی فراوانی ہو گئی۔

اور حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس بھی مال و دولت آیا، جس سے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنا گھر بنایا، گھر کا سامان خریدا، اور شادی کی اور اولاد بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔

مگر یہ ساری چیزیں مل کر بھی نہ تو ان کی فطرت اور طبیعت میں ذرہ برابر کوئی تغیر پیدا کرسکیں نہ گزرے ہوئے دنوں کی یاد کو ان کے دل سے مٹانے میں کامیاب ہوسکیں۔ وہ اکثر یہ بات کہا کرتے تھے:

”نَشَأْتُ يَتِيْمًا، وَهَاجَرْتُ مِسْكِيْنًا، وَكُنْتُ أَجِيْرًا لِبُسْرَةَ بِنْتِ غَزْوَانَ بِطَعَامِ بَطْنِيْ، فَكُنْتُ أَخْدِمُ الْقَوْمَ إِذَا نَزَلُوْا، وَأَحْدُوْ لَهُمْ إِذَا رَكِبُوْا، فَزَوَّجَنِيْهَا اللّٰهُ ......

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ الدِّيْنَ قِوَامًا وَصَيَّرَ أَبَا هُرَيْرَةَ إِمَامًا.“

تَرْجَمَہ: ”میں نے حالت یتیمی میں پرورش پائی۔ اور مسکینی کی حالت میں ہجرت کی۔ میں صرف پیٹ کی روٹی کے لیے بسرہ بنت غزوان کے یہاں مزدوری کرتا تھا۔ میں گھر پر رہتے ہوئے ان لوگوں کی خدمت کرتا اور سفر میں ان کے اونٹوں کو ہانکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کی ایک عورت کے ساتھ میری شادی کرادی۔ شکر ہے اس اللہ کا جس نے اپنے دین کے ذریعے سارے حالات درست کردیئے اور ابوہریرہ کو پیشوا بنادیا۔“

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی تواضع

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی طرف سے کئی بار مدینہ منورہ کے والی بنائے گئے۔ مگر گورنری کا یہ عہدہ بھی ان کی نرم مزاجی اور سادگی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرسکا۔ ایک بار اپنی گورنری کے زمانے میں وہ اپنے گھر والوں کے لیے لکڑیوں کا ایک بوجھ پیٹھ پر لادے مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے۔ جب ان کا گزر ثعلبہ بن مالک پر ہوا تو فرمایا:

”أَوْسِعِ الطَّرِيْقَ لِلْأَمِيْرِ يَا ابْنَ مَالِكٍ“

تَرْجَمَہ: ”مالک کے بیٹے! گورنر کو جانے کے لیے راستہ دے دو۔“

ابن مالک نے کہا:

”يَرْحَمُكَ اللّٰهُ أَمَا يَكْفِيْكَ هٰذَا الْمَجَالُ كُلُّهُ؟“

تَرْجَمَہ: ”اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا اتنی ساری جگہ آپ کے گزرنے کے واسطے کافی نہیں ہے؟“

تو حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا۔

"گورنر کے ساتھ اس کی پیٹھ پر لدے ہوئے بوجھ کے لیے بھی راستہ دو۔"

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا خوفِ خدا

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شخصیت میں علم اور نرم مزاجی کے ساتھ تقویٰ اور پرہیز گاری کی وافر مقدار بھی جمع ہوگئی تھی۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور تہائی رات تک عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، پھر اپنی بیوی کو بیدار کر دیتے جو رات کا دوسرا تہائی حصہ عبادت میں گزارتیں، پھر وہ اپنی بیٹی کو جگا دیتیں اور وہ رات کے آخری حصے میں قیام کرتیں۔ اس طرح ان کے گھر میں عبادت کا سلسلہ رات بھر جاری رہتا۔

ان کے پاس سوڈان کی رہنے والی ایک خادمہ تھی۔ ایک دفعہ اس سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد ہوگئی جس سے ان کو اور گھر والوں کو بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے اس کو مارنے کے لیے کوڑا اٹھایا۔ پھر رک گئے اور کوڑا رکھتے ہوئے اس خادمہ سے فرمایا:

"لَوْ لَا الْقِصَاصُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَأَوْجَعْتُكِ كَمَا آذَيْتِنَا، وَلٰكِنْ سَأَبِيعُكِ مِمَّنْ يُوَفِّينِي ثَمَنَكِ وَأَنَا أَحْوَجُ مَا أَكُونُ إِلَيْهِ ......

اِذْهَبِي فَأَنْتِ حُرَّةٌ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ......"

تَرْجَمَہ: "اگر قیامت کے دن قصاص کا ڈر نہ ہوتا تو جو اذیت تو نے ہمیں پہنچائی ہے، میں تجھے ضرور اس کی سزا دیتا، لیکن میں تجھ کو ایک ایسی ہستی کے ہاتھ فروخت کروں گا جو تیری قیمت مجھے اس روز ادا کرے گی جب میں اس کا سب سے زیادہ ضرورت مند ہوں گا، جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔"

ان کی صاحب زادی ان سے کہتی تھیں:

"يَا أَبَتِ إِنَّ الْبَنَاتِ يُعَيِّرْنَنِي، فَيَقُلْنَ: لِمَ لَا يُحَلِّيكِ أَبُوكِ بِالذَّهَبِ؟"

تَرْجَمَہ: "ابوجان! میری ہم جولی لڑکیاں مجھے طعنہ دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ تیرے ابا تجھے سونے کے زیورات کیوں نہیں پہناتے؟"

تو وہ جواب دیتے:

"قُولِي لَهُنَّ: إِنَّ أَبِي يَخْشَىٰ عَلَيَّ حَرَّ اللَّهَبِ."

تَرْجَمَہ: "بیٹی! ان سے کہہ دینا میرے والد میرے بارے میں جہنم کے انگاروں سے ڈرتے

ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اپنی بیٹی کو سونے کے زیورات نہ پہنانا کسی کنجوسی یا مالی طمع کی وجہ سے نہیں تھا، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں نہایت سخی اور بڑے کشادہ دل واقع ہوئے تھے۔ ایک دفعہ مروان بن حکم نے ان کے پاس ایک سو دینار بھجوائے اور دوسرے دن کہلا بھیجا:

”إِنَّ خَادِمِيْ غَلَطَ فَأَعْطَاكَ الدَّنَانِيْرَ، وَأَنَا لَمْ أُرِدْكَ بِهَا، وَ إِنَّمَا أَرَدْتُ غَيْرَكَ، فَسُقِطَ فِيْ يَدِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.“

تَرْجَمَۃ: ”کہ خادم نے غلطی سے وہ رقم آپ کو دے دی، حالاں کہ میں نے آپ کے یہاں نہیں کسی دوسرے کے یہاں بھجوائی تھی۔ اس لیے وہ رقم واپس بھیج دیجیے۔“

یہ سن کر وہ سخت نادم ہوئے اور مروان کے یہاں کہلا بھیجا کہ ”میں نے وہ ساری رقم اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی نہیں بچا ہے۔ جب بیت المال سے میرا وظیفہ برآمد ہو تو اس میں سے یہ رقم لے لینا۔ دراصل مروان نے ایسا صرف ان کو آزمانے کے لیے کیا تھا۔ اور آزمائش کے بعد ان کو سچ مچ کثرت سے خرچ کرنے والا پایا۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ زندگی بھر اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہے۔ جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو سب سے پہلے ان کے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے۔

”اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.“

تَرْجَمَۃ: ”امی جان! السلام علیکِ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“

وہ جواب دیتیں:

”وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.“

تَرْجَمَۃ: ”میرے بیٹے! وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“

پھر وہ کہتے:

”وَرَحِمَكِ اللّٰهُ كَمَا رَبَّيْتِنِيْ صَغِيْرًا.“

تَرْجَمَۃ: ”اللہ آپ پر اسی طرح رحم فرمائے جیسا کہ آپ نے بچپن میں میری پرورش کی۔“

تو وہ جواب میں فرماتیں:

"وَرَحِمَكَ اللّٰهُ كَمَا بَرَرْتَنِي كَبِيْرًا."

تَرْجَمَہ: "اور اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بھی اسی طرح رحم فرمائے جیسا کہ تم نے بڑھاپے میں میرے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔"

پھر جب حضرت ابوہریرہ رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ گھر واپس لوٹتے تو پھر یہی انداز اختیار فرماتے۔

لوگوں کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب

حضرت ابوہریرہ رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس بات سے بے حد دلچسپی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کی ترغیب دیا کریں۔ ایک روز انہوں نے دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے عمر رسیدہ تھا۔ انہوں نے چھوٹی عمر والے سے پوچھا۔

"یہ آدمی تمہارا کون ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "یہ میرے والد ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

"لَا تُسَمِّهِ بِاسْمِهِ ......
وَلَا تَمْشِ أَمَامَهُ ......
وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهُ ......"

تَرْجَمَہ: "کبھی ان کا نام لے کر نہ بلانا، کبھی ان کے آگے نہ چلنا اور کبھی ان سے پہلے نہ بیٹھنا۔"

وفات

حضرت ابوہریرہ رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ان کا آخری وقت آگیا تو رو پڑے۔ جب ان سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"لَا أَبْكِيْ لِدُنْيَاكُمْ وَلٰكِنَّنِيْ أَبْكِيْ لِبُعْدِ السَّفَرِ وقِلَّةِ الزَّاد ......
لَقَدْ وقَفْتُ فِيْ نِهَايَةِ طَرِيْقٍ يُفْضِيْ بِيْ إِلَى الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ ......
وَلَا أَدْرِيْ ...... فِيْ أَيِّهِمَا أَكُوْنُ!!"

ترجمہ: ”میں تمہاری اس دنیا پر آنسو نہیں بہا رہا ہوں بل کہ میں تو روتا اس لیے ہوں کہ سفر لمبا ہے اور زادِ راہ بہت تھوڑا ہے۔ میں ایک ایسے راستے کے آخری کنارے پر کھڑا ہوں جو مجھے جنت یا دوزخ میں پہنچانے والا ہے۔ اور مجھے اس بات کا قطعی کوئی علم نہیں ہے کہ میں ان دونوں میں سے کس میں پہنچوں گا۔“

مروان بن حکم عیادت کے لیے آیا تو ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

”ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔“

تو انہوں نے فرمایا:

”اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أُحِبُّ لِقَاءَ كَ فَأَحِبَّ لِقَائِیْ وَعَجِّلْ لِیْ فِیْهِ ......“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ سے ملنے کو پسند کرتا ہوں آپ بھی میری ملاقات کو پسند فرمائیں اور مجھے جلد اپنی زیارت نصیب فرمائیں۔“

مروان بن حکم نے ابھی گھر سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ ان کی یہ دعا قبول ہو چکی تھی اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی رحمت کی بارش برسائے انہوں نے مسلمانوں کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث روایت کی ہیں جن کی تعداد تقریباً ۵۳۶۴ بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔

فوائد و نصائح

ہر حال میں شکر گزار رہیے

یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ آپ کے پاس جو بھی نعمت ہے اگر اس نعمت کی آپ حفاظت چاہتے ہیں، اور اس میں مزید ترقی چاہتے ہیں تو شکر کرنا شروع کر دیجیے، جتنا آپ چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا بھی شکر ادا کریں گے اتنی وہ بڑھتی جائے گی اور اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، کتنے ہی پریشانی والے حالات ہوں ان حالات کے اندر بھی اگر کسی زاویے سے آپ دیکھیں گے تو کسی نہ کسی طرح شکر کا پہلو ضرور نظر آئے گا، اسی پہلو پر شکر ادا کرنے لگ جائیے۔

بعض طلبہ کی خراب عادت یہ ہوتی ہے کہ ناشکری بہت کرتے ہیں کہ مجھے یہ نہیں آتا، مجھے یاد نہیں ہوتا، میری ترقی نہیں ہورہی۔ فلاں کو دیکھو فلاں کو دیکھو...... لیکن طلبہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا علم دیا ہے اس پر شکر کریں، اور یہ دیکھیں کہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ابوہریرہ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کی۔

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ابوہریرہ کو قرآن مجید کا علم عطا فرمایا۔

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ابوہریرہ کو حضرت محمد ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف عطا کیا۔

شکر گزار بننے کے لیے یہ دعا مانگا کیجیے

لہٰذا نعمتوں کو بڑھانے کا نسخۂ اکسیر یہ ہے کہ ہر حال میں شکر کرتے رہنا چاہیے، ناشکری سے بہت ہی زیادہ بچنا چاہیے کہ ناشکری و ناقدری سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں شکر کرنے والا بنائے، ناشکری سے حفاظت فرمائے، اس کے لیے ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کریں۔

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ"[1]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! تو مجھے ایسا بندہ بنا دے کہ خوب تیرا شکر کروں، تجھے یاد کیا کروں اور تیری نصیحت مانوں اور تیرے حکم کو یاد رکھوں۔"

حضور اکرم ﷺ بھی شکر کے لیے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

کبھی فرماتے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ."[2]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! میں آپ کی نعمت پر شکر گزاری مانگتا ہوں اور آپ کی عبادت کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کا طالب ہوں۔"

غور کیجیے، شکر کتنی اہم اور عظیم دولت ہے کہ آپ ﷺ مختلف دعاؤں کے ذریعے اس کو مانگا کرتے تھے۔

طالبِ صادق کبھی محروم نہیں ہوگا

دوسری بات یہ یاد رکھیے گا کہ کسی راہ کا سچا طالب کبھی محروم نہیں ہوتا، حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ علم

---

[1] ترمذی: ابواب الدعوات ۲/۲۰۱

[2] ترمذی: ابواب الدعوات ۲/۱۷۸

کے سچے طالب تھے۔ اس کے لیے ہر چیز کی قربانی دی، خوب محنت کی اور اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا فرمایا اور آپ آج دیکھتے ہیں کہ حدیث کی ہر کتاب کے ہر باب میں کس قدر کثرت سے ان کا نام آتا ہے۔

آج سے نیت کریں کہ ہم بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح احادیث کو زبانی یاد کریں گے۔ جب آپ احادیث کو زبانی یاد کرلیں گے تو آپ ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہوجائیں گے جن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی دعا مانگی ہے۔

اسی طرح آپ قرآن مجید کے حافظ نہیں ہیں تو حفظ کرنے کی کوشش شروع کردیجیے، اگر آپ اسکول ہی میں پڑھتے ہیں تو بھی حفظ کرنا کوئی مشکل نہیں اگر آپ روزانہ دس آیات حفظ کریں تو......

دعوت وتبلیغ کا فائدہ

تیسری بات آپ نے شاید سوچی ہوگی کہ وہ شخص کون ہوگا جس کے اعمال نامہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سارے اعمال کا ثواب جائے گا؟ اور وہ کون شخص ہوگا جس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی طرف دعوت دی ہوگی؟ وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کے ہاتھ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا ہوگا۔

وہ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، یہ تبلیغ کی محنت کا فائدہ ہے۔ لہٰذا آپ بھی کوشش کیجیے کہ کافروں کو اسلام کی طرف دعوت دیں، اگر وہ اسلام لے آئے تو ان کے اعمال کا اجر وثواب آپ کو قیامت تک ملتا رہے گا۔

مذاکرہ

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا نام رکھا؟

سوال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق کس قبیلے سے تھا؟

سوال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کون سے صحابی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا؟ اور پھر کس سن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے؟

سوال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی احادیث روایت کی گئی ہیں؟

حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

”رُوْحُ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ الْمُؤْمِنَةَ الشَّفَافَةَ كَانَتْ تُرَفْرِفُ بِأَجْنِحَتِهَا فَوْقَ جُنْدَهُ“
تَرْجَمَہ: ”سلمہ بن قیس کی حوصلہ افزائی، ترغیب اور محبت جماعت کے ہر ساتھی کے لیے تھی۔“

حضرت فاروق اعظم کا منتخب کردہ امیر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے محلوں میں گشت کرتے ہوئے رات گزاری تا کہ لوگ امن و اطمینان سے جی بھر کر سو سکیں۔ وہ پہرے کے دوران اپنے ذہن میں ان عظیم بہادر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تلاش کر رہے تھے جن میں سے کسی ایک کو اس جماعت کا امیر بنایا جاسکے جس کی تشکیل ایران کے مغربی صوبے اہواز کی طرف کرنی تھی۔ سوچتے سوچتے ان کے خیال میں ایک بہادر صحابی آئے تو انہوں نے فرمایا:

”ظَفِرْتُ بِهِ ...... نَعَمْ ظَفِرْتُ بِهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ......“
تَرْجَمَہ: ”میں کامیاب ہو گیا ...... ان شاء اللہ اس جماعت کے امیر کے انتخاب میں میں کامیاب ہو گیا۔“

اور جب صبح ہوئی تو حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا:

میں اہواز جانے والی جماعت کا امیر تمہیں بنا رہا ہوں، اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ اور اس کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو اس کو نہیں مانتے۔ اور فرمایا:

”وَ إِذَا لَقِيتُمْ عَدُوَّكُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ“
تَرْجَمَہ: ”جب تمہاری دشمنوں سے ملاقات ہو تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا۔“

اگر وہ تمہاری دعوت قبول کر کے اسلام قبول کر لیں اور جنگ میں تمہارا ساتھ دینے کے بجائے اپنے علاقوں میں رہنا پسند کریں تو ان کے ذمہ زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے۔ البتہ مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ دشمن کے خلاف جنگوں میں تمہارا ساتھ دینا پسند کریں تو ان کو بھی وہی حقوق حاصل

ہوں گے جو تم کو حاصل ہیں، اور ان کے اوپر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو تمہارے اوپر عائد ہیں، یعنی مال غنیمت میں ان کو برابر کا حصہ ملے گا۔

اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دینا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنا اور کوئی ایسی ذمہ داری نہ دینا جس کے وہ اہل نہ ہوں۔

لیکن اگر وہ ہر دعوت کا انکار کر دیں تو ان سے جنگ کرنا، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، اگر وہ کسی قلعے میں بند ہو کر اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق تم سے صلح کی خواہش ظاہر کریں تو انکا یہ مطالبہ ہرگز تسلیم نہ کرنا اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ اس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے ان کی مراد کیا ہے؟

اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری پر صلح کا مطالبہ کریں تو ان کا یہ مطالبہ بھی رد کر دینا کہیں اس میں کوئی مکر و فریب چھپا ہوا نہ ہو۔ البتہ تم اپنی ذمہ داری پر ان سے صلح کا معاہدہ کر سکتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فرمایا:

”فَإِذَ ظَفِرْتُمْ فِي الْقِتَالِ فَلَا تُسْرِفُوْا، وَلَا تَغْدُرُوْا، وَلَا تُمَثِّلُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا ……“

تَرْجَمَہ: ”اور جب جنگ میں تم کو فتح حاصل ہو جائے تو حد سے تجاوز نہ کرنا، نہ غداری کے مرتکب ہونا نہ دشمن کے ناک کان کاٹنا نہ ہی کسی بچے کے خون سے اپنا ہاتھ رنگنا۔“

حضرت سلمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان قیمتی ہدایات کو سن کر ان پر عمل کرنے کا اقرار کیا اور کہا:

”سَمْعًا وَطَاعَةً يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ!“

تَرْجَمَہ: ”اے امیر المؤمنین! اس پر پورا پورا عمل ہوگا۔“

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے ان کے ہاتھ کو دباتے ہوئے پوری گرم جوشی سے ان کو الوداع کہا اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ان کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔ کیوں کہ انہیں اس سفر کی مشکلات اور اس کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ تھا جو انہوں نے حضرت سلمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے لشکر کے کندھوں پر ڈالی تھی۔ اس لیے کہ ایران کا صوبہ اہواز ایک کوہستانی علاقہ تھا جس کے راستے نہایت دشوار گزار اور قلعے ناقابلِ تسخیر تھے، جو بصرہ اور ایران کی سرحد پر واقع تھا اور جس کے رہنے والے کردوں سے بھی زیادہ سخت جان اور جنگ جو تھے۔ اور مسلمانوں کے لیے دو اسباب سے اس علاقے کو فتح کرنے کے سوا تیسرا کوئی سبب نہیں

تھا۔

❶ ایک تو بصرہ میں آباد مسلمانوں کو ایرانیوں کے حملوں سے اسی صورت میں بچایا جا سکتا تھا کہ اہواز پر مکمل مسلمانوں کا قبضہ ہو۔

❷ دوسرا یہ کہ اہلِ فارس اہواز کو اپنی فوجوں کا ٹھکانہ بنا کر عراق کے امن اور اس کی سلامتی کے لیے کوئی خطرہ نہیں پیدا کر سکتے تھے۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قیادت میں لشکر کی روانگی

غازیانِ فی سبیل اللہ کا یہ لشکر اپنے قائد حضرت سلمہ بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور راستے کے چٹیل پہاڑوں اور میدانوں کو طے کرتا ہوا سرزمینِ اہواز میں داخل ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ لوگ اس کے اندر زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ اس کے سخت طبعی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے ان کو قدم قدم پر دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہاڑی راستوں میں اوپر چڑھتے ہوئے فوج کو کھلی اور نوکیلی چٹانوں سے گزرنے کی مشقت جھیلنی پڑتی اور نیچے اترتے ہوئے سڑے ہوئے بدبودار پانی کے جوہڑوں کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔ اس کے علاوہ خطرناک قسم کے جان لیوا سانپوں اور زہریلے بچھوؤں کی مصیبت سے الگ نمٹنا پڑتا تھا۔ لیکن حضرت سلمہ بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حوصلہ افزائی، ترغیب، محبت و پیار جماعت کے ہر ساتھی کے لیے کافی تھی۔

جس کی وجہ سے یہ ساری مصیبتیں خوش گوار اور دشوار راہیں آسان ہو گئی تھیں۔

وہ وقفے وقفے سے ان کو ایسی نصیحت کرتے رہتے جن سے ان کے حوصلے بلند تر ہوتے جاتے جن سے ان کی روحیں جھوم اٹھتیں اور ان کی راتوں کو تلاوتِ قرآن کی خوشبو سے معطر کرتے رہتے جس کے نور سے ان کے دل میں جذبہ پیدا ہو جاتا اور وہ اپنی ساری مشقتیں اور تکلیفیں بھول جاتے۔

اہلِ اہواز سے جہاد

حضرت سلمہ بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی، اور جب اہلِ اہواز سے ان کا سامنا ہوا تو سب سے پہلے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا دین پیش کیا مگر انہوں نے نفرت و اعراض کا اظہار کیا۔ پھر ان کو جزیہ کی ادائیگی کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار اور تکبر کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد

مسلمانوں کے سامنے جنگ کے سوا دوسری کوئی صورت باقی نہیں بچی۔ چناں چہ وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اجرِ آخرت کے حصول کی نیت سے میدان جنگ میں کود پڑے۔

دونوں فوجیں پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ اور دونوں فوجوں نے شجاعت، بہادری اور ہمت کے ایسے جوہر دکھائے جن کی مثال جنگوں کی تاریخ میں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے۔ آخر کار جنگ کا خاتمہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے والے اہلِ ایمان کی فتح مبین اور اللہ کے دشمن، اہلِ شرک کی شکستِ فاش پر ہوا۔

آپ کا امیر المؤمنین کی خدمت میں تحفہ پیش کرنا

جنگ ختم ہونے کے بعد جب حضرت سلمہ بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مجاہدین میں مالِ غنیمت کی تقسیم کی طرف متوجہ ہوئے تو اس میں ان کو ایک نہایت عمدہ اور بیش قیمت زیور ملا۔ انہوں نے چاہا کہ اسے تحفہ کے طور پر امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ چناں چہ انہوں نے فوجیوں سے کہا:

"إِنَّ هٰذِهِ الْحِلْيَةَ لَوْ قُسِّمَتْ بَيْنَكُمْ لَمَا فَعَلَتْ مَعَكُمْ شَيْئًا......
فَهَلْ تَطِيْبُ أَنْفُسُكُمْ إِذَا بَعَثْنَا بِهَا إِلٰى أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ؟"

تَرْجَمَۃ: "اگر اس زیور کو تم سارے لوگوں کے درمیان تقسیم کیا جائے تو کسی کے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔ تو کیا تم سب لوگ اس بات پر راضی ہو کہ اسے امیر المؤمنین کی خدمت میں ہدیۃً بھیج دیا جائے۔"

سب نے خوشی سے اس کی اجازت دے دی اور انہوں نے اس زیور کو ایک ڈبے میں رکھ کر اپنے قبیلے بنو اشجع کے ایک شخص کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اپنے غلام کے ساتھ مدینہ منورہ جاؤ، پہلے امیر المؤمنین کو فتح کی خوش خبری سنانا پھر ان کی خدمت میں یہ زیور ہدیہ کے طور پر پیش کر دینا۔ جب اشجعی حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے درمیان ایک عجیب ماجرا پیش آیا۔ ہم وہ ماجرا ان ہی کی زبانی پیش کرتے ہیں۔

امیر المؤمنین کا ناراض ہونا

اشجعی کہتے ہیں:

میں اپنے غلام کے ساتھ پہلے بصرہ پہنچا وہاں ہم نے سلمہ بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دی ہوئی رقم لا کر

مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر میں نے امیر المؤمنین کو تلاش کیا۔ وہ مسلمانوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس پر وہ کسی چرواہے کی طرح ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ وہ کھانے والوں کے برتنوں کو دیکھ دیکھ کر اپنے غلام یرفا سے فرماتے جارہے تھے:

"یَا یَرْفَأُ زِدْ هٰؤُلَاءِ لَحْمًا ......
یَا یَرْفَأُ زِدْ هٰؤُلَاءِ خُبْزًا ......
یَا یَرْفَأُ زِدْ هٰؤُلَاءِ مَرَقًا ......"

تَرْجَمَہ: "یرفا! ان کے برتن میں اور گوشت ڈالو! اے یرفا! ان کو اور روٹیاں دو! اے یرفا ان کے پیالے میں اور شوربہ ڈالو۔"

جب میں ان کے سامنے پہنچا تو انہوں نے مجھے بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں قریب ہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر میرے سامنے کھانا لایا گیا اور میں نے کھالیا۔ جب سارے لوگ کھانے سے فارغ ہوچکے تو وہ یرفا کو برتن سمیٹنے کا حکم دے کر گھر کی طرف چل پڑے۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوگئے تو میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک کھال کی بنی ہوئی چٹائی پر دو تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں جن کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان میں سے ایک تکیہ میری طرف سرکا دیا جس پر میں بیٹھ گیا۔ ان کی پشت کی طرف ایک دروازہ تھا جس پر پردہ لٹک رہا تھا۔ انہوں نے پردے کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا:

"یَا أُمَّ کُلْثُوْمَ غَدَاءَ نَا ......"

تَرْجَمَہ: "ام کلثوم! میرا کھانا۔"

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ دیکھوں، امیر المؤمنین کا مخصوص کھانا کیسا ہے۔ ان کی اہلیہ نے ان کو زیتون کا تیل لگی ہوئی روٹی دی جس پر نمک کی ایک ڈلی رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے کھانے کے لیے فرمایا اور میں نے ادب کی وجہ سے حکم پورا کرنے کی نیت سے تھوڑا سا کھایا۔ میں نے ان کے سوا کسی دوسرے آدمی کو اتنی رغبت اور شوق سے کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔ کھانے سے فارغ ہوکر انہوں نے فرمایا، ہمیں پانی پلاؤ۔ تو گھر والوں نے جو کے ستو سے بھرا ہوا ایک پیالہ پیش کردیا۔ انہوں نے فرمایا، پہلے اس کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے کر اس میں سے بہت تھوڑا سا پیا۔ پھر انہوں نے جی بھر کر پیا اور پھر فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا فَاَشْبَعَنَا. وَسَقَانَا فَاَرْدَانَا."

ترجمہ: ''شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو کھلا کر سیر کیا اور پلا کر سیراب کیا۔''

اس وقت میں نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''امیر المؤمنین! میں آپ کے پاس ایک پیغام لایا ہوں۔''

انہوں نے دریافت فرمایا۔ کہاں سے؟

میں نے جواب دیا۔ سلمہ بن قیس کے یہاں سے۔

انہوں نے فرمایا: میں سلمہ بن قیس اور ان کے قاصد کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے مسلمانوں کے لشکر کا حال بتاؤ۔

میں نے عرض کیا۔

''کَمَا تُحِبُّ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ...... اَلسَّلَامَةُ، وَالظَّفَرُ عَلٰى عَدُوِّهِمْ وَعَدُوِّ اللّٰهِ.''

ترجمہ: ''امیر المؤمنین! آپ کی تمنا کے مطابق مسلمانوں کی جماعت خیر و عافیت کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر فتح و کامرانی عطا فرمائی ہے۔''

پھر میں نے ان کو فتح کی خوش خبری سنائی اور تفصیل کے ساتھ فوج کے حالات بتائے تو انہوں نے فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ...... اَعْطٰى فَتَفَضَّلَ وَاَنْعَمَ فَاَجْزَلَ.''

ترجمہ: ''شکر ہے اللہ کا جس نے اپنی مہربانی سے عطا کیا اور اپنے انعام سے خوب نوازا۔''

پھر پوچھا، کیا بصرہ کی طرف سے ہو کر آئے ہو؟

میں نے کہا، جی ہاں امیر المؤمنین!

انہوں نے پوچھا۔ وہاں مسلمان کیسے ہیں؟

اور ضرورت کی چیزیں مہنگی بکتی ہیں یا سستی؟

میں نے جواب دیا۔ مسلمان خیریت سے ہیں اور چیزیں بہت سستی ہیں۔

پھر پوچھا، گوشت کا کیا بھاؤ ہے؟ اس لیے کہ گوشت عربوں کی بنیادی اور پسندیدہ غذا ہے۔ اس کے بغیر ان کا گزر بسر مشکل ہے۔

میں نے عرض کیا: گوشت بہت وافر مقدار میں ہے۔

پھر انہوں نے ڈبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

میں نے کہا:

''جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر فتح دی اور ہم نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا تو سلمہ بن قیس نے اس میں زیور کو دیکھ کر فوج سے کہا:

اگر اس زیور کو تمہارے درمیان تقسیم کیا جائے تو کسی کے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔ اگر میں اسے امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیج دوں تو کیا تم سب لوگ اس پر راضی ہو؟

تو سب نے کہا، جی ہاں! یہ کہہ کر میں نے وہ ڈبہ ان کے حوالے کر دیا۔ جب انہوں نے ڈبے کو کھولا اور ان کی نظر زیور اور اس میں جڑے ہوئے سرخ، زرد اور سبز نگینوں پر پڑی تو اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور ڈبے کو زمین پر پھینکتے ہوئے اپنے ہاتھ کو کمر پر رکھ لیا۔ زمین پر گرنے کے بعد نگینے ادھر ادھر بکھر گئے۔ ان کی عورتوں نے سمجھا کہ میں دھوکے سے ان کو قتل کرنا چاہتا ہوں اس لیے وہ سب دروازے کی طرف لپکیں۔

پھر خلیفہ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

انہیں اکٹھا کرو۔ اور اپنے غلام یرفا کو حکم دیا:

اسے خوب اچھی طرح مارو۔

میں زیور کے بکھرے ہوئے نگینوں کو جمع کرنے لگا اس دوران یرفا مجھے برابر مارے جا رہے تھے۔

پھر انہوں نے فرمایا:

''قُمْ غَيْرَ مَحْمُودٍ لَا أَنْتَ وَلَا صَاحِبُكَ.''

تَرْجَمَۃ: ''اٹھ، نہ تو اچھا ہے، نہ تیرا قائد۔''

میں نے اٹھ کر کانپتے ہوئے عرض کیا: امیر المؤمنین! اہواز تک جانے کے واسطے میرے اور میرے غلام کے لیے سواریوں کا انتظام کر دیجیے۔ کیوں کہ آپ کے غلام نے ہماری سواریاں لے لی ہیں۔ تو انہوں نے یرفا سے فرمایا کہ اس کو اور اس کے غلام کو صدقہ کے اونٹوں میں سے دو سواریاں دے دو۔ پھر میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

جب تمہاری ضرورت پوری ہو جائے تو یہ دونوں اونٹنیاں ان لوگوں کو دے دینا جو تم سے زیادہ ان کے ضرورت مند ہوں۔

تو میں نے کہا: جی ہاں امیر المؤمنین! میں ایسا ہی کروں گا۔ ان شاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔

پھر انہوں نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

''أَمَا وَاللّٰهِ لَئِنْ تَفَرَّقَ الْجُنْدُ قَبْلَ أَنْ يُقْسَمَ فِيهِمْ هٰذَا الْحُلِيُّ لَأَفْعَلَنَّ بِكَ

وَبِصَاحِبِكَ الْفَاقِرَةَ."

تَرْجَمَہ: ''سن لو!! اللہ کی قسم! ان زیورات کی تقسیم سے پہلے اگر مسلمانوں کی جماعت گئی تو تمہیں اور تمہارے قائد دونوں کو سخت عبرت ناک سزا دوں گا۔''

(اس لیے کہ یہ زیور ان کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوئے تھے، حق والے کا حق دبانے سے اللہ کی مدد ہم سے اٹھ جائے گی)۔

میں نے اسی وقت وہاں سے اپنی سواری کو دوڑایا اور منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا سلمہ بن قیس کے پاس پہنچا اور ان سے کہا:

''مَا بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ فِيْمَا اخْتَصَصْتَنِيْ بِهٖ ......''

تَرْجَمَہ: ''جس کام کے لیے آپ نے مجھے اپنا خصوصی ایلچی بنایا تھا وہ میرے لیے بڑا نامبارک ثابت ہوا اب اپنی اور میری جان کی خیر چاہیے تو ان زیورات کو فوراً فوج میں تقسیم کر دیجیے۔''

اس کے بعد میں نے ان کو وہ پورا واقعہ سنایا جو میرے اوپر بیتا تھا۔ چناں چہ انہوں نے اپنی اسی مجلس میں وہ زیورات فوج میں تقسیم کر دیے۔

اللہ تعالیٰ حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے راضی ہو جائے۔ آمین

فوائد و نصائح

اپنی غلطی تسلیم کیجیے

حضرت سلمہ بن قیس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے بڑوں کے سامنے چھوٹے بن کر رہیں اسی میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح اور ہماری ترقی کا راز مضمر ہے، اگر کبھی ہمارے بڑے ہمیں کسی کام کا حکم دیں تو ہم فوراً مان جائیں اور اس حکم کی تعمیل کریں اور اگر کبھی وہ ہمیں کسی کام کے کرنے سے منع کریں تو ہم فوراً مان جائیں اور اس کام سے منع ہو جائیں ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

چناں چہ حضرت سلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے واقعے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ مال غنیمت میں سے ایک زیور حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کو بطورِ تحفہ دینا چاہتے تھے لیکن حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے زیور قبول کرنے کے بجائے سختی سے منع فرمایا اور کہلا بھیجا کہ یہ زیور فوراً مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چناں چہ حضرت سلمہ

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فوراً وہ زیور مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا حالاں کہ ان کی ذاتی خواہش تھی کہ یہ زیور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خود قبول فرمالیں لیکن انہوں نے اپنی خواہش قربان کر دی اور اپنے بڑے کی بات مان لی۔

لہٰذا آج سے ہم بھی پکی نیت کریں کہ اپنے بڑوں کی ہر بات مانیں گے اور اگر وہ کبھی ہمیں ڈانٹیں تو ہم ہرگز برا نہیں منائیں گے اور اپنے بڑوں کا خوب ادب اور احترام کریں گے، اور والدین، استاد، بڑے بھائی، بڑی بہن اور تایا، چچا، ماموں وغیرہ یہ سب ہمارے بڑے ہیں ہمیں ان سب کا ادب اور احترام کرنا چاہیے اور اگر ان میں سے کوئی ایک کبھی ہمیں ہماری کسی کوتاہی پر ڈانٹیں تو ہم فوراً اپنی غلطی تسلیم اور اپنا سر خم کرلیں اسی میں ان شاء اللّٰہ ہماری عزت اور اسی میں ہماری ترقی ہے۔ اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے عجب اور تکبر سے بچنے کے لیے خوب دعائیں بھی مانگیں کہ یہ دو گناہ بہت ہی زیادہ خطرناک گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خاص حفاظت فرمائے۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اہواز جانے والی جماعت کا ذمہ دار کس نے بنایا؟

سُؤال: حضرت سلمہ بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عرب کے کون سے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے؟

سُؤال: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے غلام کا کیا نام تھا؟

سُؤال: حضرت سلمہ بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حکم پر ان قیمتی زیورات کا کیا کیا؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"أَعْلَمُ أُمَّتِیْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ" (محمد رسول اللہ)

ترجمہ: "میری امت میں حلال وحرام کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں۔"

تعارف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے جزیرۂ عرب کی تاریک فضاؤں میں ہدایت اور حق کا نور چمک اٹھا تو اللہ تعالیٰ نے جن نوجوانوں کو ہدایت عطا فرمائی ان میں سے ایک حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ وہ اپنے ہم جولیوں اور ہم عمر ساتھیوں میں اپنی تیز فہمی، خوش بیانی اور بلند ہمتی کے لحاظ سے ایک منفرد وممتاز مقام رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک خوب صورت اور حسین وجمیل نوجوان تھے۔ ان کی شرمیلی آنکھیں، سر کے بال گھونگھریالے اور دانت موتی کی طرح سفید چمک دار تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے اسلام کی طرف دعوت دینے والے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اور عقبہ کی رات میں ان کے ہاتھوں نے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے مصافحہ اور ان پر بیعت کی۔ وہ ان خوش نصیب انسانوں میں شامل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت وملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے مکہ گئے تھے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس پہنچتے ہی اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر بتوں کو توڑنے اور ان کو خفیہ یا علانیہ طور پر مشرکین کے گھروں سے نکال پھینکنے کے لیے ایک جماعت بنائی۔ اور ان کم سن نوجوانوں کی اس کارروائی کا اثر یہ ہوا کہ مدینہ منورہ کے ایک بہت بڑے شخص "عمرو بن جموح" نے اسلام قبول کرلیا۔

عمرو بن جموح کا شمار قبیلہ بنو سلمہ کے بڑے رئیسوں اور سرداروں میں ہوتا تھا۔ دوسرے شرفا کی طرح

انہوں نے بھی اپنے لیے نہایت عمدہ اور بیش قیمت لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا۔ وہ اس کے رکھ رکھاؤ اور اس کی دیکھ بھال کا نہایت اہتمام کرتے، اس کے اوپر ریشمی کپڑے ڈالتے اور ہر روز صبح کو اسے خوشبو سے معطر کرتے۔

ایک رات ان نوجوانوں نے ان کے بت کو اس کی جگہ سے اٹھایا اور اسے لے جا کر بنوسلمہ کی آبادی کے پیچھے ایک گڑھے میں پھینک دیا جس میں کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالی جاتی تھی۔ جب صبح کو عمرو بن جموح جاگے اور بت کو اپنی جگہ پر نہیں پایا تو اسے ہر طرف تلاش کرتے پھرے۔ آخرکار اس کو ایک گڑھے کے اندر گندگی میں لت پت منہ کے بل پڑا ہوا دیکھا تو بولے:

"وَيْلَكُمْ مَنْ عَدَا عَلٰى آلِهِنَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ؟"

تَرجَمَہ: "تمہارا برا ہو، آج رات ہمارے معبود کے ساتھ کس نے یہ برا سلوک کیا ہے؟"

پھر اس کو گڑھے سے نکالا، دھو کر صاف کیا اور خوش بو لگا کر یہ کہتے ہوئے دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا:

"وَاللّٰهِ لَوْ أَنِّيْ أَعْلَمُ مَنْ صَنَعَ بِكَ هٰذَا لَأُخْزِيَنَّهُ ......"

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے تو میں اسے سخت ذلت آمیز سزا دوں گا۔"

ان کا قصہ تفصیل سے عمرو بن جموح کے واقعے میں گزر چکا ہے۔

اس کے بعد بنوسلمہ کے اس شیخ نے اسلام قبول کر لیا اور بڑے اچھے مسلمان ہوئے۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا علم سیکھنا اور سکھانا

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سائے کی طرح ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ لگے رہتے۔ آپ ﷺ سے قرآن مجید سیکھا اور دین کا علم حاصل کیا یہاں تک کہ ان کا شمار صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں قرآن مجید کے بڑے قاریوں اور بڑے علما میں ہونے لگا۔ یزید بن قطیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"میں ایک روز حمص کی مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک نوجوان کے گرد لوگوں کا بہت بڑا مجمع اکٹھا ہے، جس کے بال گھونگھریالے ہیں۔ جب وہ بولتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کے منہ سے روشنی نکل رہی ہے اور موتی جھڑ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ تو لوگوں نے کہا: یہ معاذ بن جبل

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔"

حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا۔ وہاں ایک علمی مجلس منعقد تھی جس میں بڑے بڑے عمر رسیدہ صحابہ کرام تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں خوب صورت آنکھوں اور چمکیلے دانتوں والا ایک نوجوان بھی شریک تھا۔ جب لوگوں کے درمیان کسی علمی مسئلے میں اختلاف رائے واقع ہوتا تو اسی نوجوان کی طرف رجوع کرتے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا یہ کون ہیں؟

تو اس نے کہا: یہ معاذ بن جبل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔

اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیوں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن ہی سے اپنی تعلیم وتربیت کے سارے مراحل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر طے کیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ومعرفت سے سیراب ہوئے۔ وہ سب سے اچھے اور بہترین استاد کے سب سے اچھے شاگرد تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملی ہوئی یہ سند کافی ہے۔

"اَعْلَمُ اُمَّتِیْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ."

ترجمہ: "میری امت میں حلال حرام کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔"

ان کا بلند مرتبہ ثابت کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ان چھ خوش نصیب افراد میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں قرآن جمع کرنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں کوئی علمی بات کرتے تو ان کی ہیبت اور علمی عظمت کی وجہ سے سب کی نظریں ان کی طرف بڑے احترام سے اٹھتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے دونوں ساتھیوں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کی بے مثال علمی قوت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا کام لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کو فوج درفوج مسلمان ہوتے دیکھا اور نئے مسلمانوں کے لیے کسی اچھے استاد کی ضرورت محسوس ہوئی، جو ان کو اسلام کی تعلیم دے اور اس کے احکام انہیں سکھائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، اور لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کی تفہیم کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس متعین فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری ملاقات اور یمن روانگی

اور جب یمن کے بادشاہوں کے نمائندوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر اپنے اور اپنی قوم کے قبولِ اسلام کا اعلان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ بھیجنے کی درخواست کی جو وہاں لوگوں کو دین کی تعلیم دے سکے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم کام کے لیے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے چند افراد کا انتخاب فرما کر ایک جماعت تشکیل دی اور ان کا امیر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا، اور اس مبارک جماعت کو جو ہدایت اور نور کو پھیلانے کے لیے جا رہی تھی الوداع کہنے کے لیے خود مدینہ منورہ کے باہر تشریف لے گئے، اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری کے ساتھ ساتھ دیر تک چلتے رہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جی بھر کر دیکھ لینا چاہتے تھے۔ اس پورے عرصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسٰى أَلَّا تَلْقَانِيْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا ......
وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِيْ وَقَبْرِيْ ......"

ترجمہ: "معاذ! شاید اس کے بعد تمہاری ملاقات مجھ سے نہ ہو سکے۔ اب شاید تمہارا گزر میری مسجد اور قبر کے پاس سے ہوگا۔"

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نبی، اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے صدمے سے رو پڑے اور ان کے ساتھ ہی دوسرے ساتھی بھی سسکیاں لینے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

"فَمَا اكْتَحَلَتْ عَيْنَا مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَعْدَ تِلْكَ السَّاعَةِ ......"

ترجمہ: "اور واقعی یمن سے واپسی پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا موقع میسر نہ آیا۔"

کیوں کہ ان کی یمن سے واپسی سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا۔ جب وہ مدینہ منورہ واپس آئے اور مدینہ منورہ کو اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انس و محبت سے خالی پایا تو بہت روئے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت داری

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین بنے تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنی کلاب میں ان کے وظائف تقسیم کرنے اور اغنیا سے وصول کی ہوئی صدقہ وزکوٰۃ کی رقمیں فقرا و مساکین میں بانٹنے کے لیے بھیجا۔ وہاں انہوں نے اپنی ذمہ داری نہایت دیانت داری کے ساتھ ادا کی اور گھوڑے کی پیٹھ پر ڈالنے کا ٹاٹ جو گھر سے لے کر نکلے تھے اسی کو اپنے گلے میں لپیٹے ہوئے اپنی اہلیہ کے پاس واپس آگئے۔ اہلیہ نے پوچھا۔

"أَيْنَ مَا جِئْتَ بِهِ مِمَّا يَأْتِيْ بِهِ الْوُلَاةُ مِنْ هَدِيَّةٍ لِأَهْلِيْهِمْ؟"

تَرجَمہ: "وہ ہدیے کہاں ہیں جو والی لوگ اپنے گھر والوں کے لیے لاتے ہیں؟"

تو انہوں نے جواب دیا۔

"لَقَدْ كَانَ مَعِيْ رَقِيْبٌ يَقِظٌ يُحْصِيْ عَلَيَّ."

تَرجَمہ: "میرے ساتھ ایک رقیب نہایت ہوشیار نگراں تھا جو ہر وقت میرے اوپر نظر رکھتا تھا میری ہر حرکت کو نوٹ کرتا تھا، اس لیے میں کچھ ساتھ نہ لا سکا۔"

بیوی نے حیرت سے پوچھا:

"قَدْ كُنْتَ أَمِيْنًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَأَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَبَعَثَ مَعَكَ رَقِيْبًا يُحْصِيْ عَلَيْكَ؟"

تَرجَمہ: "آپ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قابل اعتماد اور امین تھے۔ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو انہوں نے آپ کی نگرانی کے لیے ایک نگراں مقرر کر دیا؟"

پھر ان کی بیوی نے اس بات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویوں سے کہہ کر ان کی شکایت کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا:

"أَأَنَا بَعَثْتُ مَعَكَ رَقِيْبًا يُحْصِيْ عَلَيْكَ؟"

تَرجَمہ: "کیا میں نے تمہاری نگرانی کے لیے تمہارے ساتھ کوئی نگراں (جاسوس) بھیجا تھا؟"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"لَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَلٰكِنَّنِيْ لَمْ أَجِدْ شَيْئًا أَعْتَذِرُ بِهِ إِلَيْهَا إِلَّا ذٰلِكَ ......

فَضَحِكَ عُمَرُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَأَعْطَا شَيْئًا وَقَالَ لَهُ:
أَرْضِهَا بِهِ ......"

تَرْجَمَہ: "نہیں امیر المؤمنین دراصل بیوی کو چپ کرانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی عذر نہیں ملا تھا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہنس پڑے اوران کو کچھ تحائف دے کر کہا کہ اس کو راضی کرلو۔

قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے ملک شام جانا

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی کے دورِ خلافت کی بات ہے کہ شام کے گورنر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ان کے یہاں پیغام بھیجا:

امیر المؤمنین! شام کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ان کو ایسے لوگوں کی سخت ضرورت ہے جو ان کو قرآن کی تعلیم دے سکیں اور دین سکھا سکیں۔ امیر المؤمنین! آپ ایسے لوگوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائیں جو یہ خدمت انجام دے سکیں۔

تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان پانچ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بلایا جنہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے عہدِ مبارک میں قرآن کریم کو جمع کیا تھا۔ وہ پانچ صحابہ یہ ہیں حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوایوب انصاری حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ ...... اور ان سے فرمایا:

آپ کے شامی بھائیوں نے مجھ سے یہ مدد طلب کی ہے کہ ایسے لوگ بھیجے جائیں جو ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیں، اور دین کے احکامات سکھائیں۔ آپ لوگ اپنے میں سے تین آدمیوں کے ذریعے میری مدد کریں۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے لیے قرعہ اندازی کرلیں ورنہ میں اپنی پسند سے تین آدمیوں کو بھیج دوں گا۔

تو لوگوں نے کہا کہ اس میں قرعہ اندازی کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ ابوایوب کافی ضعیف ہوگئے ہیں اور ابی بن کعب ایک مریض آدمی ہیں۔ باقی ہم تین آدمی رہ گئے اور ہم تینوں تیار ہیں۔ ان کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ارشاد فرمایا:

آپ لوگ سب سے پہلے حمص میں جا کر کام شروع کریں۔ اگر اہلِ حمص کی حالت سے آپ مطمئن ہو جائیں تو اپنے میں سے ایک آدمی کو وہاں چھوڑ دیں، ایک آدمی دمشق اور ایک فلسطین چلا جائے۔

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے حکم کے مطابق تینوں حضرات پہلے حمص پہنچے اور اتنی دیر تک حمص میں رہے جتنی دیر تک رہنے کے لیے انہیں حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے حکم دیا تھا، اور پھر وہاں حضرت عبادہ بن صامت رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو چھوڑا۔ پھر حضرت ابودرداء رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے دمشق کی راہ لی اور حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فلسطین چلے گئے۔

وفات

وہاں حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ایک وبائی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آگیا تو انہوں نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلیا۔ اس وقت ان کے ہونٹوں پر یہ مبارک کلمات تھے۔

“مَرْحَبًا بِالْمَوْتِ مَرْحَبًا زَائِرٌ جَاءَ بَعْدَ غِيَابٍ وَحَبِيْبٌ وَفَدَ عَلٰى شَوْقٍ.”

تَرْجَمَہ: “اے موت تیرا آنا مبارک ہے، موت کو خوش آمدید کہتا ہوں، خوش آمدید مہمان لمبی حاضری کے بعد آیا ہے، اور ایک محبوب بڑی تمناؤں کے بعد ملا ہے۔”

پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہوئے فرمایا:

“میرے معبود! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے کبھی دنیا سے محبت نہیں کی، اور نہ ہی یہاں درخت لگانے اور نہریں چلانے کے لیے زیادہ دیر رہنے کو پسند کیا، بل کہ اگر اس کو چاہا تو صرف اس غرض سے کہ گرمیوں کی دوپہر میں بھوک پیاس کی شدت برداشت کروں، کٹھن حالات کی سختیاں برداشت کروں اور ذکر وتعلیم کی مجالس میں علما کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کروں۔ اے اللہ! تو کسی نفس مؤمنہ کی طرح میری جان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے۔

“ثُمَّ فَاضَتْ رُوْحُهُ الطَّاهِرَةُ بَعِيْدًا عَنِ الْأَهْلِ وَالْعَشِيْرِ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ، مُهَاجِرًا فِيْ سَبِيْلِهٖ.”

تَرْجَمَہ: “پھر ان کی روح وطن اور اپنے گھر والوں سے دور دعوت الی اللہ اور ہجرت فی سبیل اللہ کی حالت میں...... جسدِ خاکی کو چھوڑ کر اپنے رب کے حضور پہنچ گئی۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی۔”

فوائد و نصائح

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محنت عالمگیر محنت تھی

ایک بات غور کرنے کی ہے، آپ بھی اس کو سوچیے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے مدینہ منورہ میں، پھر مکہ مکرمہ گئے اسلام قبول کرنے کے لیے، پھر یمن گئے، پھر حمص گئے پھر دمشق گئے، پھر فلسطین گئے، اور تقریباً تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی میں آپ یہ دیکھیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کے حکم کو بلند کرنے کے لیے، اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے لیے جاتے رہے، ایک جگہ زمین پر ٹک کر بیٹھنا اور صرف اپنے دین پر مطمئن ہو جانا، ان کے ہاں نہیں تھا۔

بل کہ سارے عالم کے انسانوں تک دین پہنچانے کا ولولہ و جذبہ ان کے دلوں میں کچھ اس طرح بھرا ہوا تھا کہ وہ ان کو ایک جگہ ٹکنے نہ دیتا تھا، اور اس کا نتیجہ تھا کہ اسلام صرف مکہ اور مدینہ میں رہنے کے بجائے عالم میں پھیلتا گیا، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اِنِّیْ رَأَیْتُ وُقُوْفَ الْمَاءِ یُفْسِدُہٗ اِنْ مَسَاحَ طَابَ وَ اِنْ لَّمْ یَجْرِ لَمْ یَطِبْ“

میں نے یہ بات بہت اچھی طرح دیکھی کہ پانی کا ایک جگہ بند ہو جانا اور ٹھہر جانا اس کو خراب و بدبودار کر دیتا ہے۔ اگر پانی چلتا رہے تو وہ خود بھی پاک و صاف رہتا ہے اور دوسروں کو بھی پاک و صاف کر دیتا ہے، اور اگر وہ جاری نہ ہو تو بدبودار ہو جاتا ہے۔

فیصلہ کیجیے

لہٰذا آج سے یہ فیصلہ کیجیے کہ ہمیں بھی دنیا کے آخری کنارہ تک جہاں بھی کوئی بنی آدم بستا ہے وہاں جا کر دین کی دعوت پہنچانی ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں کو بھی دعوت کے لیے پھرنے پھرانے والا بنانا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جو یہ مبارک سنت تھی کہ دین کو پھیلانے کے لیے گاؤں بہ گاؤں، ملک بہ ملک، اقلیم بہ اقلیم جاتے تھے اور دوسروں کو بھی اس پر تیار کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی موت بھی اللہ کے راستے میں دین کو پھیلاتے ہوئے آئی۔ ہمارا بھی یہی جذبہ ہو کہ ہماری زندگی کی آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے میں لگے دین کو پھیلانا اور دین کی تبلیغ کرنا وقت کی بڑی ضرورت ہے۔ تبلیغ کی

ضرورت و اہمیت پر ادارہ دارالہدیٰ کی کتاب "کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟" بڑی مختصر اور جامع کتاب ہے، ہدایت کی نیت سے اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

دیکھیں مصنف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں "ثُمَّ فَاضَتْ رُوْحُهُ الطَّاهِرَةُ بَعِيْدًا عَنِ الْأَهْلِ وَالْعَشِيْرِ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ مُهَاجِرًا فِيْ سَبِيْلِهٖ" اس جملے میں غور فرمایئے گھر سے دور اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہوئے اللہ کے راستے میں ہجرت کرتے ہوئے، کیسی مبارک موت ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بہت بڑے عالم تھے وہ دنیا سے چلے گئے، لیکن علم اپنا ساتھ لے کر نہیں گئے، وہ بہت سے لوگوں کو اپنے پیچھے علماء بنا کر گئے، اور ہم سب کے لیے مزید راستہ دکھلا کر گئے، اگر ہم بھی سچی محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقصد میں کامیاب فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے ایک شخص حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے، انہوں نے پوچھا۔

"مَا يُبْكِيْكَ؟"

تَرْجَمَہ: "تم کیوں روتے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔

"وَاللّٰهِ مَا اَبْكِيْ لِقَرَابَةٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ وَلَا لِدُنْيَا كُنْتُ أُصِيْبُهَا مِنْكَ، وَلٰكِنْ كُنْتُ أُصِيْبُ مِنْكَ عِلْمًا فَأَخَافُ اَنْ يَكُوْنَ قَدِانْقَطَعَ"

تَرْجَمَہ: "میں اس لیے نہیں روتا کہ آپ کے ساتھ میری کوئی رشتہ داری ہے یا آپ کے انتقال کے بعد مجھے پیسہ کون دے گا؟ بل کہ اس لیے روتا ہوں کہ آپ کے ذریعے مجھے علم مل رہا تھا اس کا اب سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔"

تو فرمایا:

"فَلَا تَبْكِ، فَإِنَّهٗ مَنْ يُرِدِ الْعِلْمَ وَالْإِيْمَانَ يُؤْتِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى"[1]

تَرْجَمَہ: "رومت اس لیے کہ جو شخص علم اور ایمان حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتا ہے۔"

---

[1] حلية الاولياء: ۱/۲۹۷، رقم: ۷۹۱

علم محنت سے آتا ہے

حضرت جنید رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا قول ہے:

”مَا طَلَبَ اَحَدٌ شَيْئًا بِجِدٍّ وَصِدْقٍ إِلَّا نَالَهٗ فَإِنْ لَّمْ يَنَلْهُ كُلَّهٗ نَالَ بَعْضَهٗ“[1]

تَرْجَمَہ: ”جو شخص بھی محنت اور سچی طلب سے کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ چیز اس کو حاصل ہو جائے گی، اگر پوری حاصل نہ ہوئی تو کم از کم کچھ حصہ تو ضرور مل جائے گا۔“

اس لیے علم حاصل کرنے کے لیے سچی طلب پیدا کریں۔ بزرگوں کا قول ہے۔

”لَا يُنَالُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْبَدَنِ“[2]

تَرْجَمَہ: ”علم جسمانی راحت کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔“

کبھی علم کے لیے ناشتے کی قربانی دینی پڑے گی، کبھی بہت ساری جی چاہیوں کی قربانی دینی پڑے گی، ساری خواہشات پر علم حاصل کرنے کو جب ترجیح دی جاتی ہے تب علم حقیقی معنوں میں حاصل ہوتا ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے چند اشعار

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے اشعار ہیں

تَعَلَّمْ فَلَيْسَ الْمَرْءُ يُوْلَدُ عَالِمًا
وَلَيْسَ اَخُوْ عِلْمٍ كَمَنْ هُوَ جَاهِلٌ
وَاِنَّ كَبِيْرَ الْقَوْمِ لَا عِلْمَ عِنْدَهٗ
صَغِيْرٌ اِذَ الْتَفَّتْ عَلَيْهِ الْجَحَافِلُ
وَاِنَّ صَغِيْرَ الْقَوْمِ اِنْ كَانَ عَالِمًا
كَبِيْرٌ اِذَا رُدَّتْ إِلَيْهِ الْمَحَافِلُ[3]

تَرْجَمَہ: ”علم حاصل کرو (علم حاصل کرنے میں شرماؤ مت) اس لیے کوئی بھی ماں کے پیٹ سے عالم بن کر نہیں آتا، اور عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے قوم کا کتنا ہی بڑا سردار ہو اگر اس کے پاس علم نہیں ہے تو وہ درجے میں چھوٹا ہے۔ اور قوم کا کتنا ہی چھوٹے درجے کا آدمی ہو لیکن اس کے

---

[1] ادب الدنیا والدین، ص: ۹۲ [2] جامع بیان العلم

[3] دیوان الشافعی، نقلاً عن ادب الدنیا والدین، ص: ۶۹

پاس علم ہے تو وہ بہت اونچے درجے کا مالک ہے۔"

علم طاقت ہے، ایک عالم میں ایک لاکھ جاہلوں کے برابر طاقت ہوتی ہے۔

علم ایک ایسا پودا ہے جسے دل ودماغ کی سرزمین میں لگانے سے عقل کے پھل لگتے ہیں۔

ہر ایک خیرات کردہ چیز کا اثر اس کی موجودگی تک رہتا ہے لیکن علم کا فیض ہمیشہ ایک کے بعد دوسرے کو پہنچتا ہے۔[1]

طالب علم ہونے کا مطلب

اب ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ ہم علم حاصل کرنے کے لیے کتنی محنت کر رہے ہیں، علم حاصل کرنے کے لیے کن کن چیزوں کی قربانی دے رہے ہیں۔ مثلاً ہم اپنے آپ کو "طالب علم" کہتے ہیں کیا حقیقت میں ہم طالب علم ہیں۔ طالب علم والی صفات ہمارے اندر ہیں......؟

اگر ہم صبح مدرسہ/ اسکول/ کالج دیر سے پہنچتے ہیں۔ ہمیں نیند آجاتی ہے تو گویا ہم طالبِ نوم ہیں، اگر رات ہم سے مطالعہ نہیں ہوتا، کتاب دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں اور فضول وقت ضائع کرنے میں زیادہ مزہ آتا ہے تو ہم طالبِ کلام ہیں طالب علم تو نہیں۔ طالب علم کے لئے مطالعہ انتہائی ضروری ہے اور ہر طالب علم میں مطالعے کا ذوق ہونا چاہیے، مطالعے کی طرف رغبت دلانے کے لیے ادارہ دارالہدیٰ کی کتاب "مطالعہ کی اہمیت" بڑی مفید کتاب ہے، ہدایت کی نیت سے اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

اگر ہمیں چھٹی کرنے کا زیادہ شوق ہے، ہوٹلوں میں جاکر اور کینٹین میں بیٹھ کر گھنٹوں گھنٹوں وقت ضائع کرنے کا شوق ہے تو ہم طالبِ طعام ہوئے طالب علم تو نہیں......؟

اب آج سے صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیے کہ اے اللہ! ہمیں سچا طالب علم بنادے اور علم نافع نصیب فرما، اور آج سے فیصلہ کر لیجیے کبھی مدرسہ اسکول دیر سے نہیں جاؤں گا۔ چھٹی نہیں کروں گا، استاد کی اور والدین کی بے ادبی سے بچوں گا، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ارادے پر ثابت قدم فرمائے، آپ کی مدد فرمائے اور شیطان اور برے دوستوں کی دوستی سے بچائے۔ کامیاب طالب علم بننے کے لیے ادارہ دارالہدیٰ کی کتاب "کامیاب طالب علم" کا ہدایت کی نیت سے ضرور مطالعہ کریں۔

---

[1] مخزن اخلاق: صفحہ ۴۷۵، ۴۷۶

اور آپ سے یہ بھی گزارش ہے کہ کتاب ''مثالی طالب علم'' کا ہدایت کی نیت سے ضرور مطالعہ فرمائیں یہ کتاب ان شاء اللّٰہ تعالیٰ عن قریب چھپ جائے گی، کسی بھی معیاری کتابوں کی دکان سے لے لیجیے گا، ورنہ خط لکھ کر ہم سے منگوا لیجیے گا۔ اچھا اب آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اور اس کتاب کے مصنف دکتور عبدالرحمٰن رافت الباشا کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ انہوں نے بڑی محنت سے کئی کتابوں کا مطالعہ فرما کر بہترین ادبی عربی زبان میں اس کو لکھا ہے، اسی طرح ہم سے پہلے اس کتاب کے ترجمہ کرنے والے دو بزرگ حضرت مولانا محمد احمد غضنفر اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

مُذاکرہ

سُوال: رسول اقدس ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کس وجہ سے یمن بھیجا؟

سُوال: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو صدقہ اور زکوۃ کی رقم کی وصولی اور غربا میں اس کی تقسیم کے لیے کس علاقے میں بھیجا؟

سُوال: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ملک شام کے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے جن پانچ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ کو بھیجا ان کے نام کیا ہیں؟

سُوال: حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا انتقال کس ملک میں ہوا؟

◆

ماخذ و مراجع

اسماء الکتب	اسماء المصنّفین
انساب الاشراف	(علامہ بلاذریؒ)
اعلام النساء	(کحالہ)
اخبار القضاۃ	(امام وکیعؒ)
القصص الاسلامیہ فی عہد النبویہ	(شیخ احمد حافظ)
المستطرف	(شیخ احمد بن منصور الابشیہی)
البیان والتبیین	(امام جاحظؒ)
الصدیق	(شیخ حسین ہیکل)
المعارف	(علامہ ابن قتیبہؒ)
المعمرون	(امام ابوحاتم سجستانیؒ)
القادسیہ	(شیخ محمد احمد باشمیل)
الکواکب الدریہ	(شیخ محمد ابن سعید صحاجی بوصیریؒ)
الاستیعاب	(حافظ ابن عبدالبرؒ)
الملل والنحل	(علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ)
الدّرر فی اختصار المغازی والسیر	(حافظ ابن عبدالبرؒ)
النجوم الزاہرہ	(شیخ ابن تغری بردیؒ)
الاصابہ فی تمییز الصحابہ	(حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)
اسد الغابہ	(حافظ ابن اثیرؒ)
البدایہ والنہایہ فی عہد النبوۃ	(نشار)
امتاع الاسماع	(علامہ مقریزیؒ)
المحبر فی التاریخ	(شیخ محمد بن حبیبؒ)
الطبقات الکبریٰ	(علامہ ابن سعدؒ)
الکامل فی التاریخ	(حافظ ابن اثیرؒ)
الشعر والشعراء	(شیخ ابن قتیبہؒ)
الاعلام و مراجعہ	(علامہ زرکلیؒ)
الجرح والتعدیل	(امام ابن ابی حاتم رازیؒ)
العبر	(حافظ شمس الدین بن محمد ذہبیؒ)

الجمع بین رجال الصحیحین.......................(شیخ محمد بن طاهر المقدسیؒ)
البدء والتاریخ.......................(شیخ ابو زید احمد بن سهل بلخیؒ)
اشهر مشاهیر الاسلام.......................
الریاض النضره.......................(شیخ محب الدین طبریؒ)
الاغانی.......................(امام ابوالفرج الاصفهانیؒ)
التاریخ الکبیر.......................(امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ)
ابوهریرة من سلسلة اعلام العرب.......................(شیخ محمد عجاج خطیبؒ)
الزهد.......................(امام احمد بن حنبلؒ)
اصحاب بدر.......................(شیخ حسینؒ)
السیرة النبویه.......................(علامه ابن هشامؒ)
صحیح بخاری.......................(امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ)
تهذیب التهذیب.......................(حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)
تهذیب.......................(حافظ ابن عساکرؒ)
تاریخ الاسلام.......................(حافظ ذهبیؒ)
تاریخ الطبری.......................(علامه ابن جریر طبریؒ)
تقریب التهذیب.......................(حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)
تجرید اسماء الصحابه.......................(حافظ ذهبیؒ)
تاریخ الخمیس.......................(شیخ الدیاربکریؒ)
تذکرة الحفاظ.......................(حافظ ذهبیؒ)
تاریخ الامم والملوك.......................(علامه ابن جریر طبریؒ)
تاریخ خلیفه ابن خیاط.......................(شیخ العصفریؒ)
تحفة الاحوذی.......................(شیخ عبید اللّٰه رحمانی مبارك پوریؒ)
تاریخ الخلفاء.......................(حافظ جلال الدین سیوطیؒ)
تهذیب الاسماء واللغات.......................(امام شرف الدین نوویؒ)
تاج العروس من جواهر القاموس.......................(شیخ مرتضٰی زبیدیؒ)
تاریخ دمشق.......................(حافظ ابن عساکرؒ)
ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب.......................(امام ثعالبیؒ)
جمهرة النساب العرب.......................(علامه ابن حزمؒ)
جمهرة الاولیاء.......................
جامع الاصول من احادیث الرسول.......................(علامه ابن الاثیرؒ)
حماة الاسلام.......................(شیخ مجد الدینؒ)

حلیة الاولیاء .... (حافظ ابو نعیم الاصفہانیؒ)
حیاة الصحابہ........................ (شیخ محمد یوسف کاندھلویؒ)
حسن الصحابہ ....
خلاصة تذھیب تھذیب الکمال ....
خزانة الادب .... (شیخ بغدادیؒ)
دیوان حسان بن ثابت و شروحہ .... (شیخ عبدالرحمن برقوتیؒ)
دائرة المعارف الاسلامیہ........................ (شیخ فرید وجدیؒ)
دول الاسلام........................(حافظ ذہبیؒ)
ذیل تاریخ الطبری........................
ذیل المذیل........................ (علامہ طبریؒ)
رغبة الآمل فی شرح الکامل ....
رجال حول الرسول........................ (شیخ خالد محمد خالد)
سیر اعلام النبلاء........................(حافظ شمس الدین ذہبیؒ)
سیرة بطل ....(شیخ محمد زیدان)
سلسلہ اعلام المسلمین........................
سمط اللآلی .... (شیخ محمد قویسم بن علی التونسیؒ)
سعد بن ابی وقاص و ابطال قادسیہ .... (شیخ سجارؒ)
شہداء الاسلام فی عہد النبوة ....(شیخ نشارؒ)
شذرات الذھب .... (شیخ ابو الفلاح عبدالحی حنبلیؒ)
شرح الفیہ ....(علامہ عراقیؒ)
صفوة الصفوہ .... (علامہ ابن الجوزیؒ)
طبقات علماء افریقیہ و تونس ....
طبقات فحول الشعراء........................(شیخ محمد بن سلام الجمحیؒ)
طبقات........................(علامہ شعرانیؒ)
طبقات........................ (علامہ ابن سعدؒ)
طبقات فقہاء الیمن .... (شیخ ابن سمرہ الجعدیؒ)
عبداللہ بن زبیر من سلسلة اعلام العرب .... (ڈاکٹر علی خربوطلی)
غایة النہایہ .... (حافظ محمد بن محمد الجوزیؒ)
فتوح مصر و اخبارھا ....(شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالحکیمؒ)
فتح الباری .... (حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)
فتح البلدان ....(علامہ بلاذریؒ)

قلائد الجمان فی التعریف بقبائل الزمان............................(علامہ قلقشندیؒ)

قادۃ فتح فارس............................(شیخ محمد شیث خطابؒ)

قادۃ فتح العراق والجزیرہ............................(شیخ محمد شیث خطابؒ)

کنزالعمال............................ (شیخ علی متقیؒ)

مرآۃ الجنان............................(علامہ یافعیؒ)

من ابطالنا الذین صنعوا التاریخ............................(شیخ ابوالفتوح التوانسیؒ)

محاضرات الادباء............................(علامہ راغب اصفہانیؒ)

مروج الذھب............................ (شیخ المسعودیؒ)

مجمع الزوائد............................(حافظ ابوبکر الھیثمیؒ)

مسند ابی داؤد............................ (امام ابوداؤد سجستانیؒ)

مختصر تاریخ دمش............................

مجموعۃ الوثائق السیاسیہ............................(ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ)

معجم البلدان............................(علامہ یاقوت حمویؒ)

مسلم............................ (امام مسلم نیشاپوریؒ)

معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار............................(شیخ تحقیق محمد جاد الحقؒ)

مع الرعیل الاول............................ (شیخ محب اللہ بن خطیبؒ)

نسب قریش............................(شیخ زبیریؒ)

نہایۃ الادب............................(علامہ احمد بن علی القلقشندیؒ)

وفیات الاعیان............................(علامہ ابن خلکانؒ)